ماہنامہ آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل

ماہنامہ

حجاب کراچی

PDF

JANUARY 2018

ان تمام ویب سائٹس، بلاگ کے مالکان اور سوشل میڈیا پر گروپس و پیجز کے مالکان و ایڈمنز کو مطلع کیا جاتا ہے کہ دس دن کے اندر اندر آنچل و حجاب اور نئے افق کی تمام تحاریر اپنے ویب سائٹس، پیجز اور گروپس سے ہٹالیں ورنہ ادارہ نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز ان تمام گروپس اور ویب سائٹس، پیجز کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنے کا نا صرف حق رکھتا ہے بلکہ مطلوبہ نوٹس کے بعد ان ویب سائٹس کے خلاف دی گئی مدت کے بعد ایف آئی اے، سائبر کرائم اور کاپی رائٹس کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کی جاسکتی ہے جس کے لیے ادارہ ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جن ویب سائٹس کو پیشگی اجازت دی گئی تھی ان سے التماس ہے کہ وہ فوری ادارے سے رابطہ کریں تاکہ نئے قواعد وضوابط سے آگاہی حاصل کرسکیں۔

7 فرید چیمبر عبداللہ ہارون روڈ، صدر کراچی

رابطہ: 03008264242

جنوری 2018ء کے شمارے کی ایک جھلک

تیری زلف کے سر ہونے تک	اقرأ صغیر احمد کا سلسلے وار ناول
شب ہجر کی پہلی بارش	نازیہ کنول نازی کا سلسلے وار ناول
جنون سے عشق تک	سمیرا شریف طور کا مکمل ناول
وہ ایک پل	ام ایمان قاضی کا مکمل ناول
آؤ پھول چنیں	صدف ریحان گیلانی کا مکمل ناول

یاسمین نشاط، صدف آصف، خدیجہ جلال، قرۃ العین سکندر، نادیہ فاطمہ رضوی
راشدہ رفعت، حیاء بخاری، مادر اطلحہ، کشور سلطانہ کی تحریریں

مستقل سلسلوں میں پڑھیے

آپ کی صحت، ڈش مقابلہ، بیوٹی گائیڈ، غزلیں
نظمیں، بیاض دل، دوست کے پیغام آئے ودیگر

women.magazine
womenmagazine
aanchalpk.com

ماہنامہ حجاب کراچی

جلد	03
شمارہ	03
جنوری	2018

infohijab@aanchal.com.pk

aanchalpk.com

اس شمارے میں

ابتدائیہ

ذکر اس پری وش کا

رخ سخن

ملاقات

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی۔ دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

Health

دنیا کا سب سے مہنگا زہر جس کی قیمت اربوں روپے میں ہے | World's Most Expensive Poison

computerxtech　0　Oct 03, 2017

اس ایک لیٹر زہر کی قیمت تقریباً ایک ارب 10 کروڑ پاکستانی روپوں کے مساوی ہے۔(World's Most Expensive Poisonدنیا کا سب سے مہنگا زہر بچھوؤں کی ایک قسم "ل... Readmore

---

Health

بوڑھوں کو جوان بنانے والی سائنس | Old to Young Conversion Science

computerxtech　0　Sep 11, 2017

انسان کے جسم میں خلیوں کی دو سو سے زائد اقسام پائی جاتی ہیں۔ فوٹو : فائلپچھلے سال 20... Readmore

---

Health

صحت کے معاملے میں خواتین کی 10 سنگین غلطیاں | Ten Health Mistakes by the Women

computerxtech　0　Sep 11, 2017

خوبصورت نظر آنے کے لیے خواتین دنیا بھر کے جتن کرتی ہیں لیکن اکثر کو شکایت رہتی ہے کہ انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ فوٹو، فائلکراچی: اچھی صحت اور خ... Readmore

---

Health

ایسپرین دانتوں کو خرابی سے روک کر انہیں ازخود مرمت کے قابل بناتی ہے | Dental Treatment with Aspirin

computerxtech　0　Sep 11, 2017

کولنزیونیورسٹی کے سائنسدانوں نے انکشاف کیا ہے کہ ایسپرین دانتوں کی حفاظت کرتی ہے۔ فوٹو: فائل لندن: سائنسدانوں نے انکشاف کیا ہے کہ گھروں میں ... Readmore

---
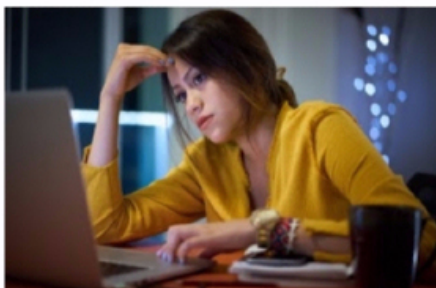
Health News

فکر اور پریشانی سے نجات پانے کے تین آسان طریقے | Three easy ways to eliminate Tension

computerxtech　0　Sep 03, 2017

ماہرین نفسیات نے پریشان خیالی سے چھٹکارا پانے کے تین اہم طریقے بیان کئے ہیں۔ فوٹو: فائل لادن: ماہر نفسیات کے مطابق پریشان اور فکرمندی کی س... Readmore

---

Health News

ادرک جوڑوں کے درد کے لیے اکسیر دوا | Benefits of Ginger

computerxtech　0　Sep 03, 2017

ادرک میں کئی اجزا جلن، درد اور سوزش کو کم کرتے ہیں۔ فوٹو: فائلکراچی: ادرک کے جسمانی و طبی فوائد سے ہم سب بخوبی واقف ہیں اور اب ماہرین نے اس کے اس... Readmore

Interesting News

بچت کرنے کے 7 طریقے | Seven Methods of Savings

computerxtech 0 Oct 13, 2017

پیسہ خرچ کرنا جتنا ضروری ہے، پیسے بچانا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ یہ بچی ہوئی رقم مستقبل میں کسی آڑے وقت میں کام آ سکتی ہے۔ روز بروز بڑھتی مہنگائی ... Readmore

Interesting News

دنیا کے خطرناک روڈ | World's Most Dangerous Roads

computerxtech 0 Oct 02, 2017

دنیا بھر کے خطرناک ترین روڈ میں ایسی گزرگاہیں شامل ہیں جو اپنی تعمیر، محل وقوع، اونچائی، طوالت اور موسم کی وجہ سے عام سڑکوں کی نسبت مختلف ہیں دنیا بھر... Readmore

Interesting News

عرب امارات کے حکمران کروڑوں ڈالر خرچ کرکے زمین پر مریخ بنائیں گے

computerxtech 0 Oct 01, 2017

امارات کی حکومت نے اگلے 100 سال میں مریخ پر انسانی آبادی بسانے کے منصوبے کا افتتاح کردیا۔ فوٹو: حکومتِ بیٹیدبئی؛ متحدہ عرب امارات کے حکمران 15 ک... Readmore

Interesting News

کیا آپ مریخ پر جانا چاہتے ہیں ؟

computerxtech 0 Oct 01, 2017

مریخ ایک ایسا سیارہ ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ پانی کی موجودگی ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرخ سیارہ انسان کی دلچسپی کا سبب بن چکا ہے فوٹو: فائلانسان چاند پر... Readmore

Interesting News

مریخ کے بارے میں 11 حیرت انگیز معلومات

computerxtech 0 Oct 01, 2017

خلائی کھوجیوں کی بڑی تعداد مریخ پر پہنچی گئی ہے اور امید ہے کہ اگر زمین کے علاوہ زندگی اسی سیارے پر ممکن ہے۔ فوٹو، فائلکراچی: زمین کے بعد مریخ عا... Readmore

Interesting News

اے ٹی ایم استعمال کرنے والے اسے ضرور پڑھیں اور فراڈ سے بچیں

computerxtech 0 Sep 24, 2017

سائبر لٹیرے اے ٹی ایم میں تبدیلی کرکے بھی آپ کو قیمتی سرمائے سے محروم کرسکتے ہیں۔ (فوٹو: فائل)کراچی: پورے ملک میں نقد رقم نکلوانے کے لیے آٹو ٹیل... Readmore

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

جنوری ۲۰۱۸ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

تمام بہنوں کو عیسوی سال مبارک ہو' زندگی میں آگے بڑھتے ہوئے اگر ہم پیچھے مڑ کر ایک نظر دیکھ لیں تو اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں سے آئندہ کی زندگی میں سدھار لا کر کامیابی حاصل کرسکتے ہیں مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے' غالباً اس لیے کہ ہم خود کو ہر برائی سے بری الذمہ سمجھتے ہیں کہ انجانے میں بھی ہم سے کوئی غلطی نہیں ہوسکتی اور یہ ہی ہماری بھول ہے جو ہمیں پلٹ کر نہیں دیکھنے دیتی' تو ایسے میں ہر وقت توبہ تو کر ہی سکتے ہیں نجانے کس بات پر پکڑ ہو اور جانے کون سی نیکی کام آ جائے اگر یہ ہی کام ہم نئے سال میں انجام دیں تو کیا برا ہے اب اتنا تو کر ہی سکتے ہیں کہ اللہ سے معافی کی امید لگا کر ان لوگوں کو معاف کردیں جن کی بات کبھی ہمیں گراں گزری ہو یا کسی نے ہمیں کوئی دکھ و تکلیف پہنچائی ہو۔

آپ سب کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جو ہمارے ساتھ مل کر آنچل و حجاب کو ترقی کی راہ پر گامزن کررہے ہیں اور اس میں ہماری مصنفین کا مسلسل تعاون بھی شامل ہے جو ہر ماہ تحریر ارسال کرکے باری آنے کا انتظار کررہی ہوتی ہیں' کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ کسی کو شکایت کا موقع نا دیں لیکن انسان ہیں سو چوک جاتے ہیں اور پھر ناراضگی بھی جھیلنی پڑتی ہے' اب کیا کریں کس کو خوش کریں کس کو ناخوش بے شک انتظار کے لمحات بہت جاں گسل ہوتے ہیں لیکن صبر کا پھل بھی میٹھا ہوتا ہے۔

اب کچھ مصنفین کو یہ بھی شکایت ہے کہ ایک ہی نام بار بار آنچل و حجاب میں دیکھنے کو مل رہے ہیں اب اگر قارئین ان کی تحریریں پسند کرنے کے ساتھ بار بار پڑھنا چاہتے ہیں تو اس میں ہم کیا کرسکتے ہیں آپ بھی اگر ان کی تحریروں کا مطالعہ کریں تو بجائے شکایت کے انہیں حوصلہ افزائی ہی کریں گی میں کسی کی دل شکنی نہیں کررہی اور نہ کسی کا ساتھ دے رہی ہوں میرے لیے سب برابر ہیں۔ اس نئے سال میں اللہ سبحان وتعالیٰ ملک پاکستان کو اپنی حفاظت میں رکھے' ترقی کی طرف گامزن کرے اور ہر مسلمان بہن و بھائی کی پریشانی دور فرمائے' آمین۔ اس کے ساتھ بڑھتے ہیں اس ماہ کے ستاروں کی جانب۔

آیئے اب چلتے ہیں اس ماہ کے ستاروں کی جانب:۔

نزہت جبین ضیاء، صباحت رفیق چیمہ، نگہت غفار، کرن نعمان، آسیہ مظہر چوہدری، صباء ایشل، سمیہ عثمان، حنا بشریٰ، نظیر فاطمہ، فرح بھٹو، حیا بخاری، سمیرا غزل صدیقی، سنبل خان بٹ، یمنیٰ اختر۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

حمد

اُسی کا حکم جاری ہے زمینوں آسمانوں میں
اور اس کے درمیاں جو ہیں مکینوں اور مکانوں میں
ہوا چلتی ہے باغوں میں تو اس کی یاد آتی ہے
ستارے چاند سورج ہیں سبھی اس کے نشانوں میں
اسی کے دم سے طے ہوتی ہے منزل خوابِ ہستی کی
وہ نام اک حرف نورانی ہے ظلمت کے جہانوں میں
اُس کے پاس اَسرار جہاں کا علم ہے سارا
وہی برپا کرے گا حشر آخر کے زمانوں میں
وہ کرسکتا ہے جو چاہے وہ ہر اک شے پہ قادر ہے
وہ سن سکتا ہے رازوں کو جو ہیں دل کے خزانوں میں
بچا لیتا ہے اپنے دوستوں کو خوف باطل سے
بدل دیتا ہے شعلوں کو مہکتے گلستانوں میں
منیر اس حمد سے رتبہ عجب حاصل ہوا تجھ کو
نظیر اس کی ملے شاید پرانی داستانوں میں

منیر احمد نیازی

نعت

کونین کے گوشے گوشے میں چھائی ہوئی رحمت ہوتی ہے
محبوب خدا کی دنیا میں جب عید ولادت ہوتی ہے
اس جان بہار کی آمد سے ہر ایک روش ہر گلشن میں
کھلتے ہیں شگوفے رحمت کے انوار کی کثرت ہوتی ہے
تخلیق میں پہلے نور ان کا آخر میں ہوا بے ظہور ان کا
تکوین جہاں ہے ان کے لیے ختم ان پہ نبوت ہوتی ہے
میثاق کے دن سب نبیوں سے اقرار لیا تھا ان کے لیے
اب آتے ہیں وہ سردار رُسل اب ان کی ولادت ہوتی ہے
اقصیٰ میں جماعت نبیوں کی دیکھی تو فرشتے بول اٹھے
کیا خوب جماعت ہوتی ہے کیا خوب امامت ہوتی ہے
تھے جن و بشر حور غلماں استادہ پئے تعظیم نبی ﷺ
کیوں لوگ قیام کے منکر ہیں کیا ان پہ قیامت ہوتی ہے
تعظیم کا منکر شیطاں تھا وہ دیو لعیں مردود ہوا
توقیر نبی جو کرتے نہیں خوار ان کی جماعت ہوتی ہے
تحمید خدا توصیف نبی تسبیح و ثنا تعظیم نبی
میلاد نبی کی ہر محفل عنوان عبادت ہوتی ہے

شاہ ضیاء القادری بدایونی

گل مینا خان

سلام الفت، جی تو ما بدولت کو حسینہ کہتے ہیں ہمارا نام رکھنے کا شرف ہماری پردادی جان کو حاصل تھا ویسے آئے دن ہمارے نئے نئے نام ایجاد ہوتے رہتے ہیں جو ہم آپ کو بتا کر ہرگز ہرگز شرمندگی میں نہیں ڈوبنا چاہتے پیار سے ہمیں حسینہ کہتے ہیں اور غصے میں حسینہ کی بجائے ہنسی نا پکارا جاتا ہے جسے سننے والا یہ سمجھتا ہے کہ ہنسنا نہیں ہمارا بھتیجا ہمیں اپشنا پھوپو کہتا ہے (حسینہ نام مشکل ہے ناں اس کی نظر میں) خیر ہمارا بھتیجا بھی نرالا ہے ہم نے سنا تھا بھتیجے اپنی پھوپو سے کہانیاں سنتے ہیں ہمارا بھتیجا ہمیں سناتا ہے جب آنکھوں کی روشن کرنیں نیند کی وادی میں ڈوب جاتی ہیں، ہمارا بھتیجا آنکھوں میں خفگی کا عنصر لیے اور لبوں پر یہی تکرار لیے ہماری پلکیں کھینچ کر آنکھوں میں جھانکتا ہے سوگئی پھوپو کہانی شنو نا کہانی بھی نرالی، ایک چڑیا آئی دوسری چڑیا آئی دانہ لائی جہاں تک گنتی آتی ہے اتنی چڑیاں آتی رہتی ہیں ہمارا بھانجا ہمیں نیناں کہتا ہے (ابھی نئی نئی بولی ہے ناں اس کی) نیناں سے اپنے مدرسے کی مانیٹر یاد آجاتی ہے اس کا نام بھی نیناں تھا مدرسے کی باجی نے مجھے اس کے گروپ میں شامل کردیا مانیٹر صاحبہ ہمیں سبق پڑھا رہی ہوتی خاص کر مجھے جھانپڑ رسید کرنا نہ بھولتی، چلو "ح" کو حلق سے نکالو نیناں صاحبہ کے ڈر کی وجہ سے "ح" کو اتنا حلق سے نکالنے کی عادت پڑ گئی بچپن میں جب کوئی ہم سے ہمارا نام پوچھتا تو ہم "حا" سینہ ہی بولتے "ح" حلق سے برآمد ہوتا تو سینہ کو بریک لگ جاتی جسے سننے والے کے لبوں پر مسکراہٹ عود کرآتی اور پھر حیرت سے معدوم ہوجاتی اور جب ہماری اول پوزیشن آتی نیناں صاحبہ باجی سے یہ کہہ کر کریڈٹ وصول کرتی کہ یہ تو میرے گروپ کی ہے اسے میں نے پڑھایا ہے خدا جانے پڑھائی تھی یا ڈرائی تھی واللہ ہمیں غلط مت سمجھیے گا ہم تو اس بات کے مصداق چلتے ہیں کہ ظالم بھول جاتا ہے مگر ظلم یاد رہتا ہے چلیں آپ کو اپنی پسند نا پسند سے آگاہ کردوں، مجھے پالک، میتھی، بھتوا (قطف، سرمق) چورائی، کلفا، کرم کا ساگ اور سرسوں کا ساگ یہ ساری سبزیاں مجھے پسند نہیں کیونکہ ان ساگ میں مجھے ذائقے کا راگ نہیں ملتا ہاں البتہ مجھے ہر وہ چیز پسند ہے جس میں قیمہ شامل ہو، لباس میں خیر کیا بتاؤں سارے رنگ ہی جیسے میرے لیے بنے ہیں مجھے ڈر لگتا ہے دادی جان کے غصے سے اور چھوٹے بھیا کے پیار سے کیونکہ وہ پیار میں بھی ایسی ناک دباتے ہیں کہ تین دن تک ناک چپکی رہتی ہے اور پھر آپ کو تو پتا ہی ہے ناکتنا دشوار ہوتا ہے منہ کے رستے سانس لینا میری خواہش ہے ساری کنجوس فرینڈز کے پیچھے کتے لگا کر تماشا دیکھنا (کہیں کوئی کنجوس سن تو نہیں رہی) میری عظیم اور خاص خواہش ہے کہ اللہ مجھے اپنے گھر کی زیارت اور اس پاک اور مقدس جگہ کا دیدار کرادے ارے مجھے کیا تمام مسلمانوں کو حج و عمرہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ اور جس دل میں مکہ اور مدینہ کا عشق شوق وسچائی کے ساتھ اتر جائے وہ دل بھی قیمتی اور خوشبودار ہوجاتا ہے ہائے اللہ یہ کیا گفت وشنید جاری ہے (لو جی کزن صاحبہ کی آمد ہو اور ان کے حلق سے ہائے اللہ برآمد نہ ہو یہ تو گویا ایسے ہے جیسے رات ہو اور اندھیرا نہ ہو) ارے بھابی آپ کی نند نے کیا لکھا ہے محترمہ کی خوبی ہے دوسروں کا احساس کرنا اور خالی دوسروں پر جلد اعتبار کر کے دھوکہ کھانا (ان کا پڑھنا بھی از حد ضروری تھا) کزن صاحبہ رقص کرتے ہوئے اپنی بے سری صدا فضا میں بکھیر رہی تھی اور ہم مسکین شکل بنائے اس وقت کو کوس رہے تھے جب ہم نے بذات خود انہیں اپنا تعارف پڑھنے کے لیے کہا تھا۔ (اب کیا ہوسکتا ہے آپ بھی ان کی کارروائیوں کے بہاؤ کو ملاحظہ کریں ہم بھی کررہے ہیں) بھابی بھی کزن کے ہم قدم ہو کر لتاڑنے لگیں ارے حق اور سچ لکھو کہ میری خامی ہے دوسروں کو "ہاؤ" کر کے ڈرانا اور پھر جوتیاں کھانا آئینے میں کھڑی ہو کر خود کو ہر زاویے سے دیکھنا اور ڈائیلاگ بولنا بس کریں بھابی ورنہ میں نے ہاتھ اٹھا کر بھابی کو وارننگ دی مبادا کوئی اور سچ کزن صاحبہ کے سامنے نہ اگل دے خیر اب میں خامیوں کا مجموعہ ہی نہیں ہوں اگر میں بھابی لوگوں کے مظالم اور اپنی مظلومیت پر ایک پیراگراف لکھوں تو مجھے پتا ہے آپ کی اشک شوئی سے پاکستان میں سیلاب آجائے گا اور میں بھابی کی ذات گرامی آئی مین بھابی نامہ سناؤں تو مجھے یہ خدشہ لاحق ہے امی کی نازک طبیعت پر گراں گزرے گا اور مجھے اپنی درگت بھی نہیں بنوانی

اور ہاں ایک بات تو میں بتانا ہی بھول گئی ایک بار میں ڈرم کی دھلائی کر رہی تھی چھوٹے بھائی نے فرمایا ڈرم کو اندر بیٹھ کر دھوتے ہیں اس کی بات پر اعتبار کر کے میں اندر بیٹھ کر دھونے لگی بھائی نے ڈرم کا ڈھکن نیچے کر کے پیچھے سے وہ کک لگائی کہ جسم و جان کے سارے کل پرزے ٹھکانے پر آ گئے اب آپ بتائیں کہ میں نے غلط کیا ہے دوسروں پر جلد اعتبار کر لیتی ہوں اور پھر دھوکہ ملتا ہے میرے خیال میں آپ بور ہو رہے ہیں چلیں اپنی بوریت کا بوریا بستر سمیٹ کر ہماری آگے کی کہانی سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہو جائیں لو جی اپنوں کی نوک جھونک اور دن رات کی آنکھ مچولی سے کھیلتے کھیلتے پھر نئے سال کی پہلی خوش گوار صبح، سنہری کرنوں، خوشبو سے مہکتے رنگوں سے چمکتے اور محبتوں سے جگمگاتے دن کو ہماری پر رونق زندگی کو مزید پر رونق بنانے کے لیے ایک دلکش و خوب صورت ہیرو کی انٹری ہوئی ہیرو کی سچی اور پیاری باتوں کی ٹھنڈک سے جسم و جاں سے سیراب ہوتے تو اس کی مسکراہٹوں سے دماغ کے باغیچے میں گلاب جلوہ افروز ہونے لگتے پھر تو جیسے اس ہیرو سے محبت سی ہوگئی انتظار یار میں بے قراریوں نے من میں ہلچل کر دی۔ اپنے ہیرو کا ذکر کر کے آپ کے بے صبرے پن کو چھو منتر سے فضا میں تحلیل کرتے ہیں وہ ہیرو ہے حجاب جی ہاں جس ہیرو کا ہمارے خیالوں میں خوابوں میں، یادوں میں اور باتوں میں بسیرا ہے وہ حجاب ہی ہے جس طرح طائر ہوا میں پھول بہار میں ایسے ہی ہم بھی حجاب آتے ہی اس کے پیار سے مست ہو کر اس کی رنگینیوں میں کھو جاتے ہیں ہم جو دنیا کے رنگ، موسم کے رنگ، رسم و رواج کے رنگ، لوگوں کے رویوں و مزاج کے رنگ اعتبار و خلوص کے رنگ اور پیار و محبت کے رنگ سمجھنے سے قاصر تھے حجاب نے ہمیں ان رنگوں سے آشنا کراتے اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے حجاب کی رنگارنگ دنیا میں رنگ برنگی تحریروں نے تو مانو دماغ کے زنگ کو روشن رنگ میں بدل دیا ہے زندگی رنگوں کے بغیر روکھی پھیکی ہوتی ہے ہماری زندگی کے رنگوں میں ایک خوشنما رنگ حجاب ہے۔ آنچل اوڑھنا مسلم عورتوں کی شان اور پہچان ہے پلیز اسے سر سے مت سرکنے دیں کیونکہ یہ علم و ادب کا وہ نور ہے جسے اوڑھنے سے آپ کا چہرہ نورانی اور من اجلا و شفاف ہو جائے گا اور آپ خود اپنے اطراف پھیلے اس نور کو حیرانگی سے دیکھیں گے (آزمائیں) آپا سعیدہ نثار کے سروے کے سوالات پڑھ کر ذہن کے دریچوں میں سوچ کے در وا ہوتے ہیں ایک امید پیدا ہوتی ہے نئے جذبے جنم لیتے ہیں عروج و زوال پر اپنی باتوں پر اپنے اطراف میں غور کرتے ہیں اپنے فیصلوں پر نظر ثانی کرتے ہیں سچ میں سعیدہ آپا آپ کے سوال تخیل کی دنیا میں تماشا برپا کرتے ہیں اور ہم قارئین کچھ لمحے تو سوچتے ضرور ہیں اور نئے سال کی تقریب (سروے) کا انعقاد ہوا تو ہمیں اسپیشلی مجھے ضرور مدعو کیجیے گا آخر کو میرا اور میرے ہیرو (حجاب) کا ملن بھی نئے سال کی آمد پر ہوا تھا دعا ہے نئے سال کی روشن سحر تمام امت مسلمہ کے لیے خوشیوں کا پیغام لے کر روشن ہو آمین۔ اسے کہنا کہ

اک تیرے دیدار سے کھل اٹھتا ہے من جناب کا
سب خوش ہیں اس نگری سے جوڑ خوب سجتا ہے آنچل و حجاب کا۔

ثمرانہ افضل مانو

میاؤں میاؤں...... میں آؤں میں آؤں ارے ارے دودھ تو رکھتی جاؤ میں دودھ پینے والی بلی نہیں بلکہ میں تو اپنے ماموں کی مانو ہوں جو صرف چائے پیتی ہے کیا میں کون ہوں پہچانا نہیں میں ثمرانہ افضل ہوں ملتان میں رہتی ہوں اور ملتانی سوہن حلوے کی طرح سویٹ بھی ہوں آہم، میں امی ابو کی اکلوتی بڑی بیٹی ہوں اور ماموؤں کی اکلوتی بھانجی پہلوٹی کی اولاد ہونے کے ناطے خوب پیار سمیٹا پر ہائے ری قسمت میرے پیچھے آ گئے میرے دو بھائی اور ماموؤں کے بچے میں خاندان کی پہلی لڑکی ہوں جس نے میٹرک پاس کیا جو پہلے تھیں سب نے 3 سے 5 تک پڑھا اور اب کر رہی ہیں اپنے اپنے گھروں میں تین پانچ (باجیوں برا نہ منانا) کچھ باتیں میرے دونوں گھروں میں مشترک ہیں مطلب میں اکلوتی امی بھی اکلوتی دادی حلیمہ کے 5 بیٹے اور نانی حلیمہ کے 5 بیٹے بچپن میں میں دونوں کو خوب تنگ کرتی کہ حلیمہ میں تیرے پنج پتراں تو صدقے پھر جناب ان کا ہاتھ جوتے کی طرف اور ہم بھاگتے چھپنے کے لیے کونا تلاشنے میرے دادا، دادی مجھ پر جان نچھاور کرتے تھے اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے اور میں بالکل اکیلی ہوگئی باقی سب بھی پیار کرتے ہیں لیکن میں ان کو بہت یاد کرتی ہوں میں اپنی دادی کی ہیر تھی باقی سب بھی بہت پیار کرتے ہیں مجھے ماموں کے گھر رہنا بہت اچھا لگتا ہے کیونکہ وہاں میری جان طاہرہ منور ہے سائرہ ملور، صبا اور عثمان اف

اتنے لمبے ہیں جیسے چلتے پھرتے کھمبے بات ہو خوبیوں کی تو میں ہر روپ میں ڈھل جاؤں، (آہم) کھانے میں مجھے پلاؤ، کسٹرڈ اور آئسکریم پسند ہے میری صبح اللہ کے ذکر اور امی کے ہاتھ کی چائے سے ہوتی ہے۔ میں نے حجاب پڑھا پھر اتنا نشہ چڑھا جو کبھی اترا نہیں خود سے کبھی نہیں خریدا کیونکہ طاہرہ تو دیوانی ہے حجاب کی اگر وہ میری ہوسکتی ہے تو اس کا آنچل اور حجاب باقی سب بھی میرا ہوا نا فیورٹ رائٹر، نازی جی ام مریم اور باقی سب بھی بہت اچھا لکھتی ہیں ویسے تو میں سیدھی سادھی سی بھولی بھالی سی ہو مگر جب تک کسی کو ستاؤں نہ چین نہیں ملتا بھائیوں میں میری جان ہے وہ مجھے کہیں دور جانے ہی نہیں دیتے یہ تو زیادتی ہوئی نہ اچھا جی پھر ملیں گے میری باتیں کیسی لگی ضرور بتانا دعاؤں میں یاد رکھنا، اللہ حافظ۔

آمنہ اکرم

تمام قارئین اور رائٹرز کو محبتوں اور چاہتوں بھرا اسلام قبول ہو میرا اصل نام تو آمنہ اکرم ہے لیکن کوئی شاذ و نادر ہی یہ نام لیتا ہے گھر میں سب سائرہ کہتے ہیں اور دوستیں گلاں (باتونی) کہتی ہیں کیونکہ میں کبھی چپ نہیں ہوتی ہر وقت بولتی رہتی ہوں اس لیے میرا نام میری دوستوں نے Carryongallan رکھا ہوا ہے یعنی باتیں جاری رکھو، میرا تعلق لونگوکی سے جو میرا پیارا گاؤں ہے کیونکہ یہ میری آوارہ گردی کا گہوارا ہے اگر میں گھر سے باہر نہ نکلوں تو میرے گاؤں کی گلیاں اداس ہوجاتی ہیں میں فرسٹ ایئر کی طالبہ ہوں 20 اکتوبر 1999ء کو اپنے گھر میں رونق بن کر آئی ہم دو بہنیں اور ایک بھائی ہے ابو جی بچپن میں ہی مجھے چھوڑ گئے تھے میرے پاس میری امی ہے جو دنیا کی بہترین ماں ہے میرے لیے کھانے میں سب کچھ پسند ہے جو ملے کھالیتی ہوں ویسے ایک بات ہے کہ میری کمپنی میں کوئی بور نہیں ہوتا مجھے اس بات پر فخر ہے میری دوستیں اتنی زیادہ ہیں کہ جن کے نام نہیں لکھے جاسکتے بس کچھ ایسی ہیں جن کے بغیر رہنا محال ہے عابدہ، مہوش، رمیسہ، اقرأ، صفیہ، نائلہ، آمنہ میں حجاب کی خاموش قاریہ ہوں لکھنے کی کبھی ہمت نہیں ہوئی اگر میری تحریر شائع نہ ہوئی تو دل ٹوٹے گا آج بڑی ہمت کرکے قلم سنبھالا ہے امید ہے کہ آپ مجھے ضرور اس گلشن میں جگہ دیں گے میری بڑی خواہش ہے کہ میرا نام آنچل و حجاب میں آئے مجھے لگ رہا ہے آپ بور ہو رہے ہیں اس لیے تشریف کا ٹوکرا لے ہی جاتی ہوں اگر اللہ نے موقع دیا تو پھر انٹری دوں گی، اللہ حافظ۔

طیبہ یاسمین اور مناہل ایس

لمحہ بہ لمحہ تسلسل سے ہوتی بارش کی طرح پیارے بہت پیارے بے حد پیارے آنچل و حجاب اسٹاف اور قارئین کو ہماری طرف سے محبتوں بھرا اسلام۔ میرا نام طیبہ یاسمین اور پیاری سی دوست کا نام مناہل ایس ہے ہم دونوں نے حال ہی میں ایف اے کیا ہے اور اب بی اے کررہی ہیں میں جامعۃ المحصنات جھنگ کی طالبہ ہوں اور وہ پنجاب کالج کی لیکن میٹرک اکٹھے کیا ہے اس لیے دوستی میں ابھی کچھ خلل نہیں ہوا اور ہماری دوستی کی مضبوط جڑ آنچل ہے دونوں کو ہی ناول پڑھنے کا بہت شوق ہے اس لیے پیر کامل، آب حیات، جنت کے پتے، وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر پڑھ چکی ہیں اور یہ پسندیدہ لسٹ میں بھی شامل ہیں ہم دونوں ہی کے دو دو بھائی ہیں دونوں ہی بھائیوں سے بہت پیار کرتی ہیں نئی نئی ڈشز تیار کرنا اور بکس پڑھنا میرا مشغلہ ہے البتہ مناہل کو گانے سننے کا بہت شوق ہے اس لیے فارغ ٹائم میں اس کا ایک یہی مشغلہ ہوتا ہے اب بات آتی ہے خوبیوں اور خامیوں کی میرے اندر تو کوئی خوبی نہیں ہے۔ لیکن وہ بھلکڑ اور منہ پھٹ بہت زیادہ ہے دل میں کوئی بات نہیں رکھتی، اب آتی ہو جامعہ کی طرف جامعہ میں گزرا ہر ایک لمحہ بہت خاص ہوتا ہے ویسے میں بہت اچھی بچی ہوں وہاں پر میری بہت سویٹ سی دو تین سسٹرز بھی ہیں جیسے رضوانہ رحمت اللہ، مریم، نازش، وغیرہ مجھے اپنی تمام ٹیچرز خاص طور پر ٹیچر کلثوم ضیا صاحبہ بہت اچھی لگتی ہیں اور ٹیچر زیب النساء صاحبہ اور ٹیچر قرۃ العین صاحبہ بہت عزیز ہیں تمام ٹیچر سے بہت زیادہ عزت و احترام کا رشتہ ہے کلرز دونوں کو ہی بلیک اچھے لگتے ہیں اور کھانے میں پیزا اور شوارما بہت پسند ہے اور ہم دونوں کے ہی آئیڈیل حضرت محمد ﷺ ہے اور اس کے علاوہ مجھے مولانا طارق جمیل بہت اچھے لگتے ہیں میری عادات مجھے خود کو بچکانہ محسوس ہوتی ہیں کیونکہ میں ہر چھوٹی چھوٹی بات پر بہت زیادہ خوش ہوجاتی ہوں اب اجازت چاہتی ہوں ویسے لگتا ہے میں نے آپ کو بہت بور کیا ہے اس کے لیے معذرت خواہ ہوں جاتے جاتے السلام علیکم اور ہاں کیسا لگا ہمارا تعارف ضرور بتایئے گا۔

نیل احمد

☆ آپ کو لکھنے کا شوق کب سے اور کیسے ہوا؟

نیل احمد: میرا ادبی سفر بہت کم عمری میں شروع ہو گیا تھا لیکن ادبی منظر نامے میں 2012ء کے آخر میں قدم رکھا۔ مطالعہ کرنے کا شوق بچپن سے تھا اور خصوصاً شاعری سے لگاؤ، شعراء کا کلام پڑھتے پڑھتے نہ جانے کب خود بھی شعر کہنے شروع کر دیے اور پھر باقاعدہ شاعری آغاز ہو گیا۔

☆ اردو ادب کو موجودہ دور میں اور مستقبل میں کس مقام پر دیکھتی ہیں؟

نیل احمد: چونکہ ادب کا خاصہ جمالیات ہے اور ہر دور میں جمالیات کے اپنے تقاضے ہیں، یہ ہی وجہ ہے کہ ادب کے بھی انداز اور تقاضے تبدیل ہوتے رہتے ہیں، مگر ادب ہر دور میں اختراع اور اعتراضات کے باوجود اپنی آب وتاب کے ساتھ زندہ رہا ہے اور رہے گا۔ ان شاء اللہ

☆ کیا آپ کو لگتا ہے کہ نئی نسل شاعری اور نثر نگاری میں انقلاب کی نقیب ہے؟

نیل احمد: جی بالکل، ہر نسل اپنے میلانات اور رجحانات میں اپنی پچھلی نسل سے مختلف ہوتی ہے اور ہر شعبے میں جدت لاتی ہے، اسی طرح ان دونوں شعبوں میں بھی نئی نسل جدت لا رہی ہے، نئی اصناف میں طبع آزمائی کر رہی ہے اور ان شاء اللہ نئی نسل انقلاب لائے گی۔

☆ ہم لوگ ادب کو بین الصوبائی ہم آہنگی کے لیے کیسے استعمال کر سکتے ہیں؟

نیل احمد: تمام صوبوں میں بہترین اور مضبوط تعلقات کے لیے ہمیں ہر صوبے کی مقامی زبان سے کہانیاں منتخب کرنی ہوں گی، ان کے تراجم کرنے ہوں گے اردو میں اور ایک دوسرے کی مقامی زبانوں میں بھی تاکہ تمام صوبے ایک دوسرے کی ثقافت اور طرز زندگی سے آگاہ ہو سکیں، ہر صوبہ ماشاء اللہ اپنے اپنے مقامی ادب کے حوالے سے خود کفیل ہے پر ہم نہیں جانتے، مثلاً سرائیکی شاعری لاجواب، ترجمہ کیا جائے تو سمجھیں۔

☆ عورت کی ترقی کی راہ میں کون سی رکاوٹیں آتی ہیں اور ان سے کیسے نبرد آزما ہوا جا سکتا ہے؟

نیل احمد: عورت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ خود ہے، بس ایک بار اپنا ارادہ مضبوط کر لے اور خود کو مظلوم سمجھنا چھوڑ دے، تمام مسائل حل ہو جائیں گے اور تمام رکاوٹیں بھی دور ہو جائیں گی۔

☆ اردو ادب میں اپنا ایک مقام بنانے کے بعد آپ کو کیسا محسوس ہوتا ہے؟

نیل احمد: میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں اور ظاہر ہے جب آپ کی محنت کا مثبت نتیجہ نکلتا ہے تو آپ مطمئن ہوتے ہیں

اور مزید محنت کرتے ہیں۔
☆ آپ اپنی کامیابی کا سہرا کس کے سر باندھتی ہیں؟
نیل احمد: میری ہر کامیابی اللہ تعالیٰ کے بعد میرے والدین کی دعاؤں اور ساتھ کی مرہونِ منت تھی،، ہے اور رہے گی۔
عروشمہ خان: آپ کب سے اس میدان میں سرگرم عمل ہیں؟
نیل احمد: جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ 2012ء میں دنیائے ادب میں قدم رکھا۔
☆ جیسا کہ آپ کی ایک شناخت فیشن ڈیزائنر کی بھی ہے تو مستقبل میں اپنی ادبی اور پیشہ ورانہ شناخت میں سے آپ کا انتخاب کیا ہوگا؟
نیل احمد: میرے لیے دونوں یکساں اہم ہیں کیونکہ ایک میرا باہر ہے اور ایک اندر......اور میں دونوں سے مل کر مکمل نیل احمد ہوں۔
☆ کیا آپ کا سامنا کبھی کسی ایسے شخص سے ہوا جسے صرف نقص نظر آتے ہیں؟
نیل احمد: ہوتا ہے سامنا مگر میں ایسے لوگوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتی، میرا یہ ماننا ہے جس میں نقص ہوں گے وہ نقص ہی ڈھونڈے گا۔
☆ آپ نے اپنے لیئے اس ادبی میدان کو ہی کیوں منتخب کیا؟
نیل احمد: میں حادثاتی شاعرہ نہیں، نہ ہی حادثاتی طور پر اس ادبی منظرنامے پر آئی اللہ تعالیٰ نے شعر کہنے کی صلاحیت عطا کی تو سوچا کہ اپنا کلام منظرعام پر لایا جائے اور اسی لیے آج آپ کے سامنے ہوں۔ اپنے آپ کو ماننا اور مطمئن کرنا سب سے اہم ہے اور اس شعبے کو منتخب کرنے کا بھی یہ ہی مقصد ہے۔
☆ ماشاء اللہ اتنی باصلاحیت ہیں آپ کبھی مغرور نہیں ہوئیں؟
نیل احمد: میری جو بھی صلاحیتیں ہیں ان میں میرا کوئی کمال نہیں ہے، یہ سب اللہ سبحان تعالیٰ کی عطا ہے تو پھر غرور کیسا۔
☆ آپ اپنی ادبی اور پیشہ ورانہ مصروفیات میں توازن

کیسے برقرار رکھتی ہیں؟
نیل احمد: جب انسان لگن اور جنون کے ساتھ جدوجہد کرتا ہے اور کچھ حاصل کرنے کی ٹھان لیتا ہے تو توازن خودبخود پیدا ہوجاتا ہے۔
☆ آپ شاعری کے علاوہ اور کیا لکھتی ہیں؟
نیل احمد: شاعری تو میری اولین محبت ہے۔
☆ آپ کا جیون ساتھی کیسا ہو؟
نیل احمد: جیون ساتھی ایسا جو میرے لفظوں کو سمجھ سکے اور ان کی قدر کرسکے۔
اس آخری سوال کے ساتھ ہم نیل احمد کے انتہائی مشکور ہیں کہ انہوں نے ہمیں اپنا قیمتی وقت دیا اور تمام سوالات کے واضح اور شفاف جوابات دیے۔

السلام علیکم

اس ماہ ملاقات کے لیے جو مصنفہ ہمارے ساتھ ہیں وہ ہم سب اور آپ کی پسندیدہ لکھاری ریحانہ آفتاب ہیں۔

ان کی تعلیم ماسٹر ان آئی آر ہے‘ اسکول سے ہی لکھنے کا آغاز کیا پہلی دو تحریریں آنچل اور کرن ڈائجسٹ 2001ء میں شائع ہوئی‘ 2006ء تک مختلف جرائد میں لکھا اور 22 تحاریر کے بعد قلم سے ناطہ توڑ لیا۔

2016ء میں زندگی حسین ہے کہ عنوان سے دوبارہ آنچل کے ذریعے واپسی ہوئی۔

جنوری 2017 میں بیسٹ اسٹوری رائٹر کا ایوارڈ بھی اپنے نام کر چکی ہیں۔ چار سال تک ادبی پرچے کی اسسٹنٹ ایڈیٹر رہنے کا شرف بھی حاصل ہوا ہے۔

حال ہی میں ریحانہ آفتاب کی مختلف ناولوں پر مبنی کتاب ''بیری پیا'' مارکیٹ میں آ چکی ہے‘ ایک سلسلے وار ناول ردا ڈائجسٹ میں شائع ہوا اور جلد ہی ان کا سلسلے وار ناول ''عشق دی بازی'' حجاب ڈائجسٹ کی زینت بننے والا ہے۔

ریحانہ سے ہمارے قارئین ممبران نے آفیشل فورم پر جو سوالات کیے وہ قارئین کی خدمت میں من و عن پیش کیے جا رہے ہیں۔

اساور شاہ

سوال: لکھنا کیوں چھوڑ دیا تھا اور پھر واپسی کیسے ہوئی؟

ریحانہ: ایک خواب نگری کی راہی نے جب حقیقت کی دنیا کو بے حد تلخ پایا تو خواب دیکھنا ہی چھوڑ دیا۔ نرم لفظوں کی نرماہٹ پہ جب کانٹوں کی چبھن کا احساس ہوا۔ جب ادبی لوگوں کو بے ادب محسوس کیا تو دل اٹھ سا گیا۔ جب لوگوں کے ''اصل چہرے'' نظر آئے تو جتنے بڑے لوگ میری نظر میں چھوٹے ہو گئے اس سے کہیں زیادہ میرا قلم مجھ سے روٹھ گیا۔ میں نے کبھی زبردستی صفحے کالے نہیں کیے۔ آج بھی دل سے لکھتی ہوں۔ واپسی کا سارا کریڈیٹ ایف بی کو جاتا ہے۔ میں جو چند تحاریر کے بعد لکھنا بھول چکی تھی۔ میرے گماں میں بھی نہیں تھا کہ وہ قارئین کے ذہنوں میں نقش ہوں گی۔ فیس بک پہ آنے کے بعد بہت سوں نے محبت کا اظہار کیا۔ اصرار کیا کہ پھر سے لکھوں اور ان محبتوں نے ہی حقیقتاً پھر سے لکھنے پہ اکسایا اور ایک بار پھر آنچل ہی میں تحریر شائع ہوئی۔

انعمتہ گل

سوال: جب آپ نے لکھنا شروع کیا تو گھر میں آپ کی تحریر کون پڑھتا تھا۔ کس نے حوصلہ بڑھایا؟ اور جب لکھنا چھوڑا تو کیا احساسات تھے اور کس بات نے دوبارہ لکھنے پر مجبور کیا؟

ریحانہ: میری بہن افسانہ آفتاب میری پہلی قاری ہے۔ جب دو صفحے بھی لکھتی تھی تو محترمہ کو پڑھنے کی جلدی ہوتی تھی۔ گو کہ خود چھوٹی تھی اس وقت مگر ہم دونوں بڑے مزے سے کہانیاں ڈسکس کرتی تھیں۔ کیونکہ ہمارے آباؤ اجداد میں کوئی بھی ادب کی دنیا سے وابستہ نہیں تھا اور اب تک ایسا ہے کہ کبھی خود میں نے نہیں سوچا تھا کہ میں رائٹر بنوں گی۔

سوال: کس نے حوصلہ دیا؟

ریحانہ: سچ کہوں تو پہلے پہل بہت مخالفت کا سامنا رہا۔ اور مخالف کوئی اور نہیں والد محترم تھے۔ ان کی نظر میں یہ درست فیلڈ نہیں تھی۔ اس سے کچھ حاصل وصول نہیں تھا۔ سو چھپ چھپ کے لکھتی تھی لیکن جب تحریریں شائع ہونا شروع ہوئیں تو میں نے تو مارے ڈر کے کبھی نہیں بتایا لیکن جب ایک دن والد محترم نے اپنی عدالت میں بلایا کہ بھئی پرچہ بھی ساتھ لے کر آؤ۔ میرے دوست بڑی تعریف کر رہے ہیں تمہاری تحریر کی تو مانو جان میں جان آئی۔ وہ دن اور آج کا دن اب بہت خوش ہوتے ہیں۔ بہت فخر سے ایوارڈ اپنے دوستوں کو دکھاتے ہیں۔

ایک انسان جب اپنے مدار سے ہٹ جاتا ہے کسی بھی اسباب کی بنا پہ تو اس کی ذات میں ایک خلا در آتا ہے۔ کچھ دل شکن رویے تھے ادبی لوگوں کے‘ جنھوں نے دوری اختیار کرنے پہ مجبور کیا تھا۔

افشاں شاہد

سوال: آپ نے قلم سے رشتہ کیوں توڑ دیا تھا میرا مطلب اتنا بڑا گیپ کیوں آیا لکھنے میں؟

سوال: کیا آپ کو لگتا ہے کہ آج کل کے رائیٹرز قلم کا حق ادا کر رہے ہیں؟

جو سچ کہوں تو اب کسی کو نہیں پڑھتی۔ بھولے بھٹکے کسی کو پڑھ بھی لوں تو سمجھ نہیں آتی کہ کیا رائے دوں...... لیکن معذرت کے ساتھ ایک دو افسانے کی اشاعت کے بعد ہی آج کی رائٹرز کا دماغ نہیں ملتا۔

غرور کبھی عروج پر نہیں لے جاتا۔ یہ بات ہمیں یاد رکھنے کی ضرورت ہے۔

میرا کہنا ہے آپ ایک لمحہ نا بنیں۔ زمانہ بن کر دکھائیں۔ آپ کو خود ناپتانا پڑے آپ نے چار سو کہانیاں لکھی ہیں۔ بلکہ آپ کی چار کہانیاں یاد رہ جائیں۔

زیست فاطمہ

سوال: میرا آپ سے سوال ہے کہ پہلی کہانی کون سی لکھی؟

ریحانہ: پہلی کہانی کچھ فلمی سی لکھی تھی اور آج وہ میری نظر میں ناقابل اشاعت ہے۔ لیکن آج بھی میرے پاس محفوظ ہے، جب اپنی بے وقوفی یاد کرنے کو دل کرتا ہے تو اسے دیکھ کر ہنس پڑتی ہوں۔

سوال: کوئی ایسا کردار جس پر لکھنے کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے؟

الحمدللہ! ایسا کوئی کردار اب تک نہیں لکھا جس پہ لگے کہ کسی کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ کسی بھی کردار کو کبھی توڑ مروڑ کر پیش نہیں کیا' اکثر کردار ہی اپنا آپ لکھواتے چلے جاتے ہیں۔ ہاں کچھ کرداروں کے دکھ رقم کرنا محال لگتا ہے۔ حال ہی میں اپنی زندگی کا مشکل ترین ناول ''کوئی چاند رکھ میری شام پر'' لکھا۔ بظاہر اس ناول میں لکھنا کچھ مشکل نہیں تھا لیکن ہیروئن کا کردار اس کا دکھ جب جب لکھتی خود ڈیپریشن کا شکار ہونے لگتی تھی۔

☆ شاعری بھی کرتی ہیں تو شاعری کرنا زیادہ پسند ہے یا اسٹوریز لکھنا؟

ریحانہ آفتاب: دونوں کا اپنا ہی مزا ہے۔ جو بے ساختگی میں ہو جائے۔ اچھا شعر لکھ لوں تو گھنٹوں سرشار گزرتا ہے جب کہ کہانی وقت طلب کام ہے۔ لیکن کہانی لکھ کر زیادہ سکون محسوس ہوتا ہے۔

جب لکھنا چھوڑ دیا تھا تب شاید خود کو کھو دیا تھا' جینے کا احساس نہیں تھا' ایک درد کی کیفیت تھی' ڈائجسٹ بھی سامنے پڑا ہوتا تھا تو بے دلی سے نظر ڈال کر پھیر لیتی تھی ہاتھ لگانے کو بھی دل نہیں کرتا تھا۔

تھی۔ آج بھی سوچتی ہوں تو حیرانگی ہوتی ہے اس دور میں جیسے بے روح جیے جا رہی تھی۔

کھانے میں کیا پسند ہے اور کلر کون سا پسند ہے؟

ریحانہ آفتاب: کھانے میں بے حد نخریلی ہوں (میری فیملی کا اختلاف سامنے آجائے گا فوراً کیونکہ ہر معاملے میں ہی نخریلی واقع ہوئی ہوں)

بریانی' دال چاول' غرض چاولوں کی ہر ڈش بہت پسند ہے۔ خواہ وہ چائنیز فارم میں ہوں یا تھائی۔ اسپیگٹی' پاستا میں دل اٹکا رہتا ہے۔

کلر سفید بے حد پسند ہے۔

ناقابل فراموش واقعہ؟

ریحانہ آفتاب: کوئی ایک نہیں ہے چھوٹی سی چھوٹی بات اگر گرفت میں آجائے تو وہ میرے لیے ناقابل فراموش بن جاتا ہے۔

☆ میرے لیے کوئی نصیحت؟

ریحانہ آفتاب:۔ کبھی مت سوچیں کہ لوگ آپ کو کیسا دیکھنا چاہتے ہیں' ہمیشہ یہ سوچیں کہ آپ کو کس چیز سے خوشی مل رہی ہے۔ آپ وہی کریں جس میں آپ کا سکون ہے۔ دنیا سب کچھ دے سکتی ہے لیکن سکون صرف ان کاموں میں ملتا ہے جو دل سے کریں۔

☆ کس بات نے کس واقعے نے آپ کو قلم تھامنے پر مجبور کیا؟

ریحانہ آفتاب:۔ اگر یہ کہوں کہ بس چیلنج میں لکھنا شروع کیا تو پس منظر سے پردہ بھی سرکانا پڑے گا۔ ان دنوں نائنتھ میں تھی کوچنگ سینٹر دس منٹ کی واک پہ تھا۔ میں اور میری سہیلی ساتھ جایا کرتے تھے یہ دس منٹ کا سفر ہم ڈائجسٹ کی کہانیوں کو ڈسکس کرتے ہوئے طے کرتے تھے۔ ڈائجسٹ کا لین دین بھی چلتا تھا۔

''رائٹر اتنا اچھا کیسے لکھ لیتی ہیں؟'' میں نے حسرت سے کہا تھا۔

''لو اس میں کیا مشکل ہے ہم تم بھی لکھ سکتی ہیں۔'' سہیلی کا شاہانہ انداز دنگ کر گیا۔ اور جناب طے ہوا کہ دو دن کی چھٹی آرہی ہے تو چھٹی کے بعد ہم دونوں اسٹوری ''شو'' کریں گے۔ گھر آکر ادھر سے ادھر اسی ادھیڑ بن میں کہ سہیلی

کتنے زعم میں کہہ گئی۔ وہ لکھ سکتی ہے تو میں کیوں نہیں اور جی کو چنگ کا رجسٹر اٹھا کر اسی پہ شروع ہوگئی شومئی قسمت وقت مقررہ سے پہلے چیلنج پورا کرلیا تو بازی مار لینے کی خبر کے ساتھ رجسٹر میں درج کہانی سہیلی کو پڑھنے بھجوائی کہ اب کون چھٹی ختم ہونے کا بے صبری سے انتظار کرتا۔ جب محترمہ کا پیغام ملا کہ وہ تو چیلنج ہی بھولے بیٹھی تھیں۔ بعد میں میں نے دس منٹ کی واک میں محترمہ کے جہاں لتے لیے وہیں محترمہ کے تعریفی کلمات زبان کو تالا لگا گئے۔ یہ ہے وہ حادثہ جس نے قلم کار بنایا۔

آپ کے لکھنے کا مقصد کیا ہے؟

ریحانہ آفتاب: میں نے جتنا اپنے والدین سے سیکھا۔ اتنا ہی ڈائجسٹ سے بھی سیکھا۔ ایسی باتیں جو مائیں شرم کے مارے نہیں کہہ پاتیں ان سب کا خلاصہ مجھے کہانیوں میں نظر آیا۔ کم عمری میں ناسمجھی بہت خطرناک دور ہوتا ہے عمر کا۔ میں نے تحریروں سے ہر اچھی بات سیکھی۔ کمزور کردار کبھی ہیروئن نہیں بنتی۔ میرا لکھنے کا مقصد صرف اپنے حلقہ احباب میں واہ واہ سننا نہیں ہے۔ میری ہر تحریر میں کوئی نا کوئی سبق ضرور ملے گا۔ میں صرف کھوکھلی ہنسی اور سستی تفریح پہنچانے کا ذریعہ نہیں بننا چاہتی۔ قاری جب کہانی ختم کرے تو اس سے کچھ سیکھ کر اٹھے۔ فضول تحریر کہہ کر سائیڈ پر رکھ دے۔ جیسا میں خود بحیثیت ایک قاری کرتی تھی۔

☆ آپ کہانی لکھتے وقت سب سے زیادہ کس بات کو مد نظر رکھتی ہیں کہ اچھی کہانی تخلیق ہوسکے؟

ریحانہ آفتاب: میں کہانی لکھتے وقت سب سے پہلے موضوع اور سبق کو اہمیت دیتی ہوں۔ اس کے بعد کردار ڈائیلاگ تو ماشاءاللہ خود لکھوا لیتے ہیں۔

سار یہ چوہدری

محبّ' محبوب' اور حب ان تینوں کا آپس میں تعلق کیا ہے۔ محبوب ہو اور محبّ نہ ہو ممکن نہیں' محبّ ہو اور محبوب نہ ہو یہ بھی ممکن نہیں ایک تیسری چیز جو ان تینوں کو ملاتی ہے۔ حب ہے۔ مگر یہ حب ہے کیا...... تثلیث یا ثالث' تین یا تکون؟ مثلث یا ثانی یا صرف حب؟ محبوب کی طرف سے محبّ کے لیے بہترین تحفہ کیا ہے؟

ریحانہ آفتاب: آسان سے سوال کو آپ نے الجبرا کی شکل دینے کی کوشش کی ہے اور خیر سے اس میں کامیاب بھی ہوئی ہیں۔

پہلے تو پڑھ کر حیرانگی ہوئی بعد میں مسکراہٹ بھی آئی۔

ساریہ ڈیئر! محبّ' محبوب اور حب زیر بحث ہو تو غور و فکر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان تینوں کا تعلق اتنا گہرا ہے کہ تنہا یہ سب اپنا وجود رکھتے ہیں اور بھرپور رکھتے ہیں لیکن جب ان تینوں کو یکجان دیکھتے ہیں تو کائنات کے رموز آشکار ہوتے ہیں۔ محبّ (اللہ رب العزت) کا وجود ازل سے تھا اور تا ابد رہے گا۔ حب نے محبوب (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا وجود دنیا تخلیق کرنے سے سالوں پہلے نور کی شکل میں ظاہر کروا دیا۔ یہ حب کا وجود ہی تو تھا کہ ایک محبّ نے اپنے محبوب کے لیے بنی نوع کی بنیاد رکھی۔ یہ حب ہی تو تھا جس نے اپنے محبوب کی امت کو افضل ترین امت کا درجہ عطا فرمایا۔ الحمدللہ ہم اس محبوب کی امت مسلمہ میں سے ہیں۔

یہ تو رہی لازوال محبتیں۔ اب دنیاوی اعتبار سے آجائیں محبّ ہو اور محبوب نا ہو ممکن ہے۔ محبوب صرف وہی نہیں ہوتا جو جواباً قول و اقرار کرے۔ ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائے۔

یہ تو محبّ کا حب ہے کہ وہ بت کو محبوب تصور کرتا ہے یا مورت کو۔ محبّ کا کام صرف چاہنا ہے بے لوث ہوکر' بے غرض ہوکر' بنا کسی لالچ کے' بنا کسی طلب کے۔

بے شک محبوب' محبّ کے بنا کچھ نہیں' چاہنے والا ہی محبوب کا درجہ دے کر محبوب کو عام سے خاص بناتا ہے۔

حب کیا ہے حب اساس ہے' بقا ہے ہر جاندار و بے جان چیز کی۔ تکمیل ہے' جس طرح بنا روح جسم کی کوئی وقعت نہیں اسی طرح حب نہیں تو سب بے روح' بوجھل' بے توقیر۔

حب ہے تو کائنات ہے۔ ہم ہیں آپ ہیں۔ حب ہے تو محبّ ہے محبوب ہے

امید ہے آپ مطمئن ہوگئی ہوں گی۔

آپ کا دوسرا سوال' بہترین تحفہ......

محبت اور وفا ہر مساعد و نامساعد حالات میں محبّ سے محبت کرنا اور صرف اسی کا ہو کے رہنا یہ ہی سب سے خوبصورت تحفہ ہے۔

ازکی مریم

آپ کا کوئی اپنا کردار جس میں آپ کی جھلک نظر آتی ہو؟

ریحانہ آفتاب: ہر شدت پسند کردار میں آپ کو میری جھلک نظر آئے گی۔ کسی غلط بات پہ نا جھکنا۔ بے خوف سچ

بولنا۔ اپنے مقصد کے لیے لڑتے رہنا ان سب میں آپ کو ریحانہ آفتاب کی جھلک نظر آئے گی۔
آپ کی فیورٹ رائٹر اور کہانی؟
ریحانہ آفتاب: میری پسندیدہ مصنفہ مرحومہ شازیہ چوہدری ہیں۔ (اللہ رب العزت انہیں جنت نصیب کرے۔ عذاب قبر سے نجات دے آمین یارب العالمین)
کوئی ایک نہیں ہے لیکن رفعت سراج جی کا شاہکار ناول دل دیا دہلیز۔ بہت پسند ہے۔ ہما کوکب بخاری کا بیتے پل کا سایہ۔ ماہا ملک کا جو چلے تو جاں سے گزر گئے۔ اور شازیہ چوہدری کی تمام تحریریں بہت پسند ہیں۔
کوئی ایسا ناول یا کہانی جسے پڑھ کے دل چاہا ہو کہ کاش یہ آپ نے لکھی ہوتی؟
ریحانہ آفتاب: دل دیا دہلیز۔ جس کے اختتام میں تشنگی لگتی ہے تو جب ناول لیا تھا تب اس کا اختتام اپنی مرضی کا لکھ کر خوشی ہوئی۔ اور حال ہی میں میں نے یہ ناول اپنے انداز سے لکھا بھی لیکن پبلش نہیں ہوسکتا کہ لوگ فیلنگ نہیں دیکھیں گے چربہ سازی کا الزام لگا دیں گے اس لیے اپنے پاس محفوظ کرلیا۔
☆ کوئی ایسا موضوع جس پر کہانی لکھنے کی شدید خواہش ہو؟
ریحانہ آفتاب: تلخ موضوعات پر۔
زمانے کے اصل حقائق پر لکھنے کی آرزو ہے لکھت
عنایا گل
☆ کوئی ایسا موضوع جس پہ لکھنے کی شدید خواہش ہو مگر لکھا نہیں اور نہ لکھنے کی وجہ؟
ریحانہ آفتاب: تلخ موضوعات پر۔ سیاست پر۔ لیکن نہیں لکھ سکتے کہ ادارے کی پالیسی آڑے آتی ہے۔ کیونکہ پرچے تفریح فراہم کرنے کا ذریعہ ہے اور ہماری عوام کو زیادہ کڑواہٹ پسند نہیں۔
کون سا وقت پسند ہے لکھنے کا کام زیادہ تر کس وقت کرتی ہیں؟
ریحانہ آفتاب: آدھی رات کا وقت۔ جب ہر طرف سناٹا چھا جاتا ہے تب میں ہوتی ہوں اور میرے خیالات اور بس پھر قلم چلتا رہتا ہے۔ ماشاء اللہ
☆ پہلی کہانی اور پہلی کتاب شائع ہونے پر آپ کے تاثرات؟
ریحانہ آفتاب: پہلی تحریر جب پبلش ہوئی تھی تو اچھوری سی تھی ڈائجسٹ کو سینے سے لگائے چھلانگیں لگائیں۔ (توبہ کیا بے وقوفی کا دور تھا)
اب چونکہ سمجھ دار ہوگئی ہوں تو بس مسکرا کر رہ جاتی ہوں۔
ام ایمن
☆ لکھتے وقت تنہائی ضروری ہے یا نہیں؟
ریحانہ آفتاب: تنہائی بہت ضروری ہے ورنہ آپ کرداروں کا شور نہیں سن سکیں گے۔ جب خاموشی ہوتی ہے تب ہی چھپے کردار کھل کر سامنے آتے ہیں
☆ کہانی لکھ کر عنوان تجویز کرتی ہیں یا عنوان کے مطابق کہانی لکھتی ہیں؟
ریحانہ آفتاب: پہلے موضوع کا انتخاب کرتی ہوں پھر عنوان سوچتی ہوں۔ کچھ عنوان پسند آجاتے ہیں تو انہیں لکھ کر محفوظ کرلیتی ہوں اور اگلی کسی تحریر کو سوٹ کرے تو اس کے ماتھے کا جھومر بنا دیتی ہوں۔
☆ گھر میں کون سب سے زیادہ سپورٹ کرتا ہے؟
ریحانہ آفتاب تین ہم بہنیں ہی ایک دوسرے کی سپورٹر ہیں۔ جب اکٹھی ہوتی ہیں تو سب اپنے اپنے کارنامے بیان کرتے ہیں۔
ایمن نور
لکھنے کا شوق کیسے ہوا؟
ریحانہ آفتاب: لکھنے کا شوق نہیں تھا پڑھنے کا جنون تھا۔ لکھنے کا سلسلہ تو ایک خوب صورت حادثے کی صورت میں شروع ہوا جس کا ذکر اوپر کرچکی ہوں۔
☆ کہانیوں کے علاوہ آپ کی شاعری پڑھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا اپنا پسندیدہ شعر سنائیں؟
ریحانہ آفتاب: میری تحریروں میں اکثر آپ کو میری شاعری ملے گی۔ "محبت ہوں میں بھی" ناول میں ساری نظمیں میری ہیں۔ "ہمیں اپنا بنالیتا" کا عنوان میری نظم سے ہے جو اسی ناول کے لیے لکھا تھا۔ ابھی "مجھے جینے کا حق دو" ناول جس پہلے شعر سے کہانی شروع ہوئی وہ ذاتی شعر ہے۔ تحریروں میں اکثر اپنی شاعری بھی لکھتی ہوں جو شاید کوئی محسوس نہیں کرتا۔ وقتاً فوقتاً اپنی وال پہ بھی شیئر کرتی ہوں اپنے نام کے ساتھ۔

آج پھر تیرے نام کی شہرت ہے ملی
آج پھر اس شہرت نے پامال کیا

☆ نئے لکھنے والوں کے لیے کچھ کہیں؟

ریحانہ آفتاب: نئے لکھنے والوں کے لیے یہ ہی کہنا چاہتی ہوں محنت کریں۔ لکھیں اور ناقابل اشاعت پہ دل برداشتہ نا ہوں۔ لکھ لکھ کر اپنے پاس جمع کرتی رہیں۔ ایک دن آپ کی تحریریں آپ کو خود بڑا کردیں گی

حرا قریشی

☆ جب آپ سحر کے سورج کو سلام کرتی ہیں تو اپنے پہلو میں پڑے اخبارات ورسائل یا کتب کو کیسی نگاہوں سے دیکھتی ہیں۔ محبت سے۔ حلاوت سے متانت سے اگر پہلو میں ایسا کچھ نہیں ہوتا تو جسٹ انجمن اور قہوے کی ایک گرم پیالی نوش کرتے ہوئے جواب دیجیے۔

ریحانہ آفتاب: ہاہاہا کیا منظر کشی ہے۔ میں خود کو شہزادی وقت سمجھ بیٹھی ہوں۔

عزیزی نہار منہ رسائل کتب تو نہیں اپنا ہی اعمال نامہ سرہانے ملتا ہے جو فجر کے وقت تک میرے ساتھ ہوتے ہیں یعنی میری لکھت کا سامان۔ جسے دیکھ کر مسودہ مکمل ہونے کی خوشی ہوتی ہے یا لکھا ہوا کوئی جملہ لبوں پر مسکراہٹ لے آتا ہے یا پھر ادھورے رہ جانے کی فکر لگ جاتی ہے۔

☆ جب بھی کبھی بازار جاتی ہیں تو مشاہدات کا منبع کون سی اشیاء ہوتی ہیں۔ سائن بورڈز مختلف لوگوں کی حرکات و سکنات۔

بازار بازار پھرنا مجھے سخت ناپسند ہے۔ لیکن جب ضروریات زندگی کے لیے نکلتی ہوں۔ میرا سارا فوکس اپنی چیزوں پہ ہوتا ہے کہ جلد از جلد چیزیں خریدوں اور گھر کی راہ لوں۔

☆ کسی دوست کی سنگت میں اصل لطف آتا ہے۔ اور کیا ان لمحات میں بھی لفظوں کا لشکر سر پر سوار رکھتی ہیں۔

ریحانہ آفتاب: میں بالکل بھی سوشل نہیں ہوں۔ نا ہی مجھے زیادہ گیدرنگ پسند ہے۔ بہنوں کے علاوہ شادی کی تقریبات میں گئے کتنے سال ہوگئے کچھ یاد نہیں۔ بلاوجہ لفظوں کی دھاک بٹھانے سے گریز کرتی ہوں لیکن جب بات اصول کی ہو حق کی ہو تو لفظوں کے سارے لاؤ لشکر کے ساتھ چڑھ دوڑتی ہوں خواہ مقابل کتنی ہی بارعب ہستی ہو۔ اصول اور حق کی بات کہنے سے نہیں چوکتی۔

صالحہ عزیز

آپ کے گھر میں سب بہنیں افسانہ نگار ہیں یہ بتائیں کہ آپ کو کون پڑھتا ہے؟

ریحانہ آفتاب: پہلے تو صرف میں ہی لکھتی تھی۔ اور بہنیں پڑھتی تھیں۔ پھر لکھنا بھی چھوڑ دیا تب بہنیں لکھنے لگیں۔ اور آج بھی یہ سب مجھے پڑھ لیتی ہیں لیکن میں اب پڑھنے کے معاملے میں تھوڑی نکمی ہوگئی ہوں۔ ورنہ بھلا کون ہوگا جو دل دیا دہلیز اس زمانے میں چھ سو کا خریدے بھی اور اتنا طویل ناول تین دن میں پورا پڑھ بھی لے۔

آپ کو کس ڈائجسٹ میں کہانی کی اشاعت پر سب سے زیادہ خوشی ہوئی؟

ریحانہ آفتاب: میری پہلی دو تحریریں جون 2001 کے آنچل اور کرن میں شائع ہوئی تھیں۔ ایک ماہ میں دہری خوشی۔ آنچل اور کرن میں جب بھی لکھتی ہوں یا تحریر شائع ہوتی ہے بے حد خوشی ہوتی ہے کیونکہ پہلا احساس کبھی نہیں بھولتا۔ ان دونوں ڈائجسٹ سے دلی وابستگی ہے۔

سنبل خان بٹ

گھر میں بہن بھائیوں نے کوئی شرارت کی ہو جس میں آپ کا ایک فیصد بھی ہاتھ نہ ہو لیکن۔ امی ابو سے آپ کو مار ڈانٹ پڑی ہو اس شرارت پر بتائیں؟

ریحانہ آفتاب: میں شریف بالکل نہیں تھی کہ کسی اور کی شرارت پہ پٹائی کھاؤں۔ شرارتیں بھی میری ہوتی تھیں۔ افسانہ (بہن) اور میں جمپنگ کررہی تھیں محترمہ کا پیر بیڈ شیٹ سے الجھا اور ٹھوڑی پھٹ گئی۔ تین ٹانکے آئے۔ اب کھیل میں ایسا تو ہوتا ہے۔ پٹائی ہوئی تھی یا نہیں یہ تو یاد نہیں لیکن واقعہ آج بھی یاد ہے۔ اور الزام محترمہ آج بھی مجھے دیتی ہیں کہ تم نے گرایا تھا۔

☆ کوئی ایسی کہانی جسے آپ مکمل نہ کر پائی ہوں اسے ادھورا چھوڑ دیا؟

ریحانہ آفتاب: الحمدللہ سنبل میری کوئی تحریر ادھوری نہیں۔ کوئی کام شروع کرتی ہوں تو جب تک پایہ تکمیل تک نا پہنچا دوں ایک بے سکونی کی کیفیت رہتی ہے اس لیے مکمل کرکے ہی چھوڑتی ہوں۔

☆ آپ سبھی بہنیں ماشاء اللہ سے لکھتیں ہیں کیا کبھی

آپس میں کسی کہانی پر ڈسکس کرتی ہیں یا تبصرہ؟

ریحانہ آفتاب: ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا کہ ہر کہانی ڈسکس ہو۔ کچھ تحریریں ہم ایک دوسرے کو پڑھوا بھی لیتی ہیں۔ لیکن بیشتر تحریریں شائع ہونے کے بعد ہی پڑھتے ہیں۔ ہاں زبانی کلامی بھی ایک دوسرے سے پوچھتے رہتے ہیں کیا لکھ رہی ہو۔ کہاں بھیجنا مناسب ہے وغیرہ وغیرہ۔

☆ آپ نے اتنے افسانے لکھے ان سب کو کیا آپ نے قید کرنے کی کوشش کی؟

ریحانہ آفتاب: ان شاء اللہ! مستقبل میں ارادہ ہے کہ افسانوں کو بھی قید کروں۔ لیکن اس کے لیے مزید افسانے لکھنے ہوں گے تا کہ کتاب کے صفحات پورے ہوسکیں۔

اریشہ خان

کوئی ایسا ٹاپک آپ جب بھی لکھنے بیٹھیں الفاظ کم پڑ جائیں بہت کچھ لکھ کے بھی ابھی تک آپ نے اسے مکمل ہونے کی سند دے کر پبلش نہ کروایا ہو؟

ریحانہ آفتاب: الحمدللہ! ایسا کوئی موضوع نہیں اور کوئی تحریر ادھورا چھوڑتی ہی نہیں۔ کام مکمل کر کے دم لیتی ہوں۔ ایک بھی نامکمل تحریر لسٹ میں شامل نہیں۔

صبا ایشل

☆ کہتے ہیں لکھاری جو بھی لکھتا ہے اس کی ہر تحریر میں کہیں نہ کہیں اس کی حقیقی زندگی یا زندگی کے بارے میں اس کے خیالات کا عکس ضرور جھلکتا ہے۔ آپ کی تحریریں کس حد تک آپ کی عکاس ہیں؟

ریحانہ آفتاب: بے شک ایک بہترین لکھاری وہی ہے جو اپنا عکس اپنی چھاپ ہر شے میں چھوڑ جائے۔ ماورائی اور فرضی کہانیاں متاثر ضرور کرتی ہیں کچھ لوگوں کو مگر ان کا سحر تا دیر نہیں رہتا۔ میرے مزاج کی حقیقت پسندی' محبت' سچائی' کردار کی مضبوطی' ہر محاذ پہ ڈٹے رہنا' صحیح غلط کہہ کر ذاتی مفاد کے لیے جھنڈ یا قافلے میں سفر نا کرنا بلکہ اپنی ایک الگ راہ منتخب کرنا۔ میری ذات میں پنہاں یہ تمام عکس میری تحریر میں نظر آتے ہیں۔

☆ کس طرح کے ماحول میں بہتر لکھ سکتی ہیں؟

ریحانہ آفتاب: لکھنے کی کوشش کروں تو شور وغل میں بھی لکھ لیتی ہوں لیکن جب رات گئے اردگرد گہری دبیز خاموشی ہو تو مجھے ''لکھنے کے لیے کوشش'' نہیں کرنی پڑتی۔ لفظ خود قطار در قطار اپنی جگہ بناتے چلے جاتے ہیں اور مجھے اسی کیفیت میں ایک سرور محسوس ہوتا ہے۔

☆ آپ کا سلسلے وار ناول حجاب کے صفحات پر شروع ہونے جا رہا ہے اس کے لیے کیسا محسوس کر رہی ہیں اور یہ ناول کس موضوع پر لکھ رہی ہیں؟

ریحانہ آفتاب: الحمدللہ! میرا سلسلے وار ناول حجاب میں شروع ہونے جا رہا ہے۔ بے حد خوشی ہے۔ مجھ جیسی رائٹر جس کی تحریروں کی لمبی چوڑی تعداد نہیں اور بیک وقت دو سلسلے وار ناولز کا چلنا باعث اعزاز ہے رب العزت کی درگاہ میں اظہار تشکر کے جتنے موتی لٹاؤں کم ہے۔ بے شک بہت کم لوگوں کو ایسا اعزاز حاصل ہوتا ہے۔ لیکن ایک ہم عصر رائٹر سے گفتگو کر کے بڑی اچھی بات سامنے آئی۔ ''اچھا لکھنے والا تحریروں کی زیادہ تعداد سے بڑا لکھاری نہیں ہوتا اپنی تحریر کی پختگی سے بڑا کہلاتا ہے۔ اور تم بڑی رائٹر ہو۔''

''عشق دی بازی'' حاصل ولا حاصل کی کہانی ہے۔ اپنے پیچھے چھوڑ دینے والے انمٹ نقوش کی داستان ہے۔ غرض و خودغرضی کی بازی ہے اور یہ بازی کون جیتے گا اس کے لیے آپ کو تحریر کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔

☆ تحریری سفر کے حوالے سے سال 2017 کو کیسا پایا؟

ریحانہ آفتاب: الحمدللہ! گزرتا سال بہت سی کامیابیاں ساتھ لے کر آیا۔ تحریری حوالے سے 2017 بہترین سال رہا۔ بہت سی تخلیقات مختلف جرائد کا حصہ بنیں۔ جنہیں بے حد پزیرائی ملی خاص طور پہ اپریل 2017 کے حجاب ڈائجسٹ میں ''کج مینوں مرن دا شوق وی سی'' نومبر 2017 کرن ڈائجسٹ میں ''مجھے جینے کا حق دو'' بے حد پسندیدگی حاصل ہوئی' اس نے بے انتہا خوشی دی۔

جنوری 2017 میں لاہور کی سر زمین سے بیسٹ اسٹوری رائٹر کا ایوارڈ وصول کرنا میرے لیے ناقابل فراموش واقعہ ہے۔

فروری 2017 سے پہلا سلسلہ وار ناول ''عشق کی داستاں جدا ہے میری'' شروع ہوا جو بفضل اللہ بہت خوبی سے چل رہا ہے اور بے حد پسند کیا جا رہا ہے۔ اسی سال دوسرا سلسلے وار ناول ''عشق دی بازی'' لکھنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اور وہ رواں سال سے شروع ہونے جا رہا ہے۔ ان شاء اللہ

دسمبر جاتے جاتے میری پہلی کتاب "بیری پیا" کا تحفہ ساتھ لے کر آیا۔ جس پہ رب العزت کی بے حد شکر گزار ہوں۔ مجموعی طور پر یہ سال کامیابی کا سال رہا ماشاء اللہ!

دعا ہے آنے والا سال مزید کامیابیاں لے کر آئے۔ آمین یارب العالمین!

نئے لکھنے والوں اور اپنے قارئین کو اگر کوئی خاص پیغام دینا چاہیں؟

نئے لکھنے والوں کو ایک ہی مشورہ ہے کہ اگر آپ میں قوت برداشت ہے تو ہی اس فیلڈ میں آئیں۔ ہر جگہ کی طرح یہاں کچھ زیادہ ناانصافی دیکھنے میں آتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے ادارے رائٹرز بناتے ہیں تو بے جا نہیں ہے۔

کبھی پبلش ہونے کے ارادے سے نا لکھیں۔ لکھیں اور لکھتے جائیں ایک دن آپ کی تحریر خود آپ کو بڑا کر دے گی۔

میرے قاری جو مجھے پڑھتے ہیں اور مزید پڑھنا چاہتے ہیں ان کے لیے پھر سے لکھ رہی ہوں۔ آپ کی پسند ناپسند میرے لیے معتبر ہے اپنی رائے سے آگاہ کرتے رہیں۔

☆ادارہ آنچل وحجاب اور ہمارے اس فورم سے متعلق آپ کی رائے؟

ریحانہ آفتاب: سوشل میڈیا پہ آنچل وحجاب گروپ کی کارکردگی قابل ستائش ہے۔ دیگر ادارے اپنے آفس کے کمروں میں ہی بیٹھے ہوئے ہیں ان کے نام سے فیک چیزیں موجود ہو کر ادارے کی ساکھ پہ انگلی اٹھانے کا باعث بنتی ہیں یا پھر حد سے تجاوز کر جائیں تو ہی ادارے جاگتے ہیں۔ اور پھر عملی اقدامات اٹھاتے ہیں۔ لیکن آنچل گروپ نے جیسی محفل جما رکھی ہے رائٹرز کے ہر عام وخاص دن کو یاد رکھتے ہیں جتنی عزت دیتے ہیں۔ وہ کہیں اور شاذ ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ جو اچھا یا برا لگتا ہے وہ سر طاہر سے کہہ دیتی ہوں۔ جس پہ وہ ہمیشہ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

آنچل میں چند نام وقتاً فوقتاً نظر آتے ہیں جبکہ کچھ کی تحریر دو ڈھائی سال بعد شائع ہوئی ہے۔ اس پہ نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ کہانیوں کے معیار پہ بھی توجہ کی ضرورت ہے مرحومہ فرحت آرا (اللہ رب العزت انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے آمین) کی سرپرستی میں کہانیوں کی چیکنگ ذرا سخت ہوتی تھی۔ اب لگتا ہے کچھ نقل کرنے والے بھی پاس ہو رہے ہیں۔ چیکنگ کے معیار پہ سختی کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔

حجاب کو دو سال ہوئے ہیں۔ کسی بھی پرچے کو نئے رائٹرز اپنے خون جگر سے سینچتے ہیں۔ دو پرچوں کو کامیابی سے چلانے کا سہرا بھی ادارے کے سر ہے۔ ان کی شبانہ روز محنت کو سلام۔

اللہ رب العزت حجاب کو مزید کامیاب کرے گا آمین۔ یا رب العالمین

مجھے کچھ کہنا ہے:

آنچل سے روز اول جیسا لگاؤ ہے کیونکہ پہلی تحریر کی اشاعت اسی میں ممکن ہوئی۔ حجاب بھی اسی ناتے بے حد عزیز ہے۔ جب بھی جو کہنا ہو سر طاہر سے بلاجھجک کہہ دیتی ہوں اور وہ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرکے مجھے ہمیشہ حیران کرتے ہیں۔ سلسلے وار ناول کی اشاعت کی دعوت دینے پہ میں ادارہ آنچل وحجاب کی بے حد ممنون ہوں۔ ایک ایسی رائٹر کو جگہ دینا جس نے کبھی چاپلوسی اور خوشامد کا سہارا نہیں لیا۔ خوبی وخامی بے خوف بول دے، بنا نفع ونقصان کی پروا کیے۔ ایسے میں تعریف نا کرنا زیادتی ہے۔ اور یہ اس گروپ سے میری وابستگی ہی ہے جو اپنے اصولوں میں ترمیم کرکے کئی بار دوستوں کو انکار کرنے کے باوجود آنچل گروپ کے لیے انٹرویو دیا۔ اللہ رب العزت ہم سب کی عزتیں سلامت رکھے۔ آمین۔

میں نے حجاب کے لیے کافی لکھا جسے پڑھنے والوں نے بے حد سراہا۔ خصوصاً "کج مینوں مرن دا شوق وی سی" کو بے حد پزیرائی ملی۔ اب "عشق دی بازی" کی بساط جلد آپ سب کے سامنے بچھے گی (ان شاء اللہ) یہ میری ان تحریروں میں سے ایک ہے، جس کا مجھے خود بے صبری سے انتظار ہے۔ ہر ماہ آپ سب سے رشتہ جڑنے جا رہا ہے اور میری پوری کوشش ہوگی یہ اٹوٹ رشتہ بنے۔ آپ سب کی تعریف وتنقید بتائے گی کہ میں اس کام میں کس حد تک کامیاب رہی۔ دعاؤں کی طالب۔

(ریحانہ آفتاب)

☺

قسط نمبر 26

گزشتہ قسط کا خلاصہ

گڈو بیگم کی اچانک موت گھر والوں کے لیے نہایت تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے ایسے میں مہرو کو سنبھالنا بے حد دشوار ہوجاتا ہے۔ لالہ رخ اسے گھر میں تنہا چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتی اور چند دن اس کے ساتھ گزار کر اسے اپنے ہمراہ لے آتی ہے۔ مہرو اپنی ماں کی جدائی کو بھول نہیں پاتی اور دنیا سے بے خبر ہوجاتی ہے۔ ماریہ کو ابرام کے کہنے پر کالج آنے کی اجازت مل جاتی ہے یہاں جیسکا اس کی کڑی نگرانی کرتی ہے دوسری طرف میک بھی اسے ہراساں کرنے پر آمادہ ہوتا ہے ایسے میں ماریہ خاموشی اختیار کرتی جیسکا کو زچ کردیتی ہے۔ حورین کے علاج کے لیے خاور حیات مشہور سائیکاٹرسٹ سے رجوع کرتا ہے اور اس کے کہنے کے مطابق زیادہ وقت حورین کے ساتھ گزارتا ہے وہ اسے شہر سے باہر لے جانا چاہتا ہے لیکن حورین کو یہ زبردستی پسند نہیں آتی جب ہی باسل اور خاور حیات کو کڑے لہجے میں صاف انکار کردیتی ہے۔ ماریہ کی ملاقات ولیم سے ہوتی ہے تو جیسکا خصوصی طور پر اس کے تاثرات نوٹ کرتی ہے اسی وجہ سے ماریہ کو نہایت خوشگوار انداز میں ولیم سے بات کرنی پڑتی ہے لیکن ولیم کیتھرین سے جلد شادی کرنے کی بات کرتے ماریہ کو صاف انکار کردیتا ہے اور اس سے دوستی نہیں رکھنا چاہتا اس کی ناراضگی ماریہ کو پُرسکون کردیتی ہے۔ کامیش فراز کے نمبر پر رابطہ کرتے اسے حیرت سے دوچار کردیتا ہے فراز اس کی بے اعتباری کا ذکر اس کال کی وجہ دریافت کرتا ہے جس پر کامیش جلد تمام حقائق اس کے سامنے رکھنے کی بات کرتا ہے۔ سونیا ایبروڈ سے وطن واپسی پر ساحرہ کے لیے خصوصی تحائف لے کر آتی ہے وہ کامیش کی طرف بھی بڑھتی ہے اور تعلقات بحال کرنا چاہتی ہے مگر کامیش اسے کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں ہوتا وہ اسے فراز کی محبت یاد دلا کر شرمندہ کرنا چاہتا ہے لیکن سونیا بھی اپنے ارادے کو ناکام ہونے نہیں دینا چاہتی۔ مہرو اپنی پھوپی سے اپنی ذات کی شناخت حاصل کرنا چاہتی ہے وہ عجیب خود اذیتی کا شکار عدم تحفظ محسوس کرتی ہے ایسے میں لالہ رخ اسے بہلانے کی کوشش کرتی ہے مگر وہ کچھ بھی سمجھنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ داور اپنے آدمیوں کو مہرو کی تلاش میں لگا دیتا ہے اور کسی بھی قیمت پر اسے حاصل کرنا چاہتا ہے یہ حالات مہرو کے لیے مزید مشکلات پیدا کردیتے ہیں۔

اب آگے پڑھیے

❁......❁......❁
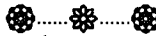
ڈاکٹر اقبال محبوب حورین کو گھر آ کر چیک کر گئے تھے اس وقت وہ سکون آور انجکشن کے زیر اثر محو خواب تھی جب کہ باسل اور خاور بے پناہ متفکرانہ انداز میں اس کے پاس بیٹھے نجانے کن سوچوں میں غرق تھا پھر کافی دیر بعد باسل ایک ہنکارا بھر کر بولا۔

''ڈیڈ کیا آپ کو ڈاکٹر اقبال کی ٹریٹمنٹ پر بھروسہ ہے؟'' باسل کے لہجے میں جھلکتا اضطراب و بے چینی خاور حیات کو بخوبی محسوس ہوگیا تھا اس نے ایک نگاہ پُرسکون انداز میں سوتی حورین پر ڈالی پھر دوسرے ہی پل ہاتھ کے اشارے سے باہر کی جانب آنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سیٹنگ روم میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے خاور حیات سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''بیٹا ڈاکٹر اقبال محبوب شہر کے بہت معروف سائیکاٹرسٹ ہیں انہوں نے بہت کریٹیکل کیسز ہینڈل کیے ہیں مجھے ان پر پورا بھروسہ ہے۔'' چند ثانیے کے لیے باسل حیات کو دیکھ کر رہ گیا۔
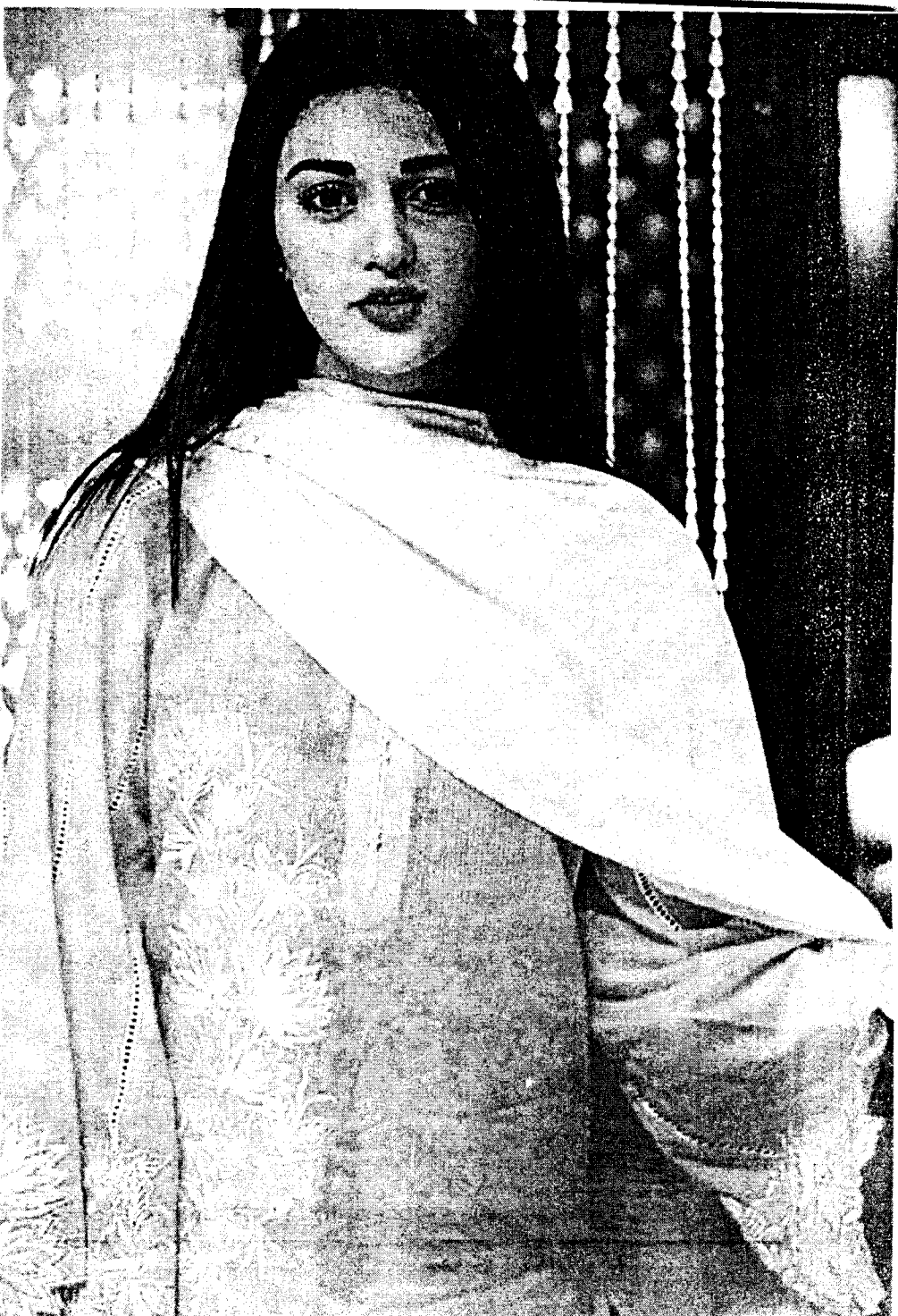
''مجھے مام کی بے حد فکر ہورہی ہے ڈیڈ...... اس طرح سے ان کو ٹرانکو لائزر کے انجکشنز دینا بھی تو ٹھیک نہیں ہے آفٹر آل ان خواب آور ادویات کے سائیڈ ایفیکٹس کافی نقصان دہ ہوتے ہیں۔'' وہ انتہائی اضطرابی انداز میں اپنے دائیں ہاتھ سے اپنی پیشانی مسلتے ہوئے بولا تو خاور حیات کچھ پل کے لیے کسی سوچ میں ڈوب گیا پھر کچھ دیر بعد گویا ہوا۔

''میں تمہاری بات سے ایگری کرتا ہوں باسل مگر اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے حورین کو کچھ ٹائم کے لیے یہ میڈیسنز لازمی لینی پڑیں گی ان فیکٹ وہ کل یہ میڈیسنز کھانے پر راضی بھی نہیں تھی۔ میں تو اسے یہ کہہ کر دوا دیتا ہوں کہ تمہاری کمزوری کے سبب ڈاکٹر نے ملٹی وٹامنز تجویز کی ہیں اور یہ وہی میڈیسنز ہیں۔ حورین چونکہ اپنی بیماری کی بابت کچھ جانتی ہی نہیں تھی تو پہلی بار اس نے خاور سے بڑے اچنبھے سے استفسار کیا تھا کہ وہ آخر یہ ادویات اسے کیوں دے رہا ہے جس پر خاور نے یہ بہانہ بنایا تھا کہ محض طاقت کی دوائیں ہیں جس پر حورین کو مجبوراً یہ دوائیں لینا پڑی تھیں۔

❁......❁......❁
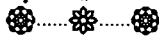
''آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھ سے اس طرح کی گھٹیا بات کرنے کی' مسٹر احمر' آپ نے مجھے فون کرنے کی جرأت بھی کی ناں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا سمجھے۔'' زرمینہ غصے واشتعال سے آگ بگولہ ہوکر احمر یزدانی کو کھری کھری سنا رہی تھی جب کہ سامنے بیٹھی الجھی سی زرتاشہ اسے پریشان نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''دیکھیے زرمینہ آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں میں آپ کو......؟''

''اسٹاپ اٹ...... کسی لڑکی کو اس طرح فون کرکے ایسی باتیں کرنا کہاں کی شرافت ٹھہری۔'' وہ اس کی بات درمیان میں ہی اچک کر تختی سے بولی۔

''کسی کو پسند کرنا کوئی جرم تو نہیں ہے زرمینہ...... میں سچے دل سے آپ کو چاہتا ہوں اور اپنی چاہت کو ایک مقدس رشتے میں بدلنا چاہتا ہوں۔'' احمر انتہائی ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا جب کہ دوسری جانب زرمینہ اس کی بات پر اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ احمر کی اچانک کال نے اسے چند لمحوں کے لیے سوچ میں مبتلا کردیا تھا اس کے تو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ احمر اس سے یوں ببانگ دہل اپنی چاہت کا اظہار کرے گا اس لمحے اسے احمر یزدانی پر بے پناہ طیش آرہا تھا۔

''کہہ لیا جو آپ نے کہنا تھا یا اب بھی کچھ باقی ہے؟'' وہ بے حد طنزیہ انداز میں بولی پھر دوسرے ہی لمحے بل کھا کر ہنوز لہجے میں گویا ہوئی۔

''مسٹر احمر...... آپ کے بارے میں میری رائے کبھی بھی اچھی نہیں تھی مگر آج جو آپ نے اپنی پست ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے اس کے بعد تو میں آپ کی شکل دیکھنا تو درکنار آپ کا نام بھی سننا پسند نہیں کروں گی اور ہاں آئندہ مجھے فون کرنے کی کوشش کی تو میں آپ کی شکایت مہوش سے کردوں گی۔'' وہ ابھی فون بند کرنے ہی والی تھی جب ہی احمر کی عاجزانہ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''میں پھر کہہ رہا ہوں زرمینہ...... آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں' کسی کو پسند کرنا اور اس سے محبت کرنا کوئی جرم تو نہیں یا پھر اتنی گری ہوئی حرکت بھی نہیں ہے کہ جس پر آپ اتنا سخت ری ایکشن دے رہی ہیں۔ صرف اپنے دل کی خواہش آپ کے سامنے رکھی ہے اور میرے خیال میں یہ کوئی اتنی بڑی خطا نہیں۔''

''مسٹر احمر...... آپ کی سوسائٹی اور آپ کی فیملی میں اس قسم کی باتیں عام ہوں گی اور ان بے ہودہ باتوں کو بھی بالکل معمولی اور چھوٹا سمجھا جاتا ہوگا مگر میں جس فیملی سے بی لونگ کرتی ہوں وہاں ایسی باتوں پر جانیں لے لی جاتی ہیں' نسلیں تباہ ہوجاتی ہیں' خون ریزی ہوجاتی ہے مسٹر احمر۔'' وہ آخر میں بے پناہ تلخی سے بولی تو احمر لحہ بھر کے لیے چپ کا چپ رہ گیا جب ہی کچھ توقف کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوئی۔

''ہماری سوسائٹی میں یہ سب جرم ہی سمجھا جاتا ہے' ایسا سنگین اور حیا سوز جرم جس کی معافی سات نسلیں گزر جانے کے باوجود بھی نہیں ملتی۔'' اس پل وہ نجانے کن لمحوں کے زیر اثر بول رہی تھی زرتاشہ نے دیکھا کہ یہ سب کہتے ہوئے زرمینہ کے صبیح چہرے پر عجیب سی اذیت اور تکلیف کے اثرات رقم تھے جب کہ احمر بھی زرمینہ کے لفظوں کی گہرائی محسوس کرکے عجیب سی

کیفیت سے دوچار ہوگیا تھا پھر یک دم وہ جیسے ماضی سے حال میں لوٹی اور ایک گہری سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے بولی۔
''اگر آپ کے اندر تھوڑی سی بھی شرم وحیا باقی رہ گئی ہے تو آپ مجھے دوبارہ فون ہرگز نہیں کریں گے۔'' یہ کہہ کر اس نے کھٹاک سے فون بند کردیا جب کہ احمر زرینہ کی آواز کی بازگشت میں گم صم رہ گیا۔

❁......❁......❁
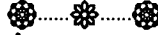
ابرام آج آفس سے جلد ہی فارغ ہوگیا تھا اس کا دوست روجر کافی دنوں سے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دے رہا تھا۔ اسی لیے آج وہ آفس سے روجر کے گھر آ گیا' روجر اسے دیکھ کر کافی خوش ہوا' کافی کے دوران وہ دونوں بڑے خوش گوار انداز میں باتیں کررہے تھے۔ جب ہی کال بیل کی آواز پر روجر اٹھ کر اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولنے چلا گیا۔ چند لمحوں بعد وہ مسکراتا ہوا واپس آیا تو اس کے ہمراہ جیسکا بھی تھی' جیسکا روجر کی بھی اچھی دوست تھی اور وہی روجر کو اصرار کررہی تھی کہ وہ ابرام کو اپنے گھر بلائے اور اسے اس کے لیے کنوینس کرے جونہی آج ابرام اس کے گھر آیا روجر نے ایک ٹیکسٹ جیسکا کو کردیا اور نتیجتاً جیسکا اس وقت ابرام کے سامنے موجود تھی جب کہ ابرام اس پل جیسکا کو دیکھ کر خائف سا ہوا تھا۔ جیسکا نے اس کے متعلق جو کہا تھا جو چاہا تھا وہ ان سب کے لیے تو اسے معاف کرسکتا تھا مگر جو کچھ وہ ماریہ کے خلاف کررہی تھی وہ ابرام کے لیے انتہائی ناقابل قبول اور ناقابل معافی تھا جب جب جیسکا اپنائیت ومحبت کا نقاب چڑھا کر اس کے سامنے آتی تھی ابرام کا دل چاہتا کہ وہ اس کا گلا ہی دبا ڈالے اس وقت بھی اس نے بڑی مشکلوں سے خود پر قابو پایا ہوا تھا۔
سردی کی شدت میں اضافے کی بدولت وہ اس پل بلیک اوور کوٹ پہنے اپنے فریش چہرے سمیت اس کے سامنے تھی روجر قصداً دونوں کو تنہائی فراہم کرکے وہاں سے چلا گیا تھا جب ہی جیسکا اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے سہولت سے بولی۔
''ابرام میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں اپنے عمل پر معافی مانگنا چاہتی ہوں مگر تم تو مجھے کوئی موقع ہی نہیں دینا چاہ رہے آخر کتنے ہی فون کالز میں نے تمہیں کیے تم سے ملنے تمہارے آفس بھی آئی مگر تم تو جیسے مجھے کوئی رعایت ہی نہیں دینا چاہ رہے کیوں ابرام...... کیوں؟ میں نے ایسا کیا کیا ہے جو تمہارا رویہ اس قدر سخت ہوگیا ہے' پلیز ابرام مجھے کچھ بتاؤ تو سہی میں تمہاری ہر شکایت دور کردوں گی۔'' آخری جملہ ادا کرتے ہوئے وہ اپنی نشست سے اٹھ کر اس کے قدموں کے پاس آ کر بیٹھ گئی' کوئی اور وقت ہوتا تو ابرام جیسکا کی اس قدر ندامت اور شکستگی کو دیکھ کر پگھل جاتا اسے معاف کردیتا مگر حقیقت جان ہی چکا تھا۔ ابرام نے گہری سانس بھرے مخصوص انداز میں اسے دیکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں بولا۔
''مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے جیسکا اور جو تم نے مجھ سے کہا تھا اس کے لیے میں تمہیں معاف بھی کرچکا ہوں مگر......'' وہ قدرے توقف کے لیے رکا جیسکا بڑی بے چینی سے اسے دیکھ رہی تھی جو اس لمحے نجانے کیا کچھ سوچ رہا تھا۔
''مگر کیا ابرام؟ بتاؤ میں سن رہی ہوں۔'' وہ بے قراری سے گویا ہوئی تو ابرام نے رخ موڑ کر سنجیدگی سے اسے دیکھا پھر تیزی سے بولا۔
''مگر اب تم سے دوستی کرنا ناممکن ہے جیسکا۔'' جیسکا نے چند ثانیے اسے دیکھا پھر بڑی سختی سے اپنے لبوں کو بھینچا اور تیزی سے روجر کی اپارٹمنٹ سے باہر نکل گئی۔

❁......❁......❁

پورے ملک میں سردی کی شدت میں اضافہ ہوگیا تھا وادی میں بھی سردی اور خنکی اپنے جوبن پر تھی انتہائی سرد ہواؤں اور وقفے سے ہوتی برف باری نے وادی کے لوگوں کی سرگرمیوں کو کافی سرد کردیا تھا البتہ سیاحوں کی آمد گاہے بگاہے جاری تھی بٹو کو داور حبیب نے اپنے ڈیرے پر آج طلب کیا تھا وہ اندر ہی اندر بری طرح سہا اس پل داور حبیب کے سامنے کھڑا تھا۔
''اور بھئی بٹو...... کیسا ہے تُو؟'' داور اپنی شکاری بندوق کا معائنہ کرتے ہوئے بولا تو بٹو نے قدرے چونک کر اسے دیکھا پھر جلدی سے بولا۔
''مم...... میں تو بالکل ٹھیک ہوں صاحب' مجھے بھلا کیا ہونا ہے۔'' داور حبیب نے بڑی گہری نگاہوں سے بٹو کو دیکھا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

''چل یہ تو اچھی بات ہے اچھا بتا تیری باجی مہرو کیسی ہے؟ وہ تو ٹھیک ہے ناں رشید ابتا رہا تھا کہ بے چاری کی اماں فوت ہوگئی ہے کہیں نظر بھی نہیں آرہی وہ آج کل۔'' بٹو کو اس لمحے اپنا خون جسم میں منجمد ہوتا محسوس ہوا سردی کی شدت سے نہیں بلکہ داور حبیب کی باتوں کی اور لہجے کی سختی سے۔

''ہا...... ہاں وہ...... وہ چھوٹے صاحب جی وہ ان کی اماں فوت ہوگئی ہیں۔'' بٹو عجیب سی کشمکش میں مبتلا ہوگیا۔ وہ داور حبیب کو مہرو کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتانا چاہتا تھا مگر اس عفریت سے اپنی جان چھڑانا بھی اس کے بس میں نہیں تھا وہ مرتا کیا نہ کرتا کہ مصداق داور کے سوالوں کے جواب دینے پر مجبور تھا۔

''اچھا یہ بتا کہ تیری باجی مہرو کہاں چھپ کر بیٹھ گئی ہے پہلے تو وہ وادی میں ادھر اُدھر گھومتی نظر آتی تھی۔'' داور کا جملہ سن کر بٹو کے جسم میں جیسے چیونٹیاں رینگنے لگیں۔

''کن سوچوں میں گم ہوگیا تو بٹو۔'' بٹو کو گم صم کھڑا دیکھ کر داور چڑ کر بولا تو بٹو ہڑبڑا کر چونکا پھر بڑی دقتوں سے خود کو سنبھال کر بولا۔

''وہ...... باجی تو آج کل گھر سے زیادہ نہیں نکلتی۔'' داور نے بٹو کو اس لمحے بڑے غور سے دیکھا پھر رعب دار لہجے میں بولا۔

''اچھا چل ٹھیک ہے تُو ایسا کر ڈیرے کی صفائی کر پھر بعد میں آ کر مجھ سے مل۔'' جواباً بٹو اثبات میں سر ہلا کر وہاں سے چلا گیا جبکہ اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے داور کسی گہری سوچ میں مستغرق ہوگیا۔

❁......❁......❁
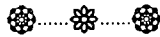
''تم نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تم مجھے ابرام سونپ دو گے وہ مجھے مل جائے گا اب بتاؤ میک تم اپنا وعدہ کب پورا کرو گے۔''

''تم اپنے حواسوں میں تو ہو جیسکا...... ابرام کی چاہت میں تم تو پاگل ہوئے جارہی ہو وہ وعدہ صرف اسی صورت میں پورا ہونا تھا جب تم ماریہ کے خلاف کوئی ثبوت لے کر آتیں جو تم نہیں لاسکیں۔ جیسکا تم اپنے کام میں ناکام ٹھہری پھر کس بناء پر مجھ سے یہ سوال کررہی ہو۔'' جیسکا کی بات پر میک کو بری طرح غصہ آ گیا تھا وہ اسے کھری کھری سناتے ہوئے بولا تو جیسکا چند ثانیے کے لیے بالکل چپ سی رہ گئی پھر قدرے توقف کے بعد تھکے ہوئے لہجے میں گویا ہوئی۔

''میرے خیال میں تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو میک آئی ایم سوری میں کچھ جذباتی ہوگئی تھی' دراصل ابرام کے بار بار ٹھکرانے پر میں اپنے آپ پر کنٹرول چھوڑ بیٹھی تھی۔'' جواباً میک نے ایک ہنکارا بھرا' وہ اس وقت میک سے فون پر بات کررہی تھی۔

''میک شاید تم نے صحیح کہا تھا ماریہ میری سوچ سے زیادہ چالاک اور ہوشیار ہے وہ اب بھی اسی مذہب کو فالو کررہی ہے اس نے بڑی چالاکی سے سرپال کو یہ یقین دلا دیا ہے کہ وہ اس راستے کو چھوڑ چکی ہے۔'' جیسکا کسی سوچ کے زیر اثر بولی تو میک نے بناء حیران ہوئے اس کی تمام بات سنی اسے پہلے ہی یقین تھا کہ ماریہ نے مذہب اسلام اب تک ترک نہیں کیا ہے مگر وہ مجبور اُسرپال کے سامنے خاموش ہوگیا تھا جب ہی جیسکا کی آواز دوبارہ اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''میک میں دیکھ رہی ہوں کہ ماریہ اب پہلے والی ماریہ بالکل بھی نہیں رہی ہے۔ پڑھائی میں اس کا انٹرسٹ بالکل ختم ہوگیا ہے' تمام لیکچرز وہ انتہائی غائب دماغی سے سنتی ہے اور تو اور وہ اکثر اوقات کسی گہری سوچ میں گم ہوجاتی ہے۔'' جیسکا انتہائی ذہین و چالاک لڑکی تھی وہ پچھلے کچھ دنوں سے ماریہ ایڈم کو بخوبی نوٹ کررہی تھی اور جوں جوں وہ اس کا باریکی سے جائزہ لے رہی تھی اس پر یہ بات منکشف ہورہی تھی کہ ماریہ اچھی خاصی ڈسٹرب تھی۔

''ٹھیک ہے جیسکا تم ماریہ پر نگاہ رکھو مجھے یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی کلو تمہارے ہاتھ ضرور لگے گا۔'' میک گمبھیر لہجے میں بولا تو جیسکا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اوکے میک۔'' پھر دوسرے ہی پل اس نے لائن ڈس کنکٹ کردی۔

❀……❀……❀
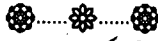
خاور حیات کی آفس میں آج ضروری میٹنگ تھی جس کی وجہ سے وہ آج گھر وقت پر جانے سے قاصر تھا اس نے حورین کو فون کرکے اپنے لیٹ آنے کی بابت بتادیا تھا مگر عین ٹائم پر ایمرجنسی کے سبب میٹنگ کینسل کرنا پڑی تھی۔ میٹنگ کینسل ہوتے ہی خاور حیات نے گھر کی راہ لی وہ گھر آیا تو حورین کو نادارد پاکر وہ کافی حیرت زدہ ہوا۔

''یہ اس وقت حورین کہاں چلی گئی......؟'' خاور خود سے سوال کرتے ہوئے بولا پھر گھر میں موجود ملازمین سے استفسار کیا تو سب ہی نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''میڈم تو ایک گھنٹہ پہلے گھر سے نکلی ہیں۔'' جب اسے معلوم ہوا کہ وہ خود ہی گاڑی لے کر نکلی ہے تو وہ اور زیادہ الجھ گیا وہ بہت کم ہی خود ڈرائیو کرتی تھی۔

''اوہ یہ حورین کہاں چلی گئی؟ مجھے بناء کچھ بتائے۔'' ملازمین کو وہاں سے روانہ کرکے وہ خود سے بولا پھر اس نے باسل کو فون کرکے تمام سچوئشن اسے بتائی تو وہ بھی پریشان ہوگیا جو مزید کہہ رہا تھا۔

''حورین فون بھی گھر پر چھوڑ گئی ہے اب میں اس سے کیسے رابطہ کروں باسل جب کہ ایسی حالت میں اسے اکیلے خود سے تنہا ڈرائیور کرکے ہرگز بھی نہیں جانا چاہیے تھا۔''

''ڈیڈ آپ پلیز پریشان مت ہوں ہوسکتا ہے کہ وہ کسی قریبی شاپ میں کچھ لینے کے لیے چلی گئی ہوں۔ اچھا میں تھوڑی دیر میں گھر پہنچتا ہوں اوکے آپ پریشان مت ہوں۔'' باسل اس وقت احمر کے گھر پر کمبائن اسٹڈی کررہا تھا خاور کو بے حد پریشان اور حورین کو گھر سے غائب پاکر وہ بھی اچھا خاصا متفکر ہوگیا تھا تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ گھر پر تھا اس پل خاور حیات انتہائی بے قراری سے حورین کا منتظر تھا جب کہ باسل صوفے پر بیٹھا باپ کی کیفیت ملاحظہ کررہا تھا۔

''ڈیڈ آپ پلیز ریلیکس ہوجائیں ماما ان شاء اللہ خیریت و عافیت سے گھر آجائیں گی۔''

''اگر اسے کہیں جانا تھا تو وہ خود کیوں گاڑی لے کر نکل گئی باسل تم تو اس کی بیماری کے بارے میں جانتے ہوناں وہ ڈرائیور کے ساتھ بھی تو جاسکتی تھی ناں۔'' خاور حیات باسل نے خاموشی اختیار کرلی۔

❀……❀……❀

سونیا کل خود ہی بناء کسی کے کہے اپنا سامان لے کر واپس سمیر ہاؤس آگئی تھی حسب توقع ساحرہ نے اس کا بڑے پُرتپاک انداز میں استقبال کیا جب کہ سمیر شاہ محض اسے خاموشی سے دیکھ کر رہ گئے تھے۔ وہ کرتے بھی تو کیا کرتے انہوں نے کامیش شاہ سے کہا تو تھا کہ وہ جلد سے جلد سونیا کو طلاق دے کر اسے اپنی زندگی سے بے دخل کردے مگر سونیا تو جیسے جونک کی طرح اس گھر سے چپک گئی تھی نجانے اب کون سے منفی ارادے اور عزائم لے کر وہ اس گھر میں دوبارہ داخل ہوئی تھی وہ خود ہی جاکر گیسٹ روم میں براجمان ہوگئی تھی۔

کامیش چونکہ کل صبح ہی کسی اہم مشن کے سلسلے میں اسلام آباد چلا گیا تھا لہٰذا اسے سونیا کے گھر آنے کی بابت معلوم نہیں تھا جب کہ سمیر شاہ نے بھی کامیش کو ڈسٹرب نہ کرنے کی غرض سے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

''سونیا مائی ڈارلنگ یقین جانو مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ تمہارے واپس آجانے سے میرے گھر کی ساری خوشیاں بھی واپس لوٹ آئی ہیں آئی ایم سو ہیپی۔'' سارہ بہت خوش اور ایکسائٹڈ تھی سونیا نے مسکرا کر انہیں دیکھا پھر تھوڑا سنجیدگی سے بولی۔

''وہ تو سب ٹھیک ہے آنٹی مگر کامیش...... کیا وہ مجھے معاف کرکے دوبارہ اپنی زندگی میں مجھے شامل کرے گا؟'' کامیش کا سرد اور اجنبی رویہ سونیا کو تھوڑا پریشان سا کررہا تھا کہیں دل کے کسی کونے میں اسے یہ خدشہ لاحق تھا کہ کامیش اسے اپنی زندگی سے بے دخل نہ کردے۔ ساحرہ نے تھوڑا چونک کر اسے دیکھا پھر بڑے وثوق سے بولی۔

''ہاں کیوں نہیں سونیا...... آخر تمہارے اندر کس چیز کی کمی ہے کامیش تو بہت لکی ہے کہ اسے تمہاری جیسی خوب صورت ذہین اور ایجوکیٹڈ لائف پارٹنر ملی ہے جو اس سے محبت بھی کرتی ہے۔'' ساحرہ کی بات پر اس لمحے سونیا کی گردن مارے تفاخر

کے خود بخود تن گئی تھی۔

❀……❀……❀
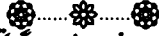
زرمینہ اس دن احمر سے بات کرنے کے بعد سے کافی خاموش سی ہوگئی تھی وہ جو بات بات پر کھلکھلاتی تھی اب تو جیسے اس کے لب مسکرانا ہی بھول گئے تھے۔ زرتاشہ زرمینہ سے پوچھ پوچھ کر تھک گئی تھی مگر زرمینہ تو کچھ بھی بتا کے نہیں دے رہی تھی۔ جامعہ میں دو دن بعد سے موسم سرما کی تعطیلات شروع ہونے والی تھیں دو دن بعد ہی وہ دونوں اپنے اپنے گھروں کا رخ کرنے والی تھیں۔ زرتاشہ چاہ رہی تھی کہ گھر جانے سے پہلے زرمینہ اپنے دل کی وہ بات اس سے شیئر کرلے جس کی وجہ سے وہ اتنی خاموش اور گم صم ہوگئی تھی۔

''افوہ زری اب پلیز مجھے بتا بھی دو کہ آخر کس بات نے تمہیں اتنا ڈپریس کردیا ہے مجھے تو کچھ بتاؤ کیا میں تمہاری دوست نہیں ہوں۔ کیا میں نے اپنے دکھ درد تمہارے ساتھ نہیں بانٹے کیا؟'' اس پل وہ دونوں ہاسٹل کے خوب صورت سے لان میں بیٹھی دھوپ سینک رہی تھیں' زرمینہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر بجھے بجھے لہجے میں گویا ہوئی۔

''کیا بتاؤں میں تمہیں تاشو میرے پاس بتانے کو کچھ بھی نہیں ہے۔'' زرتاشہ نے سنجیدگی سے زرمینہ کو دیکھا جو ڈارک براؤن لینن کے شلوار سوٹ میں بادامی رنگ کی شال اوڑھے بہت مضمحل سی لگ رہی تھی۔ زرتاشہ کے ذہن میں اس لمحے عجیب وغریب سی سوچ در آئی تو وہ بے ساختہ پریشان سی ہوکر زرمینہ کو بغور دیکھنے لگی پھر جھجکتے ہوئے بولی۔

''زری…… تم احمر سے محبت تو نہیں کرنے لگیں؟'' زرتاشہ کی بات پر زرمینہ اپنی جگہ سے یوں اچھلی جیسے اسے کرنٹ لگا ہوا پھر زرتاشہ کو دیکھ کر بڑی ناگواری سے بولی۔

''تاشو ابھی میرا دماغ اتنا بھی خراب نہیں ہوا کہ میں اس ایڈیٹ احمر یزدانی سے محبت کرنے لگوں۔'' پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

''اور ویسے بھی تاشو یہ محبت وحبت سب فضولیات ہیں اور میں اس وجود سے ہی انکاری ہوں۔''

''کیا مطلب زری…… میں نے تو ناولوں اور افسانوں میں ہیرو اور ہیروئن کی محبت بھری کہانیاں اچھی خاصی پڑھی ہیں۔'' زرتاشہ خاصی متعجب ہوکر بولی تو زرمینہ کا خوب صورت چہرہ یک دم سرخ سا ہوگیا۔

''وہ جھوٹ اور فریب کے علاوہ کچھ نہیں ہے' سمجھیں ان سب کا حقیقی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اوکے۔'' زرمینہ نجانے کیوں اس بات پر اتنی مشتعل ہوگئی تھی انتہائی غصے میں بول کر وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور ہاسٹل کی عمارت کے اندر چلی گئی جب کہ زرتاشہ ناسمجھی والے انداز میں ششدر سی بیٹھی رہ گئی۔

❀……❀……❀
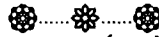
حورین اپنی سوچوں میں گم سیٹنگ روم میں داخل ہوئی تو باسل کے ساتھ ساتھ خاور حیات کو دیکھ کر اس کے قدم بے ساختہ ٹھٹک کر رکے' خاور اسے وہاں آتا دیکھ کر بڑی بے قراری سے اس کی جانب بڑھا۔

''اوگاڈ حورین تم کسی کو بناء کچھ بھی بتائے کہاں چلی گئی تھیں' تمہیں پتا ہے ہم دونوں یہاں کتنا پریشان ہورہے تھے اور تو اور تم اپنا سیل فون بھی گھر پر چھوڑ کر گئی تھیں۔'' خاور ایک ہی سانس میں بولے گیا جب کہ حورین کا چہرہ پل بھر کے لیے متغیر ہوا مگر دوسرے ہی لمحے وہ خود کو سنبھال کر فقط اتنا ہی بولی۔

''آئی ایم رئیلی ویری سوری وہ دراصل میں ایسے ہی باہر چلی گئی تھی۔'' حورین کی اس پل سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ خاور حیات کو کیسے مطمئن کرے جب ہی باسل بھی اس کے قریب آکر شکوہ کناں لہجے میں گویا ہوا۔

''مام اٹس ناٹ فیئر' آپ کو اندازہ ہے کہ ہم لوگ کتنا ٹینس ہورہے تھے آپ کو کہیں جانا تھا تو مجھے بتا دیتیں۔'' حورین نے لحظہ بھر باسل کو دیکھا پھر خوامخواہ میں ہنستے ہوئے کہنے لگی۔

''مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ آپ دونوں میرے اس طرح باہر جانے پر اتنا پریشان ہوجائیں گے ورنہ میں کبھی بغیر بتائے نہ جاتی میں تو قریبی مارکیٹ تک گئی تھی۔ ایسے ہی دل گھبرا رہا تھا تو سوچا باہر کا چکر ہی لگالوں۔'' آف وائٹ اور

کاہی گرین کنٹراسٹ کے ویلوٹ کے سوٹ میں حورین کچھ تھکی تھکی سی دکھائی دی۔ خاور نے چند ثانیے اسے دیکھا پھر سہولت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولا۔

''اچھا تم یہاں آرام سے بیٹھو تھک گئی ہوں گی ناں۔'' پھر خاور نے ملازم کو آواز دے کر کافی کا آرڈر دیا تو حورین نے مسکرا کر خاور کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''آپ تو آج لیٹ آنے والے تھے ناں اور باسل آپ...... آپ بھی کمبائن اسٹڈی کرنے احمر کے گھر گئے تھے۔'' باسل اسی اثناء میں حورین کے پہلو میں آ کر بیٹھ چکا تھا۔

''احمر کو کوئی ضروری کام یاد آ گیا تھا تو میں گھر ہی چلا آیا۔'' باسل نے اصل بات بتانے سے گریز کرتے ہوئے کہا تو حورین خوش دلی سے اسے دیکھے گئی۔

''اور میڈم ہمارے گھر آنے کی وجہ میٹنگ کینسل ہونا ٹھہری۔'' خاور بڑی خوش گواری سے بولا جس پر وہ تینوں ادھر اُدھر کی باتوں میں محو ہو گئے۔

❁......❁......❁
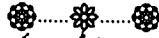
منتظر کس کا ہوں ٹوٹی ہوئی دہلیز پر میں
کون آئے گا یہاں کون ہے آنے والا

مہرو نجانے کن خیالوں میں گم مضمحل سی بیٹھی تھی جب ہی لالہ رخ خاموشی سے اس کے قریب آ کر براجمان ہوئی تو اس نے قدرے چونک کر سامنے بیٹھی لالہ رخ کو دیکھا پھر دوبارہ اپنے خیالوں میں کھو گئی۔ لالہ رخ چند ثانیے اسے خاموشی سے دیکھتی رہی پھر ایک گہری سانس بھر کر بولی۔

''مہرو میری بہن آخر تم اس طرح کب تک سب سے الگ تھلگ اداس بیٹھی رہو گی جب ابا ہمیں چھوڑ کر گئے تھے تو وہ تم ہی تھی ناں جو ہمیں سمجھاتی تھیں کہ موت برحق ہے جو انسان دنیا میں آتا ہے تو اسے ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا ہی ہوتا ہے۔ پھوپو کا وقت تمام ہو چکا تھا مہرو لہٰذا وہ قضائے اجل کو لبیک کہہ کر یہاں سے چلی گئیں۔'' اس پل لالہ رخ کے لہجے میں بھی گہرا دکھ اور افسوس جھلک رہا تھا مگر جواباً مہرو ہنوز خاموش رہی۔

سردی کی بے پناہ شدت کی وجہ سے کمرہ ہیٹر سے گرم ہو رہا تھا چونکہ زرتاشہ کی یونیورسٹی میں چھٹیاں ہو گئی تھیں لہٰذا وہ بھی کل یہاں پہنچ گئی تھی' لالہ رخ کی زبانی یہ انکشاف سن کر مہرو پھوپو کی حقیقی بیٹی نہیں تھی چند ثانیے کے لیے وہ بھی بالکل ساکت رہ گئی تھی پھر بڑی دقتوں کے بعد ہکلا کر بولی تھی۔

''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو لالہ......! بھلا ایسے کیسے ہو سکتا ہے...... نہیں لالہ شاید مہرو کسی غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہے۔'' زرتاشہ نے اس حقیقت کو پوری شدومد سے جھٹلایا تھا۔

''نہیں تاشو یہ بات بالکل سچ ہے مہرو واقعی پھوپو کی بیٹی نہیں ہے۔'' لالہ رخ ایک اذیت کے عالم میں بولی تھی جب ہی زرتاشہ نے انتہائی تحیر کے عالم میں اسے دیکھا تھا پھر بے ساختہ اپنا چکراتا سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر بولی تھی۔

''لالہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ...... کہ مہرو پھوپو کی سگی بیٹی تھی ہی نہیں اور پھوپو نے اتنا بڑا راز اتنی سنگین حقیقت ہم سب سے یہاں تک کہ مہرو سے بھی چھپا کر رکھی۔'' زرتاشہ کسی طور اس شاکڈ سے باہر ہی نکل رہی تھی پھر یک دم ایک خیال ذہن میں آیا تو بے ساختہ استفسار کرتے ہوئے بولی۔

''لالہ امی نے کچھ بتایا کہ مہرو آخر کس کی بیٹی ہے' کون ہے اس کے اصل ماں باپ۔''

''امی فی الحال تو خاموش ہیں مجھے لگتا ہے کہ وہ کسی فیصلے پر پہنچنا چاہ رہی ہیں اسی لیے میں نے دوبارہ ان سے اس بابت کچھ نہیں پوچھا جبکہ مہرو بھی بالکل خاموش ہے۔'' لالہ رخ کی بات سن کر زرتاشہ کسی سوچ میں پڑ گئی پھر قدرے توقف کے بعد بولی۔

''لالہ مہرو ایسی تو نہیں تھی یوں اس طرح حالات کے آگے ہتھیار ڈال کر چپ چاپ ہو جانے والی مجھے تو مہرو کی خاموشی

سے ڈر لگ رہا ہے لالہ......'' لالہ رخ نے اس لمحے اسے بے پناہ چونک کر دیکھا' زرتاشہ کی بات سو فیصد درست تھی جو مزید کہہ رہی تھی۔

''ہمیں اس کے دل کا حال جاننا ہوگا لالہ' یہ بہت ضروری ہے مہرو کی چپ بے معنی ہرگز نہیں ہے اس خاموشی کے پیچھے یقیناً کوئی طوفان پوشیدہ ہے' لالہ مہرو آخر ایسا کیوں کر رہی ہے اسے تو امی سے لڑ جھگڑ کر حقیقت معلوم کرنی چاہیے تھی نا کہ اس طرح مہر بہ لب ہوکر کونے میں بیٹھ جانا۔'' زرتاشہ جیسے جیسے بول رہی تھی ویسے ویسے لالہ رخ کے اندر اضطراب و تفکرات کی لہریں اٹھ رہی تھیں وہ بے حد ہراساں ہوگئی۔

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو تاشو میں نے تو اس بات پر غور ہی نہیں کیا۔'' اب وہ اتنی دیر سے مہرو کو بولنے پر اکسا رہی تھی مگر بڑی مشکلوں سے اس کے منہ سے صرف ''ہوں'' ہاں کے لفظ ہی برآمد ہوئے تھے جب ہی وہ جھنجھلا کر بولی۔

''افوہ مہرو...... مجھے تو لگ رہا ہے کہ میں کسی انسان سے نہیں بلکہ دیوار سے باتیں کر رہی ہوں۔ اچھا تم اپنے اس مونچھوں والے ہیرو کے بارے میں ہی کچھ کہہ دو ویسے وہ میگزین ہے کہاں میں بھی تو دوبارہ دیکھوں موصوف کو۔'' آخر میں وہ اپنے لہجے میں شرارت کے رنگ بھرتے ہوئے بولی مگر اس بار بھی لالہ رخ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا مہرو ہنوز پوزیشن میں بیٹھی رہی جب ہی زرتاشہ چھوٹی سی ٹرے میں چائے کے تین کپ لے کر داخل ہوئی اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ استفسار کیا جواباً لالہ رخ نے مایوسی سے سرنفی میں ہلایا تو زرتاشہ بھی پریشان سی ہوگئی پھر کافی دیر دونوں بہنیں مہرو کو بہلانے کی کوشش کرتی رہیں مگر مہرو تو جیسے پتھر کی مورت بن گئی تھی۔

❀......❀......❀
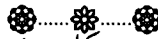
جیسکا ہکا بکا سی بیٹھی انتہائی بے یقینی کے عالم میں سامنے کھلی کتاب کو پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ بہت دیر تک یک ٹک دیکھنے کے بعد آہستہ آہستہ اس کے وجود پر چھایا سکتہ ٹوٹنے لگا یک لخت بے پایاں مسرت و جوش کا احساس اس کے رگ و پے میں تیزی سے سرائیت کرتا چلا گیا۔

''او مائی گاڈ......!'' وہ بے تحاشا خوش ہوکر بڑبڑائی پھر اس چھوٹے سے کارڈ کو اٹھا کر اس نے بڑے خوش ہوکر الٹ پلٹ کر کے دیکھا اس چھوٹے سے اسٹیکر نما کارڈ نے اسے ایک ہی پل میں جیسے کامیاب سا کر دیا تھا وہ جو اتنے دنوں سے کسی کلو یا ثبوت کی تلاش میں تھی وہ اس لمحے اس کے ہاتھ میں تھا جو ماریہ کی کتاب سے نکلا تھا۔ ماریہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنی کتابیں سمیٹ کر لائبریری روم سے باہر چلی گئی تھی۔

آج وہ جیسکا کو ضرورت سے زیادہ سنجیدہ اور چپ دکھائی دے رہی تھی' جیسکا نے بھی اس سے کچھ بھی پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ خود بھی ابرام کے رویوں اور باتوں کو لے کر کافی ڈپریس تھی۔ ماریہ جیسکا کے آنے سے پہلے ہی لائبریری میں براجمان تھی' جیسکا جب وہاں داخل ہوئی تو ماریہ کو اس کی مخصوص جگہ پر بیٹھے دیکھ کر اس کا دل کبیدہ سا ہوا' ابرام کی وجہ سے وہ اس وقت ماریہ سے کافی خار محسوس کر رہی تھی مگر مجبوراً وہ اس کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی تھی تھوڑی ہی دیر پہلے ماریہ گھر جانے کی غرض سے وہاں سے چلی گئی تھی اور شومئی قسمت وہ ایک کتاب وہیں پر بھول گئی تھی۔

جیسکا کی نظر جب غیر ارادی طور پر اس کتاب کی جانب اٹھی تو اس نے یونہی کتاب کھول کر الٹ پلٹ کر اسے دیکھا اور پھر وہ چیز اس کے سامنے آج آ ہی گئی جس کو حاصل کرنے کے لیے میک اور وہ سر توڑ کوشش کر رہے تھے وہ کسی خاص زبان میں لکھی ایسی عبادت تھی جو کارڈ کے چاروں کونوں میں بڑے خوب صورت سے انداز میں لکھی ہوئی تھی جیسکا جو کافی شارپ مائنڈڈ تھی وہ فوراً سے پیشتر سمجھ گئی کہ یہ ضرور مسلمانوں کی کوئی بہت ہی خاص عبادت ہے' وہ اپنا سامان سمیٹ کر تیزی سے وہاں سے اٹھی اور اگلے دس منٹ میں وہ میک کے سامنے تھی وہ کارڈ دیکھ کر میک کی بھی آنکھوں میں عجیب سی چمک در آئی تھی پھر جیسکا کو دیکھ کر بولا جو فاتحانہ انداز میں اسی کو دیکھ رہی تھی۔

''ویل ڈن جیسکا گڈ جاب تم نے اپنا ٹاسک آخر کار کامیابی سے پورا کر ہی لیا' شاباش مائی ڈیئر۔'' وہ شستہ انگریزی میں بولا جب کہ جیسکا نے بڑی دلکشی سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

Medora
Perfumed Talc
خوشبو جو دل کو بھائے
تازگی جو ہر کوئی چاہے
Season
Pleasure
Cherish
Joy
Passion
Greetings
Dignity
Salute
خوشبو کی دنیا کے 8 شگفتہ احساس

❁......❁......❁
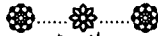
آج اتوار ہونے کی بدولت باسل اور خاور دونوں ہی لنچ کی ٹیبل پر موجود تھے اور حسب معمول حورین نے اچھا خاصا اہتمام کیا ہوا تھا جب ہی باتوں باتوں میں حورین نے باسل کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔

''تو بیٹا جی آپ ایک دفعہ پھر ہمیں بتا دیجیے کہ آپ کی کوئی پسند تو نہیں ہے پھر بعد میں ہمیں قصور وار مت ٹھہرائیے گا۔'' خاور حیات شرارت آمیز لہجے میں بولا تو باسل حیات اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گیا پھر جز بز ہوتے ہوئے بولا۔

''او ڈیڈ میں نے آپ دونوں کو پہلے بھی بتایا ہے کہ میری کوئی پسند نہیں۔'' یہ بولتے ہوئے نجانے کیوں اس پل باسل کے دل کی دھڑکنیں مدھم سی ہوئیں' اندر کہیں دور دور تک سناٹا پھیلتا چلا گیا جب کہ خاور حیات بول رہا تھا۔

''اوکے مائی سن تو میں نے اور تمہاری مام نے ایک لڑکی پسند کرلی ہے بلکہ پہلی چوائس تمہاری مام کی تھی انہوں نے مجھے بتایا تو میں بھی ایگری ہوگیا۔''

''کیا......!'' باسل بے ساختہ چونک کر کافی حیرت سے بولا وہ تو سمجھ رہا تھا کہ مام کو لڑکی سرچ کرنے میں کم سے کم ایک سال تو لگے گا مگر یہاں تو وہ ہتھیلی پر سرسوں جمائے بیٹھی تھیں اس نے بے حد الجھ کر حورین کو دیکھا جو بڑی دلکشی سے مسکراتے ہوئے اسی کی جانب متوجہ تھی۔

''مام آپ......آپ نے کیا واقعی لڑکی......! کوئی لڑکی تلاش کرلی ہے۔'' وہ حیرت بھرے انداز میں بولا تو حورین اور خاور حیات دونوں بے اختیار زور سے ہنس دیئے پھر خاور بڑے مزے سے بولا۔

''کیوں بیٹا جی آپ کو یقین نہیں آرہا کیا آپ کی مام جس کام کو کرنے کی ٹھان لیتی ہیں ناں وہ کر کے رہتی ہیں۔''

''مگر اتنی جلدی......!'' وہ اتنا ہی بول کر بات قصداً ادھوری چھوڑ گیا۔

''جی جناب کوئیک اینڈ فاسٹ۔'' حورین بھی بے حد خوش گواری سے بولی تو وہ محض خاموشی سے اپنی ماں کو دیکھتا رہ گیا۔

''پوچھو گے نہیں وہ کون لڑکی ہے جو تمہاری مام کے دل کو بھائی ہے۔'' اس لمحے باسل عجیب سی کیفیت سے دوچار تھا انتہائی الجھے دل سے استفسار کرتے ہوئے بولا۔

''کون ہے وہ لڑکی؟''

''عنایہ......عنایہ دانش۔'' حورین خوش ہو کر بولی تو باسل چپ کا چپ بیٹھا رہ گیا۔

❁......❁......❁
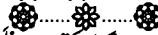
ماریہ کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اپنی زندگی کی کتنی بڑی غلطی کر آئی تھی' کالج سے آنے کے بعد وہ حسب معمول کچھ دیر کے لیے سوگئی تھی جیسکا اور میک وہ کارڈ لے کر سرپال کے پاس پہنچ گئے تھے وہ کارڈ ہاتھ میں لے کر سرپال بڑی تلخی سے مسکرائے تھے پھر کسی گہری سوچ میں غلطاں ہوگئے جب کہ جیسکا اور میک ان کے بولنے کے منتظر تھے کافی دیر بعد وہ ہنکارا بھر کر بولے۔

''ماریہ مائی چائلڈ یہ تم نے بہت غلط کیا' تمہارا یہ گناہ ناقابل معافی ہے۔'' اس لمحے ان کے لب و لہجے میں دکھ و افسوس صاف صاف جھلک رہا تھا۔ جیسکا اور میک بخوبی محسوس کرگئے تھے ماریہ ان کے سامنے پلی بڑھی تھی وہ ان کی سب سے اچھی دوست کی بیٹی تھی انہیں بھی ماریہ سے خصوصی لگاؤ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ماریہ کو خصوصی رعایت دیتے چلے آرہے تھے جو ان کی طبیعت کا خاصہ بالکل نہیں تھا مگر یہ سب دیکھ کر انہیں دلی رنج ہوا تھا کافی دیر وہ خاموش بیٹھے رہے پھر اپنے مخصوص کھردرے انداز میں بولے۔

''مجھے ابھی اور اسی وقت جیکولین سے بات کرنی ہے ایسا کرو تم دونوں بھی میرے ساتھ چلو۔'' وہ اپنے جذبات پر قابو پاچکے تھے اور اس پل اپنے اصل سفاکانہ روپ میں واپس آچکے تھے۔

❁......❁......❁
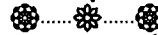
''آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھ سے اس طرح کی گھٹیا باتیں کرنے کی۔'' احمر کے کانوں میں اب تک زرینہ کے جملوں کی

بازگشت گونج رہی تھی، زرینہ نے اسے بری طرح مایوس کیا تھا وہ جس انداز و لب و لہجے میں بات کررہی تھی اس سے احمر بخوبی یہ بات جان چکا تھا کہ زرینہ کے دل کے کسی بھی کونے میں اس کے لیے کوئی بھی خاص جذبہ نہیں تھا بلکہ وہ تو اسے سخت ناپسند کرتی تھی۔ وہ کیمپس آیا تو بے حد سنجیدہ اور خاموش سا تھا جب کہ باسل بھی آج کچھ الجھا الجھا سا تھا۔ کل دوپہر مام سے ہونے والی گفتگو بار بار اسے الجھا رہی تھی۔

''مگر مام عنایہ......!''

''کیوں باسل بیٹا...... آپ کو عنایہ پسند نہیں ہے کیا؟'' اس لمحے حورین کے لہجے میں پریشانی و تفکر کے رنگ جھلکے تھے باسل فوراً بولا۔

''نہ...... نہیں مام ایسی تو کوئی بات نہیں ہے مگر یہ سب جلدی نہیں ہے کیا؟''

''بیٹا جی ایک اچھا سا فنکشن ارینج کرکے آپ کے نام کی انگوٹھی عنایہ کو پہنا دیں گے۔'' خاور کی بات پر وہ چپ ہوگیا پھر ذہن میں ایک خیال آیا تو وہ تیزی سے استفسار کرتے ہوئے بولا۔

''مام کیا عنایہ راضی ہے اس رشتہ پر۔''

''میں نے سوچا پہلے آپ سے پوچھ لوں مگر مجھے معلوم ہے عنایہ کبھی انکار نہیں کرے گی۔'' حورین یقین بھرے لہجے میں بولی۔

❀......❀......❀
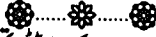
رات کے پچھلے پہر لالہ رخ انتہائی گہری نیند سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی اس لمحے شدید سردی ہونے کے باوجود اس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی تھی کچھ دیر پہلے اس نے بہت عجیب سا خواب دیکھا تھا' اپنے حواسوں میں آتے ہی اس نے تیزی سے گردن موڑ کر مہرو کی جانب دیکھا جو لحاف کے اندر دبکی ہوئی تھی' مہرو کا وجود سامنے دیکھ کر اس کی دل کی رفتار اور سانسیں نارمل ہوئی تھیں۔ لالہ رخ نے مہرو کے حوالے سے بہت برا خواب دیکھا تھا' اس نے دیکھا کہ وہ دونوں کسی باغ میں چہل قدمی میں مصروف ہیں۔ جب ایک بے حد کریہہ صورت کا جانور وہاں آ دھمکا ہے۔ لالہ رخ اس عجیب و غریب اور خوف ناک سے جانور کو دیکھ کر بری طرح ڈر گئی جب کہ مہرو بڑے اطمینان اور سکون سے اپنی جگہ پر کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

''مہرو اللہ کے واسطے پیچھے ہٹ جاؤ ورنہ یہ جانور تم کو کھا جائے گا۔'' لالہ رخ اسے ہنوز اپنی جگہ کھڑا دیکھ کر چلا کر بولی مگر مہرو کی کیفیت میں ذرا بھی فرق نہیں آیا وہ بڑے سکون سے کھڑی رہی پھر اس جانور کو مخاطب کرکے بولی۔

''کیا تم مجھے کھانے آئے ہو؟'' جواباً اس جانور نے سر اثبات میں ہلایا اور پھر آہستہ آہستہ مہرو کی جانب بڑھنے لگا وہ بری طرح چلا چلا کر مہرو کو پیچھے ہٹ جانے کا کہتی رہی مگر مہرو جیسے اس کی آواز سن ہی نہیں رہی تھی جب وہ جانور اس کو نگلنے ہی لگا تھا ایسے میں لالہ رخ بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر مہرو کی طرف سے اطمینان کرکے وہ دوبارہ لیٹ گئی کافی دیر وہ اسی خواب کے زیر اثر رہی پھر نجانے کب اس کو دوبارہ نیند نے آن لیا۔

❀......❀......❀

سرپال کو اس وقت اپنے آفس میں دیکھ کر جیکولین کچھ حیران سی ہوگئی تھی' وہ تھوڑی دیر میں آفس سے نکلنے ہی والی تھی جب کہ پال کے ہمراہ جیسکا اور میک کی موجودگی بھی اسے الجھا گئی تھی۔

''سب ٹھیک تو ہے نا پال تم اس طرح اچانک مجھ سے ملنے آ گئے۔'' جیکولین استفسار کرتے ہوئے بولی پھر جیسکا کو مخاطب کرکے گویا ہوئی۔

''جیسکا تم پال کے ساتھ کیا کررہی ہو اور میک تم......؟'' اس نے قصداً اپنا جملہ ادھورا چھوڑا جب ہی جیسکا ایک گہرا سانس لے کر بولی۔

''آنٹی یہ تو آپ کو سرپال بتائیں گے۔'' جیکولین نے استفہامیہ نگاہوں سے سرپال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''پال پلیز مجھے بتاؤ آخر کیا بات ہے؟ یقیناً کوئی سنگین مسئلہ ہے ورنہ تم اس طرح کبھی یہاں نہیں آتے۔''

''ایک بات بتاؤ جیکولین جب تم ہماری تنظیم کا حصہ بنی تھیں تو تم نے ایک حلف لیا تھا' کیا تمہیں وہ حلف یاد ہے۔''
سر پال اپنے مخصوص انداز میں استفسار کرتے ہوئے بولے تو جیکولین نے متعجبانہ نگاہوں سے دیکھا پھر تیزی سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گویا ہوئی۔
''آف کورس پال بالکل یاد ہے مجھے اپنا کہا ہوا ایک ایک لفظ یاد ہے۔'' جیسکا اور میک اس لمحے بغور جیکولین کو دیکھ رہے تھے جب ہی سر پال دوبارہ گویا ہوئے۔
''تو پھر تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ مسلمانوں کے خلاف کسی بھی شر انگیزی کا مقابلہ کرنے کے لیے تم تنظیم کا پورا پورا ساتھ دو گی۔''
''مجھے سب یاد ہے پال...... میں آج بھی اس وعدے پر پابند ہوں مگر پلیز مجھے کھل کر بتاؤ کہ آخر بات کیا ہے؟''
جیکولین اضطراری انداز میں بولی تو سر پال نے چند ثانیے اسے دیکھا پھر تیزی سے بولے۔
''ماریہ نے اسلام قبول کرلیا ہے۔''
''کیا......!'' اس پل جیکولین کو لگا جیسے کمرے کی چھت اس کے سر پر آ گری ہو اس نے تہائی غیر یقین نگاہوں سے سر پال کو دیکھا۔

❁......❁......❁
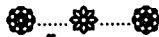
باسل اور احمر کے درمیان اس لمحے خاموشی ہاتھ باندھے کھڑی تھی دونوں اپنی اپنی جگہ نجانے کن سوچوں میں محو تھے۔ احمر نے زرینہ سے ہونے والی تمام گفتگو باسل کے گوش گزار کردی تھی وہ عجیب سے اضطراب میں مبتلا تھا بہت دیر بعد احمر قدرے بے چینی سے بولا۔
''باسل یار کچھ تو بولو میرا دل بہت عجیب سا ہو رہا ہے' زرینہ کے صاف انکار نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے یار......'' باسل نے نگاہ اٹھا کر احمر کو دیکھا پھر ایک ہنکارہ بھرتے ہوئے بولا۔
''میں نے تمہیں پہلے ہی سمجھایا تھا احمر کہ زرینہ کا خیال اپنے دل و دماغ سے نکال دو۔ وہ جس علاقے اور فیملی سے تعلق رکھتی ہے وہ ہم لوگوں سے بالکل میچ نہیں کرتا' زرینہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی ان کے خاندان میں مرد اور عورت کی پسند اور چاہت کو کھلی بے شرمی تصور کیا جاتا ہے۔ میرا تو تمہارے لیے مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ تم سب کچھ بھول کر آگے بڑھو ان فیکٹ تمہارے لیے لڑکیوں کی کوئی کمی تو نہیں ہے ناں تمہیں زرینہ سے بھی زیادہ اچھی لڑکی مل جائے گی۔'' باسل کی بات پر احمر نے اسے بے بس نگاہوں سے دیکھا پھر بجھے بجھے لہجے میں گویا ہوا۔
''اچھی لڑکی مل تو جائے گی باسل مگر وہ زرینہ تو نہیں ہوگی ناں۔''
''احمر تم کیوں آگ سے کھیلنے کی کوشش کررہے ہو اور اس بے چاری لڑکی کے لیے پرابلمز کری ایٹ کررہے ہو تم تو پھر بھی لڑکے ہو بچ نکلو گے مگر کہیں ایسا نہ ہو تمہارے چکر میں وہ معصوم لڑکی فضول میں ماری جائے۔'' باسل کی بات پر احمر کی روح بے اختیار کانپ اٹھی اس نے ہراساں ہوکر اسے دیکھا۔
''نہیں باسل...... زرینہ پر ذرا بھی آنچ آئے یہ مجھ سے قطعاً برداشت نہیں ہوگا آخر میں اس سے سچی محبت کرتا ہوں۔''
احمر نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔
''اسی لیے میرے بھائی میں تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ زرینہ کا خیال نکال دو۔'' جواباً احمر خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

❁......❁......❁

داور نے اپنے آدمی نامحسوس انداز میں وادی میں پھیلا رکھے تھے وہ جب سے یہاں آیا تھا اسے مہرو ایک بار بھی دکھائی نہیں دی تھی۔ وہ مہرو کو دیکھنے کے لیے جیسے پاگل ہوئے جا رہا تھا اور جلد سے جلد اسے حاصل کرنا چاہتا تھا جب کہ مہرو نجانے کسی کونے میں چھپ کر بیٹھ گئی تھی وہ نشے میں مدہوش اس وقت بھی مہرو کے بارے میں سوچ رہا تھا جب اس کا خاص ملازم ریاض اس کی ذاتی بیٹھک میں اجازت لے کر اندر آیا۔

”بول ریاضے کیا خبر لے کر آیا جل پری نظر آئی تجھے یا آج بھی مایوس لوٹا ہے۔“ داور بہکے بہکے لہجے میں اسے دیکھتے ہوئے بولا تو ریاض کچھ پل کے لیے کھسیانا سا ہوا پھر اپنی بات میں وزن ڈالتے ہوئے بولا۔

”مالک آج میں تمام وقت اس چھوکری کے گھر کے قریب چھپ کر بیٹھا رہا۔“

”تو پھر وہ گھر سے نکلی؟“ داور نے بڑی بے تابی سے استفسار کیا تو ریاض تھوڑا مایوسی سے بولا۔

”نہیں صاحب وہ لڑکی تو باہر نہیں آئی۔“

”تو پھر تُو یہاں کیوں اپنی منحوس شکل دکھانے کو آ گیا' مرجا کہیں جا کر۔“ داور سخت بے مزہ ہو کر بولا تو ریاض کھکھیا کر کہنے لگا۔

”صاحب وہ چھوکری شاید بیمار ہے آج صبح جب اس کی بہن گھر سے کام پر نکلی تو اپنی ماں سے یہ کہہ رہی تھی کہ وہ مہرو کے لیے آج حکیم جی سے دوا لے کر آئے گی۔“ ریاض کی بات پر داور ”ہوں“ کہہ کر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر قدرے توقف کے بعد بے زاری سے بولا۔

”ایک تو میں اس سالے بڈھے سے بھی زیادہ پوچھ گچھ نہیں کر سکتا کہیں وہ ابا جان کو جا کر کچھ نہ بتادے ورنہ میں اس سے تو ایک منٹ میں سب کچھ اگلوا لیتا۔“ داور اس پل اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

❀......❀......❀
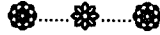
”ک......کیا یہ تم کیا کہہ رہے ہو پال......! تم اپنے حواسوں میں تو ہو؟ یہ کس طرح کی باتیں کر رہے ہو تم۔“ جیکولین پہلے تو ساکت سی بیٹھی پال کو دیکھتی رہی پھر ذہن جب کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تو اشتعال کے ساتھ ساتھ بے یقینی کی لہریں اندر سے اُمڈی تھیں۔ جیسکا اور میک دونوں اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گئے۔

”یہ بالکل سچ ہے جیکولین بلکہ یہ سلسلہ تو کافی عرصے سے چل رہا ہے وہ تو صرف میں ہی تھا جو صرف تمہاری خاطر میں اسے چانس دے رہا تھا۔“ جیکولین منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی پھر بڑی دقتوں کے بعد بولی۔

”پال یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے' ماریہ بھلا ایسے کیسے کر سکتی ہے اور اگر بقول تمہارے یہ سلسلہ کافی ٹائم سے چل رہا ہے تو تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟“

”میں ماریہ سے صرف اس لیے نرمی برت رہا تھا کیوں کہ میں خود بھی اسے اپنی بیٹی کی طرح سمجھتا تھا مگر اس نے میرے پیار اور نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے' میں نے اسے کئی بار کڑی وارننگ دی مگر وہ ہر بار ہمیں یہ یقین دلاتی رہی کہ وہ اپنے مذہب پر واپس آ چکی ہے مگر جب ہمارے منع کرنے کے باوجود وہ مسلسل من مانی کرتی رہی تب ہم نے اس کے خلاف ایکشن لینے کا فیصلہ کیا لیکن اس کے لیے ہمیں کسی پروف کی ضرورت تھی اور وہ پروف ہمیں آج مل گیا ہے۔“ یہ کہتے ہوئے پال نے وہ کارڈ جیکولین کی طرف بڑھایا تو اس نے انتہائی ششدر ہو کر کپکپاتی انگلیوں سے اس کارڈ کو تھاما پھر بے اختیار اپنا سر پکڑ کر رہ گئی۔

”او گاڈ ماریہ......یہ تم نے کیا کیا' تمہاری اتنی جرأت کیسے ہو گئی۔“ وہ خود سے بولتی اپنی کرسی پر ڈھے سی گئی۔

❀......❀......❀

باسل گھر میں داخل ہوا تو حورین کے ساتھ ساتھ عنایہ نے بھی اس کا بھرپور استقبال کیا وہ دونوں اس پل لاؤنج میں بیٹھیں خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ باسل صاف محسوس کر رہا تھا کہ عنایہ اسے بے حد شرارتی اور شوخ نگاہوں سے دیکھ رہی ہے اس کا مطلب تھا کہ حورین نے عنایہ سے باسل کے متعلق بات کر لی تھی اور حورین کے یقین کے مطابق اس نے کوئی اعتراض بھی نہیں کیا تھا۔

”آپ کو پتا ہے باسل عنایہ کو بھی کوکنگ کرنے کا بہت شوق ہے اب یہ مجھ سے سیکھنے آیا کرے گی۔“ حورین بڑے پُرجوش لہجے میں بولی تو باسل محض مسکرا کر رہ گیا جب ہی حورین دوبارہ گویا ہوئی۔

”اچھا آپ لوگ بیٹھ کر باتیں کیجیے میں ذرا کچن دیکھ کر آتی ہوں۔“ حورین کے وہاں سے جانے کے بعد باسل وہیں

کاؤچ پر بیٹھ گیا جب ہی عنایہ ہنوز نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے استفسار کرتے ہوئے بولی۔
''واٹس اپ باسل میں تو تمہاری کال کا ویٹ کررہی تھی مگر تم نے تو مجھے ایک بار بھی فون نہیں کیا پھر میں نے بھی ڈی سائیڈ کرلیا کہ اب میں خود سے تمہیں فون نہیں کروں گی' وہ تو آج آنٹی نے مجھے کال کرکے گھر بلایا تو مجھے آنا پڑا۔'' ڈارک میرون اور آف وائٹ کنٹراسٹ کھدر کے گرم سوٹ میں بلیک اسٹاکنگ سا سوئٹرز پہنے بالوں کی حسب معمول اونچی سی پونی ٹیل بنائے میک اپ سے مبرا چہرہ وہ بہت سادہ اور کیوٹ سی لگی اس لمحے باسل نے اسے بغور دیکھا پھر دل ہی دل میں خود سے بولا۔
''عنایہ میں بھلا کس چیز کی کمی ہے' خوب صورت اور طرح دار ہے اور سب سے بڑی بات میری مام کی پسند ہے پھر مجھے کس بات پر جھجک ہے۔'' وہ اپنا محاسبہ کررہا تھا' عنایہ واقعی زندگی سے بھرپور لڑکی تھی بھلا اس کے اندر کس بات کی کمی تھی جس کی بناء پر وہ انکار کرتا' باسل نے یہ سب سوچتے ہوئے جونہی خوش گواری سے عنایہ کی جانب دیکھا اسی پل چھم سے کوئی مانوس چہرہ عنایہ کے چہرے میں آ کر ڈھل گیا' باسل یک دم شاکڈ سا بیٹھا رہ گیا۔ عنایہ اپنی جون میں باسل سے نجانے کیا کچھ کہے جارہی تھی مگر وہ تو جیسے کہیں اور ہی گم ہوگیا تھا۔

❁......❁......❁

زرتاشہ کھانا لے کر امی کے پاس آئی تو انہیں بہت مضمحل انداز میں اپنے بستر پر بیٹھے پایا' زرتاشہ کو دیکھتے ہی انہوں نے پوچھا۔
''تاشو بیٹا...... مہرو اب کیسی ہے اگر وہ جاگ رہی ہے تو اسے بھی یہیں لے آؤ۔'' اس لمحے ان کے لہجے میں بے پناہ تفکر و پریشانی کے رنگ جھلک رہے تھے۔
''امی مہرو کا بخار تو شکر ہے اتر گیا ہے مگر اس وقت وہ گہری نیند سو رہی ہے' آپ پلیز پریشان مت ہوں وہ ان شاء اللہ جلد ہی ٹھیک ہوجائے گی۔'' وہ تسلی آمیز لہجے میں بولی تو امی ایک گہری سانس بھر کر رہ گئیں۔ زرتاشہ نے انہیں بغور دیکھا وہ چاہتے ہوئے بھی ابھی تک امی سے اس حقیقت کے بارے میں پوچھ نہیں سکی تھی جو مہرو کی زندگی میں طوفان لے آیا تھا کیوں کہ لالہ رخ نے اسے سختی سے منع کیا تھا۔
''پتا نہیں کیوں میرا دل صبح سے بیٹھا جارہا ہے' کسی بھی کام میں بالکل دل نہیں لگ رہا۔ طبیعت میں کچھ گھبراہٹ سی ہے۔'' امی اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں مسلتے ہوئے بولیں تو زرتاشہ پریشان ہوگئی پھر ان کے قریب بیٹھتے ہوئے سہولت سے بولی۔
''امی آپ بلاوجہ اتنا فکر مند ہورہی ہیں مہرو اللہ کا شکر ہے اب ٹھیک ہے ان شاء اللہ سو کر اٹھے گی تو بالکل بھلی چنگی ہوگی' اچھا آپ کھانا تو کھائیں۔''
''نہیں تاشو...... مہرو بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے میں اس کی اندرونی کیفیت بہت اچھی طرح سمجھ رہی ہوں وہ آج کل اپنی زندگی کے بہت کٹھن اور تکلیف دہ دور سے گزر رہی ہے۔'' پھر وہ تاشو کو دیکھ کر اضطراری انداز میں مزید بولیں۔
''مہرو کی اندرونی کیفیت صحیح نہیں ہے تاشو مجھے نجانے کیوں بہت خوف آرہا ہے' دل سہما جارہا ہے میرا جیسے...... جیسے کچھ بہت برا ہونے والا ہے۔'' امی کی باتیں سن کر زرتاشہ بھی اندر ہی اندر خوف زدہ ہوگئی تھی مگر اس لمحے اس نے خود کو امی کے سامنے بالکل نارمل رکھا۔
''افوہ امی...... آپ خوامخواہ میں وہم کا شکار ہورہی ہیں' کچھ نہیں ہوگا یہ سب بے بنیاد خدشات ہیں جو آپ کو پریشان کررہے ہیں۔'' زرتاشہ انہیں نارمل کرنے کی کوشش کررہی تھی مگر اس پل انہوں نے زرتاشہ کی بات جیسے سنی ہی نہیں وہ اضطرابی انداز میں بستر سے اٹھتے ہوئے بولیں۔
''میں کھانا بعد میں کھالوں گی پہلے میں نماز حاجت پڑھ لوں تاکہ میرے دل کو کچھ قرار آجائے۔'' زرتاشہ خاموشی سے انہیں جاتا دیکھتی رہی پھر دل ہی دل میں اپنے رب سے دعا گو ہوگئی۔

❁......❁......❁
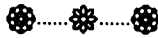
حورین نے باسل حیات کی رضامندی جان کر عنایہ کے والد سے بات کی تھی انہوں نے اس پرپوزل کو بخوشی قبول کرلیا تھا۔ عنایہ کی والدہ حیات نہیں تھی دانش ابراہیم نے ہی عنایہ کو ماں باپ دونوں کا پیار دیا تھا انہیں بھی باسل بہت پسند تھا سو اس رشتے سے سب ہی خوش دکھائی دے رہے تھے اگلے ماہ کی سولہ تاریخ کو ان دونوں کی انگیج منٹ رکھی تھی باسل نے فی الحال اپنی بات طے ہوجانے کی خبر احمر اور عدیل کو نہیں دی تھی اس وقت وہ شہر کے ایک معروف ریسٹورنٹ میں بیٹھا عنایہ کا منتظر تھا۔ عنایہ نے بصد اصرار اسے یہاں بلایا تھا مگر ٹریفک میں پھنس جانے کی وجہ سے وہ ابھی تک نہیں پہنچی تھی وہ مسلسل باسل سے رابطے میں رہ کر معذرت کررہی تھی۔

''اٹس او کے عنایہ میں یہاں بالکل کمفرٹیبل ہوں تم آرام سے پہنچو او کے۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنا فون بند کیا اور وقت گزاری کے لیے ہال کے اطراف میں یونہی نگاہیں دوڑانے لگا' یہاں کچھ کپلو کے علاوہ فیملیز بھی تھیں جب کہ بیشتر لڑکے ٹولیوں کی صورت میں یہاں موجود ڈنر انجوائے کررہے تھے۔

''ابے یار اب تُو مجھے بور مت کر ویسے بھی آج کل میرا دماغ بہت گھوما ہوا ہے میں نے تجھے کتنی مرتبہ بتایا ہے کہ اس انجلا سے اب میرا کوئی تعلق نہیں۔'' باسل نے قدرے ریلیکس انداز میں اپنا سر کرسی کی پشت سے ٹکایا تو عقب سے ایک لڑکے کی جھنجھلائی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اس پل یک دم اسے اپنا ماضی یاد آ گیا وہ بھی تو پہلے ایسے ہی باتیں کرتا تھا پھر اچانک اسے نیلم زمان کا خیال آیا تو ایک عجیب سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر در آئی پھر وہ دل ہی دل میں نیلم سے مخاطب ہوکر بولا۔

''میں تمہارا شکر گزار ہوں نیلم تمہاری بدولت آج میں سیدھے راستے پر چل پڑا ہوں۔'' پھر اپنے اسمارٹ فون کو آن کرکے ٹائم پاس کرنے کی غرض سے اس نے گیلری کھولی ہی تھی کہ اسی لڑکے کی آواز دوبارہ اس کے کانوں میں پڑی۔

''سچ پوچھو تو میں بھی اس لڑکی کا دیوانہ ہوگیا ہوں' ہائے اس حسینہ کا نام بھی کتنا قاتل ہے زرتاشہ.....'' باسل جو بڑے ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیٹھا تھا ایک دم چونک اٹھا پھر زیر لب بڑبڑا کر رہ گیا۔

''زرتاشہ.....!'' گو کہ ریسٹورنٹ میں ہلکی آواز میں میوزک بھی آن تھا مگر میز قریب ہونے کی بدولت باسل کے کانوں میں ان لڑکوں کی آوازیں واضح آرہی تھیں۔

''اوہ تو یہ بات ہے مگر جی یار وہ لڑکی تو تیرے کزن کا شکار ہے کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تُو اس کے شکار پر ہاتھ صاف کرنے کی سوچ رہا ہے۔'' ایک لڑکا آخر میں بڑی خباثت سے ہنستے ہوئے بولا تو باسل کا اس لمحے دل چاہا کہ وہ ابھی اور اسی وقت اٹھ کر اس گھٹیا انسان کا منہ توڑ دے جو زرتاشہ کا نام اتنی بے حیائی سے لے رہا تھا وہ ایسا کر بھی چکتا جب ہی ایک خیال اس کے ذہن میں در آیا۔

''زرتاشہ.....ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی دوسری لڑکی ہو' اُف میں بھی کتنا احمق ہوں' کیا دنیا میں صرف زرتاشہ نام کی وہی لڑکی ہوگی جسے میں جانتا ہوں۔'' پھر وہ خود پر ہنس دیا۔

''اوہ گاڈ میں بھی سچ میں اسٹوپڈ ہوں۔'' وہ خود سے بولا جب ہی یہ جملہ اس کے کان میں پڑا۔

''ابھی تو یونیورسٹی بند ہوگئی ہے مگر گائز آئی سوئیر میں اسے بہت جلد حاصل کرلوں گا۔'' باسل ایک بار پھر بری طرح چونکا اس لمحے وہ بے تحاشا الجھن کا شکار ہوگیا اس نے رخ موڑ کر پیچھے دیکھا تو اس لڑکے کی پشت اسے دکھائی دی جس کے لمبے بال اس کی گردن پر پڑے ہوئے تھے وہ ابھی مزید کسی نتیجے پر پہنچتا کہ اسی دم عنایہ وہاں نان اسٹاپ بولتی ہوئی تیزی سے چلی آئی۔

''آئی ایم ریلی سوری باسل.....آئی ایم ٹو لیٹ۔'' باسل جو ان لڑکوں کی مزید بات سننے کا متمنی تھا عنایہ کی آمد نے اسے ایسا کرنے کا موقع نہیں دیا وہ جو بولنا شروع ہوتی تھی تو پھر اسے چپ کرانا بے حد مشکل ہوتا تھا باسل بے بسی سے محض اسے دیکھے گیا جب ہی تقریباً دس منٹ بعد ان لڑکوں کا گروپ وہاں سے فارغ ہوکر باسل کے قریب سے گزرا تو باسل نے بغور

لمبے بالوں والے لڑکے کو دیکھا جو شکل سے ہی بگڑا رئیس زادہ معلوم ہو رہا تھا۔

❀......❀......❀

ماریہ اس وقت فراز شاہ کے سامنے بیٹھی تھی جب کہ فراز نجانے کیا کچھ سوچ رہا تھا کچھ دیر تو ماریہ نے اس کے بولنے کا انتظار کیا پھر خود ہی اس خاموشی کے پردے کو چاک کرتے ہوئے دھیمی آواز میں بولی۔

''میں جانتی ہوں فراز' آپ بروکی وجہ سے گلٹی فیل کررہے ہیں وہ آپ پر بھروسہ کرتے ہیں' آپ کو اپنا سچا دوست سمجھتے ہیں اور آپ یہ سب کچھ کررہے ہیں' یہی بات ہے ناں۔'' وہ اس لمحے اپنی بات کی تصدیق فراز سے کرنا چاہ رہی تھی جب ہی فراز نے ایک گہرا سانس بھر کر اپنے سامنے بیٹھی ماریہ ایڈم کو دیکھا پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''یہ سب کرنا میرے لیے زیادہ مشکل نہیں تھا ماریہ تمہارے ایمان کو بچانے کی غرض سے میں اس میدان میں کودا ہوں میں یہ سب شروع کرنے سے پہلے خود کو اچھی طرح تیار کرچکا تھا مگر...... ابرام کو اس طرح دھوکہ دے کر تمہیں یہاں سے لے جانا مجھے بہت اکورڈ لگ رہا ہے ابرام بہت نائس اور مخلص بندہ ہے مجھے اس کے بارے میں سوچ کر بے پناہ شرمندگی اور ندامت ہورہی ہے۔'' فراز ابھی مزید کچھ بولتا کہ اسی دم ماریہ کے سیل فون کی بپ بج اٹھی' جیکولین نے جب سے اسے کالج جانے کی اجازت دی تھی۔ ابرام کے کہنے پر اس کا موبائل فون بھی اس کے حوالے کردیا تھا ماریہ نے سرعت سے موبائل اسکرین کی جانب دیکھا تو برو کالنگ بلنک ہوتا دیکھ کر وہ جلدی سے فون پک کرکے کان سے لگا کر بولی۔

''جی برو بولیں۔''

''ماریہ تم اس وقت کہاں ہو؟'' ابرام کی بے حد ہراساں آواز ماریہ کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ بھی پریشان سی ہوگئی۔

''خیریت ہے ابرام برو آپ اتنا گھبرائے ہوئے کیوں ہیں' سب ٹھیک تو ہیں ناں۔'' اس کا دل انجانے خدشوں سے بری طرح لرز اٹھا۔

''ماریہ مام کو سب کچھ پتا چل گیا ہے ان فیک سرپال نے ہی انہیں تمام حقیقت بتا کر کوئی پروف بھی دے دیا ہے۔''

''کیا......!'' ماریہ بے اختیار کرسی سے کھڑی ہوگئی' فراز بھی اس کی متغیر کیفیت دیکھ کر پریشان سا ہوکر خود بھی کھڑا ہوگیا۔

''او ڈیمڈ' تم اس وقت ہو کہاں' سرپال کے لوگ تمہیں تلاش کررہے ہیں۔ تم ابھی اور اسی وقت اپنا سیل فون آف کردو وہ تمہاری لوکیشن ٹریس کرلیں گے۔'' ماریہ نے دوسرے ہی لمحے فون کان سے ہٹا کر اپنا سیل فون آف کیا اور انتہائی بدحواسی سے بولی۔

''سرپال کو میرے خلاف ثبوت مل گئے ہیں' وہ لوگ مجھے ڈھونڈ رہے ہیں۔''

''اوہ مائی گاڈ فوراً نکلو یہاں سے۔'' فراز شاہ نے عجلت میں کہا اور پھر دوسرے ہی پل وہ دونوں تیزی سے باہر نکل گئے۔

❀......❀......❀
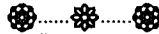
لالہ رخ انتہائی منتشر ذہن کے ساتھ آفس کے معاملات نمٹاتی رہی' مری میں ہونے والی برف باری کو دیکھنے سیاح مختلف شہروں سے آرہے تھے لہٰذا لالہ رخ پر کام کا دباؤ بھی زیادہ ہی بڑھ گیا تھا مگر اس کا تو سارا دھیان آج کل مہرو کی جانب تھا جس کی خطرناک خاموشی نے ان سب کو ہولا رکھا تھا وہ جلدی جلدی کام سمیٹ کر گیسٹ ہاؤس سے باہر نکلی تو سرد ہوا کے ایک تیز جھونکے نے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑا دی۔

''او میرے اللہ آج تو بہت زیادہ سردی ہے۔'' وہ کپکپا کر خود سے بولی پچھلے دنوں مسلسل ہونے والی برف باری کے بعد آج سے ہواؤں کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا جب کہ صبح سے موسم بھی ابر آلود تھا کسی بھی وقت بارش ہوجانے کی پیش گوئی تھی لالہ رخ خود کو اونی شال میں اچھی طرح لپیٹ کر اپنے گھر کی جانب روانہ ہوچکی تھی وہ اپنی جون میں چلی جارہی تھی۔ جب ہی سامنے سے اسے بٹو آتا دکھائی دیا قریب آنے پر بٹو نے اسے سلام کیا تو وہ جواب دیتے ہوئے بولی۔

''ارے بٹو...... تم اس وقت کدھر نکل آئے کیا سودا وغیرہ لینے جارہے ہو؟'' بٹو لالہ رخ کو دیکھ کر تھوڑا مسکرا کر گویا ہوا۔

''نہیں باجی...... بازار تو نہیں جارہا...... دراصل وہ میں آپ سے ہی ملنے آرہا تھا آپ سے ایک بات کرنی تھی۔'' لالہ

رخ نے دیکھا کہ بٹو اس وقت کافی ڈسٹرب نظر آرہا تھا۔
''تو بٹو تم گھر پر ہی آجاتے ناں باہر اتنی سردی ہے اچھا چلو میرے ساتھ گھر ہی چلو وہاں بیٹھ کر آرام سے بات کرتے ہیں اور تاشو کے ہاتھ کی چائے بھی پیتے ہیں۔''
''نہیں باجی میں گھر نہیں جاؤں گا بس آپ یہیں میری بات سن لیں۔'' بٹو بولا تو لالہ رخ ٹھٹک سی گئی۔
''بٹو تم مجھے کافی پریشان لگ رہے ہو بولو کیا بات ہے میں سن رہی ہوں۔'' بٹو نے ایک نگاہ لالہ رخ کے چہرے کو دیکھا پھر قدرے ہچکچاتے ہوئے گویا ہوا۔
''باجی مجھے دراصل باجی مہرو کے بارے میں کچھ بات کرنی تھی۔''
''مہرو کے بارے میں؟'' وہ کافی متعجب سی ہوئی پھر دوسرے ہی پل جلدی سے بولی۔ ''بتاؤ کیا بات ہے۔'' لالہ رخ کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔
''باجی وہ بات یہ ہے کہ.....'' وہ ابھی فقط اتنا ہی بولا تھا کہ نجانے کہاں سے داور کا ملازم رشید نمودار ہوگیا۔
اسے دیکھ کر بٹو کا چہرہ یک دم پیلا پڑ گیا اس لمحے اس کے چہرے پر آئے گھبراہٹ اور خوف کے رنگوں کو لالہ رخ نے بخوبی دیکھا تھا۔
''اچھا باجی میں چلتا ہوں بے بے نے بازار بھیجا تھا سودا سلف لانے کے لیے رب راکھا۔'' اس وقت بٹو کی آنکھوں میں ناقابل فہم تاثرات تھے اس نے انتہائی الجھ کر اسے دیکھا پھر گم صم سے انداز میں آگے چل پڑی۔

❁......❁......❁......❁
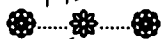
''میں ماریہ کو زندہ نہیں چھوڑوں گی' اس کی اتنی مجال کیسے ہوگئی کہ اپنے مذہب سے بغاوت کرکے اس نے اسلام قبول کرلیا۔ میں خود اس کو الیکٹرک چیئر پر بٹھاؤں گی۔'' جیکولین آپے سے باہر ہوگئی تھی' غصے اور اشتعال سے اس کا برا حال تھا وہ جب سے گھر آئی تھی زخمی سانپ کی مانند بل کھا رہی تھی۔ اس نے جب ابرام کو ماریہ کے بارے میں بتایا تو ابرام نے جیکولین کے سامنے بے پناہ حیرت واستعجاب کے ساتھ ساتھ انتہائی اشتعال کا مظاہرہ بھی کیا تھا تاکہ جیکولین کو اس پر شک نہ ہو کہ وہ

یہ بات پہلے سے جانتا تھا۔

''اوگاڈ مام ماریہ ایسا کیسے کرسکتی ہے......! آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہوا؟'' اس نے انجان بننے کی بھرپور اداکاری کرتے ہوئے استفسار کیا۔

''پال آیا تھا میرے آفس میں اور اس نے مجھے پروف بھی دیا ہے کہ ماریہ نجانے کتنے عرصے سے مذہب اسلام کی پیروکار ہے وہ بدذات نجانے کہاں منہ چھپا کر بیٹھ گئی ہے۔ خیر پال اور اس کے آدمی اسے ڈھونڈ رہے ہیں جلد ہی برآمد کرلیں گے۔'' جیکولین کے منہ سے یہ سب سن کر ابرام نے جھرجھری لی جو مزید کہہ رہی تھی۔

''پال کو پہلے ہی اندازہ تھا کہ وہ گھر سے بھاگ گئی ہوگی جب ہی راستے میں میں نے فون کرکے تم سے پوچھا تھا کہ ماریہ گھر پر ہے یا نہیں۔'' تقریباً آدھے گھنٹے پہلے جیکولین کی کال آئی تھی اس نے بڑے نارمل انداز میں ابرام سے ماریہ کی بابت پوچھا تھا ابرام اس پل ماریہ کے لیے بے تحاشا پریشان ہوگیا جو مزید کہہ رہی تھی۔

''ہم نے اس کے سیل پر فون نہیں کیا کہیں اسے ہم پر شک نہ ہوجائے اور وہ فون ہی نہ آف کردے وہ لوگ جلد اس کی لوکیشن ٹریس کرکے اسے پکڑ لیں گے۔'' پھر ابرام نے کچھ ہی لمحوں بعد ماریہ کو فون کرکے اسے سیل آف کرنے کو کہا تھا۔

❁......❁......❁
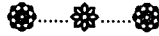
اتوار ہونے کی وجہ سے لالہ رخ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد دوبارہ لحاف میں دبک گئی تھی مہرو بھی گہری نیند سو رہی تھی وہ اس کی جانب سے اطمینان کرکے سوگئی تھی تقریباً صبح آٹھ بجے اس کی آنکھ بادلوں کی گڑگڑاہٹ سے کھلی تھی۔ اسے ہمیشہ ایسے موسم سے بہت خوف آتا تھا' ابھی بھی وہ ان آوازوں سے ڈر کر اٹھی تھی شاید بہت زور و شور سے بارش ہونے والی تھی وہ چند ثانیے یونہی بستر پر بیٹھی رہی پھر معاً مہرو کا خیال آیا تو بے اختیار اس نے برابر میں مہرو کے لحاف کو اٹھایا مہرو بستر پر نہیں تھی وہ سمجھی کہ شاید مہرو جاگ گئی ہے وہ کسلمندی سے بستر سے اٹھ کر واش روم کی جانب بڑھ گئی تھوڑی دیر بعد منہ ہاتھ دھو کر وہ اپنے کمرے سے باہر آئی تو امی اور زرتاشہ کو گیس ہیٹر کے سامنے محو گفتگو پایا۔

''ارے تم اٹھ گئیں چلو میں تمہارے لیے آج اپنے ہاتھوں سے ناشتا بناتی ہوں۔'' زرتاشہ اسے دیکھ کر محبت سے بولی تو لالہ رخ نرمی سے مسکرا دی جب کہ امی اپنے قریب اس کے لیے جگہ بناتے ہوئے بولیں۔

''آؤ لالہ تم یہاں بیٹھ جاؤ۔'' لالہ رخ نے وہاں بیٹھتے ہوئے ادھر اُدھر نگاہیں گھما کر سہولت سے استفسار کیا۔

''یہ مہرو نظر نہیں آرہی ہے آپ کے کمرے میں ہے کیا؟'' لالہ رخ کی بات پر امی نے اسے انتہائی بھونچکا ہو کر دیکھا پھر بے تحاشا ہراساں ہو کر بولیں۔

''کیا بول رہی ہو لالہ......! کیا مہرو تمہارے کمرے میں نہیں ہے وہ تو ابھی تک سو کر بھی نہیں اٹھی۔'' اور اسی پل زور سے بجلی کڑکنے کی آواز آئی تھی۔ لالہ رخ تیزی سے اٹھی اور کچھ ہی دیر میں پورا گھر چھان مارا مہرو کہیں بھی نہیں تھی شاید وہ طوفان جس کی آہٹیں ان سب کو پہلے سے سنائی دے رہی تھیں وہ آج ان کی زندگیوں میں آ گیا تھا۔ لالہ رخ بدحواس سی ہو کر گھر سے بھاگی تھی مہرو جس کی آنکھ بادلوں کے شور سے اچانک کھلی تھی وہ چند ثانیے ساکت و جامد سی یونہی بستر پر پڑی رہی تھی پھر اچانک اسے اماں کی آواز سنائی دی تھی۔

''مہرو تو صرف میری بیٹی ہے جب تک میں زندہ ہوں کوئی تیرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔'' پھر یک دم اماں کے وجود کی مہک اسے چہار سو آنے لگی تو وہ بڑی بے قراری سے اٹھ بیٹھی پھر تڑپ کر بولی۔

''اماں تم کہاں ہو میں تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی ہوں میرے پاس واپس آجاؤ اماں......'' مہرو نے باقاعدہ اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا لیا تھا پھر وہ خود فراموشی کی کیفیت میں گھر سے باہر نکل آئی تھی باہر کے شدید موسم سے بے خبر وہ چلے جا رہی تھی۔ اس کے قدم اس پل وادی کی سب سے اونچی چوٹی کی جانب بڑھ رہے تھے آج بٹو بھی بڑی بے قراری محسوس کرکے باہر نکلا تھا اس نے مہرو کو وادی کی سب سے ویران اور پُرخطر سڑک کی جانب جاتے دیکھا تو اس کے دماغ میں کسی خطرے کا الارم بج اٹھا۔

''یہ مہرو باجی اس وقت اس چوٹی کی طرف کیوں جارہی ہیں۔'' وہ خود سے بولا پھر جلدی سے وہ خود بھی اس جانب لپکا ساتھ ساتھ وہ اسے بڑی بے تابی سے آوازیں بھی لگاتا رہا مگر مہرو تو جیسے بہری ہوگئی تھی جب اچانک ہی داور حبیب مہرو کے بالکل سامنے آن رکا۔ مہرو نے بروقت اپنے قدموں کو بریک لگایا ورنہ وہ اس سے ٹکرا جاتی داور اس لمحے اسے انتہائی غلیظ اور حریصانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ مہرو جونہی گھر سے باہر نکلی تھی داور کے آدمیوں نے اسے اطلاع کردی تھی جو مہرو کی جاسوسی پر معمور تھے مہرو نے اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا جب ہی وہ عامیانہ انداز میں بولا۔

''کیا اس چوٹی سے کودنے جارہی ہو جان من...... ارے میری جان اتنے قاتل حسن اور جوانی کو کیوں مٹی میں ملانا چاہتی ہو۔ میرے پاس آجاؤ میں تمہیں اپنی شہزادی بنا کر رکھوں گا۔'' مہرو نے انتہائی ششدر ہوکر داور کو دیکھا' کوئی اور وقت ہوتا تو وہ داور سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوتی بلکہ اس کا منہ توڑ کر رکھ دیتی مگر اس پل وہ اس سے بے پناہ سہم گئی۔

''ارے میری جان مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں میں تو تمہیں......''

''چھوٹے صاحب خبردار جو باجی کو تم نے ہاتھ بھی لگایا۔'' عقب سے یک دم بٹو کی آواز سنائی دی جو اس لمحے غصے سے تھرتھر کانپ رہا تھا' مہرو نے بے اختیار پلٹ کر بٹو کو دیکھا اور اسی پل بادل زور و شور سے برس پڑے۔

''تو بٹو تو مجھے روکے گا۔'' انتہائی استہزائیہ انداز میں کہہ کر داور نے مہرو کو اپنی جانب کھینچا تو مہرو کی شال اس کے ہاتھوں میں آگئی اور دوسرے ہی لمحے اس نے بڑی بے دردی سے مہرو کی کلائی پکڑلی۔

''بڑا تڑپایا ہے تو نے مجھے۔'' داور مہرو کے چہرے کے بے حد قریب ہوکر بولا تو مہرو نے اپنی پوری طاقت لگا کر داور کو دھکا دینے کی کوشش کی مگر اپنی اس کوشش میں ناکام ٹھہری۔ داور نے اس کی دونوں کلائیوں کو تھام رکھا تھا اور پھر اسی لمحے بٹو اپنی پوری طاقت سے داور پر حملہ آور ہوگیا' اس نے داور کو پوری طرح دبوچ لیا تھا اور زور زور سے چلا کر کہہ رہا تھا۔

''باجی اللہ کے واسطے تم یہاں سے بھاگ جاؤ فوراً نکل جاؤ یہاں سے۔''

''مگر بٹو......'' وہ ہکلائی۔

''تمہیں رب سوہنے کی قسم چلی جاؤ یہاں سے۔'' مہرو نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر سرعت سے وہاں سے بھاگ نکلی' داور اسے وہاں سے جاتا دیکھ کر غصے سے جھنجھنا اٹھا اس نے بڑی دقتوں سے اپنی جیکٹ سے پستول نکال کر یکے بعد دیگرے چار گولیاں بٹو کے جسم میں داغ دیں۔ لالہ رخ جو بڑی بے قراری سے نیچے وادی میں مہرو کو تلاش کررہی تھی یک دم فضا میں گونجتی گولیوں کی آواز سے وہ ساکت سی ہوگئی پھر تیزی سے اس نے سر اٹھا کر اس چوٹی کی جانب دیکھا اسی لمحے اس کی چھٹی حس نے وہاں جانے کا اشارہ کیا تو اس کے قدموں میں یک دم بجلی سی بھر گئی وہ بھاگتے ہوئے اوپر کی جانب جانے والی سڑک کی طرف دوڑی اس لمحے اس کا دل زخمی پرندے کی مانند پھڑپھڑا رہا تھا وہ تیزی سے اس جانب سردی اور بارش کی پروا کیے بغیر بس بھاگتی جارہی تھی پھر یک دم اس کے قدموں کو کسی نے بری طرح جکڑ لیا بالکل سامنے بٹو کی بے حس وحرکت لاش پڑی تھی جس کا خون پانی میں بہہ کر اپنی شناخت کھو رہا تھا جب کہ بٹو کی کھلی آنکھیں عجیب سی بے بسی ولاچاری کا اظہار کررہی تھیں۔ لالہ رخ سکتے کی حالت میں یک ٹک اس کے زندگی سے بے جان وجود کو دیکھتی رہی پھر معاً اس کی نگاہ بٹو کی لاش سے قدرے فاصلے پر پڑی مہرو کی شال اور اس کے جوتوں پر گئی تو دوسرے ہی لمحے وہ لہرا کر زمین پر گر پڑی۔

باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ

محبتوں کا خراج

نزہت جبین ضیاء

سردیوں کا دن ویسے ہی اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ پتا بھی نہیں چلتا کیسے گزر جاتے ہیں۔ گھر کے کاموں میں الجھتے ہوئے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اوپر سے میرے میاں جی کی نت نئی فرمائشیں اور بچوں کی خواہشات' آج بھی یہی ہوا تھا۔ دسمبر کا مہینہ اختتام کی جانب بڑھ رہا تھا' آج بچوں کی ضد تھی کہ نیو ایئر کی تیاری کرنی ہے ہمارے فرینڈز اور ٹیچرز کے لیے کارڈ بنائیں سو میں لنچ تیار کر کے ان کے ساتھ مصروف رہی اور جب دوپہر کے ایک بجے تمام کاموں سے فارغ ہو کر مما اور بچوں کو لنچ کروا کے نماز کی تیاری کر رہی تھی کہ علی کی کال آ گئی۔ میرا ماتھا ٹھنکا بے وقت آنے والی کال سے اب گھبراہٹ ہونے لگتی تھی۔ میری چھٹی حس نے گواہی دی وہ سچ ثابت ہوئی۔

"ہائے صندل ڈارلنگ...... کیا ہو رہا تھا؟ یار تین بجے تک ذرا اچھے سے لنچ کا بندوبست کر دو اپنے ایک دوست کو لے کر آ رہا ہوں لنچ کے لیے۔" اُف وہی مخصوص میٹھا اور محبت بھرا لہجہ۔ میں نے فوراً گھڑی پر نظر ڈالی سوا ایک بج رہے تھے۔

"علی...... ایک بج چکا ہے اتنی جلدی میں کیسے......"

"اوہ سویٹ ہارٹ' مجھے پتا ہے کہ تم سب کچھ کر سکتی ہو اتنا تو یقین ہے مجھے۔" میری بات کاٹ کر مسکا لگایا۔ "اوکے ملتے ہیں پھر تین بجے ان شاء اللہ۔" ہوا کے گھوڑے پر سوار علی کال بند کر چکے تھے۔

"توبہ ہے۔" میں نماز میں بھی فریز کی ہوئی اشیا اور مینو کے بارے میں سوچتی رہی۔ مما لنچ کے بعد آرام کر رہی تھیں اور بچے کھیل رہے تھے نماز سے فارغ ہو کر ایک بار پھر میرا رخ کچن کی طرف تھا۔ میں نے فریزر سے چکن نکالی' گوشت کا پیکٹ نکال کر پانی میں ڈالا اور چکن کو مائیکرو ویو میں رکھ رہی تھی کہ آئمہ بھاگتی ہوئی آئی۔

"مما...... مما...... دادو کے پیٹ میں بہت درد ہو رہا ہے۔" اپنی پانچ سالہ بیٹی کی بات سن کر میں مما کے روم کی جانب بھاگی' وہ پیٹ پکڑے بیٹھی تھیں۔

"کیا ہوا مما...... خیریت' یہ اچانک درد کیوں ہو رہا ہے آپ کے؟" میں نے پریشان ہو کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"پتا نہیں کیسا درد ہے......؟ شاید گیسٹک پرابلم ہے۔" وہ بدستور پیٹ پکڑے بولیں۔

"کھانے میں تو لوکی اور چکن کا سالن کھایا تھا' چپاتی اور سلاد اور رائتہ میں تو بادی کوئی چیز بھی نہیں تھی مما......" میں نے ان کو لٹاتے ہوئے کہا۔

"اچھا ایسا کریں یہ گیسٹوفل لے لیں ایک چمچ۔" میں نے سائیڈ بورڈ سے دوا کی بوتل اٹھائی۔

"نہیں نہیں' رہنے دو ٹھیک ہو جائے گا خود ہی۔" مما نے سختی سے منع کیا۔

"ارے مما کیسے ہوگا ٹھیک؟ ابھی دو تین دن پہلے بھی آپ کو اس سے فائدہ ہوا تھا ناں' چلیں یہ لیں۔" میں نے ان کے منع کرنے کے باوجود ان کو دوا پلائی۔

"آج پیروں میں بے حد درد ہو رہا ہے۔" دوا پی کر مما نے اپنے گھٹنے دباتے ہوئے کہا۔ "لگتا ہے جام ہو گئے ہیں۔" ان کا ہر فیصلہ اپنا ہوتا تھا۔

"ارے نہیں مما' ایسا کچھ نہیں ہے آپ تھوڑا سا واک کر لیں روم میں' درد بھی ٹھیک ہو جائے گا اور پیر بھی۔" میں نے حل پیش کیا تو وہ آہستگی سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگیں' میں گھبرا گئی تھی۔ مما کی طبیعت آج کل ایسی رہنے لگی تھی۔ بی پی' شوگر اپنی جگہ مگر اضافی بیماریاں بھی ہونے لگی تھیں۔

"آئمہ' عمر...... دونوں دادو کے ساتھ ان کا ہاتھ پکڑ کر واک کرواؤ' یہاں سے مت جانا۔" میں بچوں کو ہدایت دے کر دوبارہ کچن کی جانب بڑھی۔ وقت کم اور مقابلہ سخت کے مصداق مجھے لنچ کی تیاری کرنی تھی۔

"اس وقت تم کچن میں کیا کر رہی ہو؟" مما نے مجھ سے پوچھا۔

"مما...... علی دوست کے ساتھ آ رہے ہیں لنچ کے لیے تو وہ تیار کرنا ہے ورنہ میں واک کرا دیتی۔" میں انہیں تسلی دی' میں نے کچن میں آ کر سب سے پہلے گوشت میں دال اور مصالحے ڈال کر کوکر میں چولہے پر چڑھایا' ساتھ ہی چکن کڑاہی کے لیے مصالحے نکالنے لگی۔ میرے ہاتھ بجلی کی سی

تیزی سے چلنے لگے' تین بج کے پانچ منٹ پر جب علی اپنے دوست کے ساتھ آئے تو میں چکن کڑاہی' مٹر پلاؤ' شامی کباب' چپاتیاں' رائتہ سلاد اور شیر خورمے سے ٹیبل سجا چکی تھی۔ اس دوران دس بار مما کے روم میں جا کر ان کو بھی دیکھتی رہی۔ پندرہ منٹ واک کرنے کے بعد وہ سو چکی تھیں' شکر کہ درد بھی ختم ہو چکا تھا' بچے ٹیوشن پڑھنے جا چکے تھے۔

''واؤ یار زبردست......!'' علی نے ڈشز کے ڈھکن اٹھا کر دیکھے اور ستائشی نظریں مجھ پر ڈال کر میری جانب بڑھے۔

''علی......آپ کی یہ عادت کبھی کبھی بہت تکلیف دیتی ہے ایمرجنسی فرمائش والی۔'' میں نہ چاہتے ہوئے بھی گلہ کر بیٹھی۔

''کیوں کیا ہوا؟'' وہ میرے قریب آ گئے۔

''ہوا کچھ نہیں' کھانا کھالیں ٹھنڈا ہو جائے گا۔'' میں ان کو آتے ہی پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی' وہ بھی مما کو لے کر پریشان ہو جاتے۔

''ارے بھئی مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میری اکلوتی بیگم سب ارینج کرسکتی ہے تب ہی تو دھڑلے سے فرمائش کرلیتا ہوں۔ اللہ پاک نے اتنی اچھی نعمت سے نوازا ہے الحمدللہ'' ان کی یہی پذیرائی اور کھلے دل سے میری خدمات کا اعتراف میرا حوصلہ بڑھاتا اور میرے سارے گلے شکوے اور کام کی شدید تھکن پل بھر میں کافور ہو جاتی اور جب وہ اپنے دوستوں کے سامنے یا کسی کے بھی سامنے میری تعریف کرتے میری مثالیں دیتے مجھے بہت اچھا لگتا۔ میں خود پر ناز کرنے لگتی کیونکہ بے شمار ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جو ساری زندگی گھر' بچوں' میاں اور سسرال کے لیے اپنا آپ نچھاور کردیتی ہیں لیکن پھر ان سے یہی پوچھا جاتا ہے کہ سارا دن گھر میں رہ کر کیا کرتی ہو؟ لیکن میرے ساتھ تو ایسا بالکل نہیں تھا' میرے کام کو علی اور مما بہت سراہتے تھے۔ میری تعریفیں اور قدر کرتے تھے' ایک عورت کو اور کیا چاہیے؟ اگر وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر کسی کے آنگن کو آباد کرنے جاتی ہے تو بدلے میں وہ پیار' محبت ستائش اور تعریفی کلمات ہی چاہتی ہے اور یہ سب مل جائے تو بڑی سے بڑی مشکل اور کٹھن سے کٹھن آزمائش پر بھی پورا اتر جاتی ہے۔

❁......❁......❁

میرے ابو جی سرکاری آفس میں ملازم تھے' ہم اوپر تلے چار بہنیں تھیں' میں سب سے چھوٹی اور لاڈلی تھی۔ ہمارے حالات گو کہ بہت اچھے نہ تھے مگر برے بھی نہ تھے' اماں دین دار اور سلیقہ مند خاتون تھیں' ہم بہنوں کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ دین کی بھی تعلیم کے بارے میں کافی علم تھا۔ میری تینوں بڑی بہنیں' ردا آپا' سویرا آپا اور نائمہ آپا کی شادیاں ہو چکی تھیں' اماں اور ابو جی نے بہت محنت اور جتن کر کے تین بیٹیوں کے فرائض سے ادائیگی حاصل کی۔ میں سب سے چھوٹی تھی' الحمدللہ خوش شکل ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین اور شارپ بھی تھی' کالج میں نہ صرف پڑھائی کی وجہ سے بلکہ دیگر سرگرمیوں اور شرارتوں کی وجہ سے خاصی مقبول تھی۔ کالج کے وہ چار سال میرے لیے بہت باوقار تھے' کوئی گیم ایسا نہ تھا جس میں میں نے حصہ نہ لیا ہو' تقریری مقابلہ ہوتا یا بیت بازی' سیاسی بحث ہوتی یا دین کے حوالے سے بات ہر جگہ اور ہر موقع پر میں زور و شور سے حصہ لیتی اور ہمیشہ میدان بھی مار لیتی۔ لوگ میرے دلائل اور مدلل گفتگو سے متاثر ہو جاتے' اسٹوڈنٹس تو اسٹوڈنٹس میں

ٹیچرز کی بھی پسندیدہ تھی' میری شرارتیں کبھی کبھی حد سے بڑھ بھی جاتیں جس کا مجھے بعد میں احساس ہوتا اور میں معذرت بھی کر لیتی۔ گریجویشن کر لیا تو کالج میں فیرول پارٹی ارینج کی گئی اس روز ہم ساری سہیلیوں نے مل کر خوب انجوائے کیا' پارٹی کے اختتام پر پرنسپل صاحبہ نے مجھے اپنے روم میں بلوایا' میں تھوڑا سا گھبرائی کہ خاص طور پر مجھے ہی کیوں بلوایا گیا۔

''میم...... خیریت تو ہے ناں؟'' میں نے پوچھا انہوں نے چشمے کے اوپر سے میرے حواس باختہ چہرے کی طرف دیکھا' ان کا چہرہ کسی قسم کے تاثرات سے عاری تھی۔

''میم آپ کو کوئی شکایت ہے کیا؟'' میری بوکھلاہٹ ہنوز برقرار تھی۔

''میم...... وہ...... کہیں کسی نے میری شکایت تو نہیں کردی آپ سے؟ میں نے غلطی سے صباحت کے پیچھے سے چیئر ہٹائی تھی۔ قسم سے جان بوجھ کر نہیں کیا تھا اور...... ثمن کے کپڑوں پر انک بھی غلطی سے گری تھی۔'' میں ان چند لمحات میں اپنی شرارتیں یاد کر کے معذرت کرنے لگی تھی' میری بوکھلاہٹ پر میم کو ہنسی آ گئی۔

''اٹس اوکے' اب تم جا سکتی ہو۔'' اپنی ہنسی کو بمشکل روک کر انہوں نے کہا میں منہ لٹکا کر روم سے نکلی اور دل پر بوجھ لیے گھر آ گئی۔ ان کا رویہ سمجھ سے باہر تھا' نہ غصہ کیا اور نہ کوئی ردعمل۔ گھر آتے ہی اماں کو ساری بات بتائی' ساتھ ہی اپنی شرارتیں بھی بتا دیں' اماں سر ہلا کر رہ گئیں ان کو ویسے بھی میری دماغی حالت مشکوک ہی لگتی تھی۔

اب میرے لیے اماں کی طرف سے سخت احکامات جاری ہو گئے تھے کہ بہت ہو گئی پڑھائی اور شرارتیں اب ڈھنگ سے گھر داری سیکھو کل کو دوسرے گھر جاؤ گی تو شرارتیں نہیں کام اور ذمہ داریوں کی ضرورت ہو گی اور میں نے بھی سعادت مندی سے اچھی بچیوں کی طرح اماں کے فرمان پر سر جھکا دیا اور دوسرے دن سے ہی گھریلو امور میں دلچسپی لینی شروع کردی۔

دو چار دن گزرے پرنسپل کی بات بھی بھول گئی تھی' گرمیوں کی خوشگوار شام تھی۔ آج میں نے گھر کی تفصیلی صفائی کی لنچ بھی تیار کیا اور پھر گھر کے پردے' چادریں اور تکیے کے غلاف وغیرہ چینج کر کے مشین لگائی' شام تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اب آخری کام تھا' صحن دھو کر پائپ لگا کر پودوں کو پانی دے رہی تھی کہ اس کے بعد باتھ لے لوں گی تب ہی دروازے پر دستک ہوئی' اماں اندر تھیں میں نے ہی دروازہ کھولا۔ گیٹ کے سامنے لمبی خوب صورت گرے کلر کی گاڑی دیکھ کر ابھی حیران و پریشان تھی کہ میڈم رومی (پرنسپل) پر نظر پڑی جو دروازے پر کھڑی تھیں۔

''اوہ......!'' حیرانی' پریشانی' بوکھلاہٹ' ایک دم ہی مجھ پر چاروں طرف سے حملہ آور ہو چکے تھے۔

''آپ......!'' بوکھلاہٹ میں سلام بھی نہ کر سکی۔ میڈم کو یوں اپنے دروازے پر کھڑا دیکھ کر میں شاکڈ تھی' اس سے بھی زیادہ شاکڈ اور شرمندگی اپنے حلیے پر تھی ٹخنوں تک چڑھا ہوا بلیک ٹراؤزر پر علٹ بلیک اینڈ وائٹ شرٹ جو آدھی سے زیادہ گیلی تھی۔ تیل میں اٹے بکھرے ہوئے بال۔

''اماں...... اماں......'' کچھ نہ سوجھا تو اماں کو آوازیں لگائیں' اماں بھی آ گئیں۔

''اماں یہ میری پرنسپل صاحبہ ہیں' آپ ان کو بٹھائیں میں ابھی باتھ لے کر آتی ہوں۔'' مزید اس حلیے میں ایک منٹ بھی رکنا نہیں چاہ رہی تھی' اماں نے کس طرح ان کا خیر مقدم کیا...... ان کے ساتھ کون ہے؟ میں بنا کچھ سوچے سمجھے پائپ کیاری میں پھینک کر غسل خانے کی طرف دوڑی۔ باتھ لے کر نکلی تو جھٹ پٹ چائے کے ساتھ پکوڑے تیار کیے' جار میں رکھے نمکو اور بسکٹس کو سلیقے سے پلیٹوں میں سجایا اور یہ ساری کارروائی کرتے ہوئے مسلسل سوچوں کی زد میں رہی کہ ''میم گھر کیوں آ گئیں' پتا نہیں کیا شکایت کریں اماں سے'' چائے اور لوازمات لے کر ڈرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئی تو اندر اماں اور میم رومی کے ساتھ بیٹھے نوجوان کو دیکھ کر ٹھٹکی' بدحواسی میں اس وقت میم کے پیچھے بھی نہ دیکھ پائی تھی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام!'' نوجوان نے بغور مجھے دیکھا' وہاں کا ماحول خاصا خوشگوار تھا' اماں اور میم ہنس رہی تھیں۔ میں نے بھی اچٹتی سی نگاہ نوجوان پر ڈالی' بلو جینز اور گرے ہاف سلیوز کی ٹی شرٹ میں اچھا خاصا اسمارٹ بندہ تھا۔

''آؤ آؤ صندل...... تم تو ایسے بھاگیں......'' میم کی بات پر میں خجل ہو گئی۔ ''یہ میرے اکلوتے صاحب زادے ہیں علی مصطفیٰ...... اور علی یہ میری لائق اسٹوڈنٹ صندل ابراہیم......'' میم نے تعارف کروایا تو میری جان میں جان

آئی۔ لفظ "لائق" نے مجھے توانائی بخشی تھی' تھوڑی دیر میں میڈم چلی گئیں لیکن میرا تجسس برقرار رہا کہ وہ ایسے اچانک کیوں آئیں۔ اماں بہت خوش دکھائی دے رہی تھیں' میں نے بغور ان کے چہرے کو دیکھا۔

"اماں...... کیا کہہ رہی تھیں میم؟"

"تمہارے بارے میں ہی کہہ رہی تھیں۔" اماں مسکرائیں۔

"کیا......؟" میری حیرانی برقرار رہی۔

"وہ تمہارے لیے اپنے بیٹے علی کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔"

"کیا......!" میں اماں کی بات سن کر ایسے اچھلی جیسے کسی نے پن چبھودی ہو میں ابھی کچھ لمحے تک وہم اور خدشات کا شکار تھی' دوسرے لمحے ہی میں دودھ کے ابال کی طرح بیٹھ گئی۔

یہ بھی ہوسکتا ہے' اس بات کے بارے میں تو میں نے سوچا ہی نہ تھا' مستقل منفی خیالات میں الجھتی رہی۔ مثبت ایک بات بھی ذہن میں نہیں آئی' ہائے اللہ اگر پتا ہوتا تو غور سے دیکھ تو لیتی۔ دل ہی دل میں سوچنے لگی مگر اس طرف دھیان ہی نہیں گیا تھا' میں اچانک خوش ہوگئی تھی۔ میڈم رومی مصطفیٰ ہمیشہ سے میری آئیڈیل رہی تھیں' نرم اور دھیمے لہجے میں پیار سے گفتگو کرنے والی' نہ ان کے چہرے پر پرنسپلوں والی خرانٹ فیلنگ ہوتی نہ وہ غیر ضروری طالبات پر پابندیاں لگاتیں' ویسے اصولی تھیں موقع کی مناسبت سے سختی بھی کرتیں مگر دوستانہ ماحول میں بات کرتی تھیں۔ میں تو میں سارا اسٹاف اور اسٹوڈنٹس ان کے دیوانے تھے' ایسی آئیڈیل اور پڑھی لکھی خاتون میری ساس بنیں گی اس سے اچھی اور کیا بات تھی جبکہ علی مصطفیٰ بھی خاصا اسمارٹ بندہ تھا عموماً لڑکیوں کے ذہنوں میں ساسوں والا ایک امیج ہوتا ہے۔ لڑاکا' خرانٹ' تنک چڑھی اور مغرور مگر میڈم رومی میں ایسی کوئی علامت نہیں تھی' ساری زندگی انہوں نے اپنے کیرئیر میں ایک بار بھی کسی سے بدتہذیبی یا بدتمیزی سے بات نہیں کی تھی۔ اپنے رتبے اور عہدے کا غلط استعمال نہیں کیا تھا' میں بہت خوش تھی' ابو جی نے ضروری معلومات کرکے رشتے کی منظوری دے دی۔ علی مصطفیٰ غیر ملکی فرم میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے' والد کا انتقال بچپن میں ہی ہوگیا تھا۔ بہترین گھر' آسائشات' پڑھے لکھے سلجھے لوگ بھلا اور کیا چاہیے تھا۔ میری واحد دوست جو میری

کزن بھی تھی' عائلہ اس نے سنا تو وہ بھی خوش ہوئی وہ سائیکولوجی پڑھ رہی تھی۔ اپنی پڑھائی میں اتنی مصروف ہوتی کہ کم کم ہی ہماری بات ہوتی مگر میں نے سب سے پہلے یہ خوش خبری اس کو سنائی تھی' میری تینوں آپائیں بہت خوش ادھر مما (میڈم) نے بھی ریٹائرمنٹ لے لی تھی اب زور وشور سے اکلوتے بیٹے کی شادی کی تیاریاں کررہی تھیں۔ اماں اور ابو جی بھی کوئی کسر رکھنا نہیں چاہتے تھے میں ان کی لاڈلی اور سب سے چھوٹی بیٹی جو تھی۔

میں دل میں بے شمار خوب صورت جذبات واحساسات لیے رخصت ہوکر علی ولا آ گئی۔ میرا خیر مقدم پرنسس کی طرح کیا گیا' مما نے بکروں کے صدقات دیئے' غریبوں میں کھانا تقسیم کروایا۔ مجھے یہ سب بہت اچھا لگا اور پھر علی جیسے بے حد پیار کرنے والے خوب صورت ہمسفر کے ساتھ زندگی اتنی خوب صورت ہوگئی تھی کہ میں اللہ کا شکر ادا کرتی رہتی کہ اللہ پاک نے مجھے پتا نہیں کس نیکی کے بدلے مما جیسی ساس اور علی جیسا ہمسفر عطا کیا۔ میں اتنی خوش اور مگن تھی کہ کئی کئی دن تک اماں کے گھر بھی نہ جاتی۔ شادی کے کچھ دنوں بعد علی نے آفس جانا شروع کیا اور میں نے گھر سنبھالنے کا ارادہ کرلیا۔

سب سے پہلے تو میں نے ماسی کی چھٹی کرائی' اپنی مرضی سے آنا' چھٹی کرنا اور الٹا سیدھا کام مجھے بالکل پسند نہ تھا۔ مما بے چاری تو برداشت کرلیتیں مگر میں ہرگز برداشت نہیں کرپاتی اور سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے ایسی ماسیوں سے ہمیشہ ہی خوف تھا کیونکہ سویرا آپا کے سسرال میں ایسا واقعہ ہوا تھا کہ گھر میں ساس بہو دن میں اکیلی ہوتی تھیں تو برسوں پرانی ملازمہ نے ایک دن ان کو چائے میں بے ہوشی کی دوا ملا کردی اور سارے گھر کا صفایا کردیا۔ اس میں اس کے ساتھ اور لوگ بھی شامل تھے جب سے مجھے بہت ڈر لگتا تھا' مما لاکھ منع کرتی رہیں کہ تم پر کام کا بوجھ پڑ جائے گا کوئی دوسری ماسی رکھ لو۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ مجھے تو عادت ہے کام کرنے کی اچھا لگتا ہے کام کرنا اور پھر ہمارے یہاں لوگ ہی کتنے ہیں۔ مما نے پیار سے میرا ماتھا چوم لیا تھا ''اللہ پاک تمہیں شاد وآباد رکھے آمین'' میں نے جواباً کہا۔

عائلہ کی شادی بھی طے ہوچکی تھی اور وہ مجھے یہاں آکر کارڈ دے کر گئی تھی۔ وہ میری شادی میں اپنے سارے کام بالائے طاق رکھ کر شریک ہوئی تھی اس لیے میں نے بھی مما اور علی سے اجازت لے کر تین دن اماں کے گھر رکنے کا ارادہ کرلیا کہ عائلہ کی شادی اور ولیمہ اٹینڈ کرکے آجاؤں گی۔ شادی پر تو مما اور علی نے بھی آنا تھا' عائلہ کی شادی والے دن میں نے اس کی فرمائش پر اپنی شادی کا شرارہ پہنا تھا۔

''واؤ یار سو بیوٹی فل......!'' علی آئے تو بے ساختہ تعریف کر بیٹھے میں مسکرادی۔ مجھے بہت اچھا لگا تھا کہ میری فرینڈ کی شادی میں علی نے شرکت کی' مما نے کال کرکے مجھ سے معذرت کرلی تھی کہ وہ نہیں آپائیں گی۔

''اچھا سنو' ڈنر کے بعد گھر چلنا ہے۔'' کھانا کھاتے ہوئے علی نے کہا تو میں چونکی کیونکہ میں نے آج بھی اماں کے ساتھ جانا تھا کل ولیمے کے بعد واپس گھر جانا تھا۔

''علی کل ولیمہ ہے ناں۔'' میں نے کہا۔

''مما نے کہا تھا تمہیں لے کر آنا'' علی کی بات پر میں چپ ہوگئی حالانکہ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی' شادی کے بعد پہلی بار تو اماں کے یہاں رہنے آئی تھی اور میری بہنیں بھی سب جمع تھیں اور یوں اچانک سے مما نے مجھے بلوالیا۔ رات کے ایک بجے ہم لوگ فارغ ہوئے اور میں اماں سے کہہ کر علی کے ساتھ گاڑی میں آبیٹھی۔

مما تو دس بجے سوجاتی تھیں' بھلا رات میں بلانے کی کیا تک تھی' میں یہی سوچ رہی تھی۔ گھر کی ایک چابی علی کے پاس اور ایک ہمارے پاس ہوتی تھی' ہم لوگ اندر آگئے۔ گھر میں حسب معمول مکمل خاموشی کا راج تھا' حتیٰ کہ لاؤنج کی لائٹ بھی آف تھی۔ علی نے اندر داخل ہوکر لائٹ آن کی۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو......'' تب ہی مما کی آواز پر میں چونکی اور ان کے کمرے کی جانب دیکھا' مما روم سے باہر آرہی تھیں' ان کے چہرے پر میٹھی مسکان اور بے تحاشہ محبتیں تھیں۔ وہ میری جانب بڑھیں میری نظر سامنے ڈائننگ ٹیبل پر گئی جس پر کیک کینڈل اور کچھ گفٹس رکھے تھے۔ حیرت اور بے یقینی کی کیفیت میں میں نے پہلے علی کو اور پھر مما کو دیکھا۔

''ہیپی برتھ ڈے میری جان......جیتی رہو۔'' مما نے مجھے گلے لگا کر دعا دی۔

''اُف......!'' یہ سب میرے لیے قطعی غیر متوقع تھا میں خود اپنی برتھ ڈے بھول گئی تھی مگر مما اور علی نے یاد رکھا تھا' میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اتنی محبت' خیال' مان مل رہا تھا مجھے۔

''تھینک یو سو مچ مما......آئی لو یو۔'' میں جو کچھ دیر پہلے مما

کو لے کر شک میں گرفتار تھی ندامت سے ان سے لپٹ کر بولی۔

"لو یو ٹو میری گڑیا۔" انھوں نے میرا ماتھا چوما۔

"ہیپی برتھ ڈے یار...... میری بھی سن لو۔" علی نے شرارت سے کہا تو میں مسکرا کر ان کی جانب پلٹی۔

"چلو بھئی جلدی سے کیک کاٹ لو...... مما کا نیند سے برا حال ہے۔" علی کی آواز پر میں نے مما کی بوجھل آنکھوں کی طرف دیکھا' واقعی مما تو دس بجے سو جاتی تھیں اب ڈیڑھ بجنے والے تھے میں ان کی اس محبت پر شرمسار ہو رہی تھی اتنا مان تو شاید میکے میں بھی نہیں ملا تھا مجھے۔ مما نے مجھے رنگ گفٹ دی اور سوٹس وغیرہ۔

"میں تمہیں گفٹ روم میں جا کر دوں گا' اسپیشل۔" علی کی خوب صورت سرگوشی پر میں بلش ہوگئی' ساری کوفت دور ہو چکی تھی اپنے روم میں آئی تو علی کی محبتیں مجھ پر نچھاور ہونے لگیں' خود پر جتنا ناز کرتی کم تھا۔

علی آفس چلے جاتے تو دن بھر میں اور مما ہی ہوتے' میں گھر کے کام نبٹاتے ہوئے مسلسل ان سے باتوں میں لگی رہتی تھی میں کچن میں ہوتی تو وہ سامنے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ جاتیں۔ میں لان کی صفائی کرتی خود وہیں کرسی پر بیٹھ جاتیں۔ ہم دونوں کا ٹائم بہت اچھی طرح سے پاس ہو جاتا' کہاں سال بھر گزرا کہ پتا بھی نہ چلا اور میری گود میں عمر آ گیا۔ عمر کی آمد نے مما کو ایک بار پھر سے جوان کر دیا تھا وہیں علی بھی بے پناہ خوش تھے اب ہمارے گھر میں عمر کی آمد سے مزید رونق ہوگئی تھی۔

عمر سال بھر کا ہوا کہ آئمہ پیدا ہوگئی' اللہ پاک نے ہمیں نعمت اور رحمت دونوں سے نواز دیا تھا' جتنا اللہ پاک کا شکر ادا کرتی کم تھا' اب میری مصروفیات بڑھ گئی تھیں۔ گھر کے کاموں کے ساتھ ساتھ عمر اور آئمہ کے چھوٹے موٹے کاموں میں دن گزر جاتا' مما بھی بچوں کو سنبھالتیں مگر اب وہ عمر کے اس حصے میں تھیں کہ جلدی تھک جاتیں پھر بی پی اور شوگر کی وجہ سے بھی پریشان رہتیں۔ اس لیے میں کوشش کرتی کہ بچوں کا بوجھ بھی مما پر نہ ڈالوں' بے چاری خوامخواہ ہی محبت میں آ کر سنبھالتیں اور پھر ہاتھ پیر دکھنے کی شکایت ہوتی۔ ماسی نہ رکھنے کی روایت آج بھی برقرار تھی بچے بھی بڑھے ہونے لگے تو گھر کے اخراجات بھی بڑھنے لگے۔ ساتھ ساتھ علی کی پرموشن ہوگئی تو اور زیادہ بزی ہوگئے اور اب بیرون ملک بھی ٹرپ ہونے لگے۔ میری ذمہ داریاں ان کی غیر موجودگی میں اور زیادہ ہو جاتیں' بل جمع کروانا' سودا سلف لانا' بچوں کی ذمہ داریاں' مما کی دوائیں وغیرہ لانا اور پھر بچوں کی پڑھائی اسٹارٹ ہوگئی تو مزید ساری ذمہ داری میرے کاندھوں پر ہی آن پڑی تھی۔ مما کا ڈاکٹر چیک اپ بھی مجھے ہی کروانا ہوتا' علی یہاں ہوتے تو وہی فرماتی ایمرجنسی پروگرامز چلتے ان کا حلقہ احباب بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا تھا اور ان کی خاطر مدارت کا شوق ہنوز برقرار تھا۔ مما زیادہ تر بکس وغیرہ پڑھتیں' کبھی کبھی گارڈن میں جا کر پودوں کی دیکھ بھال کر لیتیں' زندگی کے دن انہی مصروفیات کے ساتھ ساتھ گزرتے چلے جا رہے تھے۔

پچھلے کچھ عرصے سے مما کو کچھ نہ کچھ ہو رہا تھا' کبھی پیٹ میں درد' کبھی سر درد' کبھی گھٹنوں کا درد تو کبھی گھبراہٹ اور بے چینی۔ ایک دو بار تو ان کے منع کرنے کے باوجود میں ان کو ہسپتال بھی لے گئی' میں بہت جلدی گھبرا جاتی مما کی تکلیف پر تڑپ جاتی مگر ڈاکٹر مجھے مطمئن کر دیتی۔ کبھی موسمی اثرات ہوتے تو کبھی کوئی معمولی سا مسئلہ پھر ایسے وقت مجھے مما کا خاص خیال رکھنا پڑتا اور مما بالکل ٹھیک ہو جاتیں' بچے بھی ان کے ساتھ ساتھ رہتے مگر پھر بچے بھی مصروف ہو جاتے۔ اسکول' مدرسہ اور ٹیوشن میں دن نکل جاتا' اب پچھلے دس پندرہ دن سے مما عجیب و غریب سی حرکتیں کرنے لگی تھیں' کبھی اپنے آپ سے باتیں کرتیں' کبھی آئینہ کے سامنے کھڑی ہو کر ایسے لی ہو کرتیں جیسے کسی سے بات چیت کر رہی ہوں۔ کبھی ہنسنے لگتیں تو کبھی ہاتھ باندھ کر یوں کھڑی ہو جاتیں جیسے ترانہ سن رہی ہوں۔ علی بھی آج کل دبئی کی ٹرپ پر تھے' میں مما کو لے کر بہت پریشان اور ہلکان ہو رہی تھی۔ علی کو یہ بات نہیں بتائی تھی کہ وہ خوامخواہ پریشان ہوں گے۔ سوچ سوچ کر جب کچھ سمجھ نہ آیا تب مجھے عائلہ کا خیال آیا کہ اس سے مشورہ کروں' کبھی کبھی مجھے لگتا مما پر آسیب کا اثر ہو گیا ہے وہ آج کل زیادہ تر کمرے میں ہی رہتیں' بہت کم روم سے نکلتیں' میں نے سوچا عائلہ سے بات کر کے اس کو لنچ پر بلا لیتی ہوں اور مما کو ایک نظر دیکھ بھی لے گی اور شاید کوئی حل بھی بتا دے۔ میں نے عائلہ کو کال کی تو اتفاق سے وہ آج کل فری تھی اس نے دوسرے دن آنے کا وعدہ کر لیا اور میں خوش ہوگئی۔

اس روز مما کا موڈ کافی اچھا تھا وہ باہر بھی آئیں ہمارے ساتھ لنچ بھی کیا تھا' لنچ کے بعد مما اپنے روم میں چلی گئیں۔ عمر اور آئمہ ٹیوشن پڑھنے چلے گئے میں اپنے اور عائلہ کے لیے چائے لے کر اپنے روم میں آ گئی۔

''ہاں بھئی اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟'' عائلہ نے بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا تب میں نے شادی سے لے کر اب تک کی تمام باتیں بتائیں اور یہ بھی کہ۔

''گزشتہ چند سالوں سے مما عجیب وغریب ایب نارمل حرکتیں کر رہی ہیں سمجھ نہیں آ رہا کیا کروں؟ درد تک تو ٹھیک تھا مگر اب یہ باتیں کرنا' ہنسنا اور عجیب عجیب حرکتوں سے خوف آ رہا ہے مجھے آج کل علی بھی گھر پر نہیں ہیں خدانخواستہ ان پر کوئی اثرات وغیرہ تو نہیں ہو گئے یار۔'' میری بات پر عائلہ زور سے ہنسنے لگی۔

''یہ تم اثرات وغیرہ کے چکر میں کب سے پڑنے لگیں۔''

''ارے یہاں میں پریشان ہوں اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔'' مجھے اس کے ہنسنے پر تپ چڑھی۔

''اچھا...... اچھا سوری یار۔'' اس نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے مصالحانہ انداز سے کہا۔

''صندل...... یہ اتنی بڑی اور پریشان ہونے والی بات نہیں ہے ڈیئر' یہ نفسیات کی بات ہے' نہ اثرات ہیں' نہ ان کو کوئی مہلک مرض ہے۔ وہ صرف اور صرف توجہ اور ٹائم کی طالب ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے آنکھیں جھپکا کر سوال کیا تو وہ گویا ہوئی۔

''دیکھو آنٹی پرنسپل تھیں ناں' ساری زندگی ان کو لوگوں میں رہنے' اٹھنے بیٹھنے اور ساتھ کی عادت رہی وہ کالج سے فارغ ہوتیں تو گھر میں ٹیوشنز کے لیے آنے والے بچے ان کی تنہائی دور کرتے پھر علی بھائی کا بھی زیادہ تر وقت ان کے ساتھ گزرتا۔ وہ ایکٹو تھیں ان کو ہمیشہ سے کام کی عادت تھی گو کہ نوکر تھے مگر ذمہ داری تو ان کی تھی۔ وہ پریکٹیکل خاتون تھیں' شادی کے شروع میں تم نے بھی ان کو بھرپور ٹائم دیا ہر جگہ اور ہر وقت وہ تمہارے ساتھ ہوتیں پھر وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ علی کی مصروفیات بڑھ گئیں۔ تم کو دو بچوں نے الجھا دیا' تم بچوں کے کاموں' گھر کے کام کاج اور ذمہ داریوں میں اتنی الجھ گئیں کہ ان کو ٹائم نہیں دے پاتیں۔ یہ عمر ایسی ہوتی ہے کہ بوڑھا انسان بھی بچہ بن جاتا ہے جس کو توجہ اور ساتھ کی ضرورت ہوتی ہے' آنٹی اب خود کو تنہا محسوس کرتی ہیں' وہ اگنور ہونے لگی ہیں اور اسی کا ردعمل ہے کہ وہ جھوٹ موٹ کے درد کی شکایت کرتی ہیں کہ تم لوگوں کی بھرپور توجہ حاصل کر سکیں۔ وہ کھل کر یہ نہیں کہہ پاتیں کہ میرے پاس آؤ' مجھے ٹائم دو بلکہ ایسی حرکتیں کرتی ہیں کہ تم لوگ سب چھوڑ چھاڑ کر ان کے لیے وقت نکالتے رہو اور اس وقت ان کو اچھا لگتا ہے کہ ان کے آس پاس ہو' ان کا خیال رکھ رہے ہو۔ یہ سب ہم سے نادانستگی میں ہوتا ہے' ہم لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ہم اپنی الجھنوں' ذمہ داریوں اور مسائل میں الجھ کر اس ہستی کو اگنور کر رہے ہیں کہ جس کے دم سے ہم یہاں ہیں۔ یہ بتاؤ تم نے کبھی ان کی برتھ ڈے منائی...... ان کو مدرز ڈے پر گفٹ دیئے ہیں؟''

''یااللہ......!'' میں جو خاموشی سے عائلہ کی باتیں سن رہی تھی اس کے آخری جملے پر شرمندہ ہوگئی' شادی کے ابتدائی دنوں میں تو میں نے یہ دن یاد رکھے تھے مگر پچھلے کچھ سالوں سے واقعی میں یہ سب بھول چکی تھی۔

''دیکھو صندل!'' مجھے شرمندہ دیکھ کر عائلہ نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''تم تھوڑا سا چینج لے آؤ ان کو اہمیت دو' ان کا خیال تو رکھتی ہو مگر خصوصی خیال رکھو۔ دیکھو چھوٹی چھوٹی توجہ سے ان میں کیسی تبدیلی آتی ہے۔'' عائلہ کا ایک ایک لفظ میرے لیے سوچ کے در کھولتا چلا گیا' واقعی مجھ سے بے شمار کوتاہیاں ہوئی تھیں۔

عائلہ شام کو اپنے گھر لوٹ گئی اور میں اس کی بے حد مشکور تھی کہ اس نے مجھے اتنی بڑی الجھن سے نکال کر صحیح اور سیدھا راستہ دکھایا۔ میری کوتاہی کی نشاندہی کی تب میں نے مما پر خاص توجہ دینی شروع کی۔ بچوں سے بھی کہتی کہ ہوم ورک دادو کے سامنے بیٹھ کر کیا کرو' بچے بھی ان کے پاس بیٹھنے لگے۔

دسمبر اسٹارٹ ہو چکا تھا اور اینڈ میں علی کی واپسی بھی متوقع تھی۔ یکم جنوری کو مما کی سالگرہ ہوتی تھی اور ہم یہ بھول چکے تھے میں نے سوچا کہ اس بار مما کو سرپرائز دیں گے بالکل اس طرح جیسے ایک بار انہوں نے مجھے دیا تھا ہماری پندرہ بیس دن کی کوشش سے مما میں واضح تبدیلی آئی تھی اس دوران ایک بار بھی ایکسٹرا درد نہیں ہوا تھا' نہ آئینہ سے باتیں کیں' نہ

بڑبڑائیں۔ علی کی فلائٹ اکتیس دسمبر کی تھی' وہ رات کو یہاں پہنچنے والے تھے۔ سردی بھی اپنے عروج پر تھی اس لیے ہمارا ائیر پورٹ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے مما سے یہ بات چھپائی تھی کہ علی جلدی واپس آرہے ہیں۔ بچوں کو بھی سختی سے تاکید کردی تھی کہ دادو کو پاپا کے آنے کا مت بتانا' میں بے چینی سے اکتیس دسمبر کا انتظار کررہی تھی۔ مجھے ہر دن کے ساتھ اپنی کوتاہی کا احساس ہورہا تھا' میں ان تمام کوتاہیوں کا ازالہ کرنا چاہتی تھی' مجھے مما پر واقعی بہت ترس آرہا تھا وہ خود کو اکیلی محسوس کرنے لگی تھیں' دھیرے دھیرے نفسیاتی ہوتی جارہی تھیں۔

''اُف توبہ۔'' میں نے جھرجھری لی۔

اکتیس دسمبر آن پہنچا' آج بہت زیادہ سردی تھی' حسب معمول مما کھانا کھا کردس بجے سوگئی تھیں۔ بچے بھی کمبل میں دبک گئے تھے مگر پاپا کا انتظار تھا نہ چاہتے ہوئے بھی دونوں کی آنکھ لگ گئی اس وعدے پر کہ پاپا کے آتے ہی ان کو جگادوں گی۔ رات گیارہ بجے کے قریب علی آئے' آتے ہی مما کے بارے میں پوچھا تب میں نے مختصراً ان کو بتایا لیکن یہ بات چھپا گئی کہ مما پر نفسیاتی اثرات ہورہے تھے۔ بس یہی کہا کہ عدم توجہی کا شکار ہورہی تھیں' علی بچوں کی طرف بڑھے' ہلکی سی آواز لگائی تو بچے فوراً اٹھ گئے۔

''پاپا...... پاپا......'' دونوں اٹھ کر ان سے لپٹ گئے پہلی بار ایک سال کے لیے علی دور ہوئے تھے' علی بھی بچوں کی طرح ان سے مل رہے تھے۔

بارہ بجنے والے تھے' ہم سب مل کر مما کے روم کی طرف بڑھ گئے' مما کی یہ عادت تھی کہ ہلکی سی آہٹ ہو یا لائٹ آن ہو کتنی بھی گہری نیند میں ہوتیں جاگ جاتیں۔ میں نے لائٹ آن کی کہ گو کہ کمبل ان کے آدھے منہ تک تھا مگر انہوں نے کسمسا کر آنکھ کھولی' بالکل سامنے علی کھڑے تھے۔ کچھ نیند کا خمار تھا' کچھ سرد موسم کہ وہ ٹھیک سے سمجھ نہ پائیں اور پلکیں جھپکا کر آنکھیں مل کر دوبارہ غور سے دیکھا۔

''عا...... علی......!'' انہوں نے غیر یقینی انداز میں کہا۔

''جی مما' ابھی ابھی آیا ہوں۔'' علی دوڑ کر ان کے پاس پہنچے ان کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو آگئے انہوں نے علی کو سینے سے لگالیا اور اٹھنے کی کوشش کی۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیئر دادو......''

پیچھے سے میں اور بچے بھی آگئے۔

''یہ...... یہ...... سب کیا ہے؟'' انہوں نے حیرت سے ہم لوگوں کی جانب دیکھا' تب انہیں کچھ یاد آیا۔

''اوہ اتنے سالوں بعد یہ کیسے یاد آ گیا؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی لبوں پر شکوہ مچل گیا۔

''اوہو سوری مائی ڈیئر مما...... ہم لوگ معاشی چکر میں پڑ کر اپنی اس اہم ذمہ داری کو بھولنے لگے تھے اور شاید...... آپ کو اگنور بھی کرنے لگے تھے لیکن......''

''آئی ایم ویری ویری سوری...... اب آئندہ سے ایسا کچھ نہیں ہوگا' ہم لوگ یہ بھول گئے تھے کہ ہمارے لیے تو لاکھ دھندے اور مصروفیات ہیں لیکن آپ کے لیے صرف اور صرف ہم لوگ ہی ہیں۔ آپ کی تفریح' آپ کی سنگت اور آپ کا خیال رکھنے کے لیے۔ آج کے بعد یہ کوتاہی نہیں ہوگی۔'' میری آنکھوں میں ندامت کے آنسو تھے۔

''اوہو سو سویٹ لو یو میری جان...... تھینک یو سو مچ۔''

کافی عرصے بعد میں نے مما کے چہرے پر حقیقی خوشی دیکھی تھی' باہر دھڑا دھڑ فائرنگ سے نئے سال کا آغاز ہورہا تھا اور مما کے بیڈ روم میں میں اللہ پاک سے آنے والے اچھے دنوں کے لیے دعائیں کررہی تھی' ساتھ مما کے بیڈ پر ہی کیک کی ٹرے رکھ دی تھی۔ عمر' آمنہ' علی اور میں مما کے آس پاس وہیں بیڈ پر کمبل میں گھس گئے تھے۔ مما نے کیک کاٹا اور ہم سب نے تالیاں بجا کر مما کے چہرے پر پھر سے زندگی اور خوشیوں کو لہراتے دیکھا۔ مما نے ساری زندگی جو محبت اور محنت اس گھر اور علی کے لیے کی تھی' ہمیں اس محبت کو سود سمیت واپس کرنا تھا' خراج کی صورت میں۔

پھوپو کا بیٹا

صباحت رفیق چیمہ

نئے سال کا پہلا سورج صبح سے چھائے بادلوں کو شکست دے کے آخر کار عصر کے وقت آسماں پہ نمودار ہوا تھا۔ وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ نئے سال کا پہلا دن منانے ساحلِ سمندر پہ آئی تھی۔ سورج کی ہلکی نارنجی اور عنابی کرنیں سمندر کے پانی میں منعکس ہو کر خوب صورت سماں باندھ رہی تھیں اور اس سماں نے اُسے اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔ اُسے ڈوبتے سورج کی ملگجی سی شاموں سے عشق تھا۔ ڈھلتے سورج کے رنگ اُسے کسی اور ہی خوب صورت دُنیا میں لے جاتے تھے۔ شادی کے بعد کوئی ایک شام بھی ایسی نہیں گزری جو اُس نے آسماں تلے اپنے محبوب شوہر کے کندھے پہ سر ٹکا کے نہ گزاری ہو۔ اس وقت بھی وہ اپنی نظروں کے سامنے ساحل پہ کھیلتے اپنے دونوں بچوں کو دیکھ کے خوش ہو رہی تھی۔ جو سردی کی پروا کیے بغیر اپنی مُسکراہٹیں بکھیر رہے تھے۔ اُس کا چار سالہ بیٹا اشعر زوہیب اور تین سالہ بیٹی بسمہ زوہیب اُس کی کُل کائنات تھے۔ پھر اُس نے مُسکراتے ہوئے اپنے ہمسفر کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے بزنس کے حوالے سے ایک ضروری کال سُن رہے تھے۔ اُسے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ بھی مُسکرا دیئے۔ آنکھوں سے اشارہ کرتے ہوئے اُس کے ہنسنے کی وجہ پوچھی۔ اُس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے دوبارہ اپنا سر اپنے ہمسفر کے بازو پہ ٹکایا۔ وہ سوچنے لگی بے شک وہ ایک خوشگوار زندگی گزار رہی ہے۔ خوابوں جیسی زندگی۔ محبت کرنے والا شوہر، پیارے بچے، اپنا گھر، محبت کرنے والی ساس، شوہر کی اچھی جاب غرض سب کچھ ہی تو تھا اُس کے پاس۔ اُس نے اس خیال کے ساتھ ہی زیرِ لب ''الحمدُللہ'' کہا۔ اُسی لمحے کچھ یادوں نے اُس کے ذہن پہ دستک دی۔ اُن یادوں کے لیے اپنے ذہن کا دروازہ کھولنے سے پہلے ہی اُس کے لبوں پہ مُسکراہٹ پھیل گئی۔

شرمندہ شرمندہ سی مُسکراہٹ۔

❀❀......

وہ بہت مزے سے بیڈ پہ اوندھے منہ لیٹ کے کانوں میں ہینڈ فری لگائے 'جاناں' فلم دیکھ رہی تھی۔ حالانکہ اس طرح اوندھے منہ لیٹنے پہ اُسے امی سے کئی صلوٰتیں اور جوتے گفٹ کے طور پر ملتے رہتے تھے لیکن مجال ہے جو اُس پر کوئی اثر ہوا ہو۔ ساتھ ہی چپس کھانے کا شغل بھی جاری تھا۔ علینہ نے اُس کے پاس آ کر کچھ کہا۔ لیکن وہ متوجہ نہیں ہوئی۔ آواز کا والیوم بھی اتنا تیز تھا کہ متوجہ بھی کیسے ہوتی۔ آخر کار علینہ نے اُس کے کانوں سے ہینڈ فری کھینچ کے اونچی آواز میں کہا۔

''تم یہاں مووی دیکھتی اور چپس کھاتی رہنا وہاں امی ابو تمہارا رشتہ پھوپو کے بیٹے سے طے کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔'' یہ بات کرنٹ کی طرح اُسے لگی۔ وہ اچھل کر سیدھی ہوئی۔

''کیا کہا میرا رشتہ......! پھوپو کے بیٹے سے؟''

''جی ہاں...... بالکل بجا سُنا آپ نے۔ مس علیشہ فاروق کا رشتہ پھوپو کے بیٹے سے۔''

''زبان بند کرواپنی۔ میں اپنے جیتے جی تو ایسا کبھی بھی نہیں ہونے دوں گی۔'' علینہ نے مُسکرا کے اُسے چڑاتے ہوئے کہا۔

''چلو دیکھتے ہیں۔'' وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہل کے ابو کے آفس جانے کا انتظار کرنے لگی۔ اُس نے وقت دیکھا نو بج گئے تھے۔ ابو نو بجے سے پہلے آفس چلے جاتے تھے آج نو بجے بھی گھر میں موجود تھے۔ آخر اُس سے چپ رہا نہ گیا تو علینہ سے پوچھ ہی لیا۔

''یہ آج ابو ابھی تک گھر پر کیوں ہیں...... اُنہوں نے آفس نہیں جانا کیا؟''

''کیا پتہ نہ جانا ہو۔ اُن کا ارادہ آج ہی پھوپو کی طرف جا کر تمہارا رشتہ پکا کرنے کا ہے۔''

''میں تمہیں کہہ رہی ہوں اپنی زبان بند کر لو ورنہ میرے ہاتھوں آج تمہارا قتل ضرور ہو جائے گا۔''

''لو میری زبان تو بند ہی تھی۔ تم نے ہی سوال پوچھ کے کھلوائی ہے۔'' اس سے پہلے کہ وہ اُسے کوئی جواب دیتی اُسے موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے اور پھر دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تو وہ فوراً کمرے سے باہر بھاگی۔

''امی...... امی......'' دروازے کی کنڈی لگا کر اندر کی

طرف آتیں امی اُسے دیکھ کر اپنی جگہ ٹھہر گئیں۔
''آئے ہائے...... کیا مصیبت آ گئی ہے۔ کیوں چلا رہی ہو؟'' امی اپنے تخت پہ بیٹھ گئیں اور پاس رکھا حجاب ڈائجسٹ پڑھنے کے لیے ابھی اُٹھایا ہی تھا کہ اُس نے اُن کے ہاتھوں سے اُچک لیا۔
''یہ کیا جاہلوں والی حرکت ہے' ادھر دو مجھے۔''
''نہیں دوں گی پہلے مجھے بتائیں آپ ابو سے کیا باتیں کر رہی تھیں؟''
''علینہ کے پیٹ میں کوئی بات رہتی تو ہے نہیں۔ جا کر بتا دیا ہوگا' تو اب یوں مجھ سے کیا پوچھ رہی ہو؟'' اُس نے امی کے ساتھ بیٹھ کے بہت پیار سے پوچھا۔
''امی ویسے یہ نیک خیال آیا کس کو تھا؟''
''تمہاری پھوپو کو۔'' جواب سُن کے اُس کے ذہن میں ہنستی ہوئی پھوپو کا سراپا لہرایا جو اُس سے کہہ رہی تھیں۔
''علیشبہ شادی تو بیٹا تیری میرے بیٹے سے ہی ہوگی چاہے میرے خلاف تُو فیس بک پر کتنے ہی اسٹیٹس اپ لوڈ کر لے۔'' اُس نے جھرجھری لیتے ہوئے امی کی طرف دیکھا جو اُس سے کہہ رہی تھیں۔
''تمہاری پھوپو نے زوہب کے لیے تمہارا انتخاب کیا ہے میں اسی حوالے سے تمہارے ابو سے بات کر رہی تھی۔''
''تو پھر ابو نے کیا کہا؟''
''اُنہیں تو کوئی اعتراض نہیں۔''
''تو کیا یہ بات آپ نے پھوپو کو بتا دی؟''
''نہیں...... میں نے سوچا پہلے نادیہ احمد کا جو ناول شروع کیا ہے وہ مکمل کرلوں۔ پھر تمہاری پھوپو کو فون کر کے یہ خوش خبری سُناؤں گی۔'' وہ جھٹکے سے امی کے تخت سے اُٹھتے ہوئے بولی۔
''نہ امی نہ......علیشبہ فاروق مرنا گوارا کر لے گی لیکن پھوپو کے بیٹے سے شادی کرنا نہیں...... اور یہ خوش خبری نہیں میرے لیے گویا موت کی خبر ہے۔ امی اگر آپ نے پھوپو کو فون کر کے اپنی رضامندی دی ناں تو پھر دیکھئے گا میں کیا کرتی ہوں۔''
''کیا کرو گی تم؟''
''آپ دیکھنا میں خودکشی کرلوں گی لیکن پھوپو کے بیٹے سے شادی نہیں کروں گی۔''
''آخر کیا خرابی ہے زوہیب میں؟''
''امی خرابی زوہیب میں نہیں پھوپو میں ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کیسے فیس بک پر پھوپو بدنام ہوئی ہے۔ تو آپ اُسی پھوپو کے بیٹے سے میری شادی کرنا چاہتی ہیں؟'' اگلے ہی لمحے امی کا جوتا اس کے سر کے اوپر سے گزرا تھا وہ تو قسمت اچھی تھی کہ اس بار نشانہ چوک گیا تھا۔
''نامراد نہ ہو کہیں کی۔ یہ بات تمہارا باپ سُن لیتا ناں تو دیکھتی تم کیا حشر کرتا تمہارا۔ تمہارے باپ کی بہن ہے۔ اتنی محبت کرتی ہے تم سے اور تم اُسے بدنام کہہ رہی ہو۔'' اپنے ساتھ ہونے والے اس ظلم سے اُس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔
''آپ کو کیا پتہ محبت نہیں دکھاوا ہے دکھاوا...... کھُل گئی ناں اُن کی محبت۔ اپنے مطلب کے لیے دکھاوا

کررہی تھیں محبت کا۔ دیکھنا رشتہ لے کے کیسے بدلتی ہیں۔ وہی زبان جو مجھ سے بات کرتے پھول برساتی ہے شادی کے بعد دیکھنا کیسے انگارے برسائے گی۔'' امی نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔ اُنہیں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اچانک اسے ہوا کیا ہے جو وہ پھوپو کے اتنا خلاف ہوگئی ہے۔ علینہ اُس کے ہاتھ سے ڈائجسٹ اُچک کے امی کے ساتھ اُن کے تخت پہ بیٹھ گئی۔ پھر امی کی طرف دیکھ کے بولی۔

''امی آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ اچانک پھوپو کے خلاف نہیں ہوئی۔ یہ مہم تو یہ فیس بک پر بہت زور و شور سے چلا رہی ہے کب دنوں سے۔'' اُس نے علینہ کی طرف اُنگلی کرکے گویا اُسے وارننگ دی۔

''علینہ تم اپنی زبان بند ہی رکھو۔ ہزار دفعہ میں تمہیں کہہ چکی ہوں کہ میرے کسی کام میں ٹانگ مت اڑایا کرو۔'' جبکہ امی نے علینہ کی طرف رُخ کرتے ہوئے پوچھا۔

''کون سی مہم چلا رہی ہے یہ؟''

''کوئی نہیں امی...... یہ لیں آپ اپنا ناول مکمل کریں اور پھر پھوپو کو فون کرکے وہ سب باتیں بتادیجیے گا جو اس نے پھوپو کے بارے میں کہا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ پھوپو اپنے بارے میں اس کے نیک ارشادات سن کے خود ہی انکار کردیں گی۔''

...... ❀❀ ......
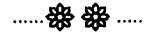
وہ غصے سے سارا دن بستر میں منہ چھپائے لیٹی رہی۔ دوپہر سے رات ہوگئی۔ نہ وہ دوپہر کے کھانے کے لیے اُٹھی نہ ہی اب رات کے کھانے کے لیے۔ کھانا شروع کرنے سے پہلے ابو نے اُسے موجود نہ پاکر پوچھا۔

''یہ علیشبہ کہاں ہے؟''

''ابو میرے خیال سے اُس کے سر میں درد ہے اس لیے سو رہی ہے۔''

''تو بیٹے اُسے اُٹھاؤ وہ کچھ کھا کے سر درد کی دوا لے لے۔ ایسے ہی لیٹے رہنے سے تو آرام نہیں آئے گا ناں۔''

''جی ابو میں کھانا کھا کے اُس کے لیے کمرے میں ہی لے جاؤں گی۔'' امی خاموش رہیں۔ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ سر درد صرف بہانہ ہے۔ کھانا کھانے کے بعد علینہ نے اُس کے لیے ٹرے تیار کی اور کمرے میں آگئی۔ جب اُس کے چہرے سے زبردستی چادر ہٹائی تو دیکھا رو رو کر اُس کی آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں۔ وہ بھی اُس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''بھئی علیشبہ تم بھی پاگل ہوا یوں فضول سی بات پہ رو رو کے اپنی آنکھیں خراب کرلی ہیں تم نے۔'' اُس نے اطمینان سے کہا۔

''اتنی سی بات ہے؟ اگر میری جگہ تمہارا رشتہ ہو رہا ہوتا پھوپو کے بیٹے سے تو پھر میں تم سے پوچھتی۔''

''ہاں اگر زہیب بھائی تمہاری جگہ مجھ سے محبت کرتے تو میں ضرور امی کو کہہ دیتی کہ میرا رشتہ کردیں۔'' لاعلمی میں اُس نے راز افشاں کردیا تھا۔ جب احساس ہوا تو فوراً اپنے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا' جبکہ علیشبہ ہونق بنے اُسے دیکھنے لگی۔

''کک......! کیا مطلب؟''

''کچھ بھی نہیں۔''

''تو پھر تم نے یہ بکواس کیوں کی؟''

''اگر تم نے اپنی فیس بک کی دُنیا سے نکل کر اور پھوپو کے خلاف پوسٹیں لگانے کے علاوہ بھی ارد گرد نظر گھمائی ہوتی تو آج تمہیں مجھ سے یہ سوال پوچھنے کی نوبت نہ آتی۔''

''تو تم نے سیدھی طرح نہیں بتانا؟''

''نہیں...... پہلے منہ ہاتھ دھو کر آؤ اور یہ کھانا کھاؤ پھر بتاؤں گی۔''

''ارے رہنے دو تم' نہیں مجھے جاننا کچھ بھی' جانتی ہوں میں یہ سارے ہتھکنڈے' مجھے یہ محبت کا لالی پاپ دے کے تم شادی کے لیے راضی کرنے کی کوشش کررہی ہو اور اگر وہ سچ میں بھی محبت کرتا تو پھر بھی میں پھوپو کے بیٹے سے شادی کے لیے کبھی رضامند نہ ہوتی۔'' وہ دوبارہ لمبی تان کے لیٹ گئی اور آنسو بہانے لگی۔

''تم بے وقوفی کررہی ہو علیشبہ' زہیب بھائی کی نہ صرف شاندار پرسنلٹی ہے بلکہ پُرکشش جاب بھی ہے۔ خاندان کی سبھی لڑکیاں اُن پہ مرتی ہیں' لیکن ایک تمہاری ہی عقل گھاس چرنے گئی ہوئی ہے۔ تمہیں تو یہ بھی نہیں پتہ ہوگا کہ وہ ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کررہے ہیں۔ کمپنی اُن کی اچھی

پرفارمینس دیکھتے ہوئے اُنہیں اپنی ایبروڈ والی کسی برانچ میں بھیجنا چاہتی ہے۔ اس لیے پھوپو چاہ رہی ہیں کہ اُن کی شادی کردی جائے تاکہ وہ اپنی دلہن کو بھی ساتھ لے جائیں۔ اگر فیس بک کی باتیں سچ ہوتیں تو پھر پھوپو اُن کی دلہن کو ادھر ہی رکھتیں کہ وہ اُن کے گھر کا کام کاج کرسکے۔ لیکن اُنہوں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے زیبی بھائی سے کہ اگر جانا ہے تو پھر اپنی دلہن کو بھی ساتھ لے کے جائے۔'' علینہ کی یہ باتیں سُننے کے باوجود اُس کے رونے میں کوئی کمی نہ آئی۔ علینہ نے جب دیکھا کہ اُسے سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں تو وہ اُسے اُس کے حال پہ چھوڑ کے ٹرے اُٹھا کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ امی نے اُسے دیکھتے ہی پوچھا۔

''کیا ہوا......نہیں کھایا پھر اُس نے کھانا؟'' اُس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کیا کروں میں اس لڑکی کا۔ اتنی چاہت سے تمہاری پھوپو نے رشتہ مانگا ہے۔ انہوں تو مجھے پہلے بھی کتنی دفعہ اشاروں کنائیوں میں کہا تھا۔ لیکن اب جب زوہیب نے اس کا نام لیا تو پھر اُنہوں نے کُھل کے بات کی ہے لیکن یہ کم عقل لڑکی ناشکری کررہی ہے۔''

''رہنے دیں امی! آپ نہ پریشان ہوں۔ بس وقتی جذباتی ہورہی ہے۔ فیس بک پہ پھوپو کے خلاف پوسٹ دیکھ کر اسے اپنی پھوپو میں بھی وہیں خامیاں نظر آنے لگیں ہیں اور پھر پھوپو کی مثبت بات بھی منفی لگنے لگی ہے۔ حقیقت سے نظریں چُرا کے فیس بک کی فیک دُنیا کی فیک باتوں کو سچ سمجھ رہی ہے۔''

''اب اس کا کوئی حل ہے؟''

''جی ہاں ہے لیکن نہ آپ کے پاس نہ میرے پاس۔''

''تو پھر کس کے پاس؟''

''زیبی بھائی کے۔''

''ارے اُس بچے کو کیوں اس مصیبت میں گھسیٹ رہی ہو۔''

''امی اُنہوں نے خود ہی اس مصیبت میں سر دیا ہے اب بھگتیں بھی اس مہارانی کو۔''

''اگر وہ پھر بھی نہ مانی تو......؟''

"مانے یا نہ مانے اس کی فکر فی الحال آپ چھوڑ دیں۔ یہ اب ہمارا نہیں زیبی بھائی کا دردسر ہے۔" اُس نے اپنی بات کے آخر میں امی کو آنکھ ماری۔ وہ کچن سے نکلنے لگی تو امی نے اُسے روک کر کہا۔
"بات سُنو۔ جا کہاں رہی ہو؟"
"زیبی بھائی کو فون کرنے جا رہی تھی۔"
"وہ بعد میں کر لینا۔ پہلے میرے اور اپنے ابو کے لیے چائے پکا کے کمرے میں دے جاؤ۔"

...... ❀ ❀ ......

سہ پہر کا وقت تھا جب دروازے پہ دستک کی آواز سُن کے امی کے ساتھ سبزی بناتی علینہ اُٹھی اور دروازہ کھول دیا سامنے زیبی بھائی کھڑے تھے۔ اُنہوں نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔
"کیسی ہو گو یا؟"
"میں تو الحمدُللہ بالکل ٹھیک ہوں بھائی۔ اس لیے آپ کو میرا نہیں کسی اور کا حال پوچھنے کی ضرورت ہے۔" اُس کی بات پہ مُسکراتے ہوئے اُنہوں نے اپنا سر امی کے آگے جھکا دیا۔ امی نے پیار دیتے ہوئے کہا۔
"جیتے رہو لمبی عمر پاؤ' سدا سکھی رہو۔" دُعائیں لینے کے بعد ابھی اُنہوں نے سر اُٹھایا ہی تھا کہ علینہ بولی۔
"وہ اوپر ہے۔" امی نے علینہ کو ٹوکا۔
"ارے اُسے بیٹھ کے سانس تو لینے دو۔"
"نہیں مامی اب ایک دفعہ ہی سانس لوں گا۔" اُس کی بات پہ امی اور علینہ دونوں مُسکرانے لگیں۔ علینہ اُس کے ساتھ ساتھ قدم اُٹھاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہنے لگی۔
"ویسے زیبی بھائی مجھے نہیں پتہ تھا کہ آپ میری ایک ہی کال پہ یوں اُس کے لیے بھاگے آئیں گے۔"
"جب دل کا معاملہ ہو تو بھاگنا تو پڑتا ہی ہے۔"
"واہ واہ کیا جواب دیا۔"
"نوازش...... اُس نے کچھ کھایا ہے یا نہیں؟"
"نہ جی۔ کل سے اب تک کچھ نہیں کھایا۔ بس رو رو کے اپنی آنکھوں کا ستیاناس کر لیا ہے۔ میری مانیں تو اُس کے چہرے کی طرف دیکھنے سے گریز کیجیے گا۔ یہ نہ ہو اُس کی یہ والی شکل دیکھتے ہی آپ اپنا شادی کا ارادہ بدل لیں۔"
"مہربانی...... پہلے ہی بتا دیا ہے اب جاؤ اُس کے کھانے کے لیے کچھ تیار کرو۔ میں اُسے لے کے آتا ہوں۔"
"ٹھیک ہے جایئے۔ اللہ آپ کو عشق کے امتحان میں کامیاب کریں۔"
"آمین۔" وہ سیڑھیاں پھلانگ کے اوپر آ گیا۔ وہ سامنے فرش پہ ہی دونوں ٹانگوں کے گرد بازو لپیٹے دیوار سے سر ٹکائے ڈوبتے سورج کو دیکھ رہی تھی۔ اُس پہ نظر پڑتے ہی اُس نے غصے سے اپنی نظریں پھیر لیں۔ وہ بھی اُس کے ساتھ اُسی کے انداز میں بیٹھ گیا۔ پھر دھیرے سے اُسے پُکارا۔
"علیشے......" اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ غصے سے بولا۔
"ادھر دیکھو میری طرف۔" غصے نے کام کر دکھایا اور وہ اُس کی طرف دیکھنے لگی۔
"دیکھو علیشبہ تمہاری مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں ہوگا۔ مجھے بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟ کیا تمہیں لگتا ہے میں تمہیں خوش نہیں رکھ پاؤں گا' یا میں تمہارے معیار کے مطابق خوب صورت نہیں ہوں...... یا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟"
"نہیں ایسا کچھ بھی نہیں۔" رونے سے نہ صرف اُس کی آنکھیں خراب ہوئی تھیں۔ بلکہ آواز بھی روندھی ہوئی تھی۔
"ایسی بات نہیں تو پھر مجھ سے رشتے کی بات سُن کے اتنا روتی کیوں رہی ہو۔"
"وہ میں...... یہ شادی نہیں کرنا چاہتی اس لیے۔"
"تو سیدھی طرح پھر مجھ سے کہہ دو کہ تم مجھے اس قابل ہی نہیں سمجھتی۔"
"نہیں ایسی بات بھی نہیں ہے۔"
"رہنے دو علیشبہ پتہ چل گیا مجھے یہی بات ہے...... تم بے فکر رہو میں امی کو منع کر دیتا ہوں۔" یہ کہہ کے وہ اُٹھ کے جانے لگا لیکن بے اختیار ہی علیشبہ نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ اپنے ہونٹوں پہ مچلنے کے لیے بے تاب ہوتی مُسکراہٹ کو اُس نے روکا۔ سیریس ہوتے ہوئے پلٹ کے اُس کی طرف دیکھا۔

''اب کیا ہے؟''

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے آنسو پھر اُس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

''یہ رونا بند کرو۔ کہا تو ہے میں نے کہ تمہاری مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہوگا۔ فی الحال تم نیچے چلو اپنے کمرے میں اور پانچ منٹ میں اپنا حلیہ ٹھیک کرو۔ اُس کے بعد کھانا کھاؤ۔'' وہ کچھ نہ بولی۔ تو وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کے نیچے لے آیا۔ امی اور علینہ اُسے دیکھ کے ہنسنے لگیں۔ اُس کی آنکھوں میں پھر پانی بھر آیا۔ جسے دیکھتے ہی زوہیب نے غصے سے کہا۔

''تمہیں سُنائی نہیں دیا جو میں نے کہا' اب مجھے تم روتی ہوئی نظر نہ آؤ اور جاؤ وہ کرو جو میں نے کہا ہے۔'' وہ اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوئے کمرے کی طرف بھاگ گئی اور وہ مُسکراتے ہوئے تخت کے سامنے رکھی کُرسی پہ بیٹھ گیا۔

''واہ بھائی کیا غصہ ہے آپ کا۔ میں نے تو آج پہلی دفعہ آپ کے غصے سے بڑے بڑے لوگوں کو ڈرتے دیکھا ہے۔''

''بہت شُکر یہ۔ اب اُسے کچھ کھانے کو دو۔''

''ٹھیک ہے۔ جا رہی ہوں۔'' اُس کے جانے کے بعد امی نے اُس سے پوچھا۔

''کیا کہتی ہے؟ بدتمیزی تو نہیں کی۔''

''نہیں مامی۔ وہ کیوں بدتمیزی کرے گی۔''

''تو پھر کا ہے کو ہنگامہ کر رہی ہے؟''

''ایویں فضول خرافات پالی ہوئی ہیں اس نے اپنے دماغ میں اور کوئی وجہ نہیں۔''

''ایسا تو ہونا ہی تھا۔ اس لڑکی نے اپنا اوڑھنا بچھونا ہی فیس بک کو بنایا ہوا ہے۔ فیس بک پہ جو لکھا ہے وہ گویا سو فیصد سچ ہے۔ ارے موت پڑے ان لوگوں کو جو اپنی سگی پھوپو کے خلاف الٹا سیدھا پوسٹ کرتے رہتے ہیں۔'' اُن کی اس بات پہ اُس کے چہرے پہ مُسکراہٹ دوڑ گئی۔ چہرہ دوسری طرف کرلیا۔ اب وہ اُن کو کیا بتاتا کہ اُن لوگوں میں اُن کی بیٹی بھی شامل ہے۔

''مامی میں اُسے دیکھ لوں اُس نے کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں۔''

''ہاں جاؤ بیٹا دیکھ لو۔ نخرے تو اُس کے ویسے بھی لاکھوں ہیں۔''

...... ❁❁ ......

اُسے اپنے کمرے میں قدم رکھتے دیکھ کے اُس نے فوراً ٹرے سے سبزی والے پلاؤ کی پلیٹ اُٹھالی۔ علینہ نے حیران ہوتے ہوئے اُسے دیکھا۔ وہ کب سے اُس کے منتیں کر رہی تھی لیکن اُس نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا اب یوں اچانک کھانے کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔ زوہیب پہ نظر پڑتے ہی اُسے اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ وہ بیڈ سے اُٹھتے ہوئے بولی۔

''شکر ہے بھائی آپ آ گئے' میری تو بس ہوگئی تھی اس کی منتیں کر کر کے میں رات کے لیے کھانا پکنا لوں۔'' اُس کے جاتے ہی وہ صوفے پہ بیٹھ گیا۔ صوفے کی پُشت سے سر ٹکاتے وہ اُسے بغور دیکھنے لگا۔

کپڑے بدل کے بکھرے بالوں کو پونی میں مقید کرلیا تھا۔ چہرہ دھونے سے وہ کچھ اپنی اصلی حالت میں آگئی تھی کانچ جیسی آنکھوں پہ پلکوں کی چادر بار بار گر اُٹھ رہی تھی۔ دُنیا بھر کی ناراضگی گویا اُس نے اپنے چہرے پہ سجائی ہوئی تھی۔ چند لقمے لینے کے بعد وہ پلیٹ رکھنے لگی تو اُس نے ٹوکا۔

''اونہوں...... ختم کرو اسے۔'' چارو نا چار اُسے ختم کرنا ہی پڑا۔ پلیٹ واپس ٹرے میں رکھتے ہوئے اُس نے یوں اُس کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو اب میرے لیے کیا حکم ہے۔

''اچھا تو اب بتاؤ کیا کہہ رہی تھی کہ میں غلط سمجھ رہا ہوں۔''

''جی۔''

''تو پھر جو ٹھیک ہے وہ سمجھا دو۔'' وہ کچھ نہ بولی تو وہ خود ہی اُسے سمجھانے لگا۔

''علیشے تم کیا سمجھتی ہو کہ امی کی محبت تمہارے لیے دکھاوا ہے؟ تم لوگ اُن کے بھائی کی اولاد ہو۔ بہنوں کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ اپنے بھائی کی اولاد سے محبت ہوتی ہے۔ یہ تو جان بوجھ کے کچھ لوگوں نے پھوپو لفظ کو فیس بک پہ یوں بدنام کردیا ہے کہ تمہاری طرح اور بھی نجانے کتنی لڑکیاں میرے خیال سے اسی وجہ سے خاندان میں رشتے سے انکار کرتی ہوں گی۔ خاص طور پر پھوپو کے

بیٹے سے۔ چاہے وہ میری طرح کتنا ہی ہینڈسم کیوں نہ ہو۔'' اُس کی آخری بات پر علیشبہ نے پلکوں کی چادر اُٹھا کے یوں اُس کی طرف دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھ اُٹھاتے ہوئے بولا۔

''اچھا بابا نہیں ہوں ہینڈسم۔'' پھر مُسکراتے ہوئے دوبارہ بات شروع کی۔

''یاد کرو علیشے چھوٹے تھے تو تم میری جھوٹی شکایتیں امی کو لگایا کرتی تھی۔ امی یہ بھی جانتی تھیں کہ تم جھوٹ بول رہی ہو لیکن پھر بھی وہ تمہاری بات کا یقین کرتے ہوئے مجھے دو لگا دیا کرتی تھیں اور وہ دو تم مجھے اکثر لگواتی تھی۔ اسی بات سے اندازہ کرلو تم اپنے لیے امی کی محبت کا۔'' اُس کی بات پہ اُس کی نظروں میں وہ سارے لمحے گھوم گئے اور اُس کے لبوں پہ نہ چاہنے کے باوجود بھی شرمندہ شرمندہ سی مُسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس نے اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دباتے کن اکھیوں سے اُس کی طرف دیکھا۔ اُس کی اس حرکت پر زوہیب کا قہقہہ کمرے میں گونج اُٹھا۔

''تم جانتی ہو میرا ابھی شادی کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں چاہتا تھا ایک سال اٹلی میں جاب کرنے کے بعد دوبارہ یہاں کی برانچ میں ٹرانسفر کروا لوں گا۔ تب ہی شادی کروں گا۔ لیکن اٹلی کا نام سُنتے ہی امی کو تمہاری وہ بات یاد آگئی جب ایک دفعہ تم نے اُنہیں شہر روم کی تصویریں دکھاتے ہوئے کہا تھا کہ پھوپو میرا دل کرتا ہے کہ میں ایسی جگہ پہ جا کے رہوں۔ بس پھر امی نے مجھ سے کہا شادی کر کے تمہیں بھی ساتھ لے کے جاؤں اور پھر ایک دو سال وہاں گزار کے دوبارہ پاکستان واپس آجائیں اُن کے پاس۔'' اُس کی بات سے اُسے وہ لمحہ بھی یاد آگیا جب اُس نے کو ایسا کہا تھا۔ اُسے ڈھیروں شرمندگی نے آگھیرا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ سچ کہہ رہا ہے کیوں کہ جس وقت اُس نے یہ بات پھوپو سے کہی تھی تب وہ اور پھوپو وہاں اکیلی ہی تھیں۔ وہ جان بوجھ کے بولا۔

''چلو ٹھیک ہے میں امی کو بتا دیتا ہوں کہ رہنے دیں ماموں سے تمہارا رشتہ مانگنے نہ آئیں کیوں کہ تم راضی نہیں ہو۔ مجھے اُمید ہے تمہاری محبت میں وہ تمہاری یہ بات بھی ضرور مان لیں گی۔'' اُس نے فوراً کہا۔

''نہیں۔'' انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

''کیا نہیں؟''

''آپ پھوپو کو ایسا نہیں کہیں گے۔''

''کیوں تمہیں ہی تو اعتراض ہے۔''

''نہیں ہے۔''

''کیا کہا؟ پھر کہنا سُنائی نہیں دیا۔''

''ایک شرط پہ کہوں گی۔''

''کون سی شرط؟''

''خبردار آئندہ جو مجھ سے کبھی غصے سے بات کی۔'' اُس کی بات پہ ہنستے ہوئے وہ صوفے سے اُٹھتے ہوئے بولا۔

''اور کسی سے تو ڈرتی نہیں ہو۔ ایک میرے غصے سے ہی تو ڈرتی ہو۔ اس لیے تم سے کوئی بات منوانے کے لیے مجھے ہی آگے کیا جاتا ہے۔ سو...... سوری میں ایسا کوئی وعدہ نہیں کروں گا۔'' اُس کے اچانک یوں پینترا بدلنے پر کُشن اُٹھا کے اُس کی طرف پھینکا۔ جسے اُس نے کیچ کرلیا۔ تبھی علینہ اندر داخل ہوئی اور زوہیب کو ہنستے ہوئے دیکھ کے کہنے لگی۔

''کوئی حال نہیں...... میں انتظار کر رہی ہوں کہ کب خوشی کی خبر سُننے کو ملے تو ہم شہنائیاں بجوائیں۔ لیکن ادھر تو علیشبہ مہارانی کے پھوپو کے بیٹے سے شادی کے لیے راضی ہو جانے کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔''

''یہ تو چاہ رہی تھی میں اِس کے پاس بیٹھ کے باتیں کرتا رہوں۔ لیکن مجھے میری گویا کو خوش خبری سُنانے کا خیال تھا اس لیے ہی اُٹھ گیا۔'' علیشبہ نے تیوریاں چڑھاتے ہوئے کہا۔

''ایویں جھوٹ...... میں کب ایسا چاہ رہی تھی۔''

''اچھا قسم اُٹھا کے کہو کہ ایسا نہیں چاہ رہی تھی۔''

''جب میں نے ایسا چاہا ہی نہیں تو میں کیوں قسم اُٹھاؤں؟''

''اچھا نہ اُٹھاؤ۔ یہ بتاؤ کیا تمہیں پتہ ہے کہ میں یہاں کیوں آیا تھا؟''

''ظاہر ہے علینہ نے بتا دیا ہوگا سب۔'' وہ صاف مُکر گیا۔

''جی نہیں۔''

''تو پھر؟''

''آج مجھے ایک لڑکی کا میسج آیا......''

''اچھا کیا کہہ رہی تھی؟''

''وہ کہہ رہی تھی کہ کیا آپ علیشبہ کی پھوپو کے بیٹے ہیں؟'' اُس نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تو پھر آپ نے کیا کہا؟''

''میں نے کہا ہاں تو کہنے لگی خیریت ہے دو دن ہوگئے ہیں علیشبہ نے پھوپو کے خلاف کوئی پوسٹ نہیں کی۔ اُس کی بات سے میں بہت حیران ہوا۔ مجھے تو لگا اب تک پھوپو کے خلاف ایک محاذ کھل چکا ہوگا۔ باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوچکا ہوگا۔ جس کی شعلہ باری ہمارے گھر تک آرہی ہوگی۔ لیکن جب اپنے گھر تک شعلہ باری آتے نہ دیکھی تو اسی لیے یہاں تمہاری خبر لینے آگیا۔''

اُس کی بات ختم ہوتے ہی علینہ کا ہنسی کا فوارہ چھوٹ گیا اور علیشبہ نے ساری بات سمجھتے ہوئے یوں آنکھوں ہی آنکھوں میں اُسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔

''ایک دفعہ نکاح ہونے دو پھر تمہیں بتاؤں گی۔''

زوہیب نے فوراً اپنے دونوں کان ہاتھ میں پکڑے اور معصوم سی شکل بنا کے بولا۔

''سوری۔'' اُس کے اس انداز پہ وہ بھی ہنسنے لگی۔

''علیشے......'' اپنے نام کی آواز اُسے ماضی سے حال میں لے آئی۔ اُس نے اپنے شوہر کے کاندھے سے سر اُٹھاتے ہوئے اُس کی طرف دیکھ کے کہا۔

''سُن لی کال؟''

''ہاں۔ یہ بتاؤ خیریت ہے آج بہت مُسکرایا جارہا ہے۔''

''ہاں بس وہ دن یاد آگیا تھا جس دن آپ پھوپو کے بارے میں میری غلط فہمیاں دور کرنے آئے تھے۔''

''اوہ...... ہاں سچ میں تو بھول ہی گیا تھا اب کبھی تمہاری فیس بک پہ پھوپو کے خلاف کوئی پوسٹ نہیں دیکھی۔''

''آپ اب کبھی دیکھیں گے بھی نہیں؟''

''کیوں بھئی اب وہ تمہاری ساس بن گئی ہیں؟''

''جی نہیں۔ وہ میری ساس کبھی بنی ہی نہیں۔ ماں سے زیادہ اُنہوں نے مجھے پیار دیا ہے تو میں پھر کیوں اُن کے خلاف کوئی پوسٹ کروں گی؟''

''ماں سے زیادہ پیار تو اُنہوں نے تمہیں بچپن سے ہی دیا ہے۔ البتہ تمہیں خیال بہت جلد آگیا ہے۔'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اُن کے دونوں بچوں نے اُن کا ایک ایک ہاتھ پکڑ کے اُنہیں اُٹھاتے ہوئے کہا۔

''ماما...... بابا......آپ بھی آئیں ناں۔ اتنا مزہ آرہا ہے پانی میں۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہنے لگی۔

''نہ بیٹا جی مجھے معاف ہی رکھو جنوری کی سردی اور سمندر کا یخ پانی۔ آپ لوگوں کو بھی اپنے بابا جان کی طرح سردی تو لگتی نہیں اس لیے باہر نکل آؤ بس بہت ہوگیا۔'' اشعر نے اصرار کیا۔

''پلیز ماما کچھ دیر اور......''

''نہیں بالکل بھی نہیں۔ بیمار ہوجاؤ گے اور دادو امی گھر میں انتظار کررہی ہیں۔'' بسمہ نے بات مانتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے ماما۔ آؤ اشعر گھر جا کر دادو امی سے کہانی سُنیں گے۔'' زوہیب نے بسمہ کو اُٹھا کے اُس کا گال چومتے ہوئے کہا۔

''یہ میری اچھی بیٹی ہے۔'' اشعر ناراضگی سے گاڑی کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

''بابا میں آپ کی گھر جا کر دادو کو شکایت لگاؤں گا کہ آپ بسمہ سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔'' علیشبہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں بیٹا ضرور لگانا۔'' زوہیب نے مصنوعی خفگی سے اُسے گھورا۔ وہ کھلکھلا کے ہنس دی۔

نئے سال کا پہلا چاند اب آسمان پر اپنی چھب دکھا رہا تھا۔

قسط نمبر 1

تو ٹھہرا مصلحت پسند......

اور میں موج ہوا سے لڑنے والی

بہت کچھ پڑھا تھا عشق کے بارے میں اور بہت سے قصے بھی سن رکھے تھے لیکن جب برتنا پڑا تو احساس ہوا کتنا جاں گسل ہے' کتنا کاری وار ہے اس کا......کوئی لمحوں میں روح کا رشتہ اس گہرائی سے باندھ لے کہ اس کی تنگ پکڑ سے رہائی کا خیال ہی جان نکال دے۔ روز لڑنا' پھر اس لڑائی کو یاد کر کے ہنسنا اور اکیلے اکیلے رو کر ایک دوسرے کو سب ٹھیک ہے کہنا۔

یہ عشق ہی تو ہے جو کسی کا سایہ تک دیکھ کر جان لینے اور دینے کے درپے ہو جاتا' جلانے ستانے کو اپنی ریپو کو سائیڈ پہ رکھ کے فضول حرکت کرنا۔ ناراضگی میں ٹریولنگ کی ایک ایک تصویر لگا کر بتاتے ابو ظہبی جا کے بیٹھ جانا اور کوئی رابطہ نہ کرنے پہ خود ہی میسج کرنا۔

تیری یاد آ رہی ہے......میرا دل نہیں لگ رہا ہے ادھر' مجھ سے بات کر اور اس ایک جملے پہ ساری ناراضگی بھول کر ایک ہو جانا......ساتھ ہنسنا......ساتھ رونا۔

''آ رہا ہوں' تو ناراض ہوتی ہے تو کرتا ہوں فضول حرکت' جو کسی کی نہیں سنتا اسے اتنی باتیں سناتی ہے' کچھ بھی کرلوں تیرے بنا نہیں رہ سکتا......کبھی بھی۔'' اس دیوانگی کے بعد باقی کچھ نہیں بچتا۔

دو دیوانے......جو خود کو داؤ پہ لگائے بیٹھے ہیں......وقت کب بدلے گا؟

نصیب کب پلٹے گا؟

حالات سازگار ہوں گے یا نہیں؟

عشق کو منزل ملے گی یا نہیں؟

لیکن یہ عشق جسم سے روح نکلنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوگا۔

''واہ......واہ......'' بے حد خوب صورت لائنز پڑھ کر وہ مسحور سی ہو گئی تھی۔ کتاب کا کونا لبوں پہ لگاتی وہ کچھ سوچنے لگی تھی۔

''کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں ایسے لوگ جو محبت کی وادیوں میں ایک ساتھ سفر کرتے ہیں۔'' وہ تکیہ سینے سے بھینچتی خود کلامی کرتی کتاب سائیڈ پہ رکھ کر رشک کی کیفیت میں غرق تھی۔ تب ہی سناٹے میں 4wd کا ہارن گونجنے لگا۔ وہ ایک دم سے چونک کر تکیہ بیڈ پر پھینکتی اپنے روم سے ملحق بالکونی میں آ کھڑی ہوئی۔

''اتنی رات کو کس کی سواری آئی ہے؟'' اس نے گردن موڑ کر وال کلاک کی سمت دیکھا' جہاں گھڑی تین بجنے کا عندیہ دے رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر مین گیٹ کی طرف دیکھا' ہارن کا شور ایک بار پھر فضا میں گونجا تھا' تب ہی واچ مین دروازے کے قریب ہی بنے اپنے کمرے سے آنکھیں ملتا برآمد ہوا اور بھاگتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔

غالباً آنے والا بے صبرا تھا تب ہی ہارن پہ ہاتھ رکھ کر شاید اسے ہٹانا بھول گیا تھا لیکن تب تک آہنی اور مضبوط گیٹ وا ہو چکا تھا' نیند کے نشے میں دھت واچ مین اس دیوہیکل دروازے کو وا کرنے کی کوشش میں ہانپ سا گیا تھا۔ گیٹ کھلتے ہی تیز روشنی سے سارا منظر جیسے روشن ہو گیا تھا۔ عیشال کی آنکھیں تیز روشنی سے چندھیا سی گئی تھیں۔ 4wd زن سے داخل ہوئی تھی۔ واچ مین گیٹ بند کر رہا تھا کہ 4wd کا دروازہ کھٹاک سے کھلا' بلیک چمچماتے مضبوط جوتوں والے نے لال

اینٹوں سے مزین فرش پر قدم رکھا۔ عیشال نے آنکھیں مل کر نظریں دوبارہ جمائیں‘ اگلے ہی لمحے سمہان آفندی کو دیکھ کر چونک گئی۔

’’اتنی رات کو یہ آ کہاں سے رہا ہے‘ شام تک تو گھر پہ تھا۔‘‘ وہ بڑبڑا کر ہونٹ سکیڑتی اسی سمت نظریں جمائے کھڑی تھی۔ وہ بلیک جینز اور بلیک ہی جیکٹ میں ملبوس تھا۔ جیکٹ کی کھلی سلور زپ روشنی سے چمک رہی تھی۔ لائیٹ براؤن بالوں کی چمک دور سے ہی نظر آ رہی تھی۔

وہ غالباً واچ مین کے سو جانے پہ اس کی کلاس لے رہا تھا کیونکہ حویلی میں ڈے اینڈ نائٹ الگ الگ واچ مین ہوتے تھے۔ واچ مین کو مستعد رہنے کی ہدایت تھی۔

’’ہونہہ حویلی کو اپنے کاندھوں پہ چلانے والا آدھی رات کو تشریف لا کر واچ مین بے چارے کی کلاس لے رہا ہے۔‘‘ چند ثانیے بعد وہ اسے راہداری کی طرف مڑتا نظر آیا‘ وہ بالکنی سے ہٹ کر سیڑھیوں کی طرف آ گئی کیونکہ ان ہی سیڑھیوں سے گزر کر سمہان آفندی کو اپنے کمرے کی طرف جانا تھا۔

چند لمحوں میں ہی سیدھے ہاتھ میں بیگ لیے بائیں بازو پہ جیکٹ ڈالے جو تھوڑی دیر پہلے اس کے تن پہ سجی ہوئی تھی‘ غالباً سیڑھیاں چڑھتے اتار کر بازو پہ منتقل کر لی تھی۔ ہاف سلیو زٹی شرٹ میں اس کے بازو کے کٹس نمایاں تھے۔

’’ہونہہ...... اسٹائل تو ختم ہے کم بخت پہ۔‘‘ وہ اس کی اونچی ناک کو دیکھتے منہ ٹیڑھا کر گئی۔

سمہان آفندی کی نظر گرل سے لگی کیا عیشال پر پڑ گئی‘ اس پہ ایک نظر ڈال کر وہ دوبارہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ عیشال اس وقت ملٹی کلر کے گھیر دار شلوار اور وہائٹ ٹی شرٹ میں ملبوس گلے میں ملٹی کلر کا اسکارف لیے کھڑی تھی۔ ہنی کلرڈ بالوں کی لٹیں چہرے اور شانوں پہ بکھر کر اسے حسین ترین بنا رہی تھیں۔ سمہان آفندی چپ چاپ خاموشی سے اس کے پاس سے گزر کر آگے بڑھنے لگا تو عیشال سلگ گئی۔

’’کہیں سے آتے ہیں تو سلام کرتے ہیں۔‘‘ وہ چوٹ کرنا نا بھولی۔ ویسے بھی ہر وقت دونوں کی ٹھنی رہتی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو چڑانے اور ستانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

’’السلام علیکم!‘‘ فرماں برداری سے حکم کی تعمیل کرتا وہ بنا رکے آگے بڑھ گیا‘ جیسے جلد سے جلد اس سے پیچھا چھڑانا مقصود ہو۔

’’وعلیکم السلام! کہاں سے آ رہی ہے سواری‘ اتنی رات گئے؟‘‘ وہ کون سا اس کے حسب منشا چلتی تھی جو جان چھوڑ دیتی‘ فوراً پیچھے لپکی۔

’’چکوال گیا تھا‘ وہیں سے لوٹا ہوں۔‘‘ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے بڑھ رہا۔

’’کیا کتے پیچھے لگے ہیں‘ دو منٹ رک کر سکون سے بات نہیں کر سکتے تم۔‘‘ عیشال اس کے پیچھے بھاگ کر ہانپنے لگی تھی۔

’’کتنی بار کہا ہے آپ کہا کرو‘ بڑا ہوں تم سے۔‘‘ اس کی بات کو قابل اعتناء جانے بناء اس نے گردن موڑ کر اس پہ ایک فہمائشی نظر ڈالی۔

’’بڑے ہو تو ہوتے رہو‘ میری بلا سے‘ میں نے کہا تھا دنیا میں مجھ سے پہلے آؤ۔‘‘ اس کی تنبیہہ کو ہمیشہ کی طرح رد کرتے منہ بنا کر کہا۔

سمہان آفندی نے لمبی سانس بھر کر قدموں کی رفتار مزید تیز کر دی تھی۔ نتیجتاً عیشال کو بھی بھاگتے ہوئے اس سے گفت و شنید کرنا پڑ رہی تھی۔

’’نکلے کب تھے شام تک تو تم گھر پہ ہی تھے؟‘‘ وہ انکوائری کر رہی تھی۔

’’پانچ بجے نکلا تھا۔‘‘ سمہان آفندی نے اس کی الجھن سلجھائی‘ اسے خبر تھی معلومات لیے بناء وہ اس کی جان نہیں چھوڑے گی۔ اس لیے شرافت سے جواب دے رہا تھا۔

’’کیوں گئے تھے؟‘‘ اگلا سوال ہوا‘ کبھی کبھی سمہان آفندی کا دل چاہتا کہ اس بے چین روح کے ماتھے پہ بڑا سا سوالیہ

نشان ریڈ مارکر سے بنادے یا کم از کم اس کی زبان کو تالا لگا دے مگر وہ صرف سوچ ہی سکتا تھا۔ وہ بھی احتیاطاً اگر جو اس مکھی کے چھتے جیسی عیشال کو بھنک بھی پڑ جاتی تو وہ اس بری طرح چمٹتی کہ کیا ہی مکھیاں چمٹتی ہوں گی۔
''تایا جان نے بھیجا تھا۔'' سبحان آفندی نے چوہدری فیروز کا حوالہ دیا۔ یہ طویل راہداری تھی جس کے کافی آگے جا کر سبحان آفندی کا کمرا تھا یہ پُرسکون گوشا اس نے خود اپنی پسند سے منتخب کیا تھا۔
''تین بج گئے اور اس وقت لوٹ رہے ہو اتنی لانگ نان اسٹاپ ڈرائیو کر کے آنے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ صبح آ جاتے۔'' جانے عیشال کو کیسے اس کی بے آرامی کا خیال آ گیا۔
''دس بار کہا ہے رات کو سفر نا کیا کرو ہزار بلائیں ہوتی ہیں راستوں میں اوپر سے اونچے نیچے ٹیڑھے میڑھے راستے۔'' اس نے کلاس لے۔
''بے فکر رہو میں بلا پروف ہوں۔ اتنے سالوں سے حویلی میں تمہارے ساتھ ہوں' کچھ ہوا مجھے؟'' وہ لب دبائے اس پہ ایک مسکراتی نظر ڈال کے رہ گیا۔
''شٹ اپ۔'' وہ غرائی۔ اس کی مسکراہٹ مزید پھیل گئی۔
''روک تو وہ لوگ بھی رہے تھے لیکن صبح والد محترم کو مجھ سے کام تھا' اس لیے آنا پڑا اور نہ تمہارے حکم کی تعمیل کرتا۔ ویسے بھی آنے کا دل کس کم بخت کا چاہ رہا تھا۔'' سبحان آفندی نے گردن موڑ کر اسے دیکھا جو اس کے ساتھ چلتی بے حال ہو چکی تھی۔
''ہاں اتنے ہی تو فرماں بردار ہو میرے؟'' اس نے چڑ کر کہا۔ وہ شاید جوش میں اس کی آخری بات کو سنجیدگی سے نہیں لے پائی تھی۔ سبحان آفندی نے شکر ہی ادا کیا۔
''آٹھ دس گھنٹوں کی مسلسل ڈرائیو کے بعد تم نے کچھ کھایا بھی ہے یا صرف حکم کی تعمیل ہی کرتے رہے اور کیوں آنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا؟ ایسے کون سے ہیرے جڑے ہوئے تھے وہاں؟'' بالآخر فکر مندی کے بادل چھٹے تو اس کی گرفت میں وہ جملہ آ ہی گیا' سبحان آفندی ذہنی طور پر گولہ باری سہنے کے لیے تیار ہو گیا۔
''جہاں گیا تھا انہوں نے کافی تواضع کی' ان کی بیٹی نے چکن کڑاہی بہت لذیذ پکائی تھی۔ خود سرو کر رہی تھی۔'' سبحان آفندی نے سچائی سے گوش گزار کر دیا۔
''وہاں لڑکی بھی تھی؟'' عیشال نے ابرو اچکائے۔
''ہاں تو...... اس میں حیرانی کی کیا بات ہے؟'' سبحان آفندی کے قدم رک گئے۔
''اسی لیے آنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا؟'' وہ ہانپتے ہوئے اسے گھور رہی تھی۔ اس کے رکنے پہ شکر کا سانس لیا۔
''ے بی......'' وہ پُرسوچ انداز میں ہونٹ سکیڑ کر بولا۔
''تو پھر آئے کیوں؟ بیٹھے رہتے وہاں تاکہ وہ تمہیں روز چکن کڑاہی سرو کرتی۔'' وہ جلبلائی۔
''کہا ناں والد محترم کی وجہ سے آنا ہوا' اگلی بار فرصت سے جاؤں گا۔ تین چار دن کی چھٹی گزارنے۔'' وہ اس کی جان سلگانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔
''کیوں جاگ رہی ہو اتنی رات گئے؟'' سبحان آفندی نے کلائی میں بندھی خوب صورت بلیک گھڑی میں ٹائم دیکھا۔
''پاگل ہوں' اس لیے جاگ رہی ہوں۔'' اسے جانے کیوں غصہ آنے لگا۔
''اطلاع پرانی ہے لیکن میں پاگل نہیں' بقول تمہارے لانگ ڈرائیو کی ہے اس لیے مجھے واقعی تھکن ہو رہی ہے' اگر تمہارے سوالنامے میں مزید سوال رہ گئے ہوں تو صبح پرچہ لے کر آ جانا' ابھی مجھے میرے کمرے میں جانے کی اجازت دو۔'' سبحان آفندی نے اس کا چہرہ بغور دیکھ کر عاجزی سے کہا۔
عیشال نے چونک کر دیکھا وہ دونوں کمرے کے دروازے کے باہر کھڑے تھے اور وہ منتظر تھا کہ عیشال جائے تو وہ بھی اپنے کمرے کو رونق بخشے۔
''پچھلے دنوں تم نے کمرے کی نئی انٹیریئر کروائی تھی دکھاؤ کیسا لگ رہا ہے کمرا۔ میں نے دیکھا نہیں ابھی تک۔'' اسے

جیسے اچانک یاد آ گیا' سب نے ہی تعریف کی تھی مگر اتفاق تھا جو وہ محروم رہی تھی دیکھنے سے کہ وہ ہر وقت تو کبھی ادھر کبھی ادھر نظر آتا تھا۔

''ابھی نہیں' ابھی جا کر سو جاؤ۔'' سبحان آفندی نے طویل سنسان راہداری پہ ایک نظر ڈالی' حویلی کے پیچھے جنگل تھے جہاں سے جانوروں کی آوازیں وقفے وقفے سے آتی رہتی تھیں۔

''کیوں ابھی کیوں نہیں؟'' عیشال نے ضدی لہجے میں پوچھا۔

''مناسب وقت نہیں۔'' سبحان آفندی نے ایک نظر اس کے سراپے پہ ڈالی اور اگلے ہی لمحے پھر اس کی نظر راہداری کا جائزہ لینے لگی۔

تہجد کا وقت تھا' داجان' دی جان یا کوئی بھی اس وقت اٹھ سکتا تھا اور انہیں یوں بے فکری سے گفت وشنید کرتے دیکھ کر پوچھ گچھ بھی ہوسکتی تھی۔ بھلے دونوں کزن تھے مگر حویلی میں اتنی آزادی نہیں کہ عورتیں یوں مردوں سے بے تکلف ہوکر راستہ روکے کھڑی باتیں کریں۔

حویلی کی تمام ہی عورتیں چوہدری حشمت کے اصولوں پہ چلتی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کے شہری پوتے' پوتی بھی جب حویلی آتے تو اس ماحول کے مطابق چلتے تھے مگر وہ عیشال ہی کیا جو کسی اصول کو خاطر میں لائے۔ اس وقت بھی وہ جرح کررہی تھی۔

''کیوں مناسب نہیں...... تم کوئی غیر ہو...... فرسٹ کزن ہو میرے' تمہارے کمرے کی انٹیریئر دیکھنے میں کیا برائی ہے۔'' وہ پیر پٹخ کے ٹھنکی۔

سبحان آفندی کا جی چاہا اس لڑکی کا سر پھاڑ دے۔ اس کی موٹی عقل میں کوئی بات گھستی جو نہیں تھی کہ اتنا کچھ پہلے جو بھرا ہوا تھا' ضد' غصہ' من مانی' انکار تو جیسے سننا گناہ تھا اس کی لغت میں۔

''رات کے ساڑھے تین بجے کسی نے ہم دونوں کو اس طرح راز و نیاز کرتے دیکھ لیا تو گولی ماردیں گے سو بہتر یہی ہے کہ تم جا کر سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو اور میرے کمرے میں کوئی ایٹمی نسخہ نہیں پڑا جس کی پروٹیکشن کے لیے مجھے لاک کی ضرورت پڑے' روم ان لاک ہی ہوتا ہے' صبح آ کر دیکھ لینا' میری غیر موجودگی میں بھی اجازت ہے' لیکن ابھی جاؤ اپنے کمرے میں۔'' سبحان آفندی نے اس کے صبیح چہرے پہ نظریں جما کے ایک ایک لفظ پہ زور دے کر اسے موقع کی نزاکت کا احساس دلایا۔ عیشال کو بھی جیسے اپنے حلیے کا احساس ہوا' اسے دھیان نہیں رہا تھا' واقعی اگر ابھی چوہدری حشمت یا شاہ زرشمعون میں سے کوئی بھی اس حلیے میں دیکھ لیتا تو ٹھیک ٹھاک اس کی کلاس ہوجانی تھی۔

حویلی کی عورتوں کو آج بھی اتنی آزادی نہیں تھی کہ وہ ماڈرن کپڑے پہن کر حویلی میں گھومیں یہ تو عیشال تھی جو ہر روایت کے پرخچے اڑادیتی تھی۔ سبحان آفندی کے احساس دلانے پہ اس نے ٹی شرٹ کے گلے میں ہاتھ ڈال کر اسکارف کو ذرا سا کھینچا۔

''کوشش کیا کرو حویلی کے اصولوں پہ چلنے کی۔ شنائیہ کو ہی دیکھ لو کراچی جیسے ماڈرن شہر میں رہتی ہے لیکن حویلی میں آتی ہے تو یہاں کے طور طریقوں کے حساب سے چلتی ہے۔'' سبحان آفندی نے چوہدری بخت کی بیٹی شنائیہ کی مثال دی جو ان دنوں حویلی میں رہ رہی تھی۔

''مجھے کسی کو نہیں دیکھنا سننا...... میں وہی کرتی ہوں جو میرا دل چاہتا ہے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر قطعیت بھرے لہجے میں کہہ کر پلٹ گئی۔

سبحان آفندی نے ایک نظر اس کی پشت پہ ڈالی اور اگلے ہی لمحے اپنے کمرے کے لاک پہ ہاتھ رکھ کر اسے گھمانے لگا' اسے خبر تھی اس سر پھری کو کچھ بھی کہنا فضول ہے وہ وہی کرتی تھی جو اس کا دل چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

شاہ شمعون اپنے من پسند چہیتے سلطان کی پشت پہ سوار تھا' سلطان بھی اسے اپنی پیٹھ پہ سوار کیے تخ تخ کیے دوڑیں لگائے

جار ہا تھا۔ بلیک شلوار سوٹ میں ملبوس بلیک چادر کو دونوں بازوؤں سے گزار کر پیچھے ڈالے اس کی وجاہت ہی نرالی تھی۔ وہ کھیت میں کام کرنے والے لوگوں کو دیکھ رہا تھا تب ہی چیخ وپکار کا بازار گرم ہوا تھا۔ مرد بھاگنے لگے اور عورتیں چیخ وپکار کررہی تھیں۔

''ارے بیل بچے کو کچل دے گا۔'' ہجوم میں کوئی چلایا تھا۔ کھیت میں کام کرنے والی عورتیں بچے بھی ساتھ لاتی تھیں۔ جانے کس کا بچہ تھا جو کھیت کے بیچوں بیچ جا پہنچا تھا' بچے سارا دن اسی طرح کھیلتے' کودتے رہتے تھے اور مائیں آرام سے کام کرتی' انہیں آوازیں بھی لگاتی رہتی تھیں۔

صورت حال اس وقت کیشدہ ہوگئی تھی جب ایک بدمست بیل سرپٹ دوڑتا اسی طرف آتا نظر آیا۔ تمام لوگ بیل کی ٹکر سے بچنے کے لیے اپنے اپنے بچوں کو خوف زدہ ہوکر سائیڈ پر کررہے تھے۔ چار سالہ بچہ کھڑا بیل کو دیکھ رہا تھا۔ یہ بیل نصر کے تھے جو ہل جوتنے میں استعمال ہوتے تھے اس کے پاس کئی بیل تھے' جنہیں اس نے آتے ہوئے ٹیوب ویل کے قریب پانی پیتے دیکھا تھا' یہ یہاں کیسے آگیا؟ شور بڑھتا جارہا تھا۔

بچے کی ماں اپنے بچے کو بچانے کے لیے پچھاڑیں کھا رہی تھی' اسے دوسری عورتوں نے پکڑ کے رکھا تھا' کسی میں ہمت نہیں تھی کہ آگے دوڑ کر بیل کے سامنے سے بچے کو ہٹالے بیل کی رفتار اور اس کی نوکیلی سینگوں کو دیکھ کر سب کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔

شاہ زرشمعون سستی سے کھڑے سلطان کی پیٹھ پر سرعت سے سوار ہوا تھا اور اس کا برسوں پرانا ساتھی اس کا اشارہ پاتے ہی ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ عجیب منظر تھا' بیل سرپٹ دوڑے چلا آرہا تھا' شاہ زرشمعون کا سلطان اس کے عین سامنے سفر کررہا تھا' ان دونوں کے بیچ بچہ کھڑا تھا۔

بیل چند قدموں کے فاصلے پہ رک گیا تھا' اب اس کی نگاہیں سلطان اور سلطان کی پیٹھ پہ سوار شاہ زرشمعون پہ تھیں۔ اس سے پہلے کہ بیل دائیں طرف سینگ مار کر بچے کو قدموں تلے کچل دیتا۔ عین وقت پہ شاہ زرشمعون نے اسے بائیں طرف جل دے کر تیزی سے جھک کر بچے کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھایا تو اس سے دگنی تیز رفتاری سے مڑ کر بیل کے نتھنوں میں ڈالی رسی پکڑ کر سلطان کا رخ مضبوط پیڑ کی طرف کردیا۔ اگلے ہی پل پیڑ کے گرد دو تین چکر لگاتے اس نے بیل کو نکیل ڈال دی۔ بیل آزادی کے لیے زور آزمائی کرنے لگا مگر شاہ زرشمعون کی لگائی گرہیں اتنی کمزور نہیں تھیں جو آسانی سے کھل جاتیں۔ سب نے بنا پلکیں جھپکے یہ سارا منظر دیکھا تھا' بیل دو تین چکر لگانے کے بعد تھک کر ستانے بیٹھ گیا تھا۔ بچے کی ماں اور سب لوگ تیزی سے بھاگتے ہوئے آئے تھے۔

''بہت شکریہ شاہ.....'' بچے کی ماں شکر گزار ہوئی۔ متفکر نظروں سے سلطان کی گود میں سوار اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔ شاہ زرشمعون نے بچے کے ساتھ سلطان کی پیٹھ سے چھلانگ لگائی۔

''خوف زدہ ہے' اسے دیکھیں۔'' بچہ اس کی ماں کے حوالے کرتے اس نے اس کی سہمی ہوئی شکل کی طرف توجہ دلائی' بچے کی ماں وفور جذبات سے بچے کو چومنے لگی شاہ زرشمعون نے دلچسپی سے یہ منظر دیکھا۔

''آپ نے عین موقع پر جان بچالی۔'' سب اس کے گن گارہے تھے۔ بلاشبہ گاؤں میں سب ہی اسے بہت پسند کرتے تھے۔ بھلے وہ اکھڑ' بددماغ مشہور تھا مگر بلا کا منصف' کبھی کسی کے ساتھ ناانصافی پسند نہیں کرتا تھا۔

ہر کوئی اپنے مسائل اسی سے کہتا تھا' اس سے پہلے سب چوہدری حشمت کے پاس جاتے تھے لیکن جب سے وہ چوہدری حشمت کا بازو بنا تھا' سب اس سے ہی رابطہ کرتے تھے اور اس کی انصاف پسندی کے قائل بھی تھے۔ گوکہ فیصلے اب بھی زیادہ تر چوہدری حشمت ہی کرتے تھے اور انہیں عمل میں لانے کا فریضہ شاہ زرشمعون کرتا تھا۔

غریبوں کے لیے احساس' ان کے لیے درد اسے سب کی نظروں میں معتبر کرتا تھا' ہر کوئی اس کی مدح سرائی کرتے نظر آتے تھے۔

''میرا بیل؟'' نصر بھی دوڑتا ہوا آیا اسے خبر مل گئی تھی کہ بیل ادھر آنکلا ہے۔

''تمہارا بیل کھیتوں میں کیسے گھس آیا نصر؟'' نصر سے باز پرس کرتے اس کے چہرے کی سرخی اور بھی گہری ہوگئی تھی۔
''شاہ...... مجھے نہیں معلوم' میرے بیل تو پانی پی رہے تھے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا کہ بیل بھٹک کر ادھر آنکلے اور کسی کی جان لینے کی کوشش کرے۔'' نصر نے گڑبڑا کر صفائی دی۔
''پھر آج کیسے ہوا؟''
''کھیتوں کا جو نقصان ہوا سو ہوا اگر آج ان میں سے کسی کی جان جاتی تو پتا ہے میں تمہارے ساتھ کیا کرتا؟'' شاہ زر شمعون غیض وغضب سے دھاڑا۔
''مجھے گولی مار دیتے...... مجھے خبر ہے شاہ مگر یقین کریں مجھے خود حیرت ہے' میرے بیل بہت سدھائے ہوئے ہیں۔'' نصر کو اس کے تیوروں کے سامنے صفائی دینا مشکل لگ رہا تھا۔
''ویرے...... بیل کو منجو نے تنگ کیا تھا' منجو نے جلتی سگریٹ بیل کی ٹانگوں پہ لگائی تھی تب بیل بھاگا تھا۔'' مجمع میں سے دس گیارہ سالہ بچہ آٹھ سالہ بچے کو سامنے لاکر کہانی کے مرکزی کردار کو بے نقاب کرگیا تھا۔ شاہ زر شمعون کی نظریں دونوں بچوں پہ پڑیں تو رخ ان کی طرف پھیر گیا۔
''ادھر آؤ دونوں۔'' اس کے اشارہ کرنے پہ دونوں بچے قریب چلے آئے۔
''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے؟'' جس بچے کی شناخت منجو کے نام سے کی گئی تھی اسے بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے کیا جو مارے ڈر کے سر جھکائے کھڑا تھا۔
''سچ بولو گے تو کچھ نہیں کہوں گا...... انعام بھی دوں گا لیکن جھوٹ کہا تو اسی بیل کے اوپر بٹھا دوں گا'' شاہ زر شمعون نے قدرے جھک کر کہا۔
''حیدر سچ کہہ رہا ہے۔'' بچے نے باریک آواز سے اعتراف کرلیا۔ وہ بھی اس کی دہشت سے واقف تھا' جانتا تھا جو کہتا ہے کر گزرتا ہے' اسے بیل پہ نہیں بیٹھنا تھا تب ہی سچ بتا دیا۔
''سگریٹ کہاں سے آئی تمہارے پاس؟'' ایک اور سوال پوچھا۔
''ویرے یہ سٹے بھی لگا رہا تھا' مجھے دکھا رہا تھا کہ دیکھو دو انگلیوں سے پکڑ کر سٹا لگاتے ہیں اور پھر منہ سے دھواں نکالتے ہیں۔'' شکایتی بچہ ایک بار پھر سرگرم ہوا اور معصوم مجرم سر مزید سینے تک جھکا گیا کہ اب تو اس کی خیر نہیں۔
''سگریٹ کہاں سے ملی' بتاؤ؟'' شاہ زر شمعون کا سوال اور اس کی گرفت بچے سے سچ اگلوا گئی۔
''یہاں کھیت سے ملی تھی' میں لے کر بھاگ گیا' دو تین کش لگا کر اسے دکھایا اور پھر سوچا بیل کے لگا کر دیکھوں' کیا کرتا ہے...... مجھے معاف کردو ویرے...... میں اب کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔'' منجو ساری بات سچائی سے بتا کر جھٹ کان پکڑ گیا تو شاہ زر شمعون کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی' ایک بار پھر سرخی اس کے چہرے پر پھیل گئی تھی۔
''اچھے بچے چاکلیٹ کھاتے ہیں...... پھر سے دوبارہ ایسی حرکت کی تو اسی سگریٹ سے تمہاری ٹانگیں جلاؤں گا' کیسے اچھلو گے پتا ہے ناں؟'' شاہ زر شمعون نے کرتے کی جیب میں ہاتھ ڈال کر والٹ نکالا اور اس میں سے سو سو کے دو نوٹ نکال کر دونوں بچوں کو تھمائے۔
''جاؤ چاکلیٹ لے لو' انعام ہے تم دونوں کا' سچائی جو بتائی۔'' دونوں پیسے لے کر اچھلتے کودتے چلے گئے۔
''آج سے کام کرتے ہوئے مجھے کوئی سگریٹ پیتا نظر نہ آئے' جسے پینی ہو وہ دومنٹ کا وقفہ لے کر تنہائی میں جا کر اپنے جگر کو جلا سکتا ہے' کسی کی بے دھیانی میں جلتی سگریٹ مجھے پھر سے نظر آئی تو اسی دن سے چھٹی' سمجھ آ گئی سب کو......؟'' بچوں کو مسکراتی نظروں سے دیکھتے وہ پلٹا تو اس کی سپاٹ اور غصیلی زوردار آواز نے سب پہ خوف طاری کردیا۔ مرتے کیا نا کرتے کے مصداق ہاں میں سر ہلایا کہ اس کے اصول اکثر ان کے فائدے کے لیے ہی ہوتے تھے اور ابھی بھی جو نقصان ہونے سے بچ گیا اس میں بھی ان کا ہی قصور تھا۔ جلتی سگریٹ اٹھا کر بچے کی حرکت نے کہرام مچا دیا تھا' کئی بچوں کی جان جاسکتی تھی۔

''وہ......میں اپنا بیل لے جاؤں؟'' نصر گھگھیایا۔
''ہاں شوق سے۔'' شاہ زرشمعون بیل کی طرف اشارہ کرتے بجتے ہوئے سیل فون کی طرف متوجہ ہوا تھا' سیل فون کرتے کی جیب سے نکالتے اس نے سب کو کام کی طرف متوجہ کیا۔ مجمع منتشر ہو کر لوگ اپنے اپنے کاموں کی طرف بڑھ گئے تھے۔
''جی داجان......'' الٹے ہاتھ سے سلطان کی لگام تھامتے سیدھے ہاتھ سے سیل فون کان سے لگائے وہ واک کرتے بات کررہا تھا۔ سدھایا ہوا سلطان اپنی مخصوص چال میں اس کے پیچھے چلا آرہا تھا۔
''جی......کھیتوں میں ہوں۔'' دوسری طرف چوہدری حشمت تھے نے اس سے پوچھا تھا۔
''کب تک فارغ ہوجاؤ گے؟'' چوہدری حشمت نے دریافت کیا۔
''ایک گھنٹا مزید لگے گا داجان' بھٹے کی فصل چیک کرنی ہے۔ اگر تیار ہوئی تو کل سے کٹائی کا کام شروع کرواؤں گا۔''
''فارغ ہوتے ہی' حویلی آکر مجھ سے ملو۔'' چوہدری حشمت نے حکم صادر کیا۔
''جی داجان......میں جلد ہی آتا ہوں۔'' وہ سعادت مندی سے جواب دے کر احتراماً لائن پہ ہی تھا تاکہ چوہدری حشمت خود ہی لائن منقطع کریں۔ وہ یہ گستاخی نہیں کرسکتا تھا۔ ان کے ساتھ......چوہدری حشمت نے لائن منقطع کی تو اس نے بھی جست لگا کر سلطان کی پیٹھ پہ سوار ہوکر اسے ایڑھ لگائی۔ وہ جلد سے جلد مطلوبہ مقام تک پہنچ کر کام مکمل کرکے حویلی لوٹنے کا ارادہ رکھتا تھا۔
چوہدری حشمت نے بلایا تھا۔ یقیناً کوئی ضروری کام ہوگا۔ اسی خیال سے اس نے سلطان کو اشارہ دیا اور سلطان ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

☆......☆......☆

شولڈر کٹ بالوں کی اونچی پونی ٹیل بنائے بلو شارٹ شرٹ' اورنج شلوار دوپٹے میں بے حد حسین مکھڑے کے ساتھ بور ہوتے تاثرات سے وہ اس بڑے سے ہال نما کمرے کا بے فکری سے جائزہ لیتی چیونگم چبارہی تھی۔ چوہدری حشمت کا ہال نما کمرا تاریخی نوادرات' پیتل اور تانبے کی آرائشی وزیبائشی چیزوں سے بھرا ہوا تھا' ان کے مضبوط بیڈ کے ساتھ ان کا حقہ رکھا ہوا تھا۔ چوہدری حشمت اپنی پگڑی اتارے ہاتھ پیچھے کمر پر باندھے کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ قدیم سیٹی پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے کہنی گھٹنے پہ جمائے ہتھیلی کے پیالے میں چہرہ ٹکائے وہ کمرے کی ایک ایک چیز کی گنتی کرکے فارغ ہوتی تو ایک اچٹتی نگاہ ٹہلتے ہوئے چوہدری حشمت پہ بھی ڈال لیتی تھی۔
''سلام داجان......حکم آپ نے یاد کیا تھا؟'' شاہ زرشمعون اپنی وجاہت کے ساتھ چادر شانے پہ درست کرتا چوہدری حشمت کے سامنے سر جھکا گیا تھا۔ یہ اس کا مخصوص انداز تھا۔
''والسلام! خوش رہ پتر۔'' چوہدری حشمت اس کے جھکے سر پہ ہاتھ پھیر کر اپنی مخصوص کرسی کی طرف بڑھ گئے۔
''پتر تو فارغ ہے ابھی؟'' چوہدری حشمت نے کرسی پہ بیٹھتے اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
''جی داجان۔'' وہ ان کے سامنے رکھی کرسی پر مودب ہوکر بیٹھ گیا۔ شنائیہ کو اس اکڑو کو اتنا مودب دیکھ کر ہمیشہ سے بہت حیرت ہوتی تھی' وہ صرف بڑوں خصوصاً چوہدری حشمت کے آگے سر اٹھا کر بات نہیں کرتا تھا' نظریں بھی جھکی رہتی تھیں۔ شنائیہ سمیت حویلی کے تمام اراکین کو یہی لمحے انمول لگتے تھے ورنہ تو اس کی اٹھتی سرد اور غصیلی نظر جس پہ اٹھتی تھی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ جاتی تھی۔ حویلی میں سب ہی کی جان چوہدری جہانگیر کے بعد شاہ زرشمعون کے آگے ہی نکلتی تھی۔ چوہدری جہانگیر اس کے چچا جان تھے مگر وہ فطرتاً ان کا پرتو تھا۔ یہ اس کے وجود کی دہشت ہی تھی جو اسے دیکھتے ہی کانشس ہوکر بیٹھ گئی تھی۔
''پتر شنائیہ کو کراچی چھوڑ آ......اس کی پڑھائی کا حرج ہورہا ہے' بخت کو فرصت نہیں ہے کہ اسے لینے آسکے اور اس نے جانے کی جلدی مچائی ہوئی ہے۔'' چوہدری حشمت کے بائیں طرف اشارہ کرنے پہ شاہ زرشمعون نے چونک کر اس پر نظر ڈالی۔

یہ سن کر کہ داجان شاہ زرشمعون کو اس کا باڈی گارڈ بنا کر اسے ڈراپ کرنے کی ذمہ داری سونپ رہے ہیں شنائیہ کا دل ہی جیسے بند ہونے لگا مگر شاہ زرشمعون کی نظر خود پہ دیکھ کر اس نے زمانے بھر کی معصومیت اپنے چہرے پہ سجا کر پلکیں پٹپٹا کر دوپٹا شانوں پہ ٹھیک کرتے اس معصومیت میں مزید رنگ گھولنا چاہا۔

''داجان...... کراچی اور میں......؟'' وہ جیسے مخمصے میں پھنس گیا مگر چوہدری حشمت کو انکار کرنے کی بھی جرأت نا تھی۔ وہ اسے سولی پہ چڑھنے کو بھی کہتے تو وہ سوال کیے بنا چڑھ جاتا مگر شنائیہ کا نام سنتے ہی جو بےزاری کے رنگ اس کے چہرے پہ آئے وہ شنائیہ کی خوبصورت سی ناک کے نتھنے پھلا گئے۔

''داجان میں بائی ایئر اکیلی چلی جاؤں...... آن لائن بکنگ......'' شاہ زرشمعون کی عقاب جیسی نگاہ اس سرعت سے اس پہ پڑی تھی کہ اس سے بات پورا کرنا محال ہوا۔

''پتر یہ بات تو اچھی طرح جانتی ہے کہ ایسی آزادی حویلی کی عورتوں کو نہیں...... کیا تو کراچی میں بھی اکیلی ہر طرف سفر کرتی ہے؟ بات کرتا ہوں بخت سے، رنگ دکھا رہا ہے اس کا شہر میں رہنا۔'' چوہدری حشمت کو بھی اس کا بیچ میں بولنا گراں گزرا۔ ساتھ ہی چوہدری بخت کی بھی شامت آ گئی تو شنائیہ نے خاموشی میں ہی عافیت جانی...... یہاں تو سوچ سمجھ کر بولنا پڑتا تھا۔

یہ ٹھیک تھا کہ چوہدری بخت کا شجرہ نسب بھی اسی حویلی سے تھا مگر وہ سالوں سے کراچی میں مقیم تھے۔ پیشے سے ڈاکٹر تھے، ان کی اہلیہ شنائیہ کی والدہ ماجدہ دیا بھی ڈاکٹر تھیں، دونوں پڑھے لکھے اور روشن خیال تھے...... انہوں نے دونوں بیٹیوں شنائیہ اور ماہم کو روشن خیالی سے پالا تھا۔ وہ بس چھٹیوں میں حویلی آتے تھے یا حویلی کے مکین کبھی کراچی آتے تو بخت اور دیا کی ہدایت پہ دونوں بیٹیاں ہی بہت تمیز سے رہتی تھیں۔ اب بھی ماہم کے کالج اور شنائیہ کی یونیورسٹی کی چھٹیاں تھیں۔ دونوں چوہدری بخت اور دیا کے ساتھ چند دنوں کے لیے آئی تھیں مگر زمرد بیگم کے اصرار پہ وہ شنائیہ کو چھوڑ گئے تھے کہ ماہم کے کالج کا مسئلہ تھا۔

وہ بےچاری سی شکل بنا کر رہ گئی تھی، جس پہ واضح درج تھا کہ وہ رکنا نہیں چاہ رہی تھی۔ مگر دیا نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کر کے رکنے پہ مجبور کر دیا، زمرد بیگم محبت کا اظہار کر رہی تھیں، دیا اور چوہدری بخت سے کم کم آنے اور جلدی جانے پہ گلہ کر رہی تھیں۔ ایسے میں انہوں نے شنائیہ کو کچھ دن حویلی چھوڑ دینے کا کہا تو دونوں انکار نہ کر سکے، شنائیہ منہ بسور کر رہ گئی۔ حویلی میں قیام کرنا تو قدم قدم پہ سوچ سمجھ کر بولنا، شنائیہ جیسی آزاد منش لڑکی کے لیے عذاب سے کم نا تھا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا سب دوسروں کا طے شدہ تھا۔ حویلی میں مرضی کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ وہ یہاں آ کر خود کو قیدی تصور کرتی تھی، اوپلوں کی مہک سے اس کا جی متلانے لگتا، تو اڑتی مٹی سے ڈسٹ الرجی کی فکر لاحق ہو کر اسے ناک منہ پہ کپڑا لپیٹنے پہ مجبور کر دیتی تھی۔ حقیقتاً وہ بہت نخریلی اور نازک مزاج تھی۔

حویلی میں سب ٹیوب ویل کا پانی پیتے تھے مگر وہ منرل واٹر کی جگہ دوسرے پانی کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی تھی، حویلی میں اس کی نخریلی فطرت سے سب ہی آگاہ تھے، مگر شاہ زرشمعون کو اس کے نخرے ذرا نہیں بھاتے تھے۔ وہ حویلی سے بور ہو گئی تو اس نے بخت اور دیا سے کہا کہ وہ اسے لینے آ جائیں مگر دونوں کی مصروفیت نے انہیں اجازت نہ دی تو انہوں نے اسے مزید کچھ دن اور رہنے کا مشورہ دیا، جس پہ اس نے اکیلے آنے کی بات کی تو چوہدری بخت کے ساتھ دیا نے بھی جھاڑ پلائی کہ حویلی میں ایسی بات بھولے سے بھی نا کہے، انہیں چوہدری حشمت کے افکار کی خبر تھی۔ لیکن شنائیہ سے اب یہ بھول ہو چکی تھی جلد سے جلد حویلی سے بھاگنے کے لیے اس نے جھوٹ موٹ کہہ دیا تھا کہ اس کی کلاسز اسٹارٹ ہو گئی ہیں اور ہرج ہو رہا ہے۔

''سوری داجان......'' وہ معصوم سی شکل بنا کر رہ گئی کہ مبادا وہ اسے چھڑوانے کا ارادہ ہی نا کینسل کر دیں۔

''جانتا ہوں تمہیں طویل سفر پسند نہیں لیکن سبحان رات گئے ہی چکوال سے لوٹا ہے، ابھی بھی صبح سے نکلا ہوا ہے، اسفند کے کام سے...... جانے کب لوٹے گا...... اس لیے یہ ذمے داری تمہیں سونپ رہا ہوں۔'' چوہدری حشمت نے تفصیل سے ذکر کر کے سب واضح کیا تو وہ جو سبحان آفندی کا نام لینے کا ارادہ رکھتا تھا چپ ہو گیا۔

''داجان کل سے فصل کی کٹائی شروع کروانی ہے۔'' شاہ زرشمعون نے دامن بچانا چاہا کہ کل سمہان آفندی فری ہوتا تو وہ اس مصیبت کو ڈراپ کر دیتا۔

''اس کی تم فکر نہ کرو وہ سمہان دیکھ لے گا۔'' چوہدری حشمت نے بھاگنے کی یہ راہ بھی بند کردی تو اس نے سرینڈر کر دیا۔

''جی بہتر..... کب نکلنا ہے؟'' لمبی سانس بھر کے ہتھیار ڈال دیے۔

''سڑیل' پوز تو ایسے کر رہا ہے جیسے اسے کالاپانی کی سزا سنائی گئی ہو.....'' شنائیہ کے وجود کے اندر جملہ شور مچانے لگا۔

''ہونہہ.....'' اس کے سائیڈ پوز سے جھلکتی تیکھی ناک کو نخوت سے دیکھ کر اس نے سر جھٹکا' منہ سے کچھ نا بول سکی کہ کہیں بدک کر ڈراپ کرنے سے انکار ہی نا کر دے۔

''ابھی..... آدھا' ایک گھنٹے میں نکل جاؤ' تمہاری دی جان سے کہلوا دیتا ہوں وہ صغراں سے کھانے پینے کی چیزیں بھی تیار کروا کر پیک کروا دیں گی۔'' چوہدری حشمت نے زمرد بیگم کا نام لے کر مزید کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

''جو حکم۔'' وہ مودب تھا۔

''جاؤ شنائیہ' تم تیار ہو جاؤ' کچھ وقت ہے تمہارے پاس۔'' چوہدری حشمت نے اس کی طرف رخ کیا تو وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

''تھینکس داجان! مجھے بس دس منٹ لگیں گے میں نے اپنا سارا سامان پیک کر لیا ہے' پہلے ہی۔'' وہ جوش میں کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی' اس کے لفظوں اور تاثرات سے صاف ظاہر تھا اسے یہاں سے بھاگنے کی جلدی تھی۔

شاہ زرشمعون کی سرد نظروں نے اس کے سارے جوش کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ سست قدموں سے چوہدری حشمت کے کمرے سے نکل رہی تھی..... شاہ زرشمعون کو خبر تھی باہر نکلتے ہی اس نے مور کی طرح پنکھ پھیلا کر رقص شروع کر دینا ہے۔ وہ شنائیہ کے سارے رنگ بہت اچھی طرح پہچانتا تھا۔

☆......☆......☆

منزہ ٹوٹی ہوئی عینک لگائے ایمبرائیڈری مشین میں ریشم کا دھاگا ڈالنے میں منہمک تھیں' کتنی ہی بار کوشش کے بعد ریشم کا دھاگا سوئی میں جانے کو تیار ہوتا تھا۔ فجر کے بعد سے جو ایمبرائیڈری مشین سنبھالتی تھیں تو رات گئے تک اس کی گھر رگھر چلتی رہتی تھی۔ بس ایک دھاگا سوئی کے پار کرنے کا عمل ہی جوکھم کا تھا۔ انہوں نے دوبارہ کوشش کرنا چاہی مگر ان کے ہاتھ سے دھاگا لے کر ان کے برابر بیٹھ کر ماورا مجتبیٰ نے مشین کا رخ ذرا سا اپنی طرف کیا اور اگلے ہی سیکنڈ اس نے دھاگا سوئی میں پرو دیا تھا۔

''ارے واہ کتنی جلدی چلا گیا تم سے.....'' منزہ خوش ہوگئیں۔ ان کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی' مگر چہرے کی ملاحت و نزاکت گواہی دیتی تھی کہ وہ کبھی بھی حسین رہی ہوں گی۔

''کتنی بار کہا ہے آپ سے' گلاسز بنوالیں' کب تک یوں ہی کام چلائیں گی۔'' مشین کا رخ ان کی طرف کر کے ماورا اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بنوالوں گی..... بنوالوں گی۔'' منزہ نے ہمیشہ کی طرح آس میں رکھنا چاہا۔

''کب بنوائیں گی جب اس کا دوسرا شیشہ بھی جواب دے جائے گا؟ لائیں مجھے دیں میں ابھی جا رہی ہوں آپٹیکل شاپ پہ..... آتے ہوئے تیار ہو گیا تو لیتی آؤں گی۔'' ماورا نے ہاتھ بڑھا کر گلاسز اتارنا چاہا۔

''کہاناں بنوالوں گی' ابھی لے جاؤ گی تو کام کیسے کروں گی' آپٹکل والے اتنی جلدی کہاں بنا کر دیں گے۔ دو تین دن تک دوڑیں لگوائیں گے۔'' منزہ نے چشمہ دینے سے انکار کیا۔

''ٹھیک ہے آپ میرے ساتھ شام کو کلینک چلیے گا' آنکھیں ٹیسٹ کروا کر نیا گلاسز بنوالیں گے۔ اس طرح پتا بھی چل جائے گا خدانخواستہ بینائی مزید کم تو نہیں ہوگئی۔'' ان کی بات مانتے اس نے انہیں شام کا پلان بتایا۔ منزہ نے سر ہلایا تا کہ بات آئی گئی ہو جائے۔

''کہیں جارہی ہو؟'' منزہ نے اپنی حسین بیٹی کو بغور دیکھا۔
دوپٹا سر پہ لیے وہ تیار کھڑی تھی' چہرہ میک اپ کے لوازمات سے عاری تھا مگر اس سادگی میں بھی وہ ہوش ربا لگ رہی تھی۔
''جی بتایا تھا ناں' آج انٹری ٹیسٹ ہے۔'' اس نے دوپٹا ٹھیک کرتے بیگ کی تلاش میں نگاہ دوڑائی جو اسے پلنگ پہ رکھا نظر آیا' دھاگا ڈالتے وقت اس نے وہیں رکھ دیا تھا۔
''ہاں دیکھو میں بھول گئی' جاؤ اللہ تمہیں کامیاب کرے' بہت اچھا ہو ٹیسٹ۔'' منزہ یاد آنے پہ دعائیں دینے لگیں۔
''میں چلوں تمہارے ساتھ؟ اکیلی گھبرا جاؤ گی۔'' منزہ کی بات پہ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔
''میں کوئی چھوٹی سی بچی ہوں جو گھبرا جاؤں گی۔'' وہ مسکرائی۔ ''آپ فکر نا کریں میں چلی جاؤں گی۔'' اس نے دلاسا دیا۔
''لیکن یونیورسٹی کوئی قریب تھوڑی ہے' شہر کے دوسرے کونے میں ہے۔'' منزہ کو اب یونیورسٹی کی دوری کی فکر ہونے لگی۔
''مجھ اکیلی کے لیے تھوڑی دور ہے' ہزاروں لڑکیاں لڑکے روز آتے جاتے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں میں چلی جاؤں گی۔'' وہ ان کا تردد دور کررہی تھی۔
''سالن میں نے پکا دیا ہے' انوشا آکر روٹیاں پکالے گی' آپ نا گھس جایئے گا کچن میں کام کرنے۔'' وہ تنبیہہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔
''کرائے کے پیسے تو ہیں ناں تمہارے پاس؟'' منزہ فکر مندسی ہوئیں۔
''جی ہیں۔'' اس نے تسلی دی۔
''سو پچاس اوپر ہی رکھنا' کیا معلوم کب راستے میں ایمرجنسی پیش آجائے۔'' منزہ نے کہنے کے ساتھ ہی دوپٹے کا پلو ٹٹول کر قریب کیا' پلو کے ایک کونے میں گرہ لگی ہوئی تھی۔ منزہ اسے کھولنے لگی تھیں' جب گرہ کھلی تو اس میں سے پچاس اور سو کے نوٹ نکلے۔
''لو رکھ لو' کیا معلوم کب ضرورت پڑ جائے۔'' منزہ نے روپے اس کی طرف بڑھائے۔
''اماں میرے پاس ہیں' کل بچوں کی فیس آئی تھی اس میں سے میں نے پانچ سو رکھ لیے تھے۔'' وہ انہیں مطمئن کرنے کے جتن کررہی تھی۔
''پھر بھی رکھ لو......'' منزہ نے زبردستی اس کی ہتھیلی پکڑ کر روپے اس کے ہاتھ میں تھمائے۔ ماورا اللہ حافظ کہتی تیزی سے دروازے کی طرف لپکی تھی۔ مبادا منزہ پھر کسی اور فکر میں مبتلا نا ہو جائیں۔ ماورا کے جانے کے بعد منزہ اپنی بیٹیوں کے لیے فکرمند تھیں۔
''گھنٹوں محنت کرتی ہیں میری بیٹیاں اور انہیں کیا ملتا ہے؟ قصور ان کا کہاں ہے؟ انہیں ایسی ناآسودہ زندگی دینے والی' ان کے ماتھے پہ غربت کا نشان چھوڑنے والی میں ہی تو ہوں۔'' منزہ کی ذہنی رو بھٹک گئی تھی۔ وہ کئی لمحے تک گم گشتہ ماضی میں سفر کرتی رہیں۔ سکھ آسائش' نازنخرے اٹھانے والے...... کیا کچھ ناں تھا ان کے پاس مگر کیا کیا تھا انہوں نے؟ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ احساس ندامت اب جگر کو کاٹنے لگا تھا۔ مشین کو ایک طرف کرکے وہ بے دم سی ہوگئی تھیں۔ جب کبھی یہ کسک اٹھتی تھی ان کی حالت غیر ہو جاتی تھی۔

☆......☆......☆

''کیا حال ہے برو؟'' سبحان آفندی صبح کا نکلا کچھ دیر قبل ہی لوٹا تھا۔ شدید بھوک لگ رہی تھی' وہ فریش ہوکر کچن کی طرف جارہا تھا کہ شاہ زرشمعون بھی چوہدری حشمت کے کمرے سے نکلتا نظر آیا۔ سبحان آفندی کا سامنا ہوا تو اس نے پُرجوش طریقے سے وش کرتے ہوئے' ہوا میں ہاتھ لہرا کر' دونوں کے ملن کا ڈنکا بجایا۔

''کہاں جارہے ہو؟'' شاہ زرشمعون نے اس کے فریش چہرے کی طرف نظر ڈالی۔
''صبح کا نکلا وہ ابھی لوٹا تھا مگر تھکن کا شائبہ تک نہیں تھا اس کے چہرے پہ وہ اس وقت بھی ہنستا مسکراتا اس کے روبرو تھا۔
بڑوں سے شاہ زرشمعون ایک حد میں رہ کر ملتا تھا تو چھوٹے اس کے مزاج کے باعث خود ہی حد میں رہنے پہ مجبور تھے۔ اس کے سامنے کسی کی چوں کی بھی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ واحد سمہان آفندی تھا جو اس سے ایک ڈیڑھ سال ہی چھوٹا تھا مگر دونوں کی خوب بنتی تھی۔ شاہ زرشمعون، چوہدری حشمت کے بازوؤں جتنی اہمیت رکھتا تھا تو سمہان آفندی کو بھی ریڑھ کی ہڈی جیسی اہمیت حاصل تھی۔

چوہدری بخت اور چوہدری جہانگیر سالوں سے کراچی میں اپنی اپنی فیملی سمیت مقیم تھے۔ حویلی میں چوہدری فیروز تھے جنہیں جاگیرداری سے لگاؤ تو تھا مگر جب سے زمین جائیداد اور کھیتوں کی دیکھ بھال ایگری کلچر میں ماسٹرز کرنے والے ان کے بیٹے شاہ زرشمعون نے اپنے کندھوں پر لی تھی تب سے چوہدری حشمت کی ساتھ چوہدری فیروز کو بھی فراغت نصیب ہوئی تھی۔ وہ اکیلا ہی سب کچھ اتنی اچھی طرح مینیج کرلیتا تھا کہ انہیں دخل دینے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔
دوسری طرف سمہان آفندی تھا، جو حویلی کا جن کہلاتا تھا۔ اس کے والد چوہدری اسفند حویلی کے سب سے چھوٹے بیٹے ہونے کے ساتھ بالکل بھی جاگیردارانہ مزاج نہیں رکھتے تھے۔ وہ آرکیٹیکٹ تھے اور اکثر دوروں پہ ہی شہر شہر گھومتے رہتے تھے لیکن سمہان آفندی میں دونوں کوالٹی تھی۔ وہ جاگیرداری بھی اچھی طرح ہینڈل کرلیتا تھا اور حویلی کے تمام ان ڈور اور آؤٹ ڈور کام بھی۔ سب کو اسی کا نام یاد رہتا تھا۔ وہ انجینئرنگ کے آخری سال میں تھا۔ ہر مسئلہ چٹکی بجا کر حل کرکے سب کو مخمصے میں ڈال دیتا تھا۔ جہاں شاہ زرشمعون کا غصہ، عجلت عود کرآتا وہیں اس کی دانائی سے دیے مشورے پہ وہ چپ بھی ہوجاتا تھا۔ جہاں اس کی اعلا و ارفع، دانائی کی باتوں سے بات نا بنتی پھر وہاں شاہ زرشمعون کی گولی چلتی تھی۔
دلچسپ لیکن الگ الگ مزاج کے دو لوگ ایک دوسرے سے حسد و رقابت رکھنے کی بجائے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے جس پہ تمام ینگ جنریشن کو حیرت ہوتی تھی۔ سب کو سمہان آفندی کے لفظوں کے جال کا بھی پتا تھا وہ مقابل کو ایسے لپیٹ لیتا تھا کہ اگلا محبت میں جان بھی دے دے، اپنی اپنی انفرادیت کے بنا پہ دونوں پوتے چوہدری حشمت کی جان تھے۔
''ڈیڈ نے زمینیں دیکھنے کا کام سونپا تھا، اسی میں لگا ہوا تھا، ابھی لوٹا ہوں، غضب کی بھوک لگی ہے اس لیے ماما کو کہہ دیا تھا کھانا لگادیں...... اب پیٹ پوجا کرنے جارہا ہوں۔'' سمہان آفندی نے تفصیل سے گوش گزار کیا۔
''میں بھی اسی مقصد سے اسی طرف جارہا ہوں، چلو ساتھ میں لنچ کرتے ہیں گوکہ لنچ کا ٹائم نہیں ہے۔'' شاہ زرشمعون نے کلائی میں بندھی قیمتی گھڑی میں وقت دیکھتے اس کے ساتھ قدم ملائے۔
''تم نے کیوں نہیں کیا لنچ؟'' سمہان کو حیرانگی ہوئی، وہ کھانے پینے کے معاملے میں ٹائم کا بڑا پابند تھا۔
''کھیتوں میں ٹائم لگ گیا، پھر دا جان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔'' اس نے مصروفیت بتائی۔
''ابھی آتے ہوئے بڑی واہ واہ سنتا آرہا ہوں تمہاری، سنا ہے بڑی ہیرو والی پرفارمنس دی اپنے سلطان کے ساتھ۔'' انداز شرارتی تھا، شاہ زرشمعون ہنس دیا۔
ایسا منظر کم ہی دیکھنے میں آتے کہ وہ ہنس رہا ہو۔ شنائیہ سمیت سب ہی کو حسرت رہی تھی کہ وہ ہنستا ہوا کیسا لگتا ہے۔
''میری جگہ تم ہوتے تو اس سے اچھی پرفارمنس دے سکتے تھے...... آئم شیور۔'' شاہ زرشمعون نے اس کا مان بڑھایا۔
''چھوڑ و یار...... تیرے سامنے دال ہی نہیں گلتی۔'' سمہان آفندی نے مذاقاً کہا۔
''اب اتنا بھی جھوٹ نا بول۔'' شاہ زرشمعون نے گھر کا۔
دونوں ہنستے مسکراتے کچن کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے تھے۔ صغراں اور دیگر کچن کے ملازمین انہیں ایک ساتھ آتے دیکھ کر الرٹ ہوگئے۔ حویلی کے مرد حضرات کم ہی اس ڈائننگ ہال میں آتے تھے...... کھانا اور ناشتا مین ہال میں ہی لگتا تھا، جہاں سب اکٹھے ہی بڑی سے ڈائننگ میز پہ ایک ساتھ بیٹھتے تھے، ہاں سمہان آفندی اور شاہ زرشمعون کو وقت بے وقت

کھانے کا موقع ملتا تھا تو وہ دونوں اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کیا اکیلے کے لیے ملازموں کی دوڑیں لگوائیں اسی لیے وہ دونوں اکثر کچن سے ملحق ہال میں ہی کھانا کھانا پسند کرتے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی صغراں جلدی جلدی کھانے کے لوازمات میز پر رکھنے لگی۔

''آج تو بڑا اہتمام ہے صغرا بی......'' سبحان آفندی مینو دیکھ کے سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ شاہ زرشمعون بنا کچھ کہے اپنے مخصوص انداز میں خاموشی سے چیزیں پلیٹ میں نکالنے لگا۔

''جی کچھ چیزیں تو تیار تھیں اور کچھ ابھی تیار کی ہیں' شاہ کے ساتھ جو جائیں گی۔'' صغراں نے فروٹ سیلڈ کا باؤل رکھتے ہوئے اطلاع دی۔

''کہاں کی تیاری ہے؟'' کولڈ ڈرنک اپنے گلاس میں انڈیلنے کے بعد سبحان آفندی اب اس کے گلاس میں بھی انڈیل رہا تھا۔ بھلے وہ اسے آپ جناب' بھائی نہیں کہتا تھا' بے تکلفی سے دوستوں کی طرح رہتا تھا مگر احترام ضرور کرتا تھا اور یہ احترام اس حویلی کا خاصا تھا۔

''کراچی......'' شاہ زرشمعون نے مختصراً کہہ کر گلاس لبوں سے لگایا۔

''خیریت؟'' کباب کو فورک سے توڑتے وہ متجسس تھا۔

''شاہ زادی' شنائیہ کو ڈراپ کرنے۔'' اس نے اتنے جلے بھنے لہجے میں کہا کہ سبحان آفندی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''ایسا کون سا لطیفہ سن لیا جو منہ پھاڑ کر ہنس رہے ہو۔'' عیشال اسی دم کچن میں داخل ہوئی تھی' دونوں کو خوشگوار موڈ کے ساتھ لنچ کرتے دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔ ایسا منظر کم ہی دیکھنے کو ملتا تھا کہ حویلی کے دو تیس مار خان ایک ساتھ نظر آئیں۔

''کیا چاہیے میم؟'' جینا نے مودب ہو کر پوچھا۔

''چائے پکانے آئی ہوں' اپنے ہاتھ کی چائے پینے کو دل چاہ رہا تھا۔'' عیشال نے کہتے ہوئے سائیڈ پر ہونے کا اشارہ کیا تو جینا مسکرا کر پیچھے ہٹ گئی کہ وہ اکثر اپنے لیے خود ہی چائے بناتی تھی۔ سبحان آفندی اسے دیکھتا رہ گیا۔

رات کے ساڑھے تین بجے کے بعد ابھی شام کو حویلی میں گھسا تو اس کی شکل دیکھنے کو نہیں ملی' جانے کہاں تھی اور اب کچن میں رونمائی ہوئی تھی۔ کتنے گھنٹوں بعد یہ چہرہ نظر آیا تھا' وہ گھنٹے' منٹ اور سیکنڈز بھی انگلیوں پہ گن کر بتا سکتا تھا۔

''صغراں بی' لوگوں سے کہیں اگر اچھی سی چائے پکا رہی ہیں تو میرے لیے بھی بنا دیں۔ دعائیں دوں گا۔'' اس نے وہیں سے اونچی آواز میں صغراں بی کو مخاطب کر کے کہا مقصد اسے سنانا تھا۔ وہ کوئی اچھا سا جواب دے کر منہ بند کرنا جانتی تھی مگر شاہ زرشمعون کی موجودگی محسوس کر کے اسے صبر کا کڑوا گھونٹ پینا پڑا...... اس کے تاثرات سے سبحان آفندی رج کے محظوظ ہوا۔ وہ اس کی کیفیت سے جان گیا تھا کہ ابھی شاہ زرشمعون نا ہوتا تو اسے کیسا تگڑا منہ توڑ جواب ملنا تھا۔

''میم ......سبحان صاحب......''

''کہہ دیں اپنے سبحان صاحب سے بہری نہیں ہوں۔'' وہ زیادہ دیر تک پھر بھی ضبط نہیں کر سکی۔ صغراں نے پیغام دوبارہ نشر کرنا چاہا...... اس نے بھی اتنی تیز آواز سے کہا کہ وہ سن لے اور اس کے لبوں پہ محظوظ کن مسکراہٹ پھیل کر احساس دلا گئی کہ وہ فیض یاب ہو چکا ہے۔

''کیوں ستاتے ہو اسے؟'' شاہ زرشمعون نے دھیمی آواز میں گھر کا۔

''اس کی شکل ایسی ہے ہر وقت لڑنے مرنے کو تیار قنوطی ہو جاتی ہے بول کر بھڑاس نکال لیتی ہے' نا بولے تو شاید گھٹ کے مر جائے......'' سبحان آفندی نے بظاہر مسکرا کر لیکن سنجیدگی سے جواب دیا تھا' شاہ زرشمعون نے اتفاق کرنے والے لہجے میں سر ہلایا۔

''کہہ تو ٹھیک رہے ہو' بہت ظلم ہوا اس کے ساتھ' بہت محرومی آئی ہے اس کے نصیب میں۔'' شاہ زرشمعون بھی جملہ جوڑ گیا۔ ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ وہ حویلی کی کسی لڑکی کو یوں ڈسکس کر رہے ہوں جو دونوں کی ہی کزن تھی' ایک تو عیشال کے ساتھ

سب کی ہمدردی تھی دوسرے دونوں میں دوستی بھی بہت تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ دونوں ہی حویلی کی عورتوں سمیت تمام عورتوں کی عزت کرتے تھے۔ کوکنگ رینج اور ڈائننگ میز کے درمیان کافی فاصلہ تھا' تب ہی ان کی سرگوشی میں کی گئی گفتگو عیشال اور باقی سب تک نہیں پہنچ سکیں تھی۔

''ویرے...... آپ کو بھی دوں چائے پئیں گے؟'' ان کی دھیمی سرگوشی سے بے نیاز عیشال نے اونچی آواز میں شاہ زرشمعون سے پوچھا سبہان آفندی تو منہ پھٹ تھا' خود کہہ گیا تھا' ایسے میں اس سے نا پوچھتی تو بداخلاقی ہوتی۔

''دے دو تو مہربانی ہوگی۔'' شاہ زرشمعون نرم لہجے میں بولا کہ اکثر وہ اس کے ساتھ نرمی برت جاتا تھا۔ وہ حویلی میں جتنی تنہا نظر آتی تھی اس کی کوشش ہوتی تھی اپنی سگی بہنوں کی طرح اس کی بھی فکر کرے۔

''جی......'' وہ مطمئن ہوکر کھولتے پانی میں پتی ڈالنے لگی۔

''دیکھو لو برو' ڈیڑھ سال چھوٹا ہوں تم سے...... تمہیں آپ کہہ کر عزت دی جاتی ہے' ویرے کہہ کر پکارا جاتا ہے' ایک ہم ہیں...... تم اور تو جس کا مقدر ہے۔'' سبہان آفندی نے ٹھنڈی آہ بھرتے جیسے رونا رویا...... عیشال چلبلا کے رہ گئی' کیسا شمعون کے سامنے پکڑا تھا اس نے۔

''کیوں بھئی عیشال......؟'' شاہ زرشمعون کو بھی حیرانی ہوئی تھی۔ وہ کم ہی کسی کے سامنے سبہان آفندی سے مخاطب ہوتی تھی۔ علاوہ لڑکیوں کے ہر کوئی اس کی تو تڑاک سے ناآشنا تھا۔

''وہ...... ویرے......!'' عیشال سبہان آفندی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے انگلیاں مروڑنے لگی۔

''کہہ دو' آپ جناب کے لائق بھی تو بندہ ہو۔'' اس کے دل کی بات خود سبہان آفندی نے کہہ کر اسے مشکل سے نکالا تھا۔ وہ جتاتی ہوئی نظر ڈال کر رہ گئی۔

''یہ فتویٰ بھی تم نے خود دیا ہے' اب اس کے لیے بھی اس بے چاری کو الزام نا دینا۔'' شاہ زرشمعون کے احساس دلانے پہ وہ مسکرایا۔

''عیشال...... کراچی جارہا ہوں' کوئی پیغام بھیجنا ہے چچا جہانگیر کے نام تو دے دو۔'' شاہ زرشمعون کھانے سے فارغ ہوچکا تھا۔

چوہدری جہانگیر کے نام پہ اس کے چہرے پہ مردنی سی چھائی تھی۔ دونوں سے رخ موڑے چائے مگ میں ڈال رہی تھی۔

''جو لوگ آپ کے وجود سے ہی لاعلم ہوں' بھولے بیٹھے ہوں' جن کے نزدیک آپ کا ہونا نا ہونا کوئی معنی نا رکھتا ہو' ان لوگوں کو بار بار اپنی موجودگی کا احساس دلانے کا کیا فائدہ' ایسے بے خبروں کو کوئی کیا پیغام بھیجے گا ویرے۔'' دونوں کے آگے چائے کے مگ رکھ کر وہ تیزی سے کچن سے نکل گئی۔ آنکھیں بھر آئی تھیں' درد آنسوؤں کی شکل میں بہنے لگا تھا۔ جنہیں سب سے چھپانے کے لیے وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

''غلطی کسی کی' سزا کسی کی' بھگت یہ چھوٹی سی لڑکی رہی ہے۔'' شاہ زرشمعون نے دکھ سے کہا' اس کی انصاف پسند طبیعت اکثر عیشال کے معاملے پہ بے چین ہوجاتی تھی۔

سبہان آفندی کی ساری شوخی ہوا ہوگئی اس کی نظر شیف پہ رکھے مگ پہ جمی ہوئی تھیں۔ وہ اپنی چائے وہیں چھوڑ گئی تھی۔

☆......☆......☆

''ایشان جاہ...... کیسا ہوا ٹیسٹ؟'' ٹیسٹ کا ٹائم ختم ہوچکا تھا' امیدوار اپنے اپنے پرچے جمع کروا کر روم سے نکل رہے تھے۔ جب عزیر نے ہانک لگائی۔

ایشان جان ٹی شرٹ میں اٹکا' گلاسز نکال کر آنکھوں پہ چڑھا گیا تھا۔ صحت مند چہرے کی سرخی' ہاتھوں میں موجود آئی فون' انگلی میں جھولتی مرسڈیز کی کی چین' برانڈڈ بلو جینز اور ٹی شرٹ ظاہر کررہی تھی کہ وہ کس کلاس سے تھا۔

''سپرب......'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے اردگرد کئی لڑکے اور ایک لڑکی آکھڑی ہوئی تھی۔ وہ سب کچھ اس

انداز سے آ کھڑے ہوئے تھے کہ نکلنے کا راستہ بلاک ہو گیا تھا۔
ماورا بھی ٹیسٹ سے فری ہو کر اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔ ان سب کی پُرجوش آواز پہ اس نے ایک نظر ان کے گروپ پہ ڈالی۔ چلتی پھرتی برانڈ کا مرقع بنے شخص کی پشت اس کی طرف تھی۔
''یعنی لسٹ کے ٹاپ تھری میں تمہارا نام آنے والا ہے؟'' کسی نے اسے چڑھایا۔
''نو ڈاؤٹ اباؤٹ اٹ لیکن ٹاپ تھری......؟ نو مائے ڈیئر ٹاپ آف دا لسٹ میرا ہی نام آئے گا۔'' اس نے غرور سے اکڑتے ہوئے کہا۔ ابھی ابھی سب ٹیسٹ سے فری ہوئے تھے اور سب نے رزلٹ کی پیشن گوئی بھی شروع کردی تھی۔ ماورا نے ان کی آوازوں سے سر جھٹک کر چیزیں بیگ میں منتقل کرنے کا کام انجام دیا۔
''اور جو ایسا نا ہوسکا؟'' ان میں سے ایک نے ڈرانا چاہا۔
''یار...... آج کل لڑکیاں ہر فیلڈ میں ٹاپ پہ ہیں اور ایم بی اے تو لڑکیوں کا کریز بن چکا ہے۔ اتنی خبطی، پڑھاکو ہوتی ہیں کہ مجھے تو ڈر ہے ٹاپ تھری میں اس بار لڑکیاں ہی بازی نا مار جائیں۔'' دوسرے نے خدشہ ظاہر کیا۔
''مڈل کلاس لڑکیوں کو بڑا تیر مارنے کا شوق ہوتا ہے۔ بے چاریوں کو ایک ہی آس ہوتی ہے کہ پڑھ لکھ کر ڈگری لیں اور اچھی سی جاب مل جائے جسے کرکے وہ اپنے حالات سدھار لیں...... پاگل لوگ...... فضول کلاس......'' وہ حد درجہ استہزائیہ انداز میں گویا تھا۔
سب ہی آگاہ تھے کہ وہ بگڑا رئیس زادہ مڈل کلاس سے کس قدر چڑتا تھا۔ اس کے تجزیے پہ ماورا بری طرح چونکی۔ اس کے لہجے میں استہزا کا رنگ دیکھ کر اسے غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کرگئی۔ اب اس کے گروپ نے واک شروع کردی تھی۔ سب اس طرح لائن بنا کر چل رہے تھے کہ کاریڈور بزی ہوگیا تھا، پیچھے آنے والے کو آگے نکلنے کا راستہ ملنا مشکل تھا۔ ماورا بھی کلاس سے نکل آئی تھی مگر ان کے گروپ کے خراماں خراماں چہل قدمی سے اس کی چال سست ہوگئی تھی۔
''عجیب لوگ ہیں مڈل کلاس کے باہر نکلنے کے اتنے شوقین مگر گھر سے باہر نکلتے وقت پھٹ پھٹی بائیک چلانے سے پہلے اس کی مینٹین چیک نہیں کرتے۔ اکثر تو ان کی بائیک کا پیٹرول ہی ختم ہوجاتا ہے، بیوی بچہ کندھے سے لگائے پیچھے پیچھے چل رہی ہوتی ہے اور میاں بائیک کو گھسیٹتا پیٹرول پمپ ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ اکثر ہی یہ منظر سڑک پہ دیکھنے کو ملتا ہے۔'' ایشان جاہ اپنے مشاہدے کی روشنی میں بول رہا تھا، اس کی بات کے اختتام پہ گروپ نے قہقہہ لگانا ضروری سمجھا۔
''سو فیصد درست۔'' کسی نے داد دی۔
ان کے پیچھے بحالت مجبوری سست قدموں سے چلتی ماورا کا ان کی بکواس پہ خون کھولنے لگا تھا۔ وہ ان کی فضول گوئی سے مستفید ہونے کا کوئی شوق نہیں رکھتی تھی مگر وہ سب یوں چیونٹی کی رفتار سے لائن میں چل رہے تھے کہ ماورا کی سماعت تک ساری باتیں پہنچ رہی تھیں۔
''مڈل کلاس کے لیے اتنا بغض اور جو کسی مڈل کلاس نے تجھ سے بازی لے لی، پھر کیا کرے گا؟'' عزیر نے دھیان واپس ٹیسٹ رزلٹ کی طرف لگایا۔
''کلاس میں لڑکیاں تو بہت ہی کم تھیں، ان میں سے کوئی مڈل کلاس سے تھی کیا؟'' ان کے گروپ کی اکلوتی لڑکی انشراح نے سوال اٹھایا۔ وہ بھی حلیے سے بروکن فیملی سے ہی لگ رہی تھی۔
''میں نے تو اتنا دھیان نہیں دیا، کوئی مڈل کلاس کی ٹاپر ہی کیوں ناں ہو مجھ سے آگے نہیں نکل سکے گی...... میں ایشان جاہ ہوں اور مجھے ہارنا ان دو ٹکے کی لڑکیوں کے بس کی بات نہیں۔'' ایشان جاہ کی لمٹ کو کراس کرتی بکواس نے ماورا کو سرتا پیر سلگا دیا تھا۔ اس کی برداشت جواب دے گئی تھی۔
''ایکسکیوزمی گائز۔'' اس کی آواز غصے سے کچھ زیادہ ہی اونچی ہوگئی تھی۔ تب ہی ان سب کے قدم بے ساختہ رکے تھے اور سب کی مڑی گردن اس بات کا ثبوت تھی کہ اس کی آواز میں غیر معمولی پن نمایاں تھا۔ آسائشوں اور دولت میں کھیلنے والوں کے ایک ایک ممبر نے سر سے پاؤں تک اس پہ نظر ڈالی، اس کی معمولی چپل، اس کے پھیکے رنگوں والا سوٹ......بس کہیں

چمک تھی تو چہرے پہ...... رنگ تھے تو آنکھوں میں...... وہ بھی غصے کے' سب اس پہ نظر جمائے کھڑے تھے' ماورا غصے کے تاثرات لیے پُر اعتماد ان سب کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔

''یہ آپ سب کا پارک نہیں ہے' جس میں آپ سب پچھلے سات منٹ سے چیونٹی کی رفتار سے واک کرنے میں لگے ہوئے ہیں' پیچھے آنے والوں کا راستہ بلاک کر کے...... آپ سب کو بھلے جلدی نا ہو' مگر دوسروں کو ہے۔'' وہ غصے سے گویا ہوئی۔

سب نے اچھنبے سے اس کی جرأت کو دیکھا' ایشان جاہ نے آنکھوں پہ چڑھا گلاسز انگلیوں کی مدد سے سر پہ منتقل کیا۔

''ایکسکیوز می!'' وہ ان سب پہ ایک سخت نظر ڈال کر ترش لہجے میں کہہ کر عزیر کو راستہ دینے کا اشارہ کر رہی تھی۔ عزیر نے سرعت سے لائن توڑی تھی اور وہ رخ موڑ کر تیزی سے ان سب کے بیچ سے نکل گئی تھی۔ کچھ اس طرح کہ کسی سے ٹچ نا ہو سکے۔

''اوہنہ' کون تھی یہ تیکھی مرچ؟'' اس کے جانے کے بعد سہیل کی زبان میں سب سے پہلے کھجلی ہوئی۔

''آئے تھنک یہ ہمارے ساتھ ٹیسٹ دے رہی تھی۔'' انشراح نے ذہن پہ زور دیتے ہوئے کہا۔

''لو تم نے مڈل کلاس کو یاد کیا اور محترمہ آ بھی گئیں سامنے۔ چہرے اور کپڑوں سے تو پکی پکی آباد والی لگ رہی تھی۔'' سعید نے بھی لب کشائی کی۔ ایشان جاہ کی نظریں دور جاتی ماورا پہ تھیں' جو دائیں طرف مڑ کر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

''اب دیکھتے رہو' اس وقت تو کچھ بولا نہیں گیا' جب محترمہ آگ بگولا ہو رہی تھیں۔'' عزیر نے ایشان جاہ کو کریدا۔ اس کے تیور سنجیدہ ہو گئے تھے۔

''تم نے کون سا تیر مار لیا......؟ اس کے اشارہ کرتے ہی دیوار سے لگ گئے۔'' سعید نے عزیر کو آڑے ہاتھوں لیا۔

''ہاں تو' اتنے غصے میں تھی' تم سب تو اسے دیکھنے میں مصروف تھے اور جو وہ مجھے کچلتی گزر جاتی پھر......'' عزیر نے معصوم بنتے ہوئے کہا تو سب فہمائشی نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

''اکڑ کتنی تھی اس میں' زبان تو ہوتی ہی لمبی ہے مڈل کلاس لڑکیوں کی۔'' انشراح نے بھی ناگواری سے کہہ کر منہ بنایا۔

''تم کیوں چپ ہو' تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا؟'' سعید نے ایشان جاہ کی خاموشی پہ چوٹ کی۔

''یہ خود کو بادشاہ اکبر سمجھ کر محترمہ کو انارکلی کی طرح دیوار میں چنوانے کا سوچ رہا ہے۔'' سہیل جو اس کا مزاج آشنا تھا قیاس کیا۔ سب ہنسنے لگے۔

ایشان جاہ کو ماورا کا انداز نہیں بھول رہا تھا۔ اتنی اکڑ' اتنی رعونت اور کتنے غصے سے وہ اسے مخاطب کر گئی تھی۔ اور یہی اسے اپنی شان کے خلاف لگا تھا کہ کوئی اس سے اونچے سروں میں بات کر کے چلا جائے اور وہ منہ دیکھتا رہ جائے۔ اس کی سلگتی نظریں انہیں راہوں پہ جمی تھیں جن سے گزر کر وہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

''بی جان...... رات کے کھانے کے لیے مینو بتا دیں' کچھ سمجھ نہیں آ رہا کیا پکواؤں...... آپ کہیں تو گوبھی پالک گوشت پکوالوں؟'' فائزہ حویلی کی بڑی بہو چوہدری فیروز کی بیوی تھیں۔ زمرد بیگم کے بعد حویلی میں کچن کے امور پہ ان کی ہی حکمرانی میں کھانے تیار ہوتے تھے۔ جن میں وہ اکثر سب سے چھوٹی دیورانی فریال کو بھی شامل کر لیتی تھیں۔ ان کی یہی دانائی حویلی کو دیورانی اور جٹھانی کی چپقلش سے دور رکھتی تھی۔

یوں تو حویلی کی چار بہوئیں تھیں مگر دو کراچی میں مقیم تھیں۔ حویلی میں بس فریال اور فائزہ ہی ہوتی تھیں اور ان کی اولادیں اس وقت شام کی چائے سے فراغت کا وقت تھا' جب فائزہ نے رات کے مینو کے لیے استفسار کیا تا کہ وہ تیاری شروع کروا سکیں۔ ہال میں زمرد بیگم اپنے مخصوص انداز میں تسبیح لیے بیٹھی تھیں۔ لڑکیاں اپنے اپنے کاموں میں مگن تھیں' کوئی ایل ای ڈی روشن کیے اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھ رہی تھی تو کوئی نیٹ پہ بزی تھی۔ کوئی اسائنمنٹ کی تیاری میں جتی ہوئی تھی۔

فریال بھی اس وقت ہال میں داخل ہوئی تھیں۔
''بھابی جان' صغراں مینو پوچھ رہی ہے۔'' فریال کچن سے پیغام لے کر آئیں۔
''یہی مسئلہ لیے تو میں بی جان کے پاس آئی ہوں۔ روز روز کیا پکاؤں یہ بھی ایک الگ دردسر ہے۔'' فائزہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو فریال نے بھی ٹکڑا لگایا۔
''دردسر' مہم کہیں بھابی جان۔'' وہ مسکرا کر زمرد بیگم کے قریب ہی ٹک گئیں۔
''چچی جان آپ پہ بھی سبھان بھائی کا رنگ چڑھتا جارہا ہے' ہر بات کا برمحل جواب دیتی ہیں۔'' یمنیٰ' فریال کی جملے بازی سے بے حد محظوظ ہوتی تھی۔ اس وقت بھی بے ساختہ سراہ گئی۔
''کیوں نہیں ہوگا لڑکی' مگر تم جملہ الٹا بول گئیں' اس پہ میرا اثر ہے' آخر کو ماں جو ہوں اس کی۔'' فریال نے مزا لیتے ہوئے تصحیح کی۔
''اگر جو آپ کسی کو نا بتائیں تو کوئی یقین نا کرے کہ آپ سبھان کی ماں ہیں۔ بہت چھوٹی لگتی ہیں چچی جان۔'' ندا نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔
''لڑکیوں اب چڑھانے کی نہیں ہورہی' تمہارے چچا جان نے سن لیا تو خوب مذاق اڑائیں گے' کل ہی کہہ رہے تھے ابھی تک سولہ سالہ لڑکیوں کی طرح کدکڑے لگاتی ہو' داماد اور بہو لانے کی عمر میں...... فقط اتنا جرم ہوا مجھ سے' انہوں نے پانی مانگا اور میں دوڑ کر لے آئی۔'' فریال نے منہ بسورتے ہوئے کہا تو لڑکیاں ان کے دلچسپ انداز بیاں پہ ہنس دیں...... مگر دھیمی آواز سے کہ حویلی میں اونچی ہنسی کی اجازت نا تھی۔
''ہاں تو اتنی تیز رفتاری دکھانے کی تمہیں ضرورت کیا تھی میرے دیور کو؟'' فائزہ نے بھی محظوظ ہوتے ہوئے خبر لی۔
''وہ کیا ہے ناں بھابی جان' بی جان نے ایک بار کہا تھا کہ میاں کے منہ سے بات نکلنے سے پہلے ہی وہ حکم بجالاؤ...... وہ تو جب پانی کا گلاس دوڑ کر لے آئی تو آپ کے دیور نے سر پہ ہاتھ مار کر کہا...... 'نیک بخت پہلے پوری بات تو سن لیتیں پانی لینے دوڑ لگادی' میں پوچھ رہا تھا پانی آرہا ہے شاور میں؟''
''توبہ ہے۔'' زمرد بیگم بھی مسکرائے بنا نا رہ سکیں۔ لڑکیوں کی ہنسی بے ساختہ تھی۔
''تسی کمال ہو چچی جان۔'' شاذمہ نے بھی سراہا...... فریال مسکرا کر شانے اچکا گئیں۔
''تمہاری بریکنگ نیوز میں تو مینو کا معاملہ ہی دب گیا۔'' فائزہ کو اپنا دکھڑا یاد آیا۔
''بتائیں بی جان...... پھر پکوالوں گوبھی پالک گوشت؟'' فائزہ پھر زمرد بیگم کے سر ہوئیں۔
''پالک اور گوبھی زود ہضم سبزیاں ہیں' رات کو نا پکواؤ تو اچھا ہے۔ کل دن میں پکوالینا' ابھی مکس سبزی پکوالو لیکن سبزیوں کا انتخاب دیکھ کر کرنا۔''
''بہتر۔'' فائزہ نے بھی اتفاقیہ انداز میں سر ہلایا۔
''ساتھ بھنا بکرا بنوالو اور مچھلی فرائی کروالو...... کسی کا منہ نہیں بنے گا کھانے پہ۔'' زمرد بیگم نے مینو گوش گزار کردیا۔
''ٹھیک کہہ رہی ہیں بی جان' کسی کو بکرا نہیں کھانا تو کسی کو مچھلی کی یاد آتی ہے۔'' فریال نے بھی تائید کی۔ فائزہ نے بھی شکر کی سانس لیا کہ مسئلہ حل ہوا۔
''ویسے بھی شاہ تو ہوگا نہیں ڈنر پہ اسی کے بڑے نخرے ہوتے ہیں۔'' فائزہ مطمئن تھیں۔
''کہاں جارہے ہیں شاہ بھابی جان؟ اور یہ عیشال اور شانئیہ نظر نہیں آرہیں؟'' فریال نے سوال کے ساتھ دونوں کی غیر موجودگی محسوس کی۔ ان کا خیال تھا وہ کوئی چائنیز ڈش بنوانے کا بھی مشورہ دے دیں' شانئیہ کو دیسی کھانے ذرا کم ہی پسند آتے تھے۔
''اوکے گائز...... میں جارہی ہوں۔'' اس سے پہلے کہ فائزہ کوئی جواب دیتیں' شانئیہ اپنا بیگ اٹھائے ہال میں داخل ہوئی۔ سب ہی اسے دیکھنے لگیں۔

''بلآخر مقدمہ جیت ہی گئیں۔'' زرش واقف تھی کہ وہ جانے کے سلسلے میں چوہدری حشمت سے بات کرنے گئی تھی اور اب واپسی کی نوید سنا رہی تھی۔
''جا رہی ہو' کس کے ساتھ؟ رکتیں نا کچھ دن مزید۔'' فریال اسے گلے لگائے اصرار کر رہی تھیں۔
''شاہ زرشمعون اسے کراچی چھوڑنے جا رہا ہے' فریال تم ذرا اصغراں سے پوچھو' اسے میں نے جو چیزیں تیار کرنے کی ہدایت کی تھی اس نے شاہ زرشمعون کی گاڑی میں رکھوا دیں؟'' زمرد بیگم اطلاع دے کر انہیں ذمہ داری بھی سونپ گئیں تو وہ سر ہلا کر کچن کی طرف چل دیں۔
لڑکیاں اس کے اتنی جلدی جانے پہ گلے شکوے کر رہی تھیں۔ بلاشبہ ان سب سے اس کی بے حد دوستی تھی مگر یہاں کا ماحول اسے زیادہ دیر ان کے ساتھ رہنے نہیں دیتا تھا۔
''تم سب آؤ جلدی سے کراچی پھر مل کر بہت مزا کریں گے۔'' وہ سب کو دعوت دے رہی تھی۔
''داجان کہاں ہمیں حویلی سے باہر رکنے کی اجازت دیتے ہیں۔'' شازمہ نے منہ بنایا۔
حویلی کی دو اہم ہستیاں اپنی اپنی فیملیز کے ساتھ کراچی میں مقیم تھیں مگر اس کے باوجود ان سب کا کم ہی چکر لگتا تھا۔ دو تین دن رکنا تو دور کی بات' ان سب کا وہاں کے ہوٹلز اور تفریحی مقامات کا سن کر جی چاہتا تھا کہ وہ بھی انجوائے کریں مگر حویلی کی عورتوں کو بلاضرورت باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔
''بات تو کر کے دیکھو...... کیوں نہیں دیں گے اجازت داجان...... کسی غیر کا گھر تھوڑی ہے...... دونوں چاچوؤں کا گھر ہے وہاں...... کبھی ہمارے ہاں رکو' کبھی جہانگیر چچا جان کی طرف......'' وہ پُرجوش انداز سے سب کو سمجھا رہی تھی۔
''بی بی جی' شاہ زرشمعون کہہ رہے ہیں اگر آپ دو منٹ میں آ کر نہیں بیٹھیں تو وہ گاڑی کو لاک کر دیں گے اور ڈراپ کرنے بھی نہیں جائیں گے۔'' شنائیہ سب سے باتیں بگھار رہی تھی جب چوکیدار نے آ کر من وعن پیغام پہنچایا۔ وہ یقیناً گاڑی میں بیٹھا اس کا منتظر تھا۔
''یہ شاہ بھی ناں۔'' ندا کے ساتھ یہی پیغام سن کر سب ہی ہنسیں تھیں۔ وہ سب کے سامنے پھیکی سی پڑ گئی۔
''جاؤ بیٹا' ویسے بھی اندھیرا پھیلنے والا ہے' کیا ہی اچھا ہوتا جو تم کل صبح ہی نکلتیں۔ خیر ان کا حکم ہے' جاؤ۔'' زمرد بیگم اس کے سر پہ ہاتھ پھیر گئیں تو وہ بھی جلدی سے فائزہ کی طرف مڑی۔
سب اسے چھوڑنے قافلے کی صورت میں پارکنگ ایریا تک آئے تھے۔ ملازم نے اس کا سامان پہلے ہی گاڑی میں رکھ دیا تھا۔ شاہ زرشمعون لینڈ کروزر کی ڈرائیونگ سیٹ پہ براجمان غالباً غصے میں تھا۔ سمہان آفندی بھی پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔
''ہائے سمہان' تھینکس فار یور کمپنی۔'' شنائیہ بے ساختہ اسے کہہ گئی۔
''کمپنی اتنی اچھی لگتی تو آپ اتنی جلدی جانے کا فیصلہ کہاں کرتیں۔'' سمہان آفندی نے جیسے چڑایا۔
''آپ ہوتے کب ہیں حویلی میں حضور' آپ کے تو دورے ہی ختم نہیں ہوتے۔'' شنائیہ اس کی ہم عمر ہی تھی دونوں میں دوستی بھی خوب تھی۔ سمہان آفندی اس گلے پہ مسکرا کے رہ گیا کہ ایسا تو واقعی تھا' وہ سچ ہی کہہ رہی تھی۔
''عیشال کہاں ہے' اسے تو اللہ حافظ کہہ دوں۔'' شنائیہ نے متلاشی نظروں سے سب کے چہرے دیکھے...... سمہان آفندی نے آتے ہی ایک نظر میں جانچ لیا تھا کہ کیا مسئلہ ہے۔
''جانے وہ کہاں ہے' دیر ہو جائے گی۔ تم بیٹھ جاؤ گاڑی میں۔'' فائزہ شاہ زرشمعون کے تیور دیکھ رہی تھیں جو شاید چوہدری حشمت اور سب کی موجودگی کے باعث خود پہ ضبط کر رہا تھا۔
''شاہ...... جہانگیر کی طرف بھی چکر لگا لینا...... اسے کہنا جلدی آ کر شکل دکھا جایا کرے' ایسی بھی کیا لاتعلقی۔'' فائزہ کی ہدایت پہ شنائیہ جھٹ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی تو شاہ زرشمعون گاڑی سے اتر کر چوہدری حشمت تک آیا۔ چوہدری حشمت کے لہجے کا دکھ شاہ زرشمعون کو ہمیشہ ہی محسوس ہوتا تھا' جو صرف چوہدری جہانگیر کے لیے تھا۔
''جی' بہتر داجان' کہہ دوں گا۔'' وہ سعادت مندی سے بولا۔

''دعائیں پڑھ کر سفر کا آغاز کرنا۔'' فائزہ ماں ہونے کے ناتے طویل سفر پہ متفکر تھیں۔ زمرد بیگم دعائیں پڑھ رہی تھیں جب اس نے ان کے آگے سر جھکایا تو اس پہ پھونکیں مار کر وہ دعائیں دینے لگیں۔
''رب کی امان میں۔''
''او کے برو! طویل سفر ہے' کیپ آن ٹچ۔'' سمہان آفندی گویا ہوا۔ وہ مسکرا کر ڈرائیونگ سیٹ پہ آ بیٹھا۔
ملازم پہلے ہی کھانے پینے کی چیزوں اور تحفے تحائف سے گاڑی کو بھر چکے تھے۔ حویلی سے کوئی خالی ہاتھ جائے یہ حویلی کی روایت نہیں تھی۔
''بائے ایوری ون' بائے بائے......'' گاڑی گیٹ سے نکل رہی تھی جب شنائیہ سب کو الوداعی ہاتھ ہلا رہی تھی۔ شاہ زرشمعون بری طرح جل گیا۔
''اگر اتنا ہی افسوس ہو رہا ہے انہیں چھوڑ کر جانے کا تو گاڑی واپس اندر لے لیتا ہوں۔'' وہ پہلے ہی قافلے کی صورت میں اسے آتے دیکھ کر سلگ گیا تھا۔ اب بھی اس کا انداز اسے آگ لگا گیا تو وہ چپ نا رہ سکا اور شنائیہ دبک سی گئی کہ کہیں وہ گاڑی اندر ہی نا لے جائے۔ بائے کے لیے لہراتا ہاتھ اس نے مرے مرے انداز میں نیچے کرلیا۔ گاڑی گیٹ سے نکل گئی اور اپنے سفر پہ زن سے گامزن ہوگئی تھی۔ خطرناک حد تک انتہائی اسپیڈ پہ شنائیہ نے بے چارگی سے اس کی طرف ڈرتے ڈرتے دیکھا پھر نظریں سڑک پہ جمادیں' دعا گو تھی کہ وہ صحیح سلامت گھر پہنچ جائے۔
گاڑی نکلنے کے بعد سب اپنے اپنے کام میں مصروف ہوگئے تھے۔ زرگل خان گیٹ بند کر رہا تھا۔ سمہان آفندی نے نچلا لب دانتوں تلے دباتے طائرانہ نگاہ چھت سے لے کر لان تک ڈالی' اسے خبر تھی وہ اس وقت کہاں ہوگی۔

☆......☆......☆

محبت کے بنا دنیا کے رنگ پھیکے ہیں۔ دنیا کو وجود میں لایا ہی اس لیے گیا تھا کہ آدم و حوا ایسی زندگی گزاریں جیسی کبھی کسی نے نا گزاری ہو۔ یہ محبت ہی تھی جو خالق حقیقی نے دنیا بنانے سے کئی برس قبل اپنے محبوب کو نور کی شکل میں اتار رکھا تھا۔
یہ محبت ہی ہے جو دنیاوی رشتے سے بندھ کر ہمیں وجود کی شکل دیتی ہے...... یہ محبت ہی ہے جسے فنا نہیں...... لیکن ضروری تو نہیں' ہر وجود ہی محبت کی تکمیل سے وجود میں آیا ہو کچھ مجھ جیسے بھی تو ہوتے ہیں جو نجانے کس لمحے کی گرفت میں آ کر نمو پا جاتے ہیں۔ بس فرق ہے تو اتنا کہ مجھے حلال کا سرٹیفکیٹ ملا ہوا ہے' ایک معتبر حوالہ میری ذات کے ساتھ ہے اگر یہ معتبر حوالہ بھی ساتھ نا ہوتا تو میں کیا کرلیتی۔
''ہونہہ معتبر حوالہ......'' اس نے نفرت سے سر جھٹکا۔
ملک کے موسٹ پاپولر ان کاؤنٹر اسپیشلسٹ کی بیٹی جس کے ارمانوں' خواہشوں' خوشیوں کو گولیوں سے چھلنی کردیا گیا تھا' جس کے احساسات و جذبات کو محسوس کیے بناء مٹا دیا گیا تھا جس کا ہونا نا ہونا کسی کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔
شاہ زرشمعون کے لینڈ کروزر کی آواز اس تک آئی تھی اسے احساس ہوا تھا کہ شنائیہ جا رہی ہے مگر کسی نے اسے بلانے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی' کسی کو اس کی کمی محسوس کب ہوتی تھی' خود ترسی کی انتہا کو چھوتی عیشال کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔
''خبر تھی روتی دھوتی شکل والی یہاں بیٹھی جھولا جھولتی ٹسوے بہا رہی ہوگی۔'' وہ چھت پہ اپنے مخصوص جھولے پہ جھولتی رونے کا اہم فریضہ انجام دے رہی تھی۔ اس اچانک آواز پہ وہ بری طرح ڈر گئی' آواز کی سمت گردن گھمائی تو جھولے کی راڈ سے دایاں شولڈر ٹکائے سمہان آفندی کی فہمائشی نظریں خود پہ محسوس کر کے وہ ذرا سا رخ موڑ کر اپنے آنسو رخساروں سے صاف کرنے لگی۔
''کیوں آئے ہو تم یہاں؟'' اس نے اپنی تنہائی میں دخل اندازی کرنے پہ ناگواری کا اظہار کیا۔
''تم اتنی دیر سے نظر نہیں آ رہی تھیں اس لیے۔'' عیشال نے چونک کر اسے دیکھا' وہ کیا کہہ گیا تھا۔
''سب ہی شنائیہ کو سی آف کر رہے تھے' ایک تم ہی نہیں تھیں تو فکر ہوئی کہیں پنکھے میں پھندا ڈال کر لٹک تو نہیں گئیں۔ اسی لیے تلاش میں چلا آیا۔''

''عیشال اتنی بزدل نہیں ہے' نا ہی اتنی کمزور کہ اتنی بودی حرکتیں کرتی پھرے اور کوئی جائے یا آئے میری بلا سے' کون سا شنائیہ پہلی بار آئی یا گئی ہے۔'' حقیقت یہی تھی کہ سمہان آفندی کو اس کی زودرنج طبیعت کی وجہ سے ہر وقت اس کی طرف سے دھڑکا ہی لگا رہتا تھا۔ اسی خدشے کے پیش نظر وہ پھندے والی بات کہہ گیا' مگر اس کے جواب پہ اسے گونا گوسکون ملا تھا۔

''شنائیہ جی پوچھ رہی تھیں تمہارا۔'' اس نے موڈ چینج کرنا چاہا۔

''تو تم بتا دیتے میرے بارے میں شنائیہ جی کو۔'' اسے گھورتے ہوئے اس نے ''جی'' پہ زور دے کر کہا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

''کیوں مرچیں چباتی رہتی ہو ہر وقت...... شنائیہ جی سے کوئی لڑائی ہے کیا؟'' وہ ہمدرد بنا پوچھ رہا تھا۔

''مجھے کیوں ہونے لگی۔'' وہ صاف مکر گئی۔

''تو باقی سب کی طرح اچھے سے کیوں نہیں ملتیں؟'' جرح کی۔

''تم جو میرے بدلے اچھے سے یہ کام کر لیتے ہو...... سب سے اچھے سے مل کے۔'' اس نے جل کے سنائی۔

''میرا خیال ہے تمہیں کراچی والوں سے کوئی خاص دشمنی ہے اگر تمہیں خبر ہو کہ یہ ہوا ابھی کراچی سے ہو کر آئی ہے تو شاید تم کبھی اس ہوا میں سانس بھی نا لو۔'' سمہان آفندی اس کی دکھتی رگ کو چھیڑ کر اسے چڑا گیا۔

''آپ یہاں سے تشریف لے جاسکتے ہیں۔'' اس کا منہ بن گیا۔ واضح اشارہ تھا وہ اس موضوع پہ اس وقت کسی سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔

''تمہیں تو خبر ہے سمہان آفندی صرف بڑوں کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔'' وہ مسکرا کر اسے چڑا رہا تھا۔

''ٹھیک ہے تم یہاں بیٹھو میں ہی چلی جاتی ہوں۔'' عیشال کا یہاں سے جانے کا موڈ نہیں تھا۔

کمرے کے علاوہ یہ واحد اس کی دل پسند جگہ تھی جس میں اپنی تنہائی کے ساتھ وقت گزارنے کی عادت برسوں پرانی تھی۔ جب چھوٹی تھی اس وقت بھی سب کے سامنے آنسو آجاتے' دل دکھی ہو جاتا تو وہ بھاگ کر اسی جھولے پہ آ کر اپنے آنسو بہاتی تھی کہ سب روتا دیکھ کر اسے گندی بچی نا کہہ سکیں۔ وہ بچپن سے ہی اپنی ذات کے حوالے سے بہت کانشس رہی تھی۔ اپنی ذات پہ کسی کا ایک فقرہ بھی اسے گھنٹوں سوچنے پہ مجبور کر جاتا تھا۔

''جتنا تم خود کو دکھی پوز کرتی ہو ناں یہ تمہاری صحت کے لیے اچھا ہے ہی نہیں' ویسے جو نہیں ہے اس کو سوچنے سے بہتر ہے کہ تم اپنے اردگرد محبت تلاش کرو...... حویلی میں ہر کوئی تم سے ہمدردی دکھاتا ہے' سب کو احساس ہے تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے' مگر تم دکھ کا اشتہار بنا کر سب کو تماشا دکھاتی رہتی ہو' الگ تھلگ رہتی ہو' سب کے درمیان رہو گی تو ان کی محبت محسوس ہوگی ناں۔'' سمہان آفندی نے نرمی سے سمجھایا۔

''مجھے کسی کی ہمدردی نہیں چاہیے' سنا تم نے۔'' وہ تڑخ کے کہہ گئی۔ ''اس حویلی نے میری ماں کو بھی آنسو دیے' اس حویلی کے مکینوں نے انہیں موذی مرض میں مبتلا کر دیا' وہ لاوارثوں کی طرح سسک سسک کے مر گئیں...... ان کا احساس کسی نے نہیں کیا...... یہاں تک کہ انہوں نے بھی نہیں جو نکاح کر کے انہیں لائے تھے۔ پانچ سال کی عیشال نے اپنی ماں کو اس شخص کے لیے ایڑیاں رگڑتے دیکھا ہے انہیں آخری بار دیکھنے کی آس لیے اپنی ماں کو تڑپتے دیکھا ہے۔ مجھے اس حویلی اور یہاں کے مکینوں کی محبت کی جھوٹی کہانیاں مت سنایا کرو سمہان آفندی...... تم یہاں سے ہو تو میری جڑیں بھی یہیں سے ہیں......'' وہ حد درجہ تنفر سے کہتی چلی گئی۔

سمہان آفندی اس کی کدورت' اس کے لفظوں کی کاٹ اور دل میں پنپتے ہزاروں گلہ شکوہ سے بخوبی واقف تھا مگر ایک بار پھر جان کر وہ چپ سادھ گیا تھا۔

بے دلی سے جو لکھ دیا جائے
ہم تو وہ کردار ہیں کہانی کے

استہزائیہ انداز سے کہتے عیشال بھی جیسے تھک سی گئی تھی۔ کالے بادل کافی دیر سے منڈلا رہے تھے' بلا کا حبس تھا اور پھر

دیکھتے ہی دیکھتے بادل گرجنے لگے تھے۔ آسمان پہ بجلیاں چمکنے لگیں۔ یک دم موٹی موٹی بوندوں نے آسمان کے سینے سے زمین تک کا سفر شروع کردیا تھا۔ وہ گھٹنوں پہ دونوں بازو لپیٹے ٹھوڑی گھٹنوں پہ جمائے زمین پہ بوندوں کا رقص دیکھ رہی تھی۔ جھولے کے راڈ سے بازو ٹکائے سبحان آفندی بھی پوری طرح بھیگ چکا تھا۔ مگر اسے اپنے بھیگنے سے زیادہ اس کے آنسوؤں کی کسک ہورہی تھی جو بارش کے پانی کے ساتھ مل کر اپنا وجود تو پوشیدہ رکھ رہے تھے مگر وہ سبحان آفندی کی نظر سے مخفی نہیں تھے۔ وہ بغور اس بھیگی نازک سی لڑکی کو دیکھ رہا تھا' جسے بنا پلکیں جھپکے دیکھنے کی کوشش بارش ناکام بنانا چاہ رہی تھی مگر سبحان آفندی کی ضد پہ بوندیں بھی جیسے ہار رہی تھیں۔

☆......☆......☆

ماورا یکی' کوئی ناسمجھ' ناپختہ لڑکی نہیں تھی' نا ہی اسے سطحی لڑکوں کو کبھی جواب دینے میں دلچسپی رہی تھی' جو آوازیں کستے تھے یا توجہ حاصل کرنے کے لیے الٹی سیدھی حرکتیں کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ ان جیسوں کو اتنی اہمیت نہیں دیتی تھی کہ پلٹ کر جواب دے مگر آج جو کچھ ہوا خود اس کے لیے بھی تعجب کا باعث بنا تھا' وہ اتنی جلدی ٹمپر لوز نہیں کرتی تھی مگر مقابل کے لفظوں' جملوں اور انداز میں جتنی تحقیر تھی اس نے اسے مجبور کردیا تھا کہ وہ نا چاہتے ہوئے بھی ان سے سختی سے کلام کرگئی تھی۔

وہ مڈل کلاس سے تھی' اس کلاس کی صعوبتوں سے واقف تھی' لوئر کلاس تو مانگ تانگ کے کسی ناں کسی طرح گزر بسر کرہی لیتی ہے مگر مڈل کلاس سب سے مشکل صورت حال سے دوچار رہتی تھی۔ عزت نفس انہیں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے نہیں دیتی۔ تن ڈھانپے تو پیر ننگے' پیر ڈھانپے تو سر...... لیکن پھر بھی یہ عظیم کلاس سب سے زیادہ ہنر مند اور تعلیم یافتہ لوگوں کو جنم دے رہی تھی۔ ایک بگڑا رئیس زادہ' سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہونے والا جب اس کلاس کی تحقیر کرے' گھمنڈ سے دھتکارنا اس کے ماتھے پہ لکھ دے تب ان جیسوں کو برداشت کرنا عبث ہوتا ہے۔ برانڈڈ کا سمبل بن کر گھومنے والوں کو اندازہ ہی کب ہوتا ہے کہ لوئر اور مڈل کلاس کیسے جی رہی ہے' کس طرح گھر کا ایک ایک فرد جب صبح نکلتا اور راتوں کو جب سب اکھٹا ہو کر اپنی تھکاوٹ' جھڑکیوں' کام کی زیادتیوں کا تذکرہ کرکے مہینے کے شروع میں جب چند ہزار پاتے ہیں تو کیا احساسات ہوتے ہیں...... آدھی تنخواہ گھر آنے سے پہلے ہی تخمینہ لگالیتے تھے کہ یہ تو ادھار میں جائیں گے اسے نکال دو اور جو باقی بچتا تھا اسے بار بار بجٹ بنا کر بھی پریشان رہتے تھے کہ پورا مہینہ کیسے چلے گا...... دال روٹی کہاں سے آئے گی' گیس و بجلی کے خوفناک بھوت سے بچ کر کہاں چھپیں گے؟ جس نے بھوک' غربت و افلاس کا گھونٹ نا پیا ہو وہ تو ہر بوند کو امرت ہی سمجھے گا' اسے کیا خبر کہ ایک طبقہ جو منرل واٹر افورڈ نہیں کرسکتا اس کے لیے واٹر بورڈ سے آنے والا پانی ہی کبھی بوند کی شکل میں نلوں سے ٹپکنے لگے تو وہ اسے امرت سمجھتے ہیں۔ برانڈڈ سمبل لوگ' کافی شاپ میں بیٹھ کر بس لوئر مڈل کلاس پر چہ چا ہی کرسکتے تھے۔

ماورا کا دل سخت کبیدہ ہوا تھا۔ اس نے گھر آ کر بھی اس فضول خیال سے سر جھٹکنا چاہا مگر ذہن ریلیکس نہیں ہورہا تھا۔ اس کی کلاس کی ہنسی اڑا کر عیش و عشرت کے ٹھیکیداروں نے اس کے پندار کو ٹھیس لگائی تھی' انہوں نے اس کی کلاس کا نہیں جیسے اس کا مذاق اڑایا تھا۔

''کیا ہوا؟ موڈ خراب لگ رہا ہے...... کیسا ہوا ٹیسٹ؟'' انوشا نے اس کے سامنے کھانا رکھتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔ وہ فریش ہوکر آئی مگر کچھ الجھی الجھی سی تھی۔

''ٹیسٹ تو بہت اچھا ہوا' تم دعا کرنا' ٹاپ آف دالسٹ میرا ہی نام آئے' اماں سے بھی کہہ دو' دعا کریں۔'' جانے کیوں اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ شاید ایشان جاہ کا زعم تھا جو لاشعور میں ہلچل مچا گیا تھا۔

''دعا تک کی بات تو ٹھیک ہے کہ لسٹ میں نام آجائے مگر یہ ٹاپ آف دالسٹ کی شرط کیوں دعا کے لیے۔'' انوشا اس سے دو سال بڑی تھی مگر اس بڑائی کے باوجود دونوں میں اچھی دوستی تھی۔

گھر میں لوگ ہی کتنے تھے' صرف دو بہنیں اور منزہ...... یکی' تو کئی سالوں پہلے ہی انہیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ دونوں بچیوں کو تو ٹھیک سے باپ کی شکل بھی یاد نا تھی بس تصویر میں انہیں دیکھا تھا۔

''بس ہے ناں۔'' اس نے بات آئی گئی کرنا چاہی۔
''تمہاری ہر بات کے پیچھے کوئی نا کوئی وجہ ہوتی ہے' یقیناً اس بات کے پیچھے بھی کوئی معقول وجہ ہوگی' ورنہ تمہیں ٹاپ آف دی لسٹ کی فکر کیوں ستانے لگتی جو گریجویشن میں ٹاپ رہ چکی ہو' کیا بیٹ لگائی ہے کسی نے؟'' انوشا بہن ہونے کے ناتے اس کی فطرت سے بہت اچھی طرح واقف بھی تھی تب ہی معاملے کی حقیقت جاننے کے لیے اس نے سوال کیا۔
ماورا کھانے کی ٹرے سامنے کھینچ چکی تھی' چھوٹا سا نوالہ بنا کر اسے چباتے ہوئے اسے انوشا کی سوالیہ نظریں خود پہ محسوس ہو رہی تھیں۔ قدرے توقف کے بعد اس نے سارا احوال کہہ سنایا تو انوشا کو بھی سب جان کر افسوس ہوا۔
''مجھے اس رئیس زادے کا زعم اور ہماری کلاس کے لیے استعمال ہوئی زبان نہیں بھول رہی' جیسے ہم کیڑے مکوڑے جتنی اہمیت رکھتے ہوں' اس کی نظر میں۔'' ماورا کا خون ایک بار پھر کھول اٹھا۔
''لعنت بھیجو ایسے لوگوں پہ' ہر انسان اپنی تربیت اور نظریے کی عکاسی کرتا نظر آتا ہے۔ حرام کے ٹکڑوں پہ پلنے والوں کی ہی زمین' جائیداد اور بڑے بڑے بنگلے ہوتے ہیں۔ ہم تم برسوں بھی حق حلال کی کمائیں ناں تو کبھی ایک بنگلہ بنانے کی اوقات نا ہو ہماری...... ایسے لوگوں کی باتوں کو کیا اہمیت دینا جو انسانیت کے رتبے سے ہی گرے ہوئے ہوں...... کرلینے دو انہیں آج عیش...... بنا لینے دو زمین پہ اپنے لیے جنت' مر کے تو اسی اندھیری مٹی والی قبر میں ہی دفن ہوں گے ناں' جہاں برانڈڈ کفن کی چمک ان کے ایمان کو چمکا نا سکے گی۔'' انوشا خود ایک صاحب دماغ' ذہین لڑکی تھی۔ وہ بے ساختہ اپنے افکار کا اظہار کرگئی تو ماورا کی بے قرار سوچوں کو بھی تھوڑا قرار نصیب ہوا۔
''کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو' لیکن پلیز دعا کرنا نام ٹاپ پہ میرا ہی ہو۔ اس کا گھمنڈ تو مٹی میں ملے۔ بکواس کر رہا تھا۔ کوئی مڈ کلاس کی ٹاپر ہی کیوں ناں ہو' مجھ سے آگے نہیں نکل سکے گی...... میں ایشان جاہ ہوں اور مجھے ہارنا ان دو ٹکے کی لڑکیوں کے بس میں نہیں ہے۔'' ماورا نے اس کے لہجے کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔ باوجود اس کے جملے سخت تھے انوشا کو ہنسی آ گئی۔
''توبہ ہے' تمہاری اداکاری پہ بھی۔'' وہ ہنس رہی تھی اور ماورا کا بس نہیں چل رہا تھا وہ آج ہی لسٹ چیک کرنے پہنچ جائے۔
''تم ٹیسٹ دینے گئی تھیں یا لڑکوں سے مکالمہ بازی کرنے؟'' اسی لمحے منزہ کمرے میں داخل ہوئیں غالباً انہوں نے صحن سے ہی ان کی تمام باتیں سن لی تھیں اور اب سخت تیوروں سے تفتیش کرنے آ گئی تھیں انوشا کی مسکراہٹ ایک دم سمٹ گئی تھی' ماورا بھی ایک لحظے کو نظر نا اٹھا سکی تھی۔
''میں نے تم لوگوں کی پرورش کرتے ہوئے اس بات کی ہمیشہ تلقین کی ہے کہ تم لوگوں کی گفتگو کا موضوع کبھی کوئی مرد نا ہو...... یا ان سے کسی قسم کی بات چیت نا ہو' اس کے باوجود......'' منزہ سخت تیوروں سے پوچھ گچھ کر رہی تھیں۔ انوشا نے ڈرتے ہوئے ماورا کی طرف دیکھا کہ وہ شاید کچھ بولے۔
''ہمیں آپ کی تربیت کا ایک ایک حرف یاد ہے اماں...... اس لیے کبھی ہمارے مرد دوست نہیں رہے لیکن جب کوئی بلاوجہ آپ کی کلاس کو برا بھلا کہے' مذاق اڑائے تو چپ رہنا مشکل ہوتا ہے۔'' ماورا نے دھیمے سے انہیں صورت حال سے آگاہ کرنا چاہا مگر منزہ کا غصہ برقرار رہا۔
''سیاست میں جانے کا ارادہ ہے' لیڈر بننے کا شوق ہے؟ تم نے کسی کی سوچ بدلنے کا ٹھیکا لے رکھا ہے یا تمہاری تقریر پہ وہ تمہاری کلاس کے گن گانے لگا؟'' منزہ طنزیہ لب و لہجے میں سختی سے استفسار کر رہی تھیں ماورا کے پاس کوئی جواب نا تھا' وہ سر جھکا گئی۔
انوشا نے ڈرتے ہوئے منزہ کے چہرے کی طرف دیکھا' اتنا غصہ انہیں ان غیر معمولی باتوں پہ ہی آتا تھا' جو ان کی نظر میں غلط تھیں۔ دونوں بیٹیوں کی تربیت بھی انہوں نے ان ہی خطوط پر کی تھیں۔ تب ہی تو تعلیمی اداروں' گلی محلوں میں انہوں نے کبھی بھی کسی کو اہمیت نہیں دی تھی لیکن آج جانے کیسے ماورا سے چوک ہوگئی تھی جس پہ منزہ برہم ہوگئیں۔
''آئندہ سے اگر تم نے یہ روش اختیار کی تو پڑھنے کا خیال دل سے نکال کر گھر بیٹھ جانا' کیونکہ پڑھائی کی آڑ میں لڑکوں

سے بات چیت اور مقابلہ بازی کی اجازت میں نہیں دے سکتی۔ آئندہ سے خیال رہے۔'' منزہ بھڑک کر اپنی بات مکمل کر کے جا چکی تھیں۔ انوشا نے ماورا کے چہرے کی طرف دیکھا' اس کے چہرے پہ سرخی سی دوڑ گئی تھی جو اس بات کی دلیل تھی کہ منزہ کے غصے اور دکھی ہونے پہ وہ ملول ہوگئی تھی۔

☆......☆......☆

''جی...... جی بابا جان...... بخت آپریشن میں مصروف ہیں تب ہی ان کا نمبر بند جا رہا ہے۔'' چوہدری بخت اپنے روم میں لیب کوٹ کے ساتھ ماسک فیس سے ہٹاتے ہوئے داخل ہوئے تو دیا مستعد سی سیل فون کان سے لگائے محو گفتگو تھیں۔ ان کی پشت دروازے کی طرف تھی' بخت اپنے روم سے ملحق واش بیسن کی طرف رخ کر چکے تھے۔

''بہتر بابا جان...... جی بہت شکریہ...... شاہ کا احسان ہے...... بہت طویل سفر ہے' بہتر ہوتا کہ ہوائی......'' وہ سمجھ رہے تھے کسی معمول کے پیشنٹ کی کال پہ دیا بزی ہیں' مگر ان کے منہ سے بابا جان سن کر وہ چونک گئے۔ دیا کی ادھوری بات رہ گئی تھی' چوہدری بخت نے ہاتھ تیزی سے واش کرتے گردن موڑ کر دیا کے چہرے کی طرف دیکھا...... غالباً دوسری طرف سے کچھ سخت کہا گیا تھا تب ہی دیا گڑبڑا سی گئی۔

''جی بابا جان' بہتر' نہیں اکیلی تو ہوائی سفر نہیں کرتی شنائیہ...... آپ تسلی رکھیں......'' دیا شدومد سے اب صفائی دے رہی تھیں...... چوہدری بخت اپنی چیئر پہ بیٹھتے ہوئے ٹشو باکس سے کئی ٹشو نکال کر ہاتھ خشک کرنے لگے۔

''لیجیے بابا جان' بخت آگئے...... ان سے بات کر لیجیے۔'' دیا نے جلدی سے کہہ کر فون بے ساختہ بخت کی طرف بڑھایا۔

''السلام علیکم بابا جان! کیسے مزاج ہیں؟'' شریک سفر کے اتنی جلدی فون پکڑانے پہ فہمائشی نظروں سے دیکھتے انہوں نے سیل فون دیا کے ہاتھ سے لے کر بے ساختہ کان سے لگایا تھا' جانے ان کے بیچ کیا موضوع زیر بحث تھا۔

''وعلیکم السلام! چوہدری بخت' یہ اچھی زندگی گزر رہی ہے تم دونوں میاں بیوی کی' شنائیہ تو چلو ہمارے پاس تھی مگر ماہم...... اسے گھر میں اکیلا نوکروں کے رحم و کرم پہ چھوڑ کر تم دونوں ہمیشہ ہاسپٹل میں بیٹھے رہتے ہو۔ گھر میں جوان بچی اکیلی ہے' یہ بات تمہیں کیسے بے فکر رکھتی ہے؟'' چوہدری حشمت دوسری طرف غصے سے گویا تھے۔ چوہدری بخت بھی چھوٹتے ہی کلاس ہونے پہ گڑبڑا سے گئے۔ دیا کا عجلت میں فون دینے کی وجہ سمجھ آگئی تھی۔

چوہدری بخت سرجن تھے' وہ ایک عرصہ سے کراچی میں مقیم تھے' ان کی شادی خاندان کی واحد ڈاکٹر لڑکی سے ہوئی تھی۔ دیا ان کی دور کی رشتے دار تھیں۔ جنہوں نے شوق میں ایم بی بی ایس تو کر لیا تھا مگر گھر والوں سے پریکٹس اور اسپیشلائزیشن کی اجازت ملنا ناممکن تھی۔ گھر والوں کا اتنا ہی احسان بہت تھا کہ انہوں نے ان کی خواہش پہ دیا کو ڈاکٹری پڑھنے کی اجازت دی لیکن ڈاکٹری کی ڈگری لے کر گھر ہی بیٹھنا تھا تو دیا کو اتنی محنت کرنے پہ افسوس ہوا لیکن ان کا افسوس چوہدری بخت سے شادی کر کے کافی حد تک دور ہوگیا۔

چوہدری بخت ایک روشن خیال انسان تھے' شادی کے بعد دیا کی خواہش کو دیکھ کر انہوں نے پریکٹس کروائی اور فیلڈ میں آنے کے لیے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ جہاں دیا شوہر کی مشکور تھیں' وہیں چوہدری حشمت کو چوہدری بخت کا عمل پسند نہیں آیا تھا۔ وہ عورتوں سے نوکری کروانے کے حق میں نہیں تھے لیکن لیڈی ڈاکٹر کی اہمیت اور انسانیت کی خدمت پہ چوہدری بخت نے روشنی ڈالی تو چوہدری حشمت نے اجازت دے دی کہ حویلی کی عورتوں کو بھی نجی مسائل کے لیے میل ڈاکٹرز کے پاس نا جانا پڑے۔ شنائیہ اور ماہم کی پیدائش بھی شہر میں ہی وقوع پذیر ہوئی تھی۔

چوہدری بخت اور دیا تب تک مستقل کراچی شفٹ ہوگئے تھے۔ تب تک چوہدری جہانگیر کی شادی نہیں ہوئی تھی اور چوہدری اسفند بھی زیر تعلیم تھے۔ دیا کا گائنا کالوجسٹ ہونا حویلی کی عورتوں کے لیے بہت مفید ثابت ہوا تھا۔ اسی باعث چوہدری حشمت بھی چپ رہتے تھے مگر ابھی دونوں کو ڈیوٹی پہ پا کر ماہم کی تنہائی کے خیال سے انہیں غصہ آگیا تھا تب ہی انہوں نے دیا کو باتیں سنانا شروع کر دی تھیں اور انہوں نے مارے ڈر کے فون شریک سفر کو تھما دیا تھا۔

''بابا جان اکثر ہی ایسا ہوتا ہے کہ ہم دونوں میں سے ایک گھر پہ ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی ایمرجنسی ہو جاتی ہے تو دونوں کو ہی

اتفاق سے ہاسپٹل میں رہنا پڑ جاتا ہے۔'' جوان بچوں کے ہونے کے باوجود چوہدری حشمت کے آگے بولنے کی ان میں جرأت نہ تھی۔

''ہم نے تم دونوں کو اجازت اس وقت دی تھی جب ہمیں خبر نہیں تھی کہ ہمیں حویلی کی عورتوں کو کچھ حدود میں رہنے کی اجازت دینا پڑے گی لیکن اب لگتا ہے ہمیں تم دونوں کے معاملے میں ایک بار پھر اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔'' چوہدری حشمت کے لہجے میں دبا دبا غصہ تھا۔ چوہدری بخت سہنے پہ مجبور تھے۔ ان کے انداز پہ وہ کچھ متفکر نظر آ رہے تھے۔ دیا ان پہ نظریں جمائے ان کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''بہر حال، ہم نے یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ شنائیہ کو ہم نے شاہ زر شمعون کے ساتھ روانہ کر دیا ہے اگر تم دونوں میاں بیوی کو ہاسپٹل کے مریضوں سے زیادہ محبت ہے تو ہمیں بتا دو ہم شاہ زر شمعون کو ہدایت کر دیتے ہیں وہ شنائیہ کو چھوڑ کر آنے کی بجائے ماہم کو بھی ساتھ حویلی لے آئے گا۔ دونوں بچیاں ہماری نگرانی میں حویلی میں رہیں گی۔ تم دونوں میاں بیوی آرام سے ساری زندگی اپنا شوق پورا کرتے رہو۔'' چوہدری حشمت کے کہنے پہ چوہدری بخت ایک دم گڑبڑائے۔

''معافی چاہتا ہوں بابا جان کہ آپ کی دل آزاری ہوئی۔ بچیاں ہمارے پاس رہیں یا حویلی میں ہمارے لیے ایک ہی بات ہے لیکن بس بچیوں کی تعلیم کا مسئلہ ہے...... آپ فکر نہ کریں ہماری پوری کوشش ہوگی ہم آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نا دیں، بالفرض آپ کا حکم سر آنکھوں پہ۔'' چوہدری بخت بہت عاجزی سے گویا ہوئے۔ وہ ان کی غیر موجودگی میں بھی ان کا حکم بجا لانے کی حتی الامکان کوشش کرتے تھے مگر پروفیشن ایسا تھا تو کبھی کبھی یہ صورت حال ہو جاتی تھی ورنہ دونوں اپنی ٹائمنگ اس طرح سیٹ کرتے تھے کہ کوئی ایک تو گھر پہ ہو۔ جب بھی ایمرجنسی میں ایسی صورت حال ہو جاتی تھی تب بھی وہ گھر سے لاپروا نہیں ہوتے تھے، بچیوں سے رابطے میں رہتے تھے۔ ان کے انداز پہ چوہدری حشمت کچھ نرم ہوئے تھے۔

''ٹھیک ہے خیال رکھنا بچیوں اور بہو کا...... اللہ حافظ۔''

''جی آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا' بی جان کو سلام کہیے گا اللہ حافظ۔'' چوہدری بخت نے بھی الوداعی کلمات ادا کرتے کال ڈسکنیکٹ کر دی۔

''کیا کہہ رہے تھے بابا جان؟'' دیا نے انہیں ریلکس ہو کر چیئر سے ٹیک لگاتے دیکھا تو بے ساختہ استفسار کر بیٹھیں۔

''وہی جو تمہیں کہہ رہے تھے' شاہ زر شمعون' شنائیہ کو چھوڑنے آ رہا ہے اور ماہم کو گھر پہ اکیلا چھوڑ کر ہم دونوں ہاسپٹل میں ہیں۔'' انہوں نے گفتگو کا لب لباب کہہ ڈالا۔

''ہاں مجھے بھی ڈانٹ رہے تھے کہ میں یہاں بیٹھی ہوں اور ماہم گھر پہ اکیلی ہے۔'' دیا نے بھی اپنا تجربہ شیئر کیا۔

''دیکھا جائے تو کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہے تھے۔ کتنی بار تم سے کہا ہے' خیال رکھا کرو جب میں ہاسپٹل میں تھا تو تم نا آتیں۔''

''میری پیشنٹ کو ایمرجنسی ہوگئی تھی بخت' کال آئی تھی تب ہی آنا پڑا...... آپ کو خبر ہے اس فیلڈ کی مصروفیت کا۔'' دیا نے بیچارگی سے شریک سفر کو احساس دلایا۔

''بہر حال' آئندہ دھیان رکھنا' بابا جان نے واضح لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ اگر ایسا دوبارہ ہوا تو دونوں بچیوں کو ہمیشہ کے لیے حویلی میں شفٹ کر دو اور تم دونوں ہاسپٹل میں ڈاکٹری کرو۔''

''ایسا کہا انہوں نے؟'' دیا بھی چونکیں۔ ''خاک رہ پائیں گی بچیاں حویلی میں' شنائیہ کو ہی دیکھ لیں' چند روز صبر نا ہوا اس سے' رات ہی میں نے کہا تھا تین چار روز میں' میں اور آپ لینے آ جائیں گے مگر جانے کیسا شور مچایا ہوگا اس نے حویلی میں کہ شاہ زر شمعون چھوڑنے آ رہا ہے۔ ایک تو بابا جان ہوائی سفر کے خلاف بھی جانے کیوں ہیں گھنٹوں کا سفر دنوں میں کرنے کے قائل ہیں۔'' دیا نے بھی لمبی سانس لی۔

''اب تم انہیں ہوائی سفر پہ نہ کہنا کچھ...... میرے منہ سے نکل گیا غلطی سے تو مجھے اس پہ بھی جھاڑ پلا دی انہوں نے' شنائیہ نے بھی شاید ذکر کیا حویلی میں تب ہی پوچھ گچھ کر رہے تھے کہ کیا بچیاں اکیلی ہوائی سفر کرتی ہیں۔'' چوہدری بخت نے وارن

کیا۔
"میری مت ماری گئی ہے جو میں ان سے ایسی بات کروں مجھے علم ہے کہ باباجان کس مزاج کے ہیں۔" دیا جیسے تنبیہہ کا برامان گئیں۔
"ابھی کیا اسکیجول ہے تمہارا...... میں تو چند گھنٹے رکوں گا۔"
"نہیں میں بس نکل رہی ہوں اس سے پہلے کہ باباجان ماہم کو فون کر کے خیریت پوچھنے کے ساتھ اس سے یہ پوچھ لیں کہ میں گھر پہنچی یا نہیں۔" دیا جلدی جلدی اپنا سامان سمیٹ کر بیگ میں رکھنے لگیں چوہدری بخت ان کے الھڑ انداز پہ بے ساختہ مسکرا دیئے۔ جوان بیٹیوں کی ماں ہونے کے بعد بھی وہ سسر سے ڈر کر جلدی جا رہی تھیں۔
چوہدری حشمت بہت دور رہ کر بھی اپنے اصولوں کی صورت ان سب کی زندگیوں میں بہت قریب تھے۔ بہت اہمیت رکھتے تھے کہیں ڈر سے ان کی بات کو حرف آخر سمجھا جاتا تھا تو کہیں محبت سے لیکن بہر طور دونوں صورتوں میں عزت و مان کا رنگ گہرا ہوتا تھا۔ ان سب کو خبر تھی ان کے تجربہ کارانہ باتوں میں ہی ان کی زندگی کی بقا پوشیدہ ہے۔

☆......☆......☆

شنائیہ اس وقت زندگی کے سخت ترین امتحان میں پھنسی ہوئی تھی اگر ایسا کہا جائے تو یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کئی گھنٹے ہوگئے تھے اسے گاڑی میں سکڑ سمٹ کر بیٹھے۔ ہونٹ ایک دوسرے میں پیوست ہو کر جیسے بولنا بھول گئے تھے بولتے بھی تو کس کے آگے۔ ڈرائیونگ سیٹ پہ تو وہ کھڑوس ناک کی سیدھ میں دیکھتا ڈرائیو کرنے میں مصروف تھا ہوں ہاں بولنا بھی جیسے اس کی لغت میں شامل نہیں تھا۔ کہاں وہ تیز میوزک میں کراچی کی شاہراہوں پر ڈرائیو کرنے والی کہاں گھنٹوں سے چپکی بیٹھی تھی کہ اس کے آگے تو پہلو بدلتے بھی ڈر لگتا تھا کہ کچھ سنا نا دے۔ بوریت سے بچنے کا حل نکالنے کے خیال سے اس نے اپنا لیٹس ماڈل کا سیل نکال کر ڈیٹا کنکشن آن کر کے فیس بک لاگ ان کی تو اس گستاخی پہ شاہ زرشمعون نے ایک نظر اس کے سیل کی روشن اسکرین پہ ڈال کر دوسری گہری نظر شنائیہ پہ ڈالی۔ شنائیہ کو اس کی نظروں کی تپش محسوس ہوئی مگر اس نے اپنے ڈرتے دل کو بہادری پہ لیکچر دے کر بی بریو کہنا سکھایا۔
"زیادہ سوشل ازم بھی آپ کی امیج پہ اچھا اثر نہیں ڈالتی۔ اپنی وال کی پرائیویسی چینج کرو۔ فیس بک پہ ساری پوسٹ پبلک ہیں تمہاری۔"
"ایں......!" شنائیہ کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ اسے ڈر تو تھا کہ اس کی طرف سے کوئی کمنٹ ضرور آئے گا مگر ایڈ نا ہونے کے باوجود اس کی وال اس کی نظر میں رہتی تھی۔ یہ جان کر اس سے سانس لینا بھی دوبھر ہونے لگا۔ اسے اپنی وال کی اوٹ پٹانگ کی ساری پوسٹ اور اپنی فرینڈز کے کمنٹ میں ہنسی ٹھٹول بھی یاد آ گئی۔ ایک بار اس کی فرینڈ نے آپ کی نظر میں سڑیل کی کیا تعریف ہے سوال پوچھ کر اسے ٹیگ کیا تھا اور اس نے حویلی میں کھینچی تصویر کو کروپ کر کے شاہ زرشمعون کی تصویر کمنٹ میں پوسٹ کردی تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اسے دیکھا۔ انسان کو جس طرح مشکل میں اپنی غلطیاں یاد آتی ہیں بالکل اسی طرح اس وقت شنائیہ کو اپنی ساری غلطیاں یاد آ رہی تھی۔
"پا...... پانی کی بوتل کہاں ہے؟" یہ نہیں تھا کہ وہ گفتگو کا موضوع تبدیل کرنا چاہتی تھی حقیقتاً اس کا گلہ سوکھ گیا تھا۔
"شنائیہ چوہدری تمہاری ساری تیز طراری خود اعتمادی کہاں چلی جاتی ہے جو اس کے آگے منمنانے لگتی ہو۔" خود کی ڈری سہمی آواز پہ خود کو گھر کنے لگی۔
"کھانے پینے کی چیزیں بیک سیٹ پہ ہیں۔" اس نے اتنا احسان کیا کہ بتا دیا تھا۔ شنائیہ نے گاڑی کی اسپیڈ کو دیکھا اور دوسری نظر سے بیک سیٹ کو...... اور شاید یہ خود کو لعنت ملامت کا نتیجہ ہی تھا جو اس سے کہنے کی بجائے اس نے سیٹ سے اٹھ کر پچھلی سیٹ سے چیزوں کو نکالا تھا بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی۔
"اتنا لمبا سفر ہے اب کیا بھوکی مروں اس کے ساتھ۔" گرم گرم سینڈوچ کو دیکھ کر اس کی بھوک مزید بڑھ گئی۔
"شنائیہ چوہدری اس طرح منہ بند کر کے اس ہلاکو کے ساتھ سفر کرتی رہیں تو تمہاری لاش ہی کراچی پہنچے گی۔" منرل واٹر

کی بوتل کو منہ سے لگا کر پانی پیتے اس کا ذہن بہت تیزی سے خود کو وارم اپ کر رہا تھا۔
''یہ کون سا طریقہ ہے پانی پینے کا۔ پیچھے دیکھو دی جان نے ڈسپوزیبل گلاس بھی رکھوایا ہوگا۔'' شاہ زرشمعون نے ناگواری سے اس کے لبوں سے لگی بوتل کو دیکھا۔
''گلاس لے کر کون پھرتا ہے ہر جگہ؟ یا اللہ میں نے کون سی غلطی کردی واپس جانے کی بات کر کے...... مجھے لگا تھا سبحان آفندی مجھے ٹرمینل یا ایئرپورٹ تک ڈراپ کردے گا' مگر یہ بلا پیچھے لگ گئی...... مما جانی۔'' اسے دیا کی یاد آنے لگی۔ انہوں نے رات ہی فون پہ کہا تھا کہ وہ دو تین دن میں لینے آ جائیں گی۔ اسی کی مت ماری گئی تھی جو اس نے چوہدری حشمت کے سامنے پڑھائی کا حرج ہونے کا جھوٹا ڈرامہ کیا تا کہ وہ اسے بھیج دیں اور گلے پڑ گیا یہ سفر۔
''شنائیہ چوہدری اگر زندہ سلامت پہنچنا چاہتی ہو تو اللہ کے دیے ہوئے دو کانوں سے فائدہ اٹھاؤ۔'' خود کو سمجھاتے ہوئے اس نے سینڈوچ باکس کھول کر سینڈوچ نکالا۔
''آپ کھائیں گے؟'' سینڈوچ منہ تک لے جاتے اسے دستر خوان کے اصول یاد آ گئے ورنہ اس پہ بھی کچھ سننے کو مل جاتا۔
''نہیں شکریہ' آپ پکنک انجوائے کریں' آن ڈرائیو۔'' وہی جلا سڑا جواب آیا تھا۔ ایک نظر اس پہ ڈال کر شاہ زرشمعون نے نگاہیں دوبارہ ونڈ اسکرین پہ جما دی تھیں۔
''جانے میٹھا بولتے ہوئے یہ شخص کیسا دکھتا ہوگا۔'' سینڈوچ کی بائیٹ لیتے شنائیہ نے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ گرے شلوار سوٹ میں ہم رنگ چادر بازو سے لپیٹے وہ شاندار لگ رہا تھا۔
''ہونہہ مغرور انسان۔'' اس کی اونچی کھڑی ناک کو دیکھ کر منہ بناتے اس نے فلاسک سے چائے مگ میں نکالی۔
''موصوف کی نظر میں جب پکنک ہے تو' ڈھنگ سے تو انجوائے کروں۔'' خود کو باور کراتے اس نے مگ لبوں سے لگا کر سپ لیا۔
سورج غروب ہو رہا تھا لیکن روشنی اب بھی تھی۔ اس وقت وہ غیر آباد علاقے سے گزر رہے تھے۔ ارد گرد بیابان جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔ اچانک بارش شروع ہوگئی تو شنائیہ گلاس نیچے کیے بوندوں کو انجوائے کرنے لگی لیکن بارش بھی جلد رک گئی تھی۔ شاہ زرشمعون نے لینڈ کروزر کی رفتار مزید تیز کردی تھی۔ اس نے گلاس اوپر کرنے کی ہدایت کی مگر وہ منظر دیکھنے میں اتنی منہمک تھی کہ اس کی احتیاط کو بھی نظر انداز کر گئی۔ سینڈوچ اور چائے انجوائے کر کے وہ تازہ دم ہوگئی تھی۔ سورج غروب ہونے کا بڑا دلکش منظر تھا' نکھرے نکھرے درختوں کے بیچ زرد سورج دیکھ کر اسے اپنے سیل فون کی گیلری میں قید کر لینے کی خواہش اتنی شدید تھی کہ وہ بھول گئی کہ وہ کہاں اور کس کے ساتھ ہے۔
''روکو...... روکو گاڑی روکو جلدی سے۔'' وہ خوشی سے چلاتی اپنی طرف کا لاک چلتی تیز رفتار گاڑی میں کھولتی اسے ایک پل کو حیران کر گئی تھی۔
''روکو......'' وہ اس بری طرح چلائی کہ شاہ زرشمعون کا پیر بے ساختہ بریک پہ جا پڑا' اگلے ہی لمحے اس نے گاڑی کے خانوں سے اپنی لوڈڈ پسٹل کی طرف ہاتھ بڑھایا...... وہ جب تک پسٹل نکال کر پوزیشن لیتا اس سے پہلے شنائیہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر دوڑی اور پھر کچھ وقت کے بعد۔
''آ...... آ...... شاہ۔'' ایک زوردار چیخ مار کر شنائیہ ٹیلے سے گر پڑی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

میں تو مر کر بھی تمہیں چاہوں گا

نگہت غفار

"ابو مجھے بائیک چاہیے۔" شہیم نے بستر جھاڑتے ہوئے محسن علی رضا کو دیکھے بنا فرمائش کی۔

محسن علی رضا ایک ہاتھ میں دوا لیے اور دوسرے ہاتھ سے گلاس پکڑے بے حس اور کٹھور بیٹے کو بڑی حیرت اور بے یقینی سے دیکھ رہے تھے' ان کے چہرے پر ہی نہیں بلکہ سارے وجود پر بے بسی اور محرومی نظر آرہی تھی۔ انہوں نے ساری میڈیسن منہ میں رکھ کر پانی کا پورا گلاس پیا اور بولے۔

"مجھے بہت حیرت ہوتی ہے تم پر شہیم' کہ تم میری اولاد ہو' میرے بیٹے' میں تو اپنے والدین کا نہایت ہی فرماں بردار اور خدمت گزار بیٹا تھا' اپنے باپ کی خدمت میں رات دن لگا رہتا تھا۔ سارا سارا دن نوکری کے علاوہ صرف اور صرف والدین کی خدمت میری زندگی کا مقصد تھا۔ اچھا علاج' اچھی غذا...... اچھا ماحول ان کے لیے مہیا کیا...... اس پر بھی میری زندگی اس ویران راستے پر محو سفر ہے...... تمہیں رتی برابر میرا خیال نہیں' میں مر رہا ہوں یا جی رہا ہوں؟ کب ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوتا ہوں' کب ڈسچارج؟ کب کون سی دوا لینی ہے اور اس کی قیمت کیا ہے؟ مجھے کون سی غذا چاہیے کون سی نہیں' مجھے کب آرام کی ضرورت ہے؟ کیا بھی تم نے یہ سب سوچا؟ میری آمدنی کتنی ہے اخراجات کیا ہیں' یہ سب میں کیسے مینج کرتا ہوں' تمہاری فرمائشیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں کیا تمہارا اور میرا رشتہ یہی رہ گیا ہے کہ تم مانگتے رہو اور میں دیتا رہوں' مجھے سکون سے جینے دو' زندگی نے میرے ساتھ بڑے کھیل کھیلے...... اب میں زندگی کی اس آنکھ مچولی سے تنگ آ گیا ہوں' مجھے سکون چاہیے...... شہیم سکون......"

ان کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ بے بسی' بے قراری اور دکھ ان کے چہرے پر سمٹ آئے...... شہیم سب سن کر طنز سے مسکرایا۔

"ابو جی...... معاف کیجیے گا میں اب بھی یہی کہوں گا کہ آپ کی بربادی' بیماری اور بے سکونی کی ذمہ دار وہی عورت ہے...... وہی ہے جس نے مجھے آپ سے نفرت کرنے پر مجبور کیا' وہی ہے جس نے باپ کو بیٹے سے دور' بہت دور کر دیا...... ہمارے درمیان فاصلے پیدا کرنے والی وہی عورت ہے...... جس وقت ماما بیمار تھیں بہت بیمار' میں ننھا سا ان کے پہلو میں پڑا تھا' دو سال کا بچہ...... کیا ہوتا ہے؟ یہ تو آپ کو معلوم ہے ناں...... ماں باپ کی تمام تر توجہ اور پیار کا متلاشی...... جب میری ماں نے مجھے روتا بلکتا چھوڑا تو...... دنیا میں اب ایک آپ ہی تو تھے جو مجھے اپنی آغوش میں لیتے سینے سے لگاتے' میرے دکھ درد اور ضرورت کو سمجھتے' مجھے اپنے پاس رکھتے...... ابو...... خود سے قریب......" آگے وہ نہ بول سکا...... وہ رکا تو محسن علی رضا نے بیٹے کو غور سے دیکھا۔

"تمہیں یہ الٹی سیدھی پٹیاں کس نے پڑھائی' اچھی طرح جانتا ہوں مگر ان لوگوں نے یہ نہیں بتایا کہ میں اسی اپارٹمنٹ میں رہتا تھا' صبح گھر سے نکلتا رات گئے گھر میں داخل ہوتا۔ سارا دن کیا تم گھر میں اکیلے رہتے...... یا میں نوکری چھوڑ کر تمہیں اپنے پاس رکھتا......؟"

"بہرحال...... اس وقت آپ کے حواسوں پر وہی تھی اور بس......"

"شہیم ہوش میں آؤ' تمہاری زبان بہت زیادہ چلنے لگی ہے تم حد سے زیادہ گستاخ ہو گئے ہو' خبردار اگر اب تم نے اس عورت کے لیے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا۔" انہوں نے کمبل ایک طرف پھینک کر بستر سے اترتے ہوئے کہا تو شہیم پھر بولا۔

"لیکن آپ نے جو کچھ کمایا وہ اسی عورت پر خرچ کیا ناں؟" محسن علی رضا زور سے چیخے۔

"بکواس بند کرو۔" انہوں نے ہاتھ اٹھایا ضرور تھا مگر پھر رک گئے تھے۔

"اگر میں مارتا ہوں تو تم پھر یہ کہو گے کہ ابو نے زندگی میں پہلی بار اس عورت کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ سب جس طرح گھٹیا اور چھوٹی سوچ کے سبب یہ کہانیاں گھڑتے رہے ان کو بھی یہ خبر ہے کہ وہ انتہائی مخلص' ہمدرد' شریف عورت تھی' ڈاکٹر تھی اور میری دوست بن گئی۔ میرے ہر آڑے وقت میں وہ کام آئی' تمہاری ماں کا علاج اس کے ہاسپٹل میں ہوا' اس عورت نے ایک پیسہ نہیں لیا' وہ کہتی کہ ایک اچھے دوست کا فائدہ کیا جو ایسے وقت دوست کے کام نہ آئے اور ہر بار وہ

پیسے میں دوبارہ اپنے پاس رکھ لیتا۔ میں آرزو کے گھر جاتا ان کے شوہر سے میری بہت اچھی دوستی ہوگئی تھی۔ تمہارے ننھیال والے بے شک تمہاری پرورش کرتے رہے مگر ایک ایک پائی میں دیتا میں نے تمہارا سارا خرچہ ان لوگوں کو دیا میں بالکل بھی شرمندہ نہیں ہوں میں نے آرزو کو دیا نہیں ہمیشہ لیا ہے...... تم اپنے ذہن سے یہ ساری خرافات نکال دو...... تم میرے ساتھ اجنبیوں کی طرح رہتے ہو ایک گھر میں ایک چھت کے نیچے اور یہ بے رخی...... میں تمہارا باپ ہوں، تم میرے باپ نہیں ہو...... اتنے عرصے سے ایک جوان بیٹا، برسرِ روزگار ہے مگر مجال ہے جو کبھی باپ کے لیے کوئی فروٹ کوئی دوائی، کوئی گھر کا سامان لائے ہو تم دل کھول کے مجھے اذیت دے رہے ہو تمہیں چاہیے تھا کہ تم آرام کرواتے، میری سروس ختم کرواتے گھر پر مجھ پر توجہ دیتے...... نہ کہ تم مجھے ہر روز ایک نئی اذیت کا شکار کرتے ہو...... تمہیں کیا معلوم کہ محسن علی رضا کتنا مضبوط کردار اور بہادر اور حوصلے والا ہے کیسے زندگی کا مقابلہ کررہا ہے اب آخری عمر میں اس حالت میں بیٹا، باپ سے انتہائی تکلیف دہ اذیت ناک سوالات کرے گا، کردار پر شک کرے گا، توہین کرے گا، ماں جیسی ہستی کے لیے اپنے خیالات اپنے جذبات، اپنے الفاظ کا انتخاب اس عمدگی سے کرے گا یہ مجھے نہیں معلوم تھا لیکن ہاں تم...... اس عورت کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگنا ورنہ، میں تمہیں کبھی بھی معاف نہیں کروں گا...... یہ میری بات ہمیشہ یاد رکھنا...... وہ بڑی عظیم ہے تم اس عورت کو نہیں جانتے تو یہ کہ تمہارے ننھیال والوں نے تمہیں بڑے غلط انداز میں گمراہ کیا ہے آئندہ خیال رکھنا۔''

فہیم نے لائٹ آف کی اور اپنے بیڈ پر چلا آیا...... مگر محسن علی رضا کو ماضی کے سفر پر بھیج دیا۔ دور بہت دور جب وہ اس دوست اور مخلص ہستی سے ملے اور چند ہی دنوں میں زندگی کتنی خوب صورت لگنے لگی تھی۔ جب یہ احساس کیسی طمانیت دیتا کہ کوئی تو ہے میرا دوست، رفیق، ہمدرد ہر طرح سے میرا خیال رکھنے والا، جان سے زیادہ عزیز روح سے زیادہ قیمتی...... وہ دن بھی کتنے حسین تھے خوب صورت پل،

دلفریب نظارے' برجستہ مکالمات کا تبادلہ' کتنی پاکیزہ معصوم سی نوک' جھونک' کھلا ذہن انمول مشورے' ہمدردیاں ایک دوسرے کا خیال رکھنا بغیر کسی لالچ اور غرض کے......صاف وشفاف لمحات۔

میں نے کئی بار نوٹ کیا کہ میں اور وہ ایک ہی وقت اپنی اپنی گاڑی میں علاقے کے مین گیٹ سے باہر نکلتے' اس نے کبھی میری طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا......مگر......میں جیسے اسی کے انتظار میں رہتا اور یوں کچھ وقت گزر گیا......

نجانے اس خاتون میں ایسی کیا بات تھی' مقناطیسیت تھی کہ میں خود بخود اس طرف کھنچ رہا تھا یہ میری کمزوری تھی مجھے اگر کوئی اچھا لگتا تو میرا دل چاہتا میں اس سے باتیں کروں' کبھی حالات حاضرہ پر کبھی معاشرے اور کبھی اپنی نجی زندگی کے مسائل پر مجھے ابھی تک کوئی ایسا ساتھی نہیں ملا تھا' میرا کوئی ایسا دوست نہیں تھا اور مجھے ازل سے ایسے دوست کی تلاش تھی' اور میرا دل کہتا میں اس دوشیزہ سے بات کروں......ایک روز اتفاق یہ ہوا کہ میری بیوی بیمار ہوگئی اور میرے دل کی مراد پوری برآئی' میں شہر کے ایک بڑے ہاسپٹل میں ان سے ملا وہ وہاں ڈاکٹر تھیں' بہت مشہور بہت ماہر اور ساتھ میں نہایت ہی ہمدرد اور خداترس تب ہی ہر ایک کے لبوں پر اس مسیحا کا نام تھا میری بیوی کو گائنی پرابلم تھی اور وہ ڈاکٹر آرزو کی پیشنٹ تھی' میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اللہ نے میری سن لی' کسی نہ کسی حوالے سے اب بات تو ہوگی ناں مل کر اندازہ لگایا کہ نہایت ہی نفیس اور عمدہ خاتون ہیں بہت ہی پُرخلوص اور ملنسار' ہمدرد اور محبت کرنے والی ہستی' شبانہ کو ایڈمٹ ہوئے پندرہ روز ہوگئے تھے ان دنوں میں میری آرزو سے اچھی دعا سلام ہوگئی تھی۔ شبانہ بھی آرزو کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتی تھی' شہیم میرا چھوٹا سا بچہ ہر وقت آرزو کے گھر میں رہتا تھا' اتنا چھوٹا ہونے کے باوجود وہ بھی ان لوگوں سے اتنا مانوس ہوگیا کہ زبردستی اپنے گھر آتا تھا اکثر بچوں کے ساتھ ان کے بستر میں سو جاتا تھا آرزو اور بچے سب ہی شہیم سے بہت پیار کرتے تھے۔

اکثر میری ملاقات اسد صاحب سے ان کے گھر پر ہی ہوتی' ہم رات دیر تک ایک دوسرے کو ماضی کی باتیں سناتے اسی عرصہ میں شبانہ کی ڈیتھ ہوگئی اور میں ٹوٹ کر بکھر گیا' مجھے اسد اور آرزو نے سمیٹا' زندگی کی طرف لائے' جینے کا حوصلہ دیا' بالکل اپنوں کی طرح' میں ان لوگوں کی محبتوں' عنایتوں اور احسانات کا مقروض ہوتا چلا گیا۔ صحت بگڑنے لگی تو ملازمت پر پابندی برقرار نہیں رہی' اکثر مکان کا کرایہ شہیم کی دیگر ضروریات کو وہی لوگ پورا کرتے۔ میں نے بھی خود کو سنبھالا شہیم نانی کے پاس رہنے لگا' میں اپنے پاس کیسے رکھتا صبح سے رات تک میں اسے ٹائم نہیں دے سکتا تھا میں مجبور تھا۔

وقت کا پہیہ گھومتا رہا' ماشاء اللہ شہیم بڑا ہوگیا۔

ان ہی دنوں میں اسد کا انتقال ہوگیا......تب......آرزو بالکل ہی ٹوٹ گئی' تب میں انہیں فون پر ڈھیروں تسلیاں دیتا جینے کا سبق دیتا حالات سے لڑنے کے گر بتاتا' اسد کی زندگی میں ہی آرزو نے مجھے اپنے ماضی سے آگاہ کردیا تھا اور میں نے بھی اپنے ماضی کی کتاب ورق ورق ان کو پڑھا دی تھی......ہم دونوں کو ایک دوسرے سے بہت انسیت ہوگئی تھی ہم ایسے مخلص اور ہمدرد دوست بن گئے کہ دونوں کو لگا کہ شاید ہمیں ایک دوسرے ہی کی تلاش تھی ایک ہمدرد سچے دوست کی جو ایک دوسرے کے ہم راز ہوں لمحہ لمحہ قدم بہ قدم ایک دوسرے کے حالات سے غافل نہ ہوں۔

♥......○......♥

"آرزو......یار تم ایک بار میری بات پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور تو کرو تم کو میری بات سمجھ میں آجائے گی۔" وہ آرزو کو قائل کر رہے تھے۔

"محسن آپ ذرا سوچیں تو......اب ہماری عمریں......یہ بچے یہ دنیا والے کیا کہیں گے؟"

"ڈیئر......تم بھی کیسی احمقانہ بات کر رہی ہو' ہمیں دنیا کو بتانا ضروری ہے کہ ہم یہ قدم اٹھا رہے ہیں۔ میرے بیٹے کو ماں اور تمہارے بچوں کو باپ مل جائے گا' یہ کوئی شرعی اور قانونی اعتبار سے غلط کام نہیں' اچھا چلو پریشان نہ ہو اب میں چلتا ہوں آرام سے سوچ کر مجھے جواب دینا۔"

دو تین روز یونہی بے آواز سے گزر گئے' آرزو کے قریب رکھے سیل فون پر وائبریشن ہوئی' انہوں نے چیک کیا محسن کا میسج تھا' خیر خیریت کے بعد وہی سوال تھا۔

"جان عزیز کیا سوچا آپ نے؟" آرزو بولی۔

"جناب ابھی تو اللہ سے راز و نیاز میں مصروف ہوں ابھی سکون سے ہمیں اپنے اللہ جی سے باتیں کرنے

دیں......'' وہ ہنسی۔
''چلیں جی جیسے آپ کا حکم' شب بخیر۔'' محسن نے بھی ہنستے ہوئے سلسلہ منقطع کردیا۔
''پاگل و دیوانے ہیں' اچانک بس اصرار کرتے پھر کچھ دنوں کے لیے خاموش ہوجاتے ہیں۔'' وہ دوبارہ نماز میں مصروف ہوگئی۔

♥......O......♥

آج ہاسپٹل میں سارا دن مصروف گزرا ابھی آرزو اپنے روم میں کرسی پر نیم دراز بیٹھی ہی تھی کہ مخصوص خوشبو نے انہیں آنکھیں کھولنے پر مجبور کردیا۔
'السلام علیکم!'' بھاری آواز پر انہوں نے دروازے کی طرف دیکھا' محسن مسکراتے ہوئے داخل ہورہے تھے۔
''وعلیکم السلام!'' آرزو نے بھی خوشدلی سے جواب دیا۔ ''بڑے دنوں بعد آئے آپ' کیا مصروفیت رہی؟'' انہوں نے پیر سمیٹتے ہوئے کہا تو محسن مسکرائے۔
''ارے جناب' ہماری کیا مصروفیات ہوگی سوائے آپ کو سوچنے کے......!'' آرزو ہنس پڑی۔
''جناب محسن علی رضا صاحب اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا......اور ایک بات کہوں؟'' انہوں نے محسن کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔
''جی......جی ضرور بھلا آپ کو ہم سے اجازت لینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟'' وہ مسکرائے۔
''آپ نے جوانی میں کیا کیا ہوگا؟ اب اس عمر میں اتنی شوخی......'' وہ مسکرا رہی تھیں۔
''ارے یار تمہیں کیا معلوم اگر سچ کہوں تو میں انٹر کا اسٹوڈنٹ تھا سر نے ساری کلاس کے اسٹوڈنٹ کی طرف غور سے دیکھا پھر بولے' گلاب کے پھول پر نوٹ لکھیں اور اپنی طرف سے ایک دو اشعار بھی......اردو کا پریڈ تھا ہم نے قلم اٹھایا اور چند ہی لمحوں میں سر کے کمنٹس سن رہے تھے......محسن کلاس کا ہونہار اور قابل شاگرد ہے اس کی شخصیت پر یہ اشعار اور یہ خوب صورت مہکتے جملے...... واہ......جیسی شخصیت ویسی سوچ بڑی ہی خوب صورت رومانٹک سوچ ہے اس لڑکے کی۔'' وہ مسکرائے۔ ''اجی آپ کو کیا پتہ اس وقت ہم کیسے تھے؟'' محسن نے مسکرا کر کالر کھڑے کیے اور آرزو نے ہنستے ہوئے اس بات کی تائید کی۔
''ہاں جی ہم آپ کی بات سے سو فیصد متفق ہیں' آپ کی شخصیت اب بھی اٹریکٹ کرتی ہے۔'' محسن ہنسے۔
''اس دور میں ہر لڑکی مجھ میں دلچسپی رکھتی تھی ارے یار حد تو جب ہوئی کہ ایک لڑکی تو گھر تک آگئی اور ابا جی کو بتادیا کہ محسن سے بہت پیار کرتی ہوں......اس کے بغیر نہیں رہ سکتی......وہ تو میری کیا کسی لڑکی کی طرف دیکھتا تک نہیں حالانکہ اس کی پرسنالٹی ایسی ہے کہ تقریباً آدھے سے زیادہ کالج کی لڑکیاں اس سے متاثر ہیں......اور ابا جی نے اس کو اس طرح روتا بلکتا دیکھا تو وعدہ کرلیا کہ ٹھیک ہے میں اس سے بات کروں گا تم اپنے والدین کو میرے پاس لاؤ......'' اتنا کہہ کر محسن چپ ہوگئے اور داد طلب نظروں سے آرزو کو دیکھا......''اب آپ کا کیا خیال ہے بیگم صاحبہ؟''
''اچھا جلدی بتایئے پھر کیا ہوا؟'' آرزو کی بے چینی دیکھ کر وہ ہنس پڑے۔
''پھر کیا ہونا تھا شادی ہوگئی۔ پھر تو تمہیں پتہ ہے کیسے بیوی مری' بچہ ننھیال میں رہا اور ہم رہے بے بس' بے سہارا......زندگی کا صحیح مصرف نہ تلاش کرسکے کبھی خوش اور مطمئن زندگی گزاری نہ کبھی بہاروں نے دروازے پر دستک دی۔'' آرزو رنجیدہ ہوگئیں تب ہی ڈاکٹر سعد کمرے میں داخل ہوئے۔
انہوں نے سلام کیا' محسن نے جواب دیا اور کرسی سے اٹھنے لگے۔
''اچھا اب میں چلتا ہوں۔'' انہوں نے آرزو کی طرف دیکھا۔
''ارے بیٹھیں نا سر' آپ کدھر چلے۔'' ڈاکٹر سعد کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔
''نہیں ڈاکٹر صاحب دیر ہوگئی مجھے آئے ہوئے۔'' وہ چلے گئے' سعد نے آرزو کو مخاطب کیا۔
''ڈاکٹر آرزو اس شخص کو دیکھ کر دکھ ہوتا ہے یار دیکھو کتنی اچھی پرسنالٹی ہے' گفتگو میں کمال حاصل ہے' مگر چہرہ اور وجود دونوں پر بے بسی بے قراری کی کیفیت ہے یوں لگتا ہے جیسے مدتوں سے سکون کا متلاشی ہے یہ شخص اسے اس کے مطلب کی زندگی نہیں ملی۔''

♥......O......♥

آرزو نے گھر آ کر پہلا کام یہ کیا کہ نماز اور تسبیحات سے فارغ ہوئیں پھر ٹیرس میں چلی آئیں نیچے ٹریفک کا بے ہنگم شور روشنیاں ہی روشنیاں نظر آ رہی تھیں' آرزو نے بہت کوشش کی خود کو روکنے کی' مگر بے ساختہ ان کی انگلیوں میں جنبش ہوئی اور پھر تھوڑی دیر بعد محسن کا فون آ گیا' یہ محسن کی عادت تھی' وہ آرزو سے کہتے آپ کا جب دل کیا کریں مس کال دے دیا کریں......اور پھر محسن کی آواز آئی۔

''السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟''

''وعلیکم السلام جی میں ٹھیک ہوں اچھی ہوں۔'' آرزو کا جواب سن کر محسن مسکراتے۔

''جی جناب آپ اچھی نہیں بہت اچھی ہیں۔ یہ آپ ہم سے پوچھیں۔'' وہ شرارت سے بولے۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' آرزو نے سوال کیا۔

''اجی ہونا کیا تھا نماز پڑھ کر رب سائیں کو اپنی بپتا سنا رہے تھے۔''

''میں نے بھی ابھی نماز پڑھ کر آپ کے حق میں بہت ساری دعائیں کیں۔'' آرزو نے بتایا تو محسن ہنس پڑے۔

''ارے آپ کی دعائیں ادھوری ہوتی ہیں دعاؤں میں ہمیں مانگا کریں۔'' ان کا شوخ لہجہ سنائی دیا۔

''اچھا یہ بتائیں ہم آپ کو یاد بھی رہتے ہیں یا نہیں۔'' انہوں نے سوال کیا تو آرزو نے جواب دیا۔

''دیکھیے یاد اسے کرنا پڑتا ہے جس کو ہم نے کبھی بھلایا ہو۔'' وہ ہنسیں......''اور جو بھولتے ہی نہیں تو پھر یہ سوال مناسب نہیں۔''

''بھئی ماشاء اللہ آپ بھی اب کافی سمجھدار ہو رہی ہیں یہ سب ہماری صحبت کا اثر ہے۔'' محسن کا شریر قہقہہ آرزو کے کانوں میں گونجنے لگا۔

''سچ یار......کبھی کبھی میں سوچتا ہوں میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ آپ کیسے نوک جھونک شرارت سے مہکتے ڈائیلاگ برجستہ جواب دیتی ہیں' زندگی میں بڑی ہی مٹھاس گھولتے ہیں ایسی ہی باتیں میٹھی میٹھی تکرار ایک دوسرے کو لاجواب کر دینا ہنسنا ہنسانا کتنا اچھا لگتا ہے' کبھی میں نے کوئی شعر سنا دیا اس کے جواب میں چٹ پٹا مزیدار شعر آپ نے سنا دیا کتنا اچھا لگتا ہے یہ سب' زندگی کتنی حسین لگتی ہے جب ایسا ماحول ہو' ایک طمانیت' ایک خوب صورت سا جذبہ نرم وملائم احساسات خوشی کے لمحات کہ جب کوئی کہتا ہے کہ میں آپ کے لیے پریشان ہوگئی تھی میں نے اللہ سے آپ کے لیے خوب دعا کی یہ سن کر دل چاہتا ہے کہ آنکھیں بند کر کے یہی سنتے رہو آپ کی صحت کی بقاء کی ترقی کی......اور جب تم یہ کہتی ہو آج سردی بہت ہے آپ سوئٹر ضرور پہنیں مفلر ضرور لیں' آپ کو ٹھنڈ جلدی لگ جاتی ہے' ٹائم پر کھانا کھا کر ٹائم پر نماز پڑھ کر جلدی سو جائیں' صبح آفس بھی جانا ہے' ایسی باتیں سن کر مجھے بہت اچھا لگتا ہے یقین کرو دل بے حد خوش ہوتا ہے خود پر فخر ہونے لگتا ہے۔'' آرزو نے لوہا گرم دیکھا تو بولیں۔

''بالکل سچ کہہ رہے ہیں اس اطمینان سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہے بس آپ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں کہ آپ کا ہمدرد' آپ کو دعاؤں میں یاد رکھنے والا آپ کا کوئی دوست ہے دنیا میں۔'' آرزو کی بات سن کر محسن کا مخصوص قہقہہ سنائی دیا۔

''یار......تم......تو بہت چالاک ہوگئی ہو کیسے موقع سے جواب دیتی ہو......'' آرزو بھی ہنس پڑیں قبل اس کے کہ محسن کچھ کہتے انہوں نے اجازت چاہی' ایک لمبی سانس فضاء میں خارج کی کہ محسن ان کا اشارہ سمجھ تو گئے ہوں گے......جب ہی ہنس پڑے تھے۔

الوینہ جب سے کالج سے آئی تھی بہت پریشان تھی ویسے اس کا جہیز تقریباً تیار تھا آرزو بے حد سلیقہ شعار تھیں انہوں نے بیٹی کے لیے سب کچھ جوڑ لیا تھا دو بیٹے اور ایک بیٹی مختصر فیملی تھی اسد مزاج کے بہت تیز اور خشک اور کھردری سی شخصیت کے تھے۔ آرزو نے زندگی کا لمبا سفر اس ہمسفر کے ساتھ گزارا جو ہر بات کو منفی انداز میں لیتے اپنی ہر بات کو سچ کہتے اپنے سرد رویے سے مدمقابل کو نظر انداز کرتے پیسے کو قریبی رشتوں پر فوقیت دیتے' کھڑے کھڑے مقابل کو بے عزت کر دیتے آرزو نے ان کا ہر وار سہا......ان کی ماں اور بہن کی بھی ہر بات کو آرزو نے مانا ان کی اپنی کوئی مرضی اور رائے نہیں ہوتی تھی' شوہر' ساس اور نند نے جو کہا پتھر کی لکیر سمجھنا ان کا فرض تھا۔ بچے بھی اجنبیوں کی طرح گھر میں رہتے۔ الوینہ سب سے چھوٹی تھی شاہ زیب' جہانزیب ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر تھے' اسد کے انتقال کے بعد ان کی والدہ کا بھی انتقال ہوگیا تھا بہن میرڈ تھی۔ آرزو کے

سسرال والوں نے اسد کے انتقال کے بعد آرزو سے مکمل طور پر ناطہ توڑ لیا تھا۔

الوینہ کی ٹینشن یہ تھی کہ عظمان نے خبر ہی ایسی سنا دی تھی کہ امی پنڈی جا رہی ہیں ماموں کی بیٹی کو عظمان کے لیے مانگنے...... اب وہ اس مسئلہ کو کیسے حل کرنا ہے سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھی ادھر عظمان کی اماں کا ہولڈ تھا گھر، شوہر اور بچوں پر ادھر شاہ زیب اور جہانزیب دونوں ہی سخت مزاج تھے، اسے ایک ترکیب سوجھی کیوں نا محسن انکل سے ہیلپ لی جائے مجھے بالکل بیٹیوں کی طرح پیار کرتے ہیں کتنے شفیق اور کتنے نرم مزاج کے ہیں۔ اس سوچ کے ساتھ ہی وہ خاصی حد تک مطمئن ہوگئی تھی۔

♥......○......♥

ریسٹورنٹ میں جیسے ہی دونوں داخل ہوئے سامنے ہی محسن بیٹھے تھے دونوں نے سلام کیا محسن نے الوینہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں۔ عظمان نے مصافحہ کیا جس پر محسن نے مسکرا کر دونوں کا خیر مقدم کیا۔

''اچھا تو صاحب زادے عظمان آپ ہماری بیٹی کو پسند کرتے ہیں......'' انہوں نے حسب عادت سوال کیا تو عظمان نے بھی مسکراتے ہوئے گردن ہلائی۔

''بھئی بہت خوب ہمیں رومان اور رومانوی ماحول، رومانوی مکالمات بہت پسند ہیں، آپ سمجھ لیں کہ ہم رومان پرست ہیں، نہایت ہی پاکیزہ اور سچی محبت ہونی چاہیے۔'' پھر عظمان نے اپنی پڑھائی سروس اور خاندانی پس منظر کے بارے میں تفصیلاً بتایا۔

''امی تو جلد جانے والی تھیں مگر شاید الوینہ کی دعاؤں نے اثر دکھایا فی الحال ان کا ارادہ ملتوی ہوگیا ہے پھر بھی بھی اچانک کہیں سے بھی حملہ ہوسکتا ہے۔'' اس نے شرارت سے الوینہ کی طرف دیکھا...... الوینہ نے غصے سے آنکھیں دکھائیں۔

''عظمان بیٹا آپ یوں کریں اپنے گھر والوں سے بات کر کے آرزو کے پاس بھیجیں باقی ان کو تیار کرنا میرا کام ہے۔''

''انکل امی میری شادی اسی سال کرنا چاہتی ہیں۔ اگر آرزو آنٹی یا دونوں بھائی اس بات کو نہیں مانے تو مسئلہ ہوجائے گا۔'' عظمان نے خیال ظاہر کیا۔

''اللہ مالک ہے جہاں تک تمہاری آنٹی کا سوال ہے وہ تو مان جائیں گی' بھائیوں کو منانا بھی مشکل نہیں ہے اگر سچا پیار' لگن ہو نیت پاک ہو اور دعائیں ساتھ ہوں تو رب بھی اپنی رضامندی دے دیتا ہے۔ اس ذات یکتا پر مکمل بھروسہ رکھو' جذبے بے لوث بے غرض ہوں تو رب کائنات بھی مایوس پانا کام نہیں کرتا شرط یہ ہے کہ سب کچھ اسی پالن ہار پر چھوڑ دینا چاہیے۔ کامیابی یقینی ہوتی ہے' مگر صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

♥......○......♥

ان دنوں دو ڈاکٹرز چھٹیوں پر گئی ہوئی تھیں' آرزو پر بہت زیادہ کام کا بوجھ تھا۔ وہ اکثر دیر سے آرہی تھیں' چند دنوں بعد انہیں کچھ فرصت ملی تھی انہوں نے آج چھٹی کی تھی۔ دیر سے جاگیں' ناشتے کی میز پر بیٹھی تھیں کہ محسن کا فون آ گیا کہ میں ہاسپٹل آرہا ہوں' آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔ آرزو ڈر گئیں پھر نکاح پر زور دیں گے مگر جواب تو دینا تھا' اتنی دیر میں محسن نے تین چار بار ہیلو' ہیلو کی رٹ لگائی......

''میں ہاسپٹل نہیں گئی۔'' آرزو نے بتایا۔

''ارے کیوں خیر تو ہے طبیعت کیسی ہے؟'' محسن کے لہجے کی بے چینی اور پریشانی کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

''ارے بابا یونہی...... کیا کبھی ہمارا موڈ نہیں ہوتا کہ چھٹی کریں...... آرام کریں۔'' آرزو کے لہجے اور موڈ سے محسن خاصے مطمئن ہو گئے۔

''اچھا میں گھر آرہا ہوں...... اوکے آجاؤں......'' انہوں نے ہمیشہ کی طرح اجازت مانگی۔

''جی آجائیں۔'' آرزو نے اپنا حلیہ درست کیا۔

''الوینہ نے مجھے قابل اعتبار اور ہمدرد سمجھا' تم سے کہتے وہ جھجک رہی تھی' اور مجھ سے اپنا مسئلہ ڈسکس کیا عظمان بہت اچھا لڑکا ہے میں اس سے مل چکا ہوں۔''

''آپ...... مگر آپ اس سے ایک بار ہی تو ملے ہیں' پہلی ہی ملاقات میں کسی کے لیے آپ رائے قائم نہیں کر سکتے شاہ زیب نے اپنے دوست کے لیے مجھ سے بات کی تھی ناں آپ کو یاد ہے۔'' آرزو نے محسن کو یاد دلایا۔ محسن کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

''ہاں مگر آپ نے جواب تو نہیں دیا ناں......''

''محسن میں نے جواب تو نہیں دیا مگر شاہ زیب کو تو آپ جانتے ہیں وہ ایک دم ناراض ہو جاتا ہے۔ اسے راضی کرنا بڑا مشکل ہے۔'' آرزو نے خیال ظاہر کیا۔

''آرزو بیگم آپ یہ سب کچھ اس خادم خاکسار کے لیے چھوڑ دیں' یہ اپنا شعبہ ہے۔'' محسن کے لہجے میں اعتماد اور یقین تھا۔

''ٹھیک ہے میں رات کو شاہ زیب سے بات کروں گی۔''

''جیتی رہو...... دیکھو مجھے سرخرو کرنا بچوں کے سامنے ورنہ ان لوگوں کے دل ٹوٹ جائیں گے' پیار کرنے والے سچے اور پرخلوص بے غرض لوگوں کو اگنور کرنے سے' زندگی پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے جو بات' جو کام' ہم کر سکتے ہیں اس سے انکار نامناسب عمل ہے لوگوں کو خوشیاں بانٹو اس سے اللہ تمہارے نصیب کی خوشیاں دگنی کر دیتا ہے' دل توڑنا' محبت ٹھکرانا' خلوص کو نہ پہچاننا زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہے۔'' محسن نے ایک لمبی سانس لی اور آرزو کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگے۔ آرزو بے ساختہ ہنس پڑی۔

''یار تم ہنستی ہو ناں تو لگتا ہے کائنات میں قوس وقزح کے سارے رنگ نکھر آئے۔'' ان کی آواز میں خوشی اور سچے جذبوں کی جھنکار تھی۔

''مسٹر شاعر صاحب آپ غزلیں لکھیں' سچ میں دنیا میں آپ جیسے جتنے بھی لوگ ہیں رات دن آپ سے رابطہ رکھیں گے آپ کی شاگردی قبول کریں گے۔'' وہ ہنس پڑیں۔

''آپ بھی موقع سے فائدہ اٹھانا جانتے ہیں ان ڈائریکٹ بہت کچھ کہہ جاتے ہیں۔''

''آداب عرض ہے' آداب عرض ہے۔'' محسن نے آداب بجا لاتے ہوئے کہا۔ ''بس ہمیں آپ جیسی انمول قیمتی اور باذوق ہستی کی تلاش تھی پوری تو ہو گئی مگر حاصل کرنے میں بڑا لمبا صبر آزما کٹھن سفر جاری ہے۔'' محسن کی آنکھوں میں اب بھی نوجوانوں کی طرح اپنائیت اور پیار بھرا تاثر ہوتا آرزو مسکرانے لگی۔

''آپ بھی ہم سے بہت پیار کرتی ہیں لیکن مجھ سے تھوڑا کم کرتی ہیں آپ کے آگے مجبوریاں ہی مجبوریاں ہیں جو آپ کی شدت کو کم کر دیتے ہیں مگر ہم آپ کو ایک بڑی اہم بات بتانا چاہتے ہیں کہ ''میں تو مر کر بھی میری جاں تجھے

چاہوں گا۔"

♥......○......♥

"مما عظمان کی امی اور بھابی سنڈے کو آرہے ہیں۔"

"اچھا..... آنے دو۔" آرزو نے تسبیح کو چوم کر تکیے کے پاس رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا ہے مرد حضرات بھی ایک دوسرے سے مل لیں گے۔"

"آپ نے بڑے بھیا سے بات کی ایسا نہ ہو کہ بعد میں وہ کوئی مسئلہ کھڑا کردیں۔" الوینہ کی آواز میں پریشانی نمایاں تھی۔

"ارے تم اس کی فکر نہ کرو حسن انکل نے اس سے بات کرلی' خاصی حد تک اسے مطمئن بھی کردیا شاہ زیب سمجھ رہے ہیں کہ محسن شاید پہلے سے عظمان کو جانتے ہیں' انہوں نے اس سے بات ہی کچھ اس انداز میں کی۔"

"اللہ کتنے پیارے ہیں انکل..... اللہ تعالیٰ ان کے مصائب اور مسائل جلد حل کردے مجھے تو بہت ہی اچھے لگتے ہیں۔" وہ بے حد خوش اور مطمئن تھی۔

"مما..... جب وہ لوگ آئیں تو انکل کو بھی بلوا لیجیے گا۔" اس نے مشورہ دیا آرزو نے اسے کوئی جواب نہیں دیا لیکن انہوں نے مناسب نہیں سمجھا کہ بچے کچھ مائنڈ نہ کریں۔

لیکن جب وہ لوگ آئے تو عظمان کے والد نے انکل کی غیر موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے شاہ زیب کو مخاطب کیا۔

"بیٹا آپ کے انکل نہیں ہیں بھئی ان کی کمی محسوس ہو رہی ہے' عظمان نے بڑی تعریف کی ہے ان کی۔" شاہ زیب نے محسن کو فون کیا اور تھوڑی ہی دیر میں بہت ہی پُرسکون اور دوستانہ ماحول میں گفتگو ہوتی رہی۔ نیم رضامندی دونوں طرف سے تھی' فائنل نہیں ہوا تھا' ان لوگوں کا یہی خیال تھا کچھ عرصہ ایک دوسرے کے بارے میں معلومات کریں گے لیکن یہ بات طے تھی کہ جمال احمد اور ان کی بیوی اس سال حج پر جانے سے پہلے یہ فرض ادا کرنا چاہتے ہیں۔

"دیکھیے انکل میرا خیال ہے کہ یہ تو بہت جلدی ہوجائے گا' ہمیں کچھ وقت چاہیے۔" انہوں نے آرزو کی طرف دیکھا۔ "کیوں مما آپ کا کیا خیال ہے؟" انہوں نے ماں کی مرضی معلوم کی۔

"جی بھائی صاحب شاہ زیب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"اچھا ہم بھی گھر جا کر مشورہ کرتے ہیں۔" عالیہ بیگم نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"بیٹا آپ بھی تو کچھ بولیں ناں......" محسن نے مزنہ سے کہا تو وہ بولی۔

"انکل اب آپ بزرگوں کے درمیان میں کیا بولوں۔" وہ الوینہ کی طرف دیکھ کر بولی۔

"اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں ان سے اندر جا کر مل لوں......" اس نے الوینہ کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے کیوں نہیں بھئی......اب ان شاءاللہ یہ آپ ہی کی ہونے والی ہیں بالکل آپ اندر جا کر خوب گپ شپ کریں۔" محسن نے شفقت سے کہا ان کا تعارف یہ کہہ کر کروایا گیا تھا کہ یہ اسد کے کزن ہیں۔

اور پھر جلد ہی الوینہ مسز عظمان بن کر گھر سے رخصت ہوئی اور مہما مسز شاہ زیب بن کر آرزو کے گھر آگئی۔ چپکے سے کچھ دن زندگی میں سے گھٹ گئے لحہ لحہ ہم موت کے قریب اور زندگی سے دور ہورہے تھے۔ کچھ دنوں سے آرزو بے حد ڈسٹرب تھی وہ جیسے جیسے دینی کتابوں کا مطالعہ کرتیں ویسے ویسے ان کے خیالات میں ان کی سوچوں میں سرد جنگ ہونے لگتی' انہیں لگتا کہ وہ محسن سے ملتی ہیں' دکھ سکھ شیئر کرتی ہیں۔ بالکل پاکیزہ اور اچھے خیالات ایک دوسرے کے بارے میں رکھتے ہیں ایک دوسرے کی تکلیف اور مسائل شیئر کرتے ہیں..... یہ سب ٹھیک نہیں ہے' ایک روز محسن آئے اور پھر انہوں نے حسب معمول وہی سوال دہرایا۔

"آرزو اب تو صرف ایک ہی بیٹا شادی کے لیے رہ گیا' بیٹی بھی رخصت ہوگئی' بہو بھی بیٹے کو لے کر الگ ہوگئی' خدانخواستہ کل کو اگر جہاں زیب کی بیوی بھی بڑی کی طرح نکلی تو..... تم تنہا رہ جاؤ گی' کیا تم زندگی گزار سکو گی تنہائی کے دن وراتیں وہ وحشتیں اور لمحات..... تم بہت زیادہ سوچ رہی ہو لوگ کیا کہیں گے؟ دنیا کیا کہے گی' بچے کیا کہیں گے؟ ارے بھئی ہم بالکل خاموشی سے شرعی طور پر نکاح کر کے میاں بیوی بن جائیں گے' میری صحت اپنی صحت دیکھو...... ہمیں اس وقت ایک دوسرے کی ضرورت ہے..... ہمارا

تعلق روحانی ہوگا...... اس وقت تم اور میں زندگی کے اس اسٹیج پر ہیں جہاں مرد، عورت، دونوں کو ایک سہارے کی ضرورت ہوتی ہے، پہلے بیٹیاں پرائی ہوتی تھیں مگر اب...... بہوئیں بھی صرف پرائی نہیں ہوتی وہ تو بیٹوں کو بھی لے کر اپنی الگ دنیا بسا لیتی ہیں۔ کچھ بولو یار...... کچھ تو بولو...... کم آن یار جو تمہارے دل میں ہے بولو اور ایک فیصلہ کردو......''

''محسن آپ مائنڈ تو نہیں کریں گے......؟'' آرزو کا لہجہ دھیما اور دکھی تھا۔

''نہیں بھئی تم کچھ بولو تو میں تمہاری باتوں کو کیوں مائنڈ کروں گا۔'' محسن بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولے۔ ان کی چھٹی حس بہت تیز تھی اور بالآخر آرزو نے کہہ دیا۔

''ہم دونوں کا یہ رابطہ، یہ نوک جھونک، شرارتی مکالمات کا تبادلہ مناسب نہیں ہے، ہم زمانے والوں کی زبانوں کو نہیں روک سکتے، آپ اطمینان سے ٹھنڈے دل سے غور تو کریں......'' آرزو نے بات مکمل کرکے سر جھکا لیا۔ چند لمحے بے آواز گزر گئے۔ نہایت ہی دھیمے لہجے میں محسن نے کہا۔

''اوکے آپ کا مطلب ہے کہ میں آپ سے نہ ملا کروں، ٹھیک دراصل مجھے یہ یقین کامل تھا کہ آپ سنجیدگی سے میرے پرپوزل پر غور کریں گی، چلیں، جیسے آپ خوش رہیں میں تو آپ کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں، آپ کی ساری پریشانیاں، سارے مسائل، سارے دکھ میں لے لوں اور آپ کو بالکل ریلیکس کردوں، اچھا اب میں چلتا ہوں۔'' تھکے تھکے قدموں سے وہ بیرونی گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔

محسن کو گئے کافی دیر ہوگئی تھی مگر آرزو اسی جگہ بیٹھی تھیں انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے ان کی زندگی میں کچھ باقی نہ رہا......

''میں نے محسن کے ساتھ یہ اچھا نہیں کیا، وہ بے حد جذباتی ہیں کہیں کوئی غلط قدم نہ اٹھالیں...... مگر...... میں نے بھی...... کچھ سوچ کر یہ فیصلہ کیا۔'' وہ دیر تک بہت ڈسٹرب رہیں پھر واش بیسن کی طرف بڑھ گئیں، ٹھنڈے پانی کے چھینٹے آنکھوں اور چہرے پر مارے جلتی آنکھوں اور سلگتے جذبوں میں کچھ کمی محسوس ہوئی، پھر انہوں نے اپنے مالک حقیقی کے حضور سربسجود ہوکر خوب گڑگڑا کر رو رو کر تڑپ تڑپ کر دعائیں مانگی، اپنے لیے محسن کے لیے بہت دیر تک ہاتھوں کے کٹوروں میں ندامت کے آنسو گراتی رہیں مگر کب تک جب تک سانس کی ڈوری روح سے جڑی ہے تب تک، گھر گرہستی کھانا پینا، سونا، جاگنا قدرت اور فطرت کے اصولوں کو نبھانا ہے، آج چار دن ہوگئے تھے دونوں میں سے نہ فون کیا نہ میسج...... آرزو بہت ڈسٹرب تھی بار بار آنکھوں کے کنارے بھیگ رہے تھے فضا، دھندلا سی گئی تھی ہر چیز سے اداسی جھلک رہی تھی۔ آرزو نہ چاہتے ہوئے بھی منتظر تھیں کہ شاید اب محسن کا میسج آیا ہوگا کہ شاید اب آیا ہوگا، مگر ہر بار ناکامی ہو رہی تھی۔

سونے سے قبل ایک بار پھر موبائل چیک کر رہی ہیں کہ شاید گڈ نائٹ کا میسج کیا ہو؟ صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے ان کا گڈ مارننگ چیک کرتیں عجیب احمقانہ سوچ تھی مگر یہ کیا چوتھے ہی روز لمبا چوڑا میسج آیا کہ ملوں گا نہیں، مگر پلیز صرف میسج پر رابطہ رکھو، کال بھی نہیں کروں گا، مگر پلیز اس سلسلے کو منقطع نہ کرو...... اور آرزو آنکھوں سے بہتے آنسو صاف کرتے ہوئے مسکرائی چلو...... کچھ دن یہ بھی برداشت کرلیتے ہیں، جب خود کے ذہن میں کوئی بات آئے گی تو خود ہی مناسب سمجھ کر فیصلہ کرلیں گے...... سچ پوچھو تو...... میری حالت بھی ان سے مختلف نہ تھی، مگر کچھ روز اور گزر جاتے تو شاید اس کیفیت میں کمی آجاتی۔

♥......○......♥

آج کل الوینہ میکے آئی ہوئی تھی ڈلیوری کے سلسلے میں، آرزو یوں کچھ دنوں کے لیے مصروف ہوگئیں، الوینہ نے آرزو سے محسن کے بارے میں معلوم کیا۔

''مما انکل کیسے ہیں، کتنے دنوں سے نہیں آئے خیر تو ہے؟''

''ہاں ٹھیک ہیں۔'' مختصر سا جواب دے کر وہ کمرے سے نکل گئیں۔ دو تین دن اور گزر گئے۔

''مما آپ نے انکل کو بتایا نہیں کہ میں یہاں آئی ہوئی ہوں؟''

''نہیں...... بس کام میں بھول گئی۔'' انہوں نے بیٹی کا اشتیاق دیکھ کر اسے مطمئن کرنا چاہا، دوسرے روز الوینہ نے محسن کو فون کیا اور گلہ کیا کہ آپ اتنے دنوں سے کیوں نہیں آئے؟ محسن نے شفیق لہجے میں اسے اپنی مصروفیت اور صحت کے بارے میں تفصیل بتائی جسے سن کر الوینہ ڈسٹرب ہوگئی۔

"مما..... آپ نے مجھے بتایا تک نہیں کہ انکل اتنے بیمار ہیں ان کو ہارٹ پرابلم ہے ڈاکٹر آپریشن کا مشورہ دے رہے ہیں اور وہ صرف اس لیے نہیں کروا رہے کہ ان کی دیکھ بھال کون کرے گا' کچھ دنوں کے لیے منیر بابا کو ان کے ہاں بھیج دیجیے ناں...... ایسے میں ہم کام نہیں آئیں گے تو کون آئے گا؟ مما انہوں نے ہر قدم پر ہماری مدد کی' میری شادی میں ان ہی کا ہاتھ تھا جو عظمان سے ہوئی ورنہ بڑے بھیا آپ کو اور مجھے کچھ بولنے ہی نہیں دیتے اور مجھے عظمان بھی نہیں ملتے۔ مما ان کے بڑے احسانات ہیں ہم پر۔ کیا آپ نے انہیں گھر آنے سے منع کیا ہے؟" الوینہ بچی تو تھی نہیں کہ کچھ نہ سمجھتی' آرزو نے کوئی صفائی پیش نہیں کی...... الوینہ بھی میاں کے آنے پر چپ ہوگئی۔ اب آرزو کیا صفائی پیش کرتیں یہی کہ وہ تمہارے انکل جنون کی حد تک تمہاری مما کو پسند کرتے ہیں' وہ نکاح کرنا چاہتے ہیں' میں کہیں ڈگمگا نہ جاؤں کہیں جذبات میں آ کر فیصلہ ان کے حق میں نہ دے دوں' اور پھر سب سے بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ دنیا والوں سے لمبی زبان والوں سے غلط سوچنے والوں سے ڈرتی تھیں' اس وجہ سے میں نے بھی بڑی مشکل سے دل پر پتھر رکھ کر یہ فیصلہ مناسب سمجھا۔

شام سے الوینہ کی طبیعت خراب ہو رہی تھی۔ انہوں نے ساری تیاری مکمل کرلی تھی کہ رات کے کسی پہر بھی الوینہ کو ہاسپٹلائز کرنا پڑے گا۔ دوسرے روز الوینہ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا سب سے پاکیزہ شفیق اور عظیم رشتہ عطا کیا' اب وہ بھی صاحب اولاد ہوگئی تھی سب کی خوشی کی انتہا نہیں تھی آرزو نے مٹھائی منگوائی' ہاسپٹل میں تقسیم کی...... رات گئے تک عزیز رشتہ دار آتے رہے جو کسی مجبوری میں نہ آسکے ان کی کالز آتی رہیں' اس طرح دو تین دن گزر گئے۔ شاہ زیب گھر سے کیا الگ ہوئے اس گھر سے لاتعلق سے ہوگئے' مدتوں میں ایک آدھ بار اکیلے ملنے آجاتے تین بچے تھے مگر دادی' پھوپی اور چچا ان سے بہت دور تھے۔

الوینہ نے محسن انکل کو فون کیا' انہوں نے فوراً رسپانس دیا' ان کے لہجے سے بلا کی شفقت اور خوشی محسوس کر کے الوینہ نے انہیں گھر آنے کی دعوت بھی دی۔ الوینہ کی چھٹی ہوئی وہ گھر پہنچی تو گھر پر آنے والوں میں سب سے پہلے محسن آئے' بڑی دیر تک الوینہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر دعائیں دیتے رہے' بچے کو گود میں لے کر پیار کیا' دعائیں پڑھ کر دم کیں آرزو ایک بار کمرے میں آ کر ملیں پھر کچن میں چلی گئیں' کچھ دیر بیٹھ کر محسن جانے لگے تو آرزو نے کھانے پر روک لیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر آرزو نے کافی پیش کی۔

آرزو اور محسن کافی پی رہے تھے ایک دو بار دونوں کی نظریں ملیں دونوں کے لب خاموش تھے مگر آنکھوں کی داستان دونوں سنا رہے تھے اور سمجھ بھی رہے تھے۔ آخر خاموشی ایک بار پھر محسن ہی نے توڑی۔

"آرزو کیسی ہو' کمزور لگ رہی ہو' کیا طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟"

"جی میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اچھا تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں......" چند لمحے خاموشی کی نذر ہوگئے۔ "میں آج تم سے ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں..... شاید آخری بار۔" ان کے لہجے کا شکستہ رنگ صاف نمایاں تھا۔ "تمہیں شاید کیا بلکہ یقیناً اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ میں تم کو تقریباً پندرہ سال سے پسند کرتا ہوں' اتنا زیادہ اتنی شدت سے کہ تم اسے میرا جنون کہہ سکتی ہو مگر نکاح کا ارادہ چند سال پہلے تمہارے سامنے رکھا' اب بتاؤ اب تو ماشاء اللہ الوینہ بھی ماں بن گئی ہے' تمہارا ایک عذر تو ختم ہوا...... بیٹے بھی اپنی زندگی میں مگن ہیں۔" ان کی اس بات پر آرزو نے بے چینی سے پہلو بدلا اور بولی۔

"محسن پلیز ایسا تو نہ سوچیں' میرے لیے۔" ان کے لہجے میں گلہ تھا۔

"بس اتنا کہہ دو...... ہاں یا نا بس......" وہ غور سے آرزو کو دیکھ رہے تھے آرزو نے نفی میں گردن ہلائی۔

"تو پھر سنیے آپ کے اس جواب کے بعد مجھے بھی کچھ کہنا ہے۔"

"جی کہیے......" آرزو سمجھیں کہ وہ بہت ناراض ہوں گے مگر انہوں نے نہایت ہی آہستگی سے کہا۔

"جب آپ نے مجھے منع کیا تھا تو میں نے یہ سمجھا تھا کہ شاید میں جی نہ پاؤں گا' مگر دیکھو آپ کے سامنے موجود ہوں' کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا...... میں سمجھا تھا کہ آپ کو ایک روز ضرور قائل کرلوں گا مگر یہ میری بھول تھی۔ میں ایک پاکیزہ روحانی رشتہ قائم کرنا چاہ رہا تھا بے لوث' بے غرض'

بغیر کسی لالچ کے صرف زندگی کے آخری لمحات میں آپ کا ساتھ چاہتا تھا ایک طویل بڑا ہی کٹھن راستہ طے کیا...... یہ میری بدنصیبی سمجھیں میں اتنے طویل انتظار کے بعد ہار ہوں......اب آپ کو میری بھی ایک شرط ماننی ہوگی کہ اب نہ کوئی میسج......نہ بالمشافہ ملاقات ہوگی...... آپ نے سچ کہا تھا جس دن سے آپ نے مجھے رابطہ توڑنے کے لیے کہا تھا میں نے اس روز سے دینی کتابوں کا باقاعدگی سے مطالعہ کرنا شروع کردیا تھا میں نے بہت سارا مواد جمع کیا...... آپ کی بات بالکل صحیح تھی میرا اور آپ کا کیا رشتہ ہے؟ کس لیے ہم ملتے ہیں باتیں کرتے ہیں؟ ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے ہیں؟ ایک دوسرے کا خیال رکھتے فکر کرتے ہیں؟ یہ بالکل بھی مناسب نہیں ہے؟ اسی کو میں مناسب کرنا چاہتا تھا؟ شرعی قانونی میاں بیوی بن جاتے تو......مگر...... آپ نے جو مناسب سمجھا وہی فیصلہ کیا لہٰذا......'' وہ تیزی سے اٹھے اور کمرے سے نکل گئے۔

''آرزو تم آخری بار مجھے اللہ حافظ نہ کہہ سکیں مجھے پتہ ہے تم رو رہی تھیں' آنکھیں نیچے اور چہرہ جھکا ہوا تھا' تم نادم تھیں' بے بس تھیں' کیونکہ تمہیں اپنی نہیں زمانے کی فکر تھی' لوگوں کا ڈر تھا' معاشرے کی اٹھتی انگلیوں کا خیال تھا' میرا اور اپنا خیال نہ تھا' میری اور اپنی فکر نہیں تھی میرے اور اپنے جذبات کا احساس نہیں تھا' آج تم اتنی شدت سے یاد آ رہی ہو۔'' رات گزرتی جارہی تھی محسن کروٹیں بدل رہے تھے' بہت بے چین ہورہے تھے۔ آرزو کو جو کہنا تھا کہہ دیا اسے بالکل بھی خبر نہ ہوئی کہ اس نے اپنے لفظوں کے تیروں سے باپ کا سینہ چھلنی کردیا' دل ٹکڑے ٹکڑے کردیا' دبی ہوئی محبت کی راکھ میں جو چنگاریاں دبی تھیں پھر سے بھڑک اٹھیں اب تو بلندی تک جلتا ہوا الاؤ بھڑک اٹھا' ان کے دل میں ہلکا سا درد اٹھا صبح تک ان کی طبیعت بہت بگڑ گئی' شہیم آفس جاچکا تھا' گھر میں رکھی میڈیسن استعمال کی ان کو پتہ تھا کب کیا کھانا ہے' طبیعت زیادہ بگڑے تو زبان کے نیچے ٹیبلٹ رکھ لیتے' خود ہی اپنا علاج کرلیتے' کیا کرتے اکیلے تھے سوائے اللہ کے ان کا اپنا کوئی نہ تھا۔ بہت حد تک انہوں نے خود پر قابو پالیا تھا' انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ اب آرزو کہاں ہے' نہ وہ کبھی ہاسپٹل گئے نہ گھر' پھر رابطہ ختم کیے ایک لمبا وقت گزر گیا تھا مگر آج...... آج شہیم نے محسن علی رضا کو ماضی میں پھینک دیا تھا' ان کے وجود پر ہی نہیں بلکہ دل ودماغ......احساسات وجذبات امیدوں کو جگا دیا تھا۔

♥......○......♥

شہیم نے آج اس طرح آرزو کے لیے نفرت کا اظہار کیا جس پر محسن کو شدید اذیت اور ذہنی ٹینشن ہوئی تھی بڑی مشکلوں سے اللہ سے تڑپ تڑپ کر یہ دعائیں مانگی تھیں کہ وہ انہیں صبر اور برداشت دے حوصلہ دے' کہ وہ آرزو کو بھولنے کی کوشش میں کامیاب ہوجائیں بہت ہی مشکل سے خود کو نارمل کیا تھا۔ آرزو کو بھولے تو نہیں تھے لیکن کسی حد تک اپنے ذہن اور دل کو سمجھا لیا تھا' مگر......مگر آج......شہیم نے پھر انہیں بے چین کردیا...... ماضی کا ہر لمحہ ان کے ذہن کی اسکرین پر ایک فلم کی طرح چل رہا تھا......آرزو نے میری پیشکش کیوں قبول نہیں کی؟ کیوں اتنا عرصہ مجھے آس اور امید میں رکھا؟ مگر نہیں ایک بار آرزو نے وعدہ بھی کیا تھا دبے لفظوں میں کھل کر نہ کہہ سکی تھی۔ پگلی...... بزدل...... اب تو با آسانی ہاں کرسکتی ہے ہم چھپ کر نکاح کرسکتے ہیں ضروری تو نہیں کہ ہم ساری دنیا کے سامنے باقاعدہ اعلان کریں۔

''آرزو تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا...... مجھے یقین ہے کہ تم بھی ریلیکس نہیں ہوگی' میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں' ایک روز تم بھی میری طرح ٹوٹ کر بکھرو گی تم نے خود پر جھوٹا خول چڑھا رکھا ہے تم دوسروں کو نہیں خود کو دھوکہ دے رہی ہو فریب دے رہی ہو......نکل آؤ اپنے بناوٹی خول سے زندگی کو کٹھن نہیں سہل بناؤ۔ میں اب مزید اور ٹینشن اور دکھ نہیں سہہ سکتا...... بڑی محنت' جدوجہد اور تگ ودو کی ہے زندگی کے اس سفر کو جاری رکھنے کے لیے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا اور آج...... ایسے مقام پر کھڑا ہوں جہاں چہار سو میرے لیے مشکلیں اور مخالفتیں ہیں' میرا اپنا کوئی بھی نہیں ہے' آرزو میں نے تمہیں دیکھا' پرکھا' جانا اور اپنی امیدوں اور سوچوں سے بڑھ کر پایا تب...... میں نے خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھا مگر یہ خوشی تو اتنے مختصر عرصے کے لیے میری سہیلی بنی تھی' میری زندگی کے دیے کو توانائی ملی تھی' میری روح کی سرشاری بہت قلیل عرصے کے لیے تھی' جیون کی اس شب تاریک کو ختم کردو...... میری تمنا' میری آرزو...... میری خواہش میری

امید کو پورا کردو...... آرزو میں زندگی کے اس ادھورے پن کو ختم کرنا چاہتا ہوں تم...... اپنی انا کے خول سے باہر نکل آؤ...... مجھے سمیٹ لو...... آرزو...... میں بکھر گیا ہوں......''
سوچتے سوچتے محسن کی حالت بگڑ گئی، شہیم تو جاچکا تھا بیرونی گیٹ کھلا تھا۔

محسن کے دفتر کے دوست پرویز کسی کام سے ادھر آئے تو انہوں نے سوچا کہ چلتے چلتے محسن سے ملتا جاؤں گھر پر ہوں گے تو ساتھ اکھٹے ہی دفتر چلے جائیں گے، جیسے ہی انہوں نے بیل بجائی، محسن ہوش میں آئے، بڑی مشکل سے انہوں نے کہا کہ جو بھی ہے اندر آجاؤ...... اور تھوڑی ہی دیر میں پرویز پڑوس کے لڑکے کی مدد سے محسن کو ہاسپٹل لے کر پہنچے۔ چند گھنٹوں میں محسن کے دل کی بغاوت پر ڈاکٹرز نے قابو پالیا تھا۔ شہیم شام کو گھر آیا تو پڑوس کی آنٹی نے ساری تفصیل سنائی۔

شہیم نے فوراً ہاسپٹل جانا مناسب نہیں سمجھا، رات دیر سے وہ باپ کی عیادت کی غرض سے ہاسپٹل پہنچا...... محسن کی طبیعت کافی حد تک بہتر ہوچکی تھی، وجہ تھی آرزو، وہ شام کو بڑی شدت سے یاد کررہے تھے، کاش آرزو میری زندگی میں ہوتی تو میں اس وقت تنہا نہیں ہوتا وہ حسرت سے آنے والے لوگوں کو دیکھ رہے تھے کیسے مائیں بیویاں سب آرہی ہیں اور...... میں......

آجا کہ ابھی ضبط کا موسم نہیں گزرا
آجا کہ پہاڑوں پہ ابھی برف جمی ہے
خوشبو کے جزیروں سے ستاروں کی حدوں تک
اس شہر میں سب کچھ ہے بس اک تیری کمی ہے

ابھی قطعہ ختم ہی ہوا تھا محسن کی نظریں وارڈ کے دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھے واہ مولا تیرا کرم ہے ان کے چہرے پر تازگی سی آگئی وہ آنکھوں میں ڈھیر سارا پیار لیے آرزو پر فدا ہورہے تھے آرزو ہمیشہ کی طرح لاکھ برداشت کے باوجود خود پر قابو نہ پاسکی دو موٹے موٹے آنسو گالوں پر بہہ نکلے۔

''دو پگلی...... کیا ہوا بھئی، بالکل ٹھیک ہوں، تمہارا محسن اتنا کمزور اور بزدل نہیں ہے کٹھن سے کٹھن حالات کا مقابلہ ڈٹ کر کرتا ہے...... ارے کیا تم اکیلی آئی ہو؟'' جیسے انہیں اچانک یاد آیا۔

''نہیں جہاں زیب کے ساتھ بائیک پر آئی ہوں۔''

''اچھا تو پھر ہمارا بیٹا کہاں ہے؟''

''وہ آپ کے لیے فروٹ لے رہا تھا، میں تیزی سے......'' وہ کہتے کہتے رکیں۔

''کیوں بھئی تیزی سے کیوں آرہی تھیں، آپ آہستہ آہستہ بھی آسکتی تھیں۔'' ان کے شریر لہجے اور انداز پر وہ بے ساختہ ہنس دیں۔

''جیو ہزاروں برس میں تمہیں ہمیشہ ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتا ہوں اسی طرح ہنستی رہا کرو بہت اچھی لگتی ہو۔''

''اچھا یہ بتائیں اب آپ کس رشتے سے اس قسم کی باتیں کررہے ہیں...... کیا رشتہ ہے آپ کا اور میرا؟'' محسن حسب عادت قہقہہ مار کر بولے۔

''بہت ہی عقل مند ہوگئی ہو ہماری ہی بات ہم پر دے ماری، سچی ایک بات بتاؤ تمہیں میں نے کہنے کو تو کہہ دیا مگر میں بھی زیادہ عرصے تک خود پر قابو نہیں رکھ سکا...... اور مجھے پورا پورا یقین ہے یہ عرصہ تم نے بھی بہت اذیت میں گزارا ہوگا۔''

''جہاں زیب آگئے بیٹا، کیسے ہیں آپ۔'' محسن نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

''انکل جی، بالکل فرسٹ کلاس۔'' جہاں زیب فروٹ ٹرالی پر رکھ کر محسن کے سامنے بینچ پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''ارے بھئی اب آپ ہمارے بیٹے کی دلہنیا لے آئیں۔'' انہوں نے آرزو سے کہا تو جہانزیب ہنس پڑے۔

''نہیں انکل میں ایسے ہی ٹھیک ہوں، آنے والی اگر بھابی کی طرح ہوئی تو میری مما بالکل اکیلی ہوجائیں گی اور میں مما کو کبھی اکیلا نہیں ہونے دوں گا۔'' اس نے آرزو کے گلے میں ہاتھ ڈال کر ان کے گال سے اپنا گال ملالیا تو محسن نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دے ڈالیں۔

اچھا ہوا کہ ادھر آرزو اور جہانزیب ہاسپٹل سے باہر نکلے ادھر شہیم وہاں پہنچا اگر وہ آرزو کو بیٹھا دیکھتا تو آپے سے باہر ہوجاتا بہت ممکن ہے کہ ان کے ساتھ بدتمیزی کرتا...... محسن نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔

♥......○......♥

آج ایک مدت بعد وہ اپنی میز پر بیٹھی تھیں دسمبر کی

آخری تاریخیں تھیں، ہوا میں خنکی بہت تھی اپنے گرد اچھی طرح سے شال لپیٹے وہ نجانے کیا کچھ صفحہ قرطاس پر بکھیر رہی تھیں۔

دسمبر کے مہینے میں
اترتی شام سے پہلے
میری یخ بستہ آنکھوں میں
خموشی رقص کرتی ہے
تو تیری یاد کی پائل
یوں میرے کان میں آ کر
تسلسل چھنچھاتی ہے
تو پھر یکدم خموشی کا
تسلسل ٹوٹ جاتا ہے
تو ایسے میں کوئی کوئل
بڑے ہی کرب سے کوکے
تو یوں محسوس ہوتا ہے
کہ جیسے بے سبب کوئی
کسی کو یاد کرتا ہے!

تھوڑی دیر کے لیے آرزو نے آنکھیں موند کر کرسی کی پشت پر سر ٹکایا۔ دل و دماغ میں عجیب قسم کی جنگ چل رہی تھی خود ہی سوال کرتی خود ہی جواب دیتیں، کبھی دل بغاوت پر اتر آتا تو دماغ الجھ پڑتا، سوچوں کے اس تار عنکبوت میں وہ بے بس مکڑی کی طرح بھٹک رہی تھیں۔

ان دنوں الوینہ کچھ دنوں کے لیے آئی ہوئی تھی اس نے غور کیا کہ مما کچھ زیادہ ڈسٹرب ہیں جب سے انکل ہاسپٹلائز ہوئے ہیں مما ہر وقت کچھ سوچتی نظر آتی ہیں۔

♥......○......♥

آرزو ہاسپٹل میں بھی بہت ڈسٹرب تھیں، فارغ وقت میں انہوں نے سعد سے محسن کا کیس ڈسکس کیا تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ انہیں ابھی کچھ دن ہاسپٹلائز رہنا چاہیے مناسب دیکھ بھال اور مکمل آرام تو ملے گا...... کافی دیر تک اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ گفتگو ختم ہوئی تو سعد نے آرزو کو مخاطب کیا۔

''ڈاکٹر آرزو...... میں جس دن سے یہاں آیا ہوں اسٹاف میں سب سے اچھی آپ لگتی ہیں، دراصل میری آپا بھی ڈاکٹر ہیں اور آج کل لندن میں ہوتی ہیں، آپ کی اور ان کی شخصیت میں بہت مشابہت ہے اور جب بھی میں آپ سے ملتا ہوں بات کرتا ہوں مجھے لگتا ہے کہ اپنی آپا سے بات کر رہا ہوں......'' آرزو نے مسکرا کر سر ہلایا۔

''تو تم مجھے آپا ہی سمجھو جب بھی کوئی مسئلہ ہو کوئی ضرورت ہو بلا جھجک مجھ سے ڈسکس کر سکتے ہو۔'' مسکراتی ہوئی آرزو نے شفقت سے سعد کا کندھا تھپتھپایا۔

''موسٹ ویلکم آپا۔'' سعد نے ان کے آگے خم ہوتے ہوئے کہا تو اس کی شرارت پر آرزو ہنس پڑیں۔

سعد کے دل و دماغ میں عجیب سی جنگ ہو رہی تھی اور آنکھوں میں آرزو کا افسردہ پریشان پریشان سا وجود...... اب اتنا چھوٹا اور ناسمجھ تو تھا نہیں کہ محسن اور آرزو میں پاکیزہ سے رابطہ کو نہ سمجھتا...... دونوں ایک دوسرے کو لائیک کرتے ہیں، جوان اور بوڑھی محبتوں میں فرق تو ضرور ہوتا ہے شوخ، شریر و چنچل لاابالی حرکتیں جوان کرتے ہیں نادانیاں کرتے ہیں، حالات اور مسائل کے سامنے پریشان ہو جاتے ہیں، جلدی ہارنے لگتے ہیں اپنی انتہا کو پہنچی سرشاری کو ناکام ہوتا دیکھ کر بزرگوں کے سامنے ڈٹ جاتے ہیں، اپنی منوانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں، واویلا کرتے ہیں، شور مچاتے ہیں، مگر...... اس کے برعکس پاکیزہ پُرخلوص خاموش محبت کرنے والے اس اتیج کے پریمی، کتنے مجبور و بے بس ہوتے ہیں وہ بزرگوں کے آگے اپنی محبت کا اظہار تک نہیں کرتے تو اصرار یا ضد کیا کریں گے انہیں تو چھوٹوں سے زیادہ ڈر لگتا ہے کہ وہ...... اپنے چھوٹوں کے سامنے...... ایسی کوئی بات بھی کریں گے تو ان کی عزت گر جائے گی۔

محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو عمر، رنگ، نسل، اونچ نیچ، امیر غریب نہیں دیکھتی، بس ہو جاتی ہے فرق تو صرف یہ ہے کہ ایک میچور ہے دوسری نہیں ہے جوانی کی محبت میں جلد بازی ہوتی ہے وہ لمحوں میں فیصلہ چاہتی ہے، جھٹ پٹ کی قائل ہے جلد ہی ناامید بھی ہو جاتی ہے، یہی جذبے انہیں اکثر ناکام بنا دیتے ہیں۔ میں کل آپا سے تفصیلی بات کروں گا، آپا سے کروں یا محسن صاحب سے...... وہ سوچتے رہ گئے۔

حسن اتفاق دیکھیں کہ اگلے روز سعد کی شاپنگ سینٹر میں محسن سے ملاقات ہوگئی، انہوں نے موقع غنیمت جانا دعا سلام کے بعد انہوں نے چائے کی آفر کی اور دونوں

ریسٹورنٹ میں بیٹھ گئے تھے۔ سعد ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اصل موضوع کی طرف آئے۔
"ویسے محسن صاحب مجھے یہ حق تو نہیں ہے کہ میں آپ سے پرسنل سوالات کروں' لیکن نجانے کیوں آپ کی شخصیت مجھے بہت اچھی لگتی ہے اور خاص طور پر آپ کا بیٹا کہنا' آپ مجھے ڈاکٹر صاحب نہیں کہتے مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے۔" سعد کے چہرے سے بھی اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ واقعی بہت خوش تھے۔"
"جیتے رہو ایک سگا بیٹا ہے اس نے کبھی ایسا کوئی اظہار نہیں کیا کہ اسے بھی میرا ایسا کہنا اچھا لگتا ہے۔" انہوں نے کچھ اس طرح سے ٹھنڈی سانس لے کر کہا کہ سعد تڑپ اٹھے۔
"محسن صاحب آپ دکھی نہ ہوں ہوسکتا ہے کہ وہ جس گیدرنگ میں رہتا ہو وہ اس قسم کے ہوں...... ورنہ آپ کا بیٹا کبھی ایسا نہیں ہوسکتا ان شاء اللہ ایک روز وہ بھی آپ کی محبت اور پیار کا قائل ہوجائے گا۔" سعد رکے تو محسن نے کہا۔
"ماشاء اللہ آپ بہت سمجھدار اور اچھے انسان ہیں اور ہاں بھئی مجھے انکل کہا کرو تم مجھ سے چھوٹے ہو۔" محسن نے مسکرا کر کہا تو سعد نے ان کا شکریہ ادا کیا۔
"تھینک یو انکل۔"
"ویلکم ینگ مین......" دونوں مسکرا رہے تھے تب ہی سعد نے موقع جان کر محسن کو مخاطب کیا۔
"ایک بار پھر میں یہی کہوں گا کہ مجھے شاید آپ سے ایسی باتیں نہیں کرنا چاہیے' اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔" انہوں نے شگفتت سے کہا۔
"ہاں بولو۔"
"انکل آپ کسی اچھی سی خاتون سے شادی کیوں نہیں کرلیتے؟" وہ ہنس پڑے بڑی ہی دردناک ہنسی تھی۔
"بیٹا جی اس عمر میں کون شادی کرے گا مجھ سے۔"
"ارے واہ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ...... دو تین کیس ایسے میں نے دیکھے ہیں۔"
"اچھا......!" محسن نے اچھا کو طول دے کر کہا۔
"ارے بھئی میں آپ کو ان لوگوں سے ملواؤں گا۔" اس کے لہجے میں یقین تھا۔ "آپ کی نظروں میں ایسی کوئی اچھی سی خاتون نہیں ہیں آپ جاب بھی کرتے ہیں ماشاء اللہ ابھی بھی اسمارٹ اور گریس فل ہیں کوئی گریس فل خاتون ڈھونڈوں آپ کے لیے۔" وہ مسکراتے ہوئے محسن کی طرف دیکھنے لگے۔
"ارے جان عزیز آپ ڈھونڈیں گے ایک ہی تو تھی ہمارا انتخاب ہم نے پسند کرلی تھی اور پسند کیے ہوئے طویل عرصہ گزر گیا جب موقع دیکھ کر اظہار کیا تو اب خاتون کا نیکٹو جواب جذبات کو کچل گیا ہم اس کے بغیر کسی اور کو اپنانے کا ارادہ تو دور سوچنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے...... بیٹا جی آپ کیا سوچ رہے ہیں؟" سعد کو خاموش بیٹھا دیکھ کر محسن نے قہقہہ لگا کر اسے چونکایا۔ سعد نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ محسن نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکتے ہوئے کہا۔
"میں بتاؤں تم کیا سوچ رہے ہو؟ یہی نا کہ یار انکل کو دیکھو اس عمر میں عشق کرنے چلے' وہ شیریں فرہاد' لیلیٰ مجنوں جیسے یادگار پریمی گزرے ہیں ان پر بھی بازی لے گئے...... یہی ناں۔" اور پھر محسن نے اپنی زندگی کی داستان سعد کو سنا ڈالی اب تو سعد نے مکمل فیصلہ کرلیا کہ انہیں کچھ بھی کرنا پڑے وہ کریں گے۔ انہوں نے کھڑے ہوتے ہوئے سعد کا بازو تھپتھپایا......
"اب میں چلتا ہوں۔"
"جی انکل' میں بھی گھر جا رہا ہوں۔" دونوں ریسٹورنٹ سے باہر نکلے اور اپنی اپنی سمت چل پڑے۔
سعد سارا راستہ آرزو اور محسن کے بارے میں سوچتے رہے۔ ایسا میں نے پہلی بار دیکھا ہے۔ یہ شدت' چاہت' یہ والہانہ پن اور یہ بے بسی اور ناامیدی مجھے سب کچھ بہت اچھا لگا لیکن انکل کی بے بسی پر بہت پیار آیا ایسی میچور محبتیں بھی کامیاب ہونی چاہئیں' انکل اور آپا کی اس محبت میں کوئی غرض کوئی لالچ نہیں ہے ہاں وجہ ضرور سمجھ میں آتی ہے کہ دونوں نے ایک نامکمل اور ادھوری لائف گزاری ایک دوسرے کے ساتھ رہے تو مگر ایک ادھورے پن کے ساتھ بے شک سمجھوتا تو کرلیا تھا مگر روح کی تشنگی برقرار رہی مجھے آپا کی زندگی اور ماضی کے بارے میں تھوڑا بہت علم تو ہوگیا ہے وہ بھی وقت اور حالات کو فیس کرنے کا ہنر رکھتی ہیں اور انکل

نے بھی بہت کچھ سہہ کر ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر..... مگر اب تو بہت ہی کمزور اور بے بس نظر آ رہے ہیں اس کے برعکس آپا اپنی چھوٹی سی فیملی میں کس حد تک مصروف تو ہوتی ہیں انکل کے پاس تو جاب کے بعد وہی ماضی وہی حال وہی مستقبل کا خیال..... وہی سوچیں زندگی کے نشیب و فراز عبور کرتے کرتے تھک گئے۔ ایک ایک کر کے اپنے ساتھ چھوڑتے رہے تنہا کرتے رہے ایک اپنا سگا بیٹا جسے باپ کا سہارا بننا چاہیے تھا۔ ان کا اکیلا پن ان کی تنہائی کو محسوس کرتا تھا مگر وہ تو باپ سے ایسا بدظن ہوا کہ انہیں ہرٹ کرتا اور اگر مخاطب کرتا تو کوئی فرمائش یا پھر آرزو کی توہین..... کتنا بدنصیب تھا جو باپ کو دکھی کرتا باپ کی بددعا لیتا ہی..... اللہ اسے نیک ہدایت دے۔

''آپا اس ٹوٹے بکھرے بدنصیب انسان کو اپنالیں اس شخص کو سمیٹ لیں اس کو مزید ٹوٹنے سے روک لیں..... یہ نامکمل ہے۔ نجانے کیسے یہ جی رہا ہے صبح سے رات تک مصروف رہتا ہے اپنے اور بیٹے کے اخراجات پورے کرتا ہے اور جب اس معاشی بھاگ دوڑ سے بہت زیادہ تھک جاتا ہے مزید ہمت اور طاقت ساتھ نہیں دیتی تو پھر چند دنوں کے لیے ہاسپٹلائز ہو جاتا ہے ڈاکٹرز دل کے آپریشن کا مشورہ دیتے ہیں تو وہ نہیں کرواتے کیونکہ دیکھ بھال اور تیمارداری کرنے والا کوئی نہیں ہے یہ بہت بڑی نیکی ہوگی بہت ثواب ملے گا آپا آپ کو..... اس وقت انکل کا ہاتھ تھام لیں..... آپا..... آپ کی اس مسلسل خاموشی کا میں کیا مطلب اخذ کروں.....'' سعد اتنی دیر سے خاموش بیٹھی آرزو سے پوچھ رہا تھا۔

''سعد میرے پیارے بھائی تم نادان ہو تم نہیں سمجھ رہے ہو کہ اس معاشرے میں عورت کا کیا مقام ہے اگر میں یہ کام کرتی ہوں تو کتنی انگلیاں اور آوازیں میرا تعاقب کریں گی چاروں طرف سے ہنسی کی آوازیں اور قہقہے گونجیں گے پگلے ایک عمر میں یہ چیزیں اچھی لگتی ہیں اس عمر میں نہیں.....'' آرزو نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ سعد نے کہا۔

''کیا یہ ضروری ہے کہ باقاعدہ اعلان کر کے یہ کام کریں گی؟''

''مگر بھائی..... کب تک کبھی تو یہ بھید کھلے گا.....'' سیل فون پر کال آتے دیکھ کر انہوں نے عجلت میں کہا۔

''آپا میں پھر آپ سے بات کروں گا۔'' اور کمرے سے نکل گئے۔

♥......○......♥
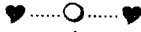
''مما میں نے آپ سے ذکر کیا تھا ناں.....'' جہاں زیب پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے بولے۔

''ہوں.....'' آرزو نے انہیں دیکھے بغیر کہا۔ ''کس بات کا؟'' چند لمحوں بعد آرزو نے پوچھا۔

''وہی زرلشف کا.....''

''ہاں یاد آیا.....'' آرزو بیٹے کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔

''جی مما دراصل اس نے کہا ہے کہ اس کے ایک دو پرپوزل آئے ہیں کہیں کوئی مسئلہ نہ ہو جائے..... میں اسے ایک بار آپ سے ملانا چاہتا ہوں اگر آپ کہیں تو آج ہاسپٹل لے آؤں؟''

''ہاں ٹھیک ہے۔'' وہ مسکرائیں۔

''جئیں میری مما ہزاروں سال.....'' انہوں نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر ان کا ماتھا چوم لیا۔

''بس زیادہ مکھن لگانے کی ضرورت نہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مما مگر میری مما کی خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ تو بغیر خوشامد کے ہی ہاں کر دیں گی کیونکہ وہ ہے ہی ایسی.....'' وہ ہنسے۔

♥......○......♥

تجھے دیکھوں تو جی اٹھتا ہوں
تجھے چھولوں تو مہک اٹھتا ہوں
تجھ سے بولوں تو چہک اٹھتا ہوں
تیرا دیدار ہے زندگی میری
تیری یادیں ہیں عبادت میری
میرے خیالوں کو بخشی ہے تو نے ضیاء
میرے ارادوں کی طاقت ہے تو
میری تمنا میری محبت ہے تو
میں ہوں دل تیرا تو دھڑکن میری
میں ہوں خواب تیرا تو تعبیر میری
(تخلیق..... مسز نگہت غفار)

آج صبح سے محسن بار بار غزل گنگنا رہے تھے۔ وہ جب بہت زیادہ اداس اور غمگین ہوتے تو پرانی غزلیات اور المیہ

شاعری میں کھو جاتے‘ کبھی اشعار کبھی قطعہ کبھی کوئی غزل گنگناتے تو آواز بہت اچھی تھی کالج کے زمانے میں‘ اکثر اول انعام حاصل کرتے تھے۔ دوستوں میں بیٹھتے تو فرمائشی پروگرام ہوتے‘ ہر ایک کی فرمائش پوری کرتے تھے ایک دو دفعہ آرزو کو بھی اپنی پسندیدہ غزل سنائی۔

زندگی میں تو سبھی پیار کیا کرتے ہیں
میں تو مر کر بھی میری جان تجھے چاہوں گا

آج آرزو نے یہ غزل سنی تو شدت سے محسن یاد آ گئے۔

میں جب اس شخص کی التجا کو قبول نہیں کر رہی تو پھر ان کی یاد کیوں آتی ہے؟ کیوں میں ان سے منسلک ایک ایک بات کو یاد کرتی ہوں‘ جب دونوں نے ایک دوسرے سے لاتعلق رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے تو پھر یہ دیوانگی‘ یہ پاگل پن‘ یہ بیقراری یہ یادیں‘ یہ باتیں کیوں تنگ کرتی ہیں‘ کیوں نہیں بھولتے ہم دونوں ایک دوسرے کو وہ بڑی بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھیں۔

♥......○......♥

”مما آج محسن انکل ملے تھے میں نے ساری تقریبات کی دعوت دے دی انہیں۔“ الوینہ نے پنکی کی نیپکن چینج کرتے ہوئے کہا تو آرزو نے اثبات میں سر ہلایا۔

”کہاں ملے تھے تمہیں؟“

”ہاسپٹل میں جب میں پنکی کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی تھی۔“ الوینہ نے تفصیل بتائی۔

جہاں زیب کی شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں الوینہ ایک ماہ پہلے ہی میکے آ گئی تھی سب کی مصروفیت بڑھ گئی تھیں کچھ ذمہ داریاں سعد نے بھی اپنے ذمے لے لی تھیں یوں وہ بھی آزادانہ گھر آ رہے تھے‘ بالکل ماموں کی طرح الوینہ اور جہانزیب سے پیار کرتے آرزو کو بڑی بہن کا رتبہ دے رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ آرزو کو ایک نہ ایک روز قائل کر ہی لیں گے کہ وہ انکل کو سمیٹ لیں۔ مگر...... ایسا ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکیں گے۔

ایک روز آرزو نے ایک ایسا انکشاف کیا کہ سعد بے بسی سے بے اختیار رو پڑے۔

”آپا...... آپا آپ نے آخر مجھے غیر ہی سمجھا نا...... آپ نے کم از کم مجھے تو بتایا ہوتا...... آپ نے خود پر اتنے دنوں سے یہ اتنا بڑا بوجھ اٹھایا بہت ہمت کی آپا...... آپ نے یہ

سب محسن انکل کو بتادیا ہوتا۔'' سعد نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ آرزو کے دونوں ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگالیے۔ ''میری آپا آپ کو کچھ نہیں ہوگا' اللہ کرم کرے گا' اپنا معجزہ دکھائے گا اور...... اور مستقبل میں آپ اور انکل ایک بہت ہی خوب صورت زندگی گزار رہے ہوں گے...... آپ روئیں ناں...... جہاں اتنا عرصہ آپ نے تنہا اتنا بڑا بوجھ اور اتنی بڑی بیماری سہی ہے اب ہم سب کی دعائیں بھی آپ کے لیے ہوں گی' تو رب کریم بڑا رحیم ہے وہ ستر ماؤں کی ممتا رکھتا ہے ہمارے لیے' وہ ہماری دعائیں اور بے بسی پر ضرور مہربان ہوگا......'' سعد کے سمجھانے پر آرزو نے بھی خود کو نارمل کرلیا کیونکہ الوینہ اور جہانزیب شاپنگ سے آنے والے تھے۔

❤......○......❤
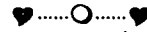
سعد نے دیکھا آرزو کی ساری میڈیسن ہارٹ پیشنٹ والی ہیں' ڈاکٹرز کی رائے کے مطابق اب آنے والا اٹیک آرزو کے لیے جان لیوا ہوسکتا ہے ادھر انکل کی بھی طبیعت ان سے زیادہ خراب تھی آرزو آپا تو بلاناغہ ساری دوائیں استعمال کرتی ہیں' مکمل پرہیز کرتی ہیں' ہر آسائش میسر ہے اور اس کے برعکس انکل کو زندگی گزارنے کے لیے کتنی جدوجہد کرتی پڑتی ہے اس حالت میں وقت پر پابندی سے میڈیسن نہیں لے سکتے' آرام نہیں کرسکتے' مسائل بڑے بڑے اور وسائل محدود ذرات کو تھکے ماندے گھر پہنچتے تو مسکرا کر خیر مقدم کرنے والا کوئی نہیں بستر پر جانے سے پہلے سارے انتظامات خود ہی کرنا پڑتے ہیں پھر بیٹے کی ایسی سوچ' باپ کو ہرٹ کرنا ان کے عیب گنوانا' ان کی کوتاہیوں پر طنز کرنا...... یہ ذہنی تھکن جسمانی تھکن سے زیادہ تکلیف دہ اذیت برداشت کرنا...... کس قدر باہمت اور باحوصلہ ہیں (میں ان کو سلام کرتا ہوں) اس کے باوجود وہ جب ملتے ہیں۔ شریر لہجہ اپناتے ہیں مسکراتے ہیں اور مدمقابل کو بھی مسکرانے پر مجبور کردیتے ہیں...... لگتا ہی نہیں ہے کہ یہ بندہ اندر سے اتنا دکھی' مظلوم اور ادھورا ہے۔'' سوچتے سوچتے سعد کا دماغ ماؤف ہونے لگا۔

صبح دیر سے آنکھ کھلنے پر سعد نے آرزو کو فون کیا کہ وہ تھوڑا لیٹ آئیں گے جب انہیں پتہ چلا کہ رات اچانک آرزو کی طبیعت بگڑ گئی تھی قریبی ہاسپٹل لے کر گئے تو ڈاکٹر نے کیس لینے سے انکار کردیا اور مشورہ دیا کہ فوری طور پر کاڈیو لے جائیں۔

سعد بہت پریشان ہوئے ابھی تو جہاں زیب کی شادی کی دعوتیں چل رہی تھیں اسی الجھن میں' وہ تھوڑی ہی دیر میں کاڈیو میں تھے وہ بے حد اداس اور پریشان تھے جہانزیب نے بتایا ڈاکٹرز نے ابھی کچھ نہیں بتایا مما اندر ہیں سعد انتظار گاہ میں بیٹھے تھے آرزو کی وہ باتیں جو انہوں نے ابھی چند روز پہلے بتائی تھیں وہ بار بار سعد کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔

''سعد بھائی میں محسن کو پسند کرتی ہوں' ان کے لیے بے حد مخلص اور خیر خواہ ہوں میں کئی سالوں سے ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتی ہوں' مگر میں اپنی ذات سے ان کو مزید دکھی نہیں کرسکتی' میرے پیارے بھائی مجھے وہ شخص بہت عزیز ہے' مگر میں مجبور ہوں' مجھے ڈاکٹرز نے یہی کہا ہے کہ اب کی بار دل بگڑے گا تو...... جان لے کر چھوڑے گا۔''

آپریشن تھیٹر سے نرس تیزی سے نکلی اور جہانزیب کے ہاتھوں میں لمبی چوڑی لسٹ تھمادی' سعد اور جہانزیب نے آرزو کے بارے میں سوال کیا تو بولی۔ ''دعا کریں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔'' زرلشت زاروقطار رو رہی تھی۔ یسٰین شریف ہاتھ میں تھی لیے وہ پڑھ رہی تھی...... سعد نے جہانزیب کے ہاتھ سے لسٹ لی اور اسے وہیں رکنے کے لیے کہا کہ وہ زرلشت کو حوصلہ دے اسے اکیلا نہ چھوڑے؟ جہاں زیب زرلشت کے قریب بیٹھ گئے اور سعد میڈیسن لینے میڈیکل اسٹور کی طرف تیزی سے بڑھ گئے۔ وہ جیسے ہی اسٹور پر پہنچے فہیم اسٹور کی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ اسے وہاں دیکھ کر انہیں انکل کا خیال آیا جب ہی ان کی خیریت دریافت کی تو وہ بولا۔

''ابو ایڈمٹ ہیں رات ان کی حالت بگڑ گئی تھی۔''

''اللہ خیر کرے ڈاکٹر کیا کہتے ہیں۔'' سعد نے پھر پوچھا۔

''آپریشن تھیٹر میں ہیں ابھی کچھ نہیں کہا...... آپ...... آپ کیسے یہاں؟'' فہیم نے پوچھا تو سعد نے بتایا۔

''آپا ایڈمٹ ہیں۔''

''آپ کی بہن......؟'' فہیم نے پوچھا تو سعد نے بتایا آرزو آپا کی حالت رات بگڑ گئی تھی انہیں بھی آپریشن تھیٹر

لے گئے ہیں۔''شہیم کو جیسے زبردست شاک لگا......وہ بہت ڈسٹرب ہوگیا...... بہت سارا نمکین پانی بے حد شرمندگی اور دکھ کے سبب آنکھوں میں جمع ہوگیا تھا وہ روک نہ سکا پلکوں کی باڑ توڑ کر بہہ نکلا۔ سعد میڈیسن لینے میں مصروف تھے اور شہیم باپ سے زیادہ آرزو کے لیے اداس اور ڈسٹرب ہوگیا تھا۔ نجانے کیوں اسے ایسا لگ رہا تھا کہ اس حالت کا ذمہ دار وہ ہے......ابو اور آرزو......دونوں کی حالت کا وہی ذمہ دار ہے صرف اسی کی وجہ سے ان دونوں کی یہ حالت ہوئی ہے میں نے دونوں کے ساتھ اچھا نہیں کیا...... مجھے لوگوں نے بھڑکایا میرے ذہن میں منفی اور غلط باتیں ڈالیں مجھے بھٹکایا اور میں نے آنکھیں بند کرکے یقین کرلیا......

تھوڑی دیر میں اس نے ایک بہت بڑا فیصلہ کرلیا اسے آرزو کی وہ باتیں یاد آنے لگی تھیں جب وہ شہیم سے بہت پیار کرتی تھیں اس کی ہر چھوٹی چھوٹی بات کا خیال رکھتی اپنے بچوں کی طرح اسے پیار کرتیں وہ اکثر سارا سارا دن ان کے گھر گزارتا راتوں کو آرزو کے ساتھ ان کے تکیے پر سوجاتا تب نہ انکل نہ ہی کوئی بچہ مجھ سے نفرت کرتے نہ چڑتے تھے سب ہی اس سے پیار کرتے تھے مگر جب لوگوں نے اس کے ذہن میں ایک بات بٹھادی کہ تم جب اس عمر میں تھے جب والدین کی سخت توجہ کی ضرورت ہوتی ہے تب تمہارے ابو نے تمہیں اگنور کیا اس عورت پر اپنی محبت اور کمائی لٹادی اور تم باپ کی شفقت اور تربیت اور توجہ سے محروم رہے اور یہ شخص عیش کرتا رہا اور اب بھی کرتا ہے۔

چند لمحے بعد آپریشن تھیٹر سے ڈاکٹرز باہر نکلے' جہاں زیب' زرلشت' سعد تینوں کی نظریں ڈاکٹرز پر پڑی' ایک ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر جہانزیب کے سر پر ہاتھ رکھا' نگاہیں نیچے اور زبان خاموش تھی۔ زرلشت بلک بلک کر رونے لگی سعد پاگلوں کی طرح تھیٹر کی طرف بڑھے۔

''بیٹا ہم نے بہت کوشش کی مگر اللہ کی مرضی اور حکم کے آگے کسی کی نہیں چلتی' صبر کریں......شاباش ہمت سے کام لو بیٹی۔'' انہوں نے پلٹ کر زرلشت کے سر پر ہاتھ رکھا اور آگے بڑھ گئے۔

♥......○......♥

ادھر شہیم کی بے چینی بے قراری بتارہی تھی کہ وہ بہت ڈسٹرب ہے' تھوڑی ہی دیر بعد......تھیٹر کا دروازہ کھلا اور شہیم لپک کر ڈاکٹر کے قریب پہنچا تو ڈاکٹر سیف جو شہیم کو جانتے تھے انہوں نے شہیم کو گلے سے لگالیا۔

''بیٹا......صبر کرو...... اب تمہیں تنگ کرنے والا کوئی نہیں بچا...... ایک دلیر اور باہمت باپ اب تم سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گیا۔'' تب......تب شہیم...... بہت رویا...... بہت پچھتایا......دیواروں سے سر ٹکرایا۔ اس کے پاس کوئی اور حل تھا ہی نہیں کہ شرمندگی کو ختم کرتا اپنے شک کی آگ میں کیسا جل گیا کہ اب کچھ بھی باقی نہ بچا۔

وہ ایمبولینس کے لیے نیچے اتر رہا تھا کہ پیچھے سعد بھی آتے دکھائی دیے۔

''کیا ہوا انکل......؟''اس نے تڑپ کر پوچھا۔

''بیٹا......آپا ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں۔''

''کیا......؟''شہیم زور سے چیخا۔

''تم بتاؤ محسن انکل کا۔'' وہ بے ساختہ سعد سے لپٹ گیا۔

''انکل میرے ابو......اب......اس دنیا میں نہیں رہے مجھے بے سہارا اور یتیم کردیا ابو نے...... انکل اب میں یتیم ہوگیا' میں مجرم ہوں' میں بہت برا ہوں' آپ مجھے ماریں' انکل جان سے ختم کردیں' اس دنیا میں مجھے جینے کا کوئی حق نہیں ہے' میں قاتل ہوں' گناہ گار ہوں میں نے بہت برا کیا' مجھے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔''اس کی چیخیں اس کی بیقراری اس کی دیوانگی بہت سارے لوگ اس کے اردگرد جمع ہوگئے ہر کوئی سعد سے اس کے بارے میں سوال کررہا تھا اور تفصیل جان کر افسوس کرتا آگے بڑھ رہا تھا مگر کب تک دونوں ایمبولینس لے آئے اور ایک ہی ہاسپٹل سے ایک ہی وقت میں محسن اور آرزو آگے پیچھے آخری آرام گاہ کی طرف بڑھ رہے تھے یہاں ایک نہیں ہوئے' شاید وہاں ایک ہوجائیں' کتنی سچی' پاکیزہ معتبر چاہتیں تھی' کیسی اپنائیت تھی' کتنا اٹوٹ رشتہ تھا۔

❁

کون یہ جانتا ہے کہ کالی سیاہ رات اپنے آنچل میں کیسی کیسی ظلمتوں کو چھپائے رکھتی ہے' کتنوں کے گناہ اور کتنوں بے بسی اس رات کے اندھیروں میں گم ہوجاتی ہے۔ زاہدوں کی عبادتیں' عیاشوں کی راحتیں اور مظلوموں کی فریادیں سب رات کی کالی چادر میں لپٹ جاتی ہیں۔ چہرے پرآنسوؤں کی آڑی ترچھی تحریر اور وجود پر دکھ اور بے بسی کا بوجھ لادے شاہ بانو کے قدم کس سمت جارہے تھے انہیں کچھ ہوش نہیں تھا۔

یہ وہ وقت تھا جب زمان ٹاؤن کی سڑکوں پر رات کا اندھیرا اور ہُو کا عالم تھا' بندہ تھا نا بندے کی ذات۔ وہ بس چلتی ہی جارہی تھیں صرف ایک تھپڑ کا احساس باقی تھا جوان کے شوہر غفران احمد نے ان کی جوان اولاد کے سامنے رکیق الزام لگا کر مارا تھا۔ ٹائروں کے چرچرانے کی شدید آواز ان کے نزدیک گونجی تو وہ سہم کر ہوش میں آئیں۔ سنسان سڑک پر تنہا عورت کو جاتا دیکھ کر ٹیکسی ڈرائیور اتر کر ان کے پاس آیا' نجانے اس کا ارادہ کیا تھا پر آنسوؤں سے تر شاہ بانو کا چہرہ دیکھ کر تعجب زدہ رہ گیا۔

''کیا ہوا بہن! سب خیریت تو ہے اتنی رات کو روتی ہوئی کہاں جارہی ہو؟'' شاہ بانو کے حلق میں پھندے سے لگ گئے بمشکل خود پر کنٹرول کرتی وہ بولیں۔

''بھائی مجھے شاہ فیصل کالونی پہنچادو گے؟''

''ہاں......ہاں' کیوں نہیں۔'' ڈرائیور نے پچھلا دروازہ ان کے لیے کھول دیا۔ زینت اپارٹمنٹس کے سامنے انہوں نے گاڑی رکوائی' ان کے پاس ٹیکسی ڈرائیور کو دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے سونے کی انگوٹھی اتار کر اس کی طرف بڑھادی۔

''میں کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں بہن پر اتنا بے غیرت بھی نہیں کہ بہن کہہ کر ایک مجبور عورت سے اس کا زیور لے لوں۔'' ڈرائیور نے ان کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ''بس اپنے اس بھائی کو دعا میں یاد رکھنا۔'' یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور وہ اپنا زندہ لاش گھسیٹتی دوسری منزل پر واقع ثمر کے فلیٹ تک آگئیں۔

پانچویں یا چھٹی بیل پر اندر سے نیند میں ڈوبی ثمر کی تفتیشی آواز آئی۔

''کون ہے؟'' باہر سے ہلکے ہلکے روتے ہوئے ہچکیاں لینے کی آواز پر اس نے فوراً دروازہ کھول دیا۔

''آپا......! آپ اس وقت......؟'' شدید حیرت زدہ انداز میں ثمر نے شاہ بانو کو دیکھا' جوان بھائی کو سامنے دیکھ کر شاہ بانو اپنا ضبط کھو بیٹھیں اور ثمر سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رودیں۔

❀......❀......❀

''ماما......بھئی چینی نہیں مل رہی۔'' دوسری تیسری بار ایمن کے چلانے پر مہرین کو اپنے کمرے کی سیٹنگ چھوڑ کر کچن میں آنا ہی پڑا۔

''کہاں چلی گئی چینی' پورے پانچ کلو کا پیکٹ تھا؟'' انہوں نے چیزیں ادھر اُدھر کرکے ڈھونڈنا شروع کیا۔

''ماما مجھے لگ رہا ہے وہ سامان کے ساتھ آئی ہی نہیں یا پھر جس ٹرک میں سامان آیا ہے واپس اس میں ہی چلی گئی۔'' وہ تھک کر اسٹول پر بیٹھ گئی۔

''پھر اب کیا کریں' یہاں تو مجھے آس پاس کوئی اسٹور بھی دکھائی نہیں دیا جہاں سے منگوالوں اور چائے کی طلب شدید ہے۔'' مہرین مایوسی سے بولیں۔

''آئیڈیا' پڑوس میں سے لے آتی ہوں۔'' ایمن نے چٹکی بجا کر آئیڈیا پیش کیا۔

''نہیں ایمن...... برا لگتا ہے پڑوسی کیا سوچیں گے ابھی تین گھنٹے ہوئے ہیں آئے ہوئے اور یہ لوگ چیزیں مانگنے بھی آگئے۔''

''اوہو ماما......ایک تو آپ بھی ناں' پڑوسیوں کو خود ہمارا خیال کرکے چائے بھجوانی چاہیے تھی۔ اب پاپا کے انتظار میں کب تک بیٹھیں بس میں جارہی ہوں چینی لینے۔'' وہ دوپٹہ پھیلا کر اوڑھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا تو پھر کام والی ماسی کا بھی پوچھ لینا۔''

''اوکے۔'' گھر سے نکل کر ایمان سامنے والے بنگلے کی طرف بڑھ گئی' بیل بجانے پر دروزاہ ایک خوبرو نوجوان نے کھولا جو شاید بھاگتا ہوا آیا تھا اور اب ایک ہاتھ میں ریکٹ تھامے ہانپ رہا تھا۔

''ہیلو......''

''السلام علیکم!'' ایمن کے ہیلو کہنے پر آگے سے نوجوان نے سلام کرکے دلچسپی سے اسے شرمندہ کیا۔
''آ...... تھوڑی سی چینی مل جائے گی۔''
''آپ کون؟''
''میں ایمن' وہ سامنے والے بنگلو سے آئی ہوں ہم آج ہی یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔''
''اوہ......''
''کون ہے ماجد بھائی؟'' نوجوان کے پیچھے ایک سولہ سترہ سالہ لڑکی نمودار ہوئی۔
''زینی' یہ ایمن ہیں انہیں امی کے پاس لے جاؤ۔'' لڑکی نے بڑی پیاری مسکراہٹ کے ساتھ اسے ویلکم کیا اور اپنے ساتھ اندر لے آئی۔ بے حد خوب صورت اور قرینے سے سجائے گئے گھر میں اسے نہایت شفیق اور سوبر سی خاتون ملیں۔ پھول دار براڈ سوٹ پر پشمینہ کی شال لپیٹے شاہ بانو ابھی ابھی نماز پڑھ کر اٹھی تھیں۔ ایمن کچھ دیر ان کے نورانی چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا سکی تھی۔
''امی یہ ہماری نئی پڑوسن ہیں ایمن' سامنے والے بنگلو میں آج ہی شفٹ ہوئی ہیں۔'' زینی ایمن کو شاہ بانو سے متعارف کروا کے چینی لینے چلی گئی۔ شاہ بانو نے پیار سے اسے اپنے پاس بٹھایا اور اس کا اور اس کی فیملی کا حال چال پوچھنے لگیں۔ ایمن چینی لے کر واپس جانے لگی تو انہوں نے اسے رات کے کھانے کی زحمت سے بچانے کے لیے کہہ دیا کہ رات کا کھانا میں بھجوادوں گی۔ وہ ان کا شکریہ ادا کرکے واپس آ گئی پھر کتنی ہی دیر وہ ان مہربان خاتون کو سوچتی رہی اور ان کا ذکر اپنی ماما سے کرتی رہی۔ رات آٹھ بجے بیل بجی تو اتفاق سے دروازہ ایمن نے ہی کھولا' سامنے ماجد ہاتھوں میں کھانے کی بڑی سی ٹرے لیے کھڑا تھا۔
''اوہ...... آپ نے خوامخواہ زحمت کی ہم کچھ نا کچھ کر لیتے۔'' اس کے ہاتھوں سے ٹرے لیتے ہوئے ایمن نے کہا۔
''اس میں زحمت کی کیا بات ہے آپ لوگ ہمسائے ہیں ہمارے اور ہمسایوں کا بہت حق ہوتا ہے۔'' اس کی بات پر ایمن مسکراتی اندر چلی گئی۔ برتن واپس لاتے ہوئے مہرین بھی اس کے ساتھ تھیں۔
''یہ میری ماما ہیں اور ماما' یہ ماجد ہیں۔'' ایمن نے دونوں کا ایک دوسرے سے تعارف کروایا۔ ماجد نے مہرین کو سلام کیا تو انہوں نے کچھ حیرت سے دیکھتے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کا چہرہ انہیں کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا۔
''ایمن تمہاری والدہ کی بہت تعریف کررہی تھی' میں تو گھر کی سیٹنگ میں مصروف ہوں تم اپنی والدہ سے کہنا وہ ہمارے گھر ضرور آئیں۔'' مہرین کی بات پر ماجد کے چہرے پر آئی مسکراہٹ لمحے میں غائب ہوئی اور اس کا چہرہ سپاٹ ہوگیا۔
''جی...... ٹھیک ہے میں کہہ دوں گا۔'' یہ کہہ کر مزید رکے بغیر واپس آ گیا' اب وہ انہیں کیا بتاتا کہ میری ماں نے کیا آنا ہے انہوں نے تو یہ کھانا بھی اس کے باپ سے چوری چھپے ہی بھجوایا تھا۔

❁......❁......❁
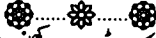
تیسری بار زینب کی چوٹی ماجد نے کھینچی تو وہ بلبلا اٹھی۔
''امی دیکھیں نا ماجد بھائی کو' کب سے تنگ کررہے ہیں۔''
''امی دیکھیں نا ماجد بھائی کو......'' ماجد نے اس کی نقل اتاری تو زینب نے ٹیبل پر سے کانٹا اٹھا کر ماجد کے ہاتھ کی پشت میں چبھو دیا۔ دونوں بہن بھائی کی پیاری بھری نوک جھونک اور لڑائی دیکھ کر شاہ بانو نے نظروں ہی نظروں میں دونوں کی نظر اتاری پر جیسے ہی غفران صاحب نے لاؤنج میں قدم رکھا تینوں اپنی اپنی جگہ سہم سے گئے' ماجد اور زینب کی بولتی بند ہوگئی۔
''بڑا شور ہو رہا تھا' اب کیا ہوا سب کی زبانیں بند کیوں ہوگئیں۔'' چیئر کھینچ کر انہوں نے کوٹ پشت پر ڈالا اور شاہ بانو کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بیٹھ گئے۔
''اچھی تربیت کررہی ہو اولاد کی۔'' ماجد اور زینب کا سر جھک گیا' شاہ بانو کچھ نہیں بولیں اور وہ غفران صاحب کی طنز برساتی زبان کے سامنے کبھی بولتی بھی نہیں تھیں ان کی اولاد کے خیال میں ان کی اس بات کا فائدہ اٹھا کر غفران صاحب شیر ہوتے تھے پر وہ اپنے بچوں کو حقیقت حال کبھی بتا ہی نہیں سکیں۔
''پڑھائی کیسی چل رہی ہے تم دونوں کی؟'' غفران صاحب نے اپنا رخ دونوں کی طرف کیا۔
''ٹھیک چل رہی ہے ابو جی۔'' ماجد نے سنجیدہ لہجے میں

کہا پر زینب کا دل پتے کی طرح لرز رہا تھا۔
''ٹھیک......'' ڈرے سہمے لہجے میں اس نے صرف اتنا کہنے پر ہی اکتفا کیا۔ شاہ بانو نے چائے لاکر غفران صاحب کے سامنے رکھی۔
''یہ تو رزلٹ آنے پر ہی پتا چلے گا کہ کیا گل کھلائے جارہے ہیں' یہ کیا ہے؟'' انہوں نے انڈے کی پلیٹ شاہ بانو کے سامنے کی' شاہ بانو کچھ سمجھی نہیں۔
''انڈہ ہے۔''
''مجھے بھی نظر آرہا ہے کہ انڈہ ہے پر اس کے کنارے کرکرے کیوں ہیں۔'' جلدی جلدی میں شاہ بانو نے تیز آنچ پر انڈہ فرائی کیا تو اس کے کنارے گولڈ ہوکر کرکرے ہوگئے تھے جو غفران صاحب کو سخت ناپسند تھے۔
''عمر گزر گئی پر تمہیں انڈہ فرائی کرنا نہیں آیا۔'' انہوں نے پلیٹ شاہ بانو کے سامنے پٹخ دی۔
''میں دوسرا لے آتی ہوں۔'' وہ فوراً اپنی چیئر سے اٹھ گئیں۔
''اتنا وقت نہیں ہے میرے پاس کم عقل' پھوہڑ عورت کوئی کام ڈھنگ سے بھی کیا ہے آج تک تم نے۔''
''غفران بس میں دو منٹ میں لائی۔''
''شٹ اپ۔'' وہ غصے سے چیئر دھکیلتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''ٹھونسو خود بیٹھ کر' میری ساری عمر برباد کرکے رکھ دی۔'' انہوں نے کوٹ کھینچا اور بریف کیس اٹھا کر باہر نکلتے چلے گئے۔ جوان اولاد کے سامنے تذلیل پر شاہ بانو کا دل کٹ کر رہ گیا اور آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں وہ بچوں سے آنسو چھپاتی کچن کی طرف چلی گئیں۔ ماجد کی مٹھیاں بھینچ گئیں' زینب کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کا دامن بھگونے لگے۔ ایسا آج پہلی بار نہیں ہوا تھا' ڈر اور خوف کی فضا میں دونوں نے جنم لیا تھا' نجانے ان کی ماں سے ایسا کیا قصور ہوا تھا جس کی پاداش میں وہ آج تک غفران صاحب کے عتاب کا نشانہ بنی ہوئی تھیں بس اتنا ہی نہیں تھا وہ آئے دن ان پر ہاتھ اٹھانے سے بھی نہیں چوکتے تھے' فرق صرف اتنا پڑا تھا پہلے وہ بچوں کے سامنے مارتے تھے پر جب سے ماجد سمجھ دار ہوا تھا وہ اپنے کمرے میں مارتے تھے۔
رات ساڑھے بارہ کا وقت تھا غفران صاحب ہارن پر ہارن بجا رہے تھے' گھر پہنچنے پر گھر کے باہر انتظار کرنا ان کی شان کے سخت خلاف تھا کوئی ملازم بھی نہیں تھا۔ اس لیے ماجد یا شاہ بانو ہی زیادہ تر گیٹ کھولنے آتے تھے' آج بھی گھر پہنچنے پر ان کی بے صبری عروج پر تھی تبھی ان کے پیچھے ایک اور گاڑی آکر رکی۔ کوفت کے عالم میں انہوں نے سائیڈ مرر پر نظر ڈال کر ہٹالی پر اچانک ان کے دل ودماغ کو کرنٹ سا لگا انہوں نے دوبارہ نظر ڈالی پر گاڑی آگے بڑھ چکی تھی۔ وہ پورا گھوم کر دیکھنے لگے پر سامنے والا گیٹ بند ہوگیا' غائب دماغی سے انہوں نے سامنے دیکھا شاہ بانو گیٹ کھولے کھڑی تھی۔ پورٹیکو سے اوپر اپنے کمرے تک آتے' لباس تبدیل کرتے اور پھر کھڑکی میں کھڑے سگریٹ پیتے ایک چہرہ ان کے ذہن میں چپک سا گیا تھا۔
''کیا بات ہے غفران آپ کچھ پریشان سے لگ رہے ہیں؟'' شاہ بانو نے غفران صاحب کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے ایک تحقیرانہ نگاہ شاہ بانو کے وجود پر ڈالی۔
''تمہاری منحوس صورت دیکھ کر پریشان ہی ہوا جاسکتا ہے۔'' دھیرے سے ہاتھ کاندھے سے ہٹا کر وہ بیڈ کی طرف آگئیں۔
''سامنے والے گھر میں کون لوگ آئے ہیں۔'' شاہ بانو نے شدید حیرت سے انہیں دیکھا۔
''میں نہیں جانتی۔'' سامنے والے گھر میں ہفتہ بھر پہلے آنے والے لوگوں کو تو کیا وہ تو ساتھ والے بنگلے کے مکینوں کو بھی نہیں جانتی تھیں جن کو یہاں آئے غالباً پانچ سال ہوگئے تھے۔ شروع شروع وہاں سے ایک دوبار کچھ خواتین آئیں پر جب شاہ بانو کی طرف سے انہیں کوئی خاص رسپانس نہیں ملا تو انہوں نے آنا اور بلانا چھوڑ دیا' زیر لب اللہ تعالیٰ کے ناموں کا ورد کرتی وہ سونے کے لیے لیٹ گئیں پر غفران صاحب پر یہ رات بہت بھاری تھی۔

❀......❀......❀

''آلو کیا کلو دے رہے ہو بھائی؟'' اتوار کا دن تھا اور خضر صاحب بنگلے کے سامنے سے گزرنے والے سبزی فروش سے بھاؤ تاؤ کررہے تھے تبھی غفران صاحب بھی بنگلے سے باہر آئے دونوں کی نظر ایک دوسرے سے ملیں تو اپنی اپنی جگہ چونک سے گئے۔
''ارے سر آپ۔'' خضر صاحب' غفران صاحب کی

طرف گرم جوشی سے بڑھے‘ وہ جس بینک میں ملازمت کررہے تھے۔ غفران صاحب اسی بینک کے ہیڈ کوارٹر میں ایک بڑے عہدے پر فائز تھے‘ خضر صاحب انہیں اپنے سینئر کی حیثیت سے جانتے تھے پر غفران صاحب کے لیے خضر صاحب کا چہرہ ماضی کا ایک تلخ باب تھا اور اس تلخی کو انہوں نے بڑی مشکل سے اپنے چہرے پر آنے سے روکا تھا۔ غفران صاحب اپنے جونیئرز کو کبھی گھاس نہیں ڈالتے تھے پر چونکہ یہاں معاملہ الگ تھا اس لیے وہ خضر صاحب کی دعوت پر چائے پینے ان کے گھر تک چلے آئے۔

''بے گم‘ ارے بھئی بیگم کہاں ہو‘ یہ سنبھالو بھئی۔'' خضر صاحب نے غفران صاحب کو لاؤنج میں بٹھا کر مہرین کو آوازیں دیں۔

''آتی ہوں‘ آپ بھی ناں بس چھٹی والے دن ہنگامہ ہی مچا کر رکھا کریں۔'' گاجر کے حلوہ میں کفگیر چلاتی مہرین خضر صاحب کی آواز پر کفگیر ہاتھ میں تھامے ہوئے ہی لاؤنج کی طرف آ گئیں پر دروازے سے آگے آتے ہی ان کے قدم زمین نے جکڑ لیے تھے۔ غفران صاحب کے چہرے پر آنکھیں جم سی گئی تھیں‘ غفران صاحب کی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی تھی‘ مہرین کے وجود کو آنکھوں کی گرفت میں لیے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک عجیب سی سرشاری ان کے وجود میں بھر گئی تھی اور ادھر مہرین کا خون خشک ہو رہا تھا۔ سبزی کے شاپر ڈائننگ ٹیبل پر رکھ کر خضر پلٹے۔

''ارے بھئی ان سے ملو یہ ہمارے پڑوسی اور میرے سینئر ہیں غفران احمد صاحب اور سر یہ میری بیگم ہیں مہرین......'' بادل نخواستہ مہرین نے انہیں سلام کیا جس کا انہوں نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔

''بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' واقعی ان کے لہجے میں ایک عجیب سی سرخوشی بول رہی تھی‘ خضر صاحب تو نا سمجھے پر مہرین اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔

''میں چائے لے کر آتی ہوں۔'' کونین کی گولی کی طرح تھوک نگلتے ہوئے مہرین نے کہا اور کچن میں آ گئیں۔ یہ کیا ہو گیا‘ کیسی غلطی ہو گئی‘ یہاں شفٹ ہونے سے پہلے یہ دیکھا کیوں نہیں کہ آس پڑوس میں کون کون رہتا ہے اگر انہیں پہلے پتا چل جاتا کہ غفران یہاں رہتے ہیں تو وہ کبھی اس علاقے میں گھر نا خریدتیں‘ پر اب کیا ہو سکتا تھا گھر خریدنا اور بدلنا آسان تو نہیں ہوتا۔ غفران صاحب ان کے چائے لے کر آنے کا انتظار کرتے رہے پر انہوں نے ایمن کے ہاتھ چائے بھجوا کر جان چھڑالی‘ وہ سمجھ گئے اب وہ ان کے سامنے نہیں آئے گی‘ پر زمانوں سے دل میں دبی چنگاریوں کو ہوا مل چکی تھی‘ انہوں نے بہت اصرار سے خضر صاحب کو رات کے کھانے پر اپنے گھر آنے کی دعوت دی جسے خضر صاحب نے اپنے سینئر کی جانب سے دیئے جانے والا اعزاز سمجھ کر قبول کرلیا۔ مہرین کسی صورت غفران صاحب کی طرف جانے کو تیار نہیں تھی پر خضر اس کا کوئی بھی بہانہ ماننے کو تیار نہیں تھے بس ایک ہی رٹ لگائی ہوئی تھی کہ پڑوسیوں اور سینئرز سے بنا کر رکھنی چاہیے اب وہ انہیں کیا بتاتیں کہ غفران صاحب سے تعلقات انہیں مہنگے بھی پڑ سکتے تھے۔ بیل کی آواز پر ماجد گیٹ کھولنے آیا‘ خضر صاحب کے پیچھے مہرین خود سے الجھتی اور آنے والے وقت کو سوچتی گھر میں داخل ہو گئیں‘ پر ایمن کی توجہ گلاب کے پودوں کی طرف ہو گئی جن پر جا بجا گلاب کھلے تھے اس نے ایک پھول کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''دھیان سے۔'' پیچھے سے نے والی ماجد کی آواز پر وہ چونکی۔

''گلاب خود تو بہت معصوم ہوتا ہے یہ اس کے محافظ بہت ظالم ہوتے ہیں۔''

''میں سمجھی نہیں؟'' ایمن نے اس کی گہری نظروں کو خود پر محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہر گلاب کے ساتھ اس کی حفاظت کرنے والے کانٹے ہوتے ہیں جو نشتر بن کر حسین ہاتھوں کو گھائل کر دیتے ہیں۔'' ایمن کو اس کی بات کچھ عجیب سی لگی۔

''آپ شاعر ہیں کیا؟'' اس کی بے ساختگی پر ماجد مسکرا دیا۔

''ہوں تو نہیں پر‘ ہو نا جاؤں کہیں۔''

''کیا......؟'' اس کے گمبھیر لہجے پر ایمن گھبرا کر ''کیا'' کہتی جلدی سے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ پیچھے گہری مسکراہٹ لیے ماجد اسے جاتا دیکھتا رہا‘ ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی غفران صاحب کے ساتھ کھڑی شاہ بانو کو دیکھ کر مہرین چونک سی گئی۔ شاہ بانو کا تو اسے ابھی تک خیال ہی نہیں آیا تھا‘ غفران صاحب گھر آئے مہمانوں کا تعارف کروا رہے تھے پر شاہ بانو کی نگاہیں ایک ٹک مہرین کے چہرے پر ٹکی ہوئی

تھیں۔

’’اوہ تو یہ وجہ تھی اتنی اچانک اور اہتمام سے کروائی جانے والی دعوت کی۔‘‘ انہوں نے دل ہی دل میں سوچا۔ ایک زمانے کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے سے گلے ملیں تو عجیب سے احساسات کا شکار تھیں‘ باقی تمام وقت مہرین غفران صاحب کی اور ایمن ماجد کی گہری نگاہوں سے الجھتی رہی پر جہاں ماں کے لیے یہ الجھن ناخوشگوار تھی وہیں بیٹی کے لیے خوشگوار احساس بن رہی تھی۔ اِدھر شاہ بانو کے دل و دماغ میں بھی ایک ہلچل مچ ہوئی تھی‘ دو چمک دار آنکھیں ان کے خیالوں میں روشنی بکھیر رہی تھیں۔ کھانا کھانے کے کچھ دیر بعد مہرین ناسازی طبع کا بہانہ کرکے جلد اٹھ کھڑی ہوئیں‘ غفران صاحب ان لوگوں کو چھوڑنے باہر تک آئے اور جب تک مہرین اپنے گھر چلی نہیں گئیں ان کی نگاہیں ان کے تعاقب میں رہیں۔

❀......❀......❀

ایمن عجیب شش و پنج کی کیفیت میں گھری ہوئی تھی اس وقت دو موٹر سائیکل سوار نوجوان مسلسل اس کے تعاقب میں تھے‘ روڈ سنسان تھا۔ یونیورسٹی سے واپسی پر آج بس ڈرائیور نے اسے کافی پیچھے اتار دیا تھا‘ اب زمان ٹاؤن تک کا سفر اسے پیدل ہی طے کرنا تھا۔ اس کا دل گھبرا رہا تھا اس اثناء میں ایک موٹر بائیک اس کے قریب آ رکی اس کا دل حلق میں آ گیا وہ سمجھی یہ ان کا تیسرا ساتھی ہے پر جب آنے والے نے ہیلمٹ اتارا تو ماجد کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی‘ سچوئشن کو سمجھ کر ماجد نے اسے اپنے پیچھے بیٹھنے کو کہا تو وہ فوراً بیٹھ گئی۔ ماجد کو دیکھ کر موٹر سائیکل سوار اپنی اپنی جگہ رک گئے تھے‘ گھر کے دروازے پر پہنچ کر ایمن نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

’’تم میرا شکریہ ادا کرو یا نہ کرو پر آئندہ اتنا پیچھے اترنے کی غلطی کبھی مت کرنا کیونکہ ہر دفعہ سنسان راستے پر تمہیں ماجد غفران نہیں ملے گا۔‘‘ ایمن نے اس کی آنکھوں میں دیکھا پھر نگاہیں جھکالیں۔

’’میں خیال رکھوں گی۔‘‘ یہ کہہ کر وہ گھر میں داخل ہوگئی دیر سے آنے کی وجہ پوچھنے پر ایمن نے سارا ماجرا مہرین کو سنا دیا‘ تمام دن ایمن کے کانوں میں ماجد کی آواز گونجتی رہی۔

’’ہر سنسان راستے پر ماجد غفران نہیں ملے گا۔‘‘ اور ہر بار اس کا دل کہتا کاش زندگی کے ہر راستے پر مجھے ماجد غفران کا ساتھ ملے۔

انٹر کالجیٹ تقریری مقابلوں کا انعقاد ایمن کے کالج میں کیا گیا تھا اور ابھی ابھی سوشل میڈیا کے فوائد و نقصانات پر ایک دھواں دھار تقریر کرکے ایمن ڈائس سے نیچے آئی تھی۔ اس کی سہیلیاں اسے داد دے رہی تھیں۔

’’ویل ڈن ایمن۔‘‘ شناسا سا آواز پر ایمن پلٹی تو ماجد کو اپنے سامنے پاکر پھول سی کھل اٹھی۔

’’آپ یہاں......؟‘‘

’’ہاں ہمارے کالج نے بھی حصہ لیا ہے تو میں اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ دیکھنے چلا آیا۔‘‘

’’اچھا پر آپ کے ابو تو بتا رہے تھے کہ اب آپ کی جاب لگنے والی ہے آپ کی اسٹڈیز کمپلیٹ ہوچکی ہیں۔‘‘

’’تمہیں کب بتایا انہوں نے؟‘‘ ماجد کو ایمن کی بات سن کر حیرت ہوئی۔

’’کل رات ہی بتا رہے تھے وہ آئے تھے ناں پاپا سے ملنے۔‘‘

’’ابو جی رات تمہاری طرف آئے تھے......؟‘‘

’’ہاں آتے رہتے ہیں وہ ہر دو تین دن بعد پاپا کے پاس‘ کیوں آپ کو نہیں پتا؟‘‘

’’نہیں مجھے نہیں پتا تھا‘ خیر تم بتاؤ پھر تو کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔‘‘ وہ دونوں باتیں کرتے کیفے ٹیریا تک آگئے تھے‘ ماجد نے کافی کا آرڈر دیا۔

’’پھر کوئی مسئلہ نہیں ہوا اور اللہ کرے ہو بھی نا کیونکہ ہر بار آپ تو نہیں آئیں گے ناں میری حفاظت کے لیے‘ یہ تو آپ پہلے ہی کہہ چکے ہیں۔‘‘ ماجد کو اس کا لہجہ کچھ عجیب سا لگا۔

’’ایمن تم مجھ سے بدگمان ہو؟‘‘

’’نہیں ایسی بات نہیں پر آپ نے خود ہی تو کہا تھا۔‘‘

’’ایمن اللہ نہ کرے تم پر کوئی مصیبت آئے اگر پھر بھی ایسا ہوا اور میرے علم میں یہ بات ہوئی تو میں اپنی جان پر کھیل کر بھی تمہاری جان اور آبرو کی حفاظت کروں گا۔‘‘ یہ کہتے کہتے جذبات میں ماجد نے ایمن کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ ایمن کی آنکھیں احساس تشکر سے بھیگ گئیں۔

’’نجانے کیوں ایمن مجھے لگتا ہے جو جذبہ میرے دل

میں تمہارے لیے پل رہا ہے وہی جذبہ تمہارے دل میں میرے لیے بھی ہے ہے ناں......؟" ماجد کے لہجے میں اس کا دل بول رہا تھا۔ ایمن نے کوئی جواب نہیں دیا بس دھیرے سے اپنے ہاتھ پر رکھے ماجد کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھ دیا۔ ماجد کے لب اور آنکھیں دونوں مسکرا اٹھیں' محبت کی پھوار میں دونوں کے وجود بھیگنے لگے۔

❁......❁......❁

مہرین کا چین اور سکون رخصت ہو کر رہ گیا تھا جب سے غفران صاحب کے چکر ہر دوسرے تیسرے دن ان کے گھر لگنے لگے تھے انہیں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس سارے معاملے کو کس طرح ہینڈل کرے' ابھی بھی وہ اس کشمکش ویچ میں مبتلا ٹیرس میں چائے کا کپ لیے آ کھڑی ہوئی تھی' اس وقت نیچے آکر رکنے والی بائیک پر ماجد اور ایمان کو ایک ساتھ دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا اور دل تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ وہ اس کے کمرے میں آگئیں' ایمن کی آنکھوں کی چمک' چہرے کی گلابی رنگت اور لبوں پر مدھر گنگناہٹ اس کے دل کا حال صاف سنا رہی تھی۔

"ماما آپ کو پتا ہے آج کتنا مزہ آیا' یہ دیکھیں میری اعزازی سند۔" ایمن انہیں تقریری مقابلے میں ملنے والی سند دکھانے لگی۔

"تم آج پھر اس لڑکے کے ساتھ آئی ہو۔"

"جی......وہ...... ماما...... ماجد وہاں اتفاق سے آگئے تو انہوں نے کہا بس میں جانے سے بہتر ہے میرے ساتھ چلو۔ کہاں بسوں کے دھکے کھاؤ گی اس لیے میں......"

"ہر ایرے غیرے کے ساتھ اس طرح آجایا کرو گی؟"

"ماما وہ کوئی غیر تو نہیں' ہم جانتے ہیں ایک دوسرے کو اچھی طرح۔"

"تم کچھ نہیں جانتیں ایمن' ہر انسان کے ماتھے پر نہیں لکھا ہوتا کہ وہ شریف ہے' آئندہ میں تمہیں تنہا اس لڑکے کے ساتھ نہ دیکھوں۔" ایمن کی خوشیوں پر اوس پڑ گئی۔

❁......❁......❁

ہر روز کی طرح آج بھی شاہ بانو ماجد کے لیے دودھ لے کر آئی تھیں' وہ شاید باتھ روم میں تھا۔ دودھ کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ واپس جانے کو تھیں تبھی ماجد کا موبائل جگمگا اٹھا' فون وائبریٹ پر تھا اس لیے بیل نہیں ہوئی پر موبائل اسکرین پر ابھرنے والی ایمن کی تصویر اور نام دیکھ کر شاہ بانو سناٹے میں آگئیں۔

"یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے' باپ ماں کے پیچھے اور بیٹا بیٹی کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔" انہیں اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا وہ اپنے کمرے میں آگئیں۔

آج پھر غفران' خضر صاحب کی طرف گئے ہوئے تھے انہوں نے یہ سب شاہ بانو کو کبھی بتایا نہیں تھا پر وہ بیوی تھیں شوہر کتنا ہی ظالم اور لاتعلق کیوں نہ ہو بیوی اس کی سرگرمیوں پر نظر ضرور رکھتی ہے۔ پانی سر سے اونچا ہو جائے اس سے پہلے ہی وہ بند باندھ دینا چاہتی تھیں اس لیے جیسے ہی غفران کمرے میں آئے انہوں نے پوچھ لیا۔

"کہاں سے آرہے ہیں آپ' اتنی رات کو؟" غفران صاحب نے ان کی جرأت پر انہیں حیرت سے دیکھا۔

"جانتی ہو تو پوچھ کیوں رہی ہو؟"

"آپ یہ ٹھیک نہیں کر رہے غفران...... وہ اب ایک معزز آدمی کی بیوی اور جوان بیٹی کی ماں ہے۔" غفران صاحب کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ چھا گئی۔

"اچھا پر ایک حوالہ تم بھول گئیں کہ وہ میری محبت بھی ہے۔" انہوں نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لیا اور دھواں شاہ بانو کے چہرے پر چھوڑ دیا۔

"حیرت ہے مجھے آپ کو کسی سے محبت بھی ہے کاش آپ نے اپنا آپ بھی ایسا بنایا ہوتا کہ کوئی آپ سے بھی محبت کر سکتا۔" شاہ بانو کی اس بات نے غفران صاحب کے اندر شرارے بھر دیئے' چوٹی پکڑ کر انہوں نے کھینچی تو شاہ بانو کی چیخیں نکل گئیں۔

"میرے سامنے زبان چلانے کی تمہیں ہمت کیسے ہوئی' چار چوٹ کی مار بھول گئی ہو جو تمہارا مقدر ہے۔" انہوں نے دھکا دیا تو شاہ بانو زمین پر گر گئیں۔

"میرا مقدر چار چوٹ کی مار سہی پر آپ کے مقدر میں بھی آپ کی محبت نہیں ہے اور اس بار رکاوٹ اس کا بھائی نہیں آپ کا اپنا بیٹا بنے گا۔"

"اوہ تو تم ماجد کو میرے خلاف استعمال کرو گی' اتنی ہمت ہے اس میں کہ میرے آگے بول سکے۔"

"یہ تو وقت بتائے گا غفران......"

"دیکھ لوں گا میں بھی کیا بتاتا ہے وقت۔" یہ کہتے ہوئے

وہ آگے بڑھ گئے۔

چند دن بعد ہی ماجد کا ایم بی اے کا رزلٹ آ گیا وہ اچھے نمبروں سے کلیئر ہو گیا تھا' غفران صاحب نے اپنے ہی بینک کی ایک برانچ میں اس کی جاب بطور جونیئر منیجر کے لگوادی تھی۔ اُدھر ایمن کا رشتہ اس کی دور پرے کی ایک پھوپی لے کر آئی تھیں' اس نے فوراً ماجد کو اطلاع دی وہ بھی پریشان ہو گیا اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ماجد نے کھل کر شاہ بانو سے بات کی اور ان سے ریکوئسٹ کی کہ وہ غفران صاحب سے بات کر کے اس کا رشتہ ایمن کے گھر لے جائیں۔ اس وقت کے انتظار میں تو تھیں شاہ بانو' وہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ غفران صاحب اپنی خواہش چھوڑیں گے یا بیٹے کو منع کریں گے۔

''ایک بات کرنا تھی آپ سے۔'' وہ غفران صاحب کے لیے چائے لے کر آئیں تو وہ کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔

''جلدی بولو میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔'' ٹائی کی ناٹ باندھتے ہوئے انہوں نے ایک نگاہ شاہ بانو پر ڈالی۔

''ماجد چاہتا ہے ہم ایمن کے لیے اس کا پرپوزل لے جائیں۔'' چند لمحوں کو غفران صاحب کا وجود سُن سا ہو کر رہ گیا۔ وہ دھیرے سے شاہ بانو کی طرف پلٹے۔

''اوہ تو یہ بات ہے۔'' ان کے چہرے پر ہلکی سی معنی خیز مسکراہٹ در آئی۔ ''رات کو تیار رہنا چلے جائیں گے۔'' کوٹ پہن کر وہ چلے گئے پر شاہ بانو حیرت میں ڈوبی وہیں کھڑی رہیں۔ غفران صاحب کے اقرار سے زیادہ انہیں ان کی آنکھوں کی چمک عجیب سی لگی' نجانے اب ان کے دل میں کیا چل رہا تھا۔

❁......❁......❁
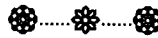
جب سے غفران صاحب اور شاہ بانو گئے تھے' مہرین جلے پیر کی بلی کی طرح بولائی بولائی پھر رہی تھیں۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ قسمت کیا نیا کھیل کھیلنے جا رہی تھی۔ صبح ناشتے کے وقت بھی ان کی حالت عجیب سی تھی۔

''کیا بات ہے مہرین' تمہاری آنکھیں کیوں سرخ ہو رہی ہیں؟'' خضر صاحب ان کی سرخ آنکھیں دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہوئے۔

''میں ایمن کے لیے ماجد کے پرپوزل کی وجہ سے پریشان ہوں خضر۔'' انہوں نے اپنی پریشانی کی وجہ بتادی۔

''کم آن مہرین...... اس میں پریشانی کی کیا بات ہے تمہیں تو خوش ہونا چاہیے اتنا اچھا رشتہ آنے پر۔ ماشاء اللہ ماجد بہت نائس اور نفیس لڑکا ہے' اتنی اچھی جاب پر ہے۔ دیکھنا کتنی ترقی کرے گا اور چھوٹی سی مختصر فیملی ہے ہماری ایمن بہت خوش رہے گی وہاں اور ہماری نظروں کے سامنے ہمارے قریب بھی رہے گی۔'' خضر شاید ہر اینگل سے سوچ چکے تھے اور مطمئن تھے۔

''وہ تو سب ٹھیک ہے پر میرا دل مطمئن نہیں ہو رہا۔''

''تمہارا دل مطمئن ہو گا بھی نہیں' ماں ہو ناں اکلوتی بیٹی کی رخصتی کا سوچ کر خود کو پریشان کر رہی ہو بس۔'' اب وہ انہیں کیسے بتاتی مسئلہ ایمن کی رخصتی کا نہیں غفران احمد کا تھا اور ماجد غفران احمد کا بیٹا تھا۔

''خضر میرا خیال ہے آسیہ باجی کا بیٹا ایمن کے لیے زیادہ بہتر ہے۔'' خضر صاحب نے حیرت سے مہرین کو دیکھا۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے شاہد دبئی میں ہے وہ وہاں جاب کرے گا اور ایمن یہاں تنہا رہے گی اور اگر بالفرض وہ اسے ساتھ لے بھی گیا تو ہم مہینوں یہاں اپنی بیٹی کی ایک جھلک دیکھنے کو ترسیں گے بہرحال میں شاہد اور ماجد دونوں کے لیے ایمن کی رائے لوں گا پھر جواب دیں گے۔'' مہرین نے چونک کر انہیں دیکھا کیونکہ اس بات کا جواب تو وہ جانتی تھیں پانی کو ایک طرف سے روکو تو وہ دوسری طرف سے راستہ بنالیتا ہے۔ ایمن کو بھی انہوں نے ماجد کو ساتھ آنے سے روکا تھا' پر وہ جانتی تھیں جب وہ کالج کے لیے نکلتی تبھی ماجد بھی آفس کے لیے نکلتا ہے ہر روز شام کو چائے کا کپ ہاتھ میں لیے چھت پر جانا ایمن کا معمول بنتا جا رہا تھا اس کے موبائل میں واٹس ایپ کا ایک نمبر ماجد کا ہے۔ مہرین کو دیکھتے ہی اس کی انگلیاں لیپ ٹاپ پر تیزی سے حرکت کرتیں اور فیس بک بند ہو جاتی تھی ایسی صورت میں اس کا جواب لازمی ماجد ہی ہونا تھا۔ وہ پریشان ہو کر رہ گئیں کہاں کہاں سے روکیں' جوان اولاد کے باغی ہو جانے سے بھی ڈرتی تھیں۔

اور پھر وہی ہوا ایمن نے ماجد کے لیے ہاں کر دی' خضر صاحب بھی خوش تھے سو چند دن بعد ہی انہوں نے غفران

صاحب کو ہاں میں جواب دے دیا۔ دونوں نے مل کر منگنی کی تاریخ بھی طے کرلی اور مہرین دیکھتی کی دیکھتی رہ گئیں۔ اُدھر شاہ بانو بھی شدید حیرت میں مبتلا تھیں' ان کا خیال تھا مہرین کبھی اس رشتے کے لیے راضی نہیں ہوں گی پر ان کا خیال' خیال ہی رہ گیا اور ایمن منگنی کی دلہن بن کر ماجد کے پہلو میں آ بیٹھی' ایک فور اسٹار ہوٹل کے بینکوئٹ حال میں منگنی کی تقریب جاری تھی۔ ماجد اور ایمن کے دل کی خوشی مسکراہٹ بن کر ان کے چہروں پر چھائی ہوئی تھی' مہرین اپنی کچھ جاننے والی خواتین کی طرف بڑھ رہی تھیں تبھی غفران صاحب ان کے راستے میں آ گئے۔

''مبارک ہو۔'' مہرین نے طائرانہ نگاہ اس پر ڈال کر منہ دوسری طرف پھیرلیا۔

''آج تو بیٹی سے زیادہ حسین لگ رہی ہو۔'' مہرین نے غصے سے انہیں دیکھا۔

''آپ کی بیگم مجھ سے زیادہ حسین ہیں' اپنی نگاہوں کو ان کی حد تک محدود رکھیں تو بہتر ہے۔'' غفران صاحب نے کچھ دور چند خواتین کے ساتھ بیٹھی شاہ بانو پر نظر ڈالی جن کی نگاہیں ان دونوں پر ہی مرکوز تھیں۔

''میں آج بھی تم سے شدید محبت کرتا ہوں۔'' ان کا لہجہ سرگوشی میں ڈھل گیا' مہرین کی آنکھوں میں غصے کے ساتھ حیرت بھی اتر آئی ان کی ڈھٹائی پر۔

''شرم آنی چاہیے آپ کو' اس عمر میں یہ حرکتیں سوٹ نہیں کرتیں آپ کو۔'' مہرین کے تلخ لہجے میں طنز کی کاٹ بھی تھی۔

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں' تنہائی میں۔'' انہوں نے ان کے طنز کو اگنور کرتے ہوئے کہا۔

''کیا...... آپ ہوش میں تو ہیں' آپ کی یہ گھٹیا باتیں میں خضر کو بتادوں تو......''

''آئی ڈونٹ کیئر' تم چاہے سارے زمانے کو بتادو پر تمہیں مجھ سے ملنا ہی ہوگا ورنہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں میں کیا کروں گا۔'' انتہائی سرد لہجے میں کہہ کر وہ آگے اپنے دوستوں کی طرف بڑھ گئے اور مہرین ہکا بکا وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

آج پھر ان کی آنکھوں سے نیند اڑی ہوئی تھی' ان کی توقع کے عین مطابق غفران صاحب نے اپنا آپ دکھادیا تھا بظاہر انہوں نے غفران صاحب کو دھمکی دے دی تھی کہ وہ خضر کو بتادیں گی پر حقیقت یہ تھی کہ وہ خضر صاحب کے ری ایکشن سے خوف زدہ تھیں وہ انتہائی جذباتی آدمی تھے' چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لے لینے والے۔ یہ تو بہت بڑی بات تھی' پر جب کچھ سمجھ نہیں آیا تو انہوں نے فون اٹھالیا۔

''السلام علیکم! مہرین بات کررہی ہوں...... ٹھیک نہیں ہوں...... جی پریشان ہوں...... فون پر نہیں بتاسکتی...... مجھے آپ کی ضرورت ہے پلیز آپ پاکستان واپس آجائیں۔ میں جانتی ہوں آپ غمگین ہیں' پریشان ہیں پر پلیز...... پلیز......'' بہتے آنسوؤں کے ساتھ انہوں نے فون بند کردیا اور پھر دو دن بعد ہی انہیں بیل کی آواز کے بعد ایمن کی خوشی سے چلاتی ماموں' ماموں کی آوازیں سنائی دیں۔ مہرین کے سینے سے پُرسکون سانس آزاد ہوئی' شرجیل دراصل بختیار مہرین کے بڑے بھائی تھے۔ ایک عرصہ سے جدہ میں مقیم تھے' اولاد نہیں تھی پر ان کی بیگم نفیسہ نے اپنے بھائی کی بیٹی لے کر پالی تھی۔ دو ماہ قبل نفیسہ جگر کے سرطان میں مبتلا ہوکر جان جانِ آفریں کو سونپ چکی تھیں۔ چند دن پہلے ان کے خاندان والوں نے محرم نامحرم کا مسئلہ اٹھا کر ان کی بیٹی کو بھی واپس بلالیا تھا جس کی وجہ سے شرجیل ان دنوں دکھی اور غمگین تھے پر جب بہن کا پریشانی میں مبتلا فون پہنچا تو وہ اپنے دکھ بھول کر وطن واپس آ گئے۔

''شرجیل یار ہم نے تمہیں ایمن کی منگنی والے دن بہت مس کیا۔'' ڈنر کی ٹیبل پر خضر صاحب نے شرجیل سے کہا' دونوں سالے بہنوئی میں مثالی دوستی تھی اور یہ دوستی تب سے تھی جب دونوں کالج میں پڑھتے تھے۔

''ہاں تبھی تو مجھے انوائٹ نہیں کیا۔'' شرجیل نے مسکرا کر گلہ کیا۔

''بھئی یہ گلہ اپنی بہن سے کرو' میں تو آخر تک کہتا رہا پر یہ کہنے لگی بھائی دکھی ہیں' پریشان ہیں اگر جو مجھے پتا ہوتا کہ تم دو دن بعد ہی آجاؤ گے تو میں ضرور تمہیں فون کردیتا۔'' شرجیل نے بہن کی طرف دیکھا تو وہ نگاہیں چرا گئیں پر بولی کچھ نہیں۔

''اچھا بھئی یہ تو بتاؤ کس کھونٹے سے باندھ دیا ہے میری بٹیا کو۔'' انہوں نے پیار سے ایمن کے سر پر چپت لگائی۔

''ماجد بہت اچھا اور قابل لڑکا ہے تم ملو گے تو خوش

ہوگئے‘ کل ملواؤں گا میں تمہیں اس سے اور اس کے فادر غفران احمد سے۔‘‘ چاولوں سے بھرا چمچ شرجیل کے منہ کی طرف جاتے جاتے ہی رک گیا‘ انہوں نے شدید حیرت سے پہلے خضر اور پھر مہرین کی طرف دیکھا انہوں نے بھی بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے نگاہیں جھکالیں‘ شرجیل چند لمحوں میں مہرین کی پریشانی سمجھ گئے تھے۔

’’تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے مہرین‘ یہ بات تم مجھے اب بتارہی ہو اتنا سب کچھ ہونے کے بعد۔‘‘ خضر صاحب اور ایمن کے سونے کے بعد مہرین گیسٹ روم میں شرجیل کو سب کچھ بتا چکی تھیں جس پر شرجیل سخت غصے میں تھے۔

’’میں نہیں چاہتی تھی بھائی جان کہ ایک بار پھر آپ کے اور اس کے درمیان کلیش ہو۔‘‘

’’ہونہہ کلیش...... اب میرے پاس کیا بچا ہے جسے وہ چھین لے گا۔‘‘ ایک عجیب سا دکھ ان کے لہجے میں بول رہا تھا۔

’’اس نے دھمکی دی ہے بھائی جان کہ وہ......‘‘

’’کچھ نہیں کرسکتا وہ‘ خوامخواہ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اب میں آ گیا ہوں ناں اور خبردار جو اس کی کوئی فضول بات مانی۔‘‘

’’وہ تو ٹھیک ہے لیکن ماجد...... وہ تو غفران کا بیٹا ہے۔‘‘

’’ڈونٹ وری‘ وہ شاہ بانو کا بھی تو بیٹا ہے غفران جیسا برا نہیں ہوسکتا۔‘‘ سگریٹ کے دھوئیں میں شاید انہوں نے شاہ بانو کو دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

’’ویسے کیسی ہے وہ؟‘‘ ان کے بے چین دل سے ایک آہ نکل کر لبوں تک آ گئی۔ بھائی کے دکھ سے مہرین کا دل بھی دکھی ہوگیا۔

’’بظاہر تو ٹھیک ہی لگتی ہے پر آنکھیں اندر کا حال سنا دیتی ہیں۔‘‘ شرجیل کو اپنی آنکھوں کے کونوں میں نمی کا احساس ہوا۔

❀......❀......❀

رات میں ماجد اور غفران صاحب کو خضر صاحب نے بطور خاص مدعو کیا تھا پر شرجیل کو سامنے دیکھ کر غفران صاحب کی اندرونی حالت کچھ عجیب سی ہوگئی تھی بمشکل تمام دونوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔ ایک ضروری کال کا بہانہ کر کے غفران صاحب فوراً ہی وہاں سے اٹھ آئے پر ماجد کافی دیر وہاں بیٹھا رہا۔ ماجد کے چہرے میں شرجیل کو شاہ بانو کی جھلک دکھائی دی پر اس کی باتوں سے شرجیل کو ایک سہا سہا سا تاثر ملا بعد میں انہوں نے سوچا شاید یہ میرا وہم ہوگا۔

دو دن بعد بظاہر سب ٹھیک ٹھاک تھا پر بیوی ہونے کی حیثیت سے مہرین سمجھ گئیں کہ خضر صاحب پریشان ہیں۔ رات جب دونوں کمرے میں آئے تب مہرین نے پوچھا۔

’’آپ مجھے پریشان لگ رہے ہیں سب خیریت تو ہے ناں؟‘‘ خضر صاحب انہیں دیکھتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئے۔

’’ابھی تو خیریت ہے پر آگے شاید نہ ہو۔‘‘

’’کیا مطلب میں سمجھی نہیں۔‘‘ مہرین ان کے قریب آ گئیں۔

’’میرے ریکارڈ سے ایک فائل غائب ہوگئی ہے جس کی وجہ سے اکاؤنٹس میں پانچ کروڑ کی گڑبڑ ہورہی ہے اور الزام میرے سر آ رہا ہے۔‘‘

’’کیا...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں‘ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟‘‘

’’میں خود حیران ہوں کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ کیا ہورہا ہے اور کیوں ہورہا ہے میرے ساتھ۔ میں نے اپنے پورے کیرئیر میں ایک روپے کی ہیرا پھیری نہیں کی اور اب یہ پانچ کروڑ......‘‘ یہ کہہ کر وہ اپنا سینہ مسلنے لگے‘ مہرین ایک دم گھبرا گئیں۔

’’اللہ کے واسطے خود کو سنبھالیں‘ کچھ نہیں ہوگا اللہ ہماری مدد کرے گا سب ٹھیک ہوجائے گی۔ اس مشکل سے نکلنے کا کوئی نہ کوئی تو حل ہوگا۔‘‘

’’ہاں ہاں‘ تم گھبراؤ نہیں سب ٹھیک ہوجائے گا‘ میں صبح غفران صاحب سے بات کروں گا۔‘‘ مہرین نے ایک دم چونک کر انہیں دیکھا۔

’’غفران......‘‘

’’ہاں وہ ہیڈ کوارٹر میں ہوتے ہیں ناں ان کی مدد سے یقیناً مسئلہ حل ہوجائے گا۔‘‘ مہرین سن سا وجود لیے انہیں دیکھتی رہی تو اس کا مطلب یہ سب غفران کروا رہے ہیں‘ ان کی سوچ اس ایک نقطے پر ٹھہر سی گئی۔

’’میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ اس حد تک گر سکتے ہیں۔‘‘ غفران صاحب اپنے آفس میں کچھ ضروری فائلز چیک کررہے تھے جب انہیں مہرین کی کال موصول ہوئی۔

''اوہ تو تم ہو۔'' انہوں نے فائلز ایک طرف رکھ دیں اور ریوالونگ چیئر سے ٹیک لگا کر مہرین کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولے۔

''کیوں...... کیوں کر رہے ہیں آپ یہ سب؟''

''میں...... میں کیا کر رہا ہوں؟''

''غفران آپ اچھی طرح جانتے ہیں خضر بے قصور ہیں ان کا ریکارڈ بالکل صاف ہے آپ پھنسا رہے ہیں انہیں۔''

''اچھا' کیا ثبوت ہے اس بات کا۔'' مہرین نے بے بسی سے اپنا ہونٹ کاٹا۔

''کیا ملے گا آپ کو یہ کر کے۔''

''تمہیں میرے اور اپنے معاملے میں شرجیل کو نہیں لانا چاہیے تھا۔''

''کیا مطلب وہ بھائی ہیں میرے' کبھی بھی آ سکتے ہیں۔''

''بچہ نہیں ہوں میں' سب سمجھ رہا ہوں وہ کیوں آیا ہے مگر اس کے آنے سے میری ڈیمانڈ ختم نہیں ہوگی۔ تمہیں میرے پاس آنا ہی ہوگا ورنہ نتائج کی ذمہ دار تم خود ہوگی' تمہارا شوہر عہدہ اور عزت دونوں گنوا بیٹھے گا اور تمہاری بیٹی اپنی محبت۔''

''آپ کو رحم نہیں آتا غفران......؟ دو زندگیاں برباد کر کے اب اور کتنی زندگیاں برباد کرنا چاہتے ہیں۔ کتنی اچھی ہے شاہ بانو کیوں قدر نہیں کرتے آپ اس کی۔''

''شاہ بانو...... ہونہہ......'' انہوں نے ایش ٹرے میں سگریٹ بجھائی۔ ''تمہارے بھائی کو سبق سکھانے کے لیے میں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک ایسی عورت کو خود پر مسلط کر لیا جس کے دل سے میں مرتے دم تک غیر کی محبت نہیں نکال سکتا اور نہ ہی وہ ذلت آمیز سلوک بھول سکتا ہوں جو تم نے اور تمہارے بھائی نے میرے ساتھ کیا تھا۔ بہتر ہے اپنے بھائی کو واپس بھیج دو اب تم اسے میرا انتقام سمجھو یا محبت' تمہیں میرے پاس آنا ہی ہوگا۔ میری بات مان لوگی تو تم بھی خوش رہوگی اور میں بھی۔''

''اور اگر میں نہ مانوں تو......''

''تو...... ہاہاہا...... میں نے سنا ہے خضر بہت نازک دل کا انسان ہے' چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس کا بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا ہے اگر کوئی بڑی بات ہوگئی تو کہیں ہارٹ اٹیک ہی نہ ہو جائے اسے۔'' اس سے زیادہ سننے کی تاب نہیں تھی مہرین میں' شدید غصے اور جھنجھلاہٹ میں اس نے اپنا فون دیوار پر دے مارا' بے بسی اور کرب کی کیفیت میں وہ کھڑکی میں آ کھڑی ہوئیں' ٹھنڈی ہوا کے ساتھ گزرے وقت کی تلخ و شیریں یادوں نے بھی ان کا دامن گھیر لیا ان کا ماضی بازو پھیلائے ان کے سامنے کھڑا تھا۔

❁......❁......❁

مہرین غالب کی دیوانی تھی اور کتنے ہی غالب کے شعر وہ عائزہ کو سنا چکی تھی اور جب عائزہ نے غالب کا ایک شعر سنایا تو وہ پھڑک کر رہ گئی جلدی سے اس نے بیگ سے ایک نوٹ بک نکالی اور عائزہ کا سنایا ہوا شعر اس میں لکھنے لگی۔

عاشقی' صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

سر غفران کا پیریڈ شروع ہونے والا تھا وہ دونوں بھاگتی ہوئی کلاس میں پہنچیں' سر غفران کو کالج جوائن کیے ابھی ایک ماہ ہی ہوا تھا وہ ٹائم کے پابند اور اصولوں کے سخت انسان تھے۔ لڑکیاں سر غفران کو دیکھتیں تو حیران رہ جاتیں' اتنا ینگ' ڈیشنگ اور اسمارٹ سا ٹیچر اتنا کھدرے مزاج کا کیسے ہو سکتا ہے' اسٹیٹس جیسا مشکل سے سمجھ میں آنے والا مضمون وہ پڑھاتے تھے ویسا ہی مشکل سے سمجھ میں آنے والا ان کا مزاج تھا۔ کبھی کسی نے انہیں کسی کے ساتھ فری ہوتے نہیں دیکھا تھا آج بھی وائٹ بورڈ پر ان کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے اور اسٹوڈنٹس تیزی سے اتار رہے تھے پھر انہوں نے سب کی نوٹ بکس چیک کرنے کے لیے مانگ لیں۔ چند ایک جو رہ گئیں وہ انہیں اپنے ساتھ لے گئے' اتفاق سے مہرین کی نوٹ بک بھی انہی میں تھی۔ اگلے دن عائزہ اور مہرین کیفے ٹیریا میں چائے اور سینڈوچز سے لطف اندوز ہو رہی تھیں جبھی عائشہ تیز چلتی ان کے پاس آئی۔

''مہرین تمہیں سر غفران بلا رہے ہیں اسٹاف روم میں۔'' مہرین کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''مجھے...... پر کیوں؟''

''بھئی مجھے کیا پتا خود ہی جا کر پوچھ لو۔'' یہ کہہ کر وہ چلتی بنی' مہرین عائزہ کے ساتھ اسٹاف روم تک آئی پر عائزہ باہر ہی رک گئی۔ کانپتے دل کے ساتھ مہرین اندر آئی تو وہ سامنے صوفے پر بیٹھے دروازے کی طرف ہی دیکھ رہے تھے اور کوئی موجود نہیں تھا۔

''جی سر آپ نے بلایا؟''

''آپ مہرین ہیں؟'' انہوں نے سرتا پا غور سے اس کے سراپے کا جائزہ لیا۔

''جی سر۔''

''یہ نوٹ بک آپ کی ہے۔''

''جی میری ہے' کیوں سر...... کوئی غلطی ہوگئی؟'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں تو' میں نے تو آپ کی نوٹ بک لوٹانے کے لیے بلایا تھا۔'' انہوں نے اس کی نوٹ بک اس کی طرف بڑھائی جسے خاص حیرت سے مہرین نے تھام لی' یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی جس کے لیے انہوں نے اس کو بلوایا تھا۔ دوسرے اسٹوڈنٹس کی نوٹ بکس کے ساتھ وہ اس کی بھی کلاس روم میں لوٹا سکتے تھے' چہرے پر الجھن کے آثار لیے وہ باہر آگئی کچھ ایسا تھا جس نے اسے اندر ہی اندر ٹھٹکا دیا تھا۔ باہر آکر اس نے اپنی نوٹ بک کھول کر دیکھی تو اس کے شعر کے نیچے ایک اور غالب کا شعر لکھا ہوا تھا۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
جو لگائے نہ لگے بجھائے نہ بجھے

اور پھر یہ سب آئے دن ہونے لگا' سر غفران آئے دن اسے آفس میں کبھی لائبریری میں بلوانے لگے کبھی راہ چلتے اسے روک کر کچھ پوچھنے لگ جاتے۔ ان کی باتوں میں وہ الجھ رہی تھی سر غفران کی نسبت سے اس کا کردار مشکوک ہو رہا تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید خود کو خوش نصیب سمجھتی پر مہرین کے دل پر اس کے بھائی شرجیل کے دوست خضر کے نقش بہت گہرے تھے۔

❁......❁......❁

پرپل اور گرے کنٹراس کے سوٹ میں جس پر مکیش کا کام تھا وہ بہت پیاری لگ رہی تھی آج اسے اپنی والدہ مسز بختیار کے ساتھ اپنے بھائی کی سسرال ہونے والی بھابی سے ملنے جانا تھا۔ چار ماہ پہلے ہی شرجیل اور شاہ بانو کی منگنی ہوئی تھی' دونوں کالج فیلوز تھے اور محبت کے رشتے میں بندھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے مسز بختیار اور شاہ بانو کی والدہ حمیرا بیگ گہری سہیلیاں تھیں سو محبت کا رشتہ دوستی کے رشتے سے مل کر ایک مضبوط منگنی کے رشتے میں خوشی خوشی بندھ گیا تھا پر جانے وہ کیسے لوگ ہوں گے جن کے پیار کو پیار ملا۔ مہرین شاہ بانو کے گھر آئی تو دروازہ کھولتے سر غفران کو دیکھ کر حیران رہ گئی وہ بھی اسے دیکھ کر حیرت میں مبتلا تھے پر جب حمیرا خالہ نے تعارف کروایا تو دونوں کی حیرت دور ہوئی۔

غفران حمیرا خالہ کے بڑے بھائی کی اکلوتی اولاد تھے جن کا پچھلے سال راولپنڈی میں انتقال ہوگیا تھا۔ والدہ بچپن میں ہی وفات پا گئی تھیں' ادھر خالہ کے شوہر بھی فوت ہوچکے تھے سو حمیرا خالہ نے غفران کو اپنے پاس بلوالیا تھا۔ نجانے یہ مہرین کا وہم تھا یا حقیقت اس نے آج پہلی بار سر غفران کو کھلکھلا کر ہنستے دیکھا تھا۔ غفران کامرس میں ماسٹرز کے بعد کسی اچھی جاب کی تلاش میں تھے پر یہ وقت ضائع نہ جائے اس لیے انہوں نے پرائیوٹ کالج میں وقتی طور پر جاب کرلی تھی۔ ان کی جذبے لٹاتی آنکھیں ان کے دل میں پلنے والی اس کی محبت کا پتا دے رہی تھیں۔ اس کا دل ایک دم ہی وہاں سے اچاٹ ہوگیا گو کہ شاہ بانو کی اور اس کی اچھی انڈر اسٹینڈنگ تھی شاہ بانو شرجیل کے ساتھ ساتھ اس کی بھی پسند تھی پر آج اس کا دل چاہ رہا تھا وہ یہاں سے چلی جائے۔

اس دن کے بعد سر غفران کالج میں مزید فری ہونے کی کوشش کرنے لگے تھے اب وہ اسے روک کر فیملی کے حوالے سے بھی بات کرتے تھے' اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ سر غفران کو خود کی طرف پیش قدمی کرنے سے کیسے روکے۔ اس دن بھی سر غفران نے اسے لائبریری میں بلوایا تھا زیادہ تر کلاسوں میں پیریڈ جاری تھے اسی لیے لائبریری میں طلباء کا رش نہ ہونے کے برابر تھا۔ چند ایک اسٹوڈنٹ بڑی میز کے گرد بیٹھے تھے۔ سر غفران ان سے قدرے ہٹ کر الماریوں کی سائیڈ پر کھڑے تھے۔

''آپ نے بلایا تھا سر؟'' اس کی آمد پر سر غفران نے اسے گہری نظروں سے دیکھا اور ایک ڈائری اس کی طرف بڑھادی۔

''اس کے لاسٹ پیج پر آپ کے لیے ایک میسج ہے آپ یہ لے جائیں اور پڑھ کر تسلی سے مجھے جواب دینا۔'' ان کا لہجہ سرگوشیانہ اور پُراسرار سا تھا اسے عجیب سا لگا اور غصہ بھی آیا ان کی حرکتیں بڑھتی جارہی تھیں اس نے ڈائری لے جانے کی بجائے وہیں کھول لی۔

''آپ یہ اپنے ساتھ گھر لے جائیں اور پھر آرام سے جواب دینا۔'' مگر اس کی نظریں وہیں اس تحریر پر پھیلتی چلی

گئیں۔ وہ اظہار محبت سے بھری تحریر تھی' جس کے آخر میں انہوں نے اس سے کالج کے باہر ایک قریبی ہوٹل میں تنہا ملنے کی درخواست کی تھی۔ مہرین کا خون کھول اٹھا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سر غفران اس گھٹیا پن پر اتر آئیں گے اس نے وہیں ڈائری سے پیج پھاڑ کر پُرزے پُرزے کر کے ان کے منہ پر دے مارا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ اتنے گرے ہوئے انسان ہوں گے اگر آپ میرے ٹیچر نہ ہوتے تو ان پُرزوں کی بجائے میں آپ کے منہ پر طمانچے دے مارتی' یہی میرا جواب ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کے بعد آپ مجھ سے کوئی سوال نہیں کریں گے۔'' اس کے زور زور سے بولنے کی وجہ سے تمام اسٹوڈنٹس اور لائبریرین ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ مہرین کے وہاں سے جانے کے بعد سر غفران کا وہاں موجود افراد کے سامنے کھڑا رہنا اور نظر ملانا محال ہو گیا تھا۔

اگلے دو تین دن وہ کالج نہیں گئی' مسز بختیار پوچھتیں تو بہانہ بنا دیتی پر جب شرجیل نے پوچھا تو وہ خود کو روک نہیں پائی اور ساری بات بتا دی۔

''اس خبیث کی یہ جرأت' اس نے میری بہن پر بری نظر رکھی' میں مار ڈالوں گا اسے۔'' شرجیل کا خون کھول اٹھا۔

''نہیں بھائی جان' آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے وہ شاہ بانو کا کزن ہے اس سے لڑائی آپ کے اور شاہ بانو کے رشتے پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔''

''تو پھر کیا کروں بے غیرت بن جاؤں۔''

''میں نے ایسا کب کہا بس آپ جلد از جلد شادی کی تاریخ پکی کروائیں اور شاہ بانو کو وہاں سے لے آئیں۔'' شرجیل کا دل وسوسوں میں گھر گیا کہیں وہ شاہ بانو کو نہ ستانا شروع کر دے سو انہوں نے اپنی والدہ پر زور ڈالنا شروع کر دیا۔ مسز بختیار شرجیل کی اور مہرین کی ایک ساتھ شادی کرنا چاہ رہی تھیں باپ کا سایہ سر پر نہیں تھا اور وسائل محدود تھے اس لیے وہ مان نہیں رہی تھیں۔

انہی دنوں حمیرا خالہ کے چھوٹے بھائی کی بڑی بیٹی کی شادی کی تقریب کا دعوت نامہ موصول ہوا' مسز بختیار اس دن طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے جا نہ پائیں' مہرین اور شرجیل کو بھیج دیا۔ بہت دنوں بعد مہرین نے وہاں سر غفران کو دیکھا انہوں نے بھی مہرین کو دیکھا اور آگے نکلتے چلے گئے۔

شادی کا انتظام گھر کے باہر ایک پارک میں کیا گیا تھا' کچھ دیر بعد گھر کے اندر سے ایک بچہ مہرین کے پاس آ کر کہنے لگا' آپ کو گھر میں شاہ بانو باجی بلا رہی ہیں' شرجیل نے مسکرا کر اسے جانے کی اجازت دے دی' وہ گھر میں آئی تو بہت کم لوگ تھے اور جو تھے وہ بھی شادی کی افراتفری میں تھے اس نے ایک لڑکی سے شاہ بانو کا پوچھا تو وہ کہنے لگی شاید اوپر ہو گی۔ جیسے ہی وہ اوپر والی سیڑھیوں میں آئی کسی نے اپنے آہنی شکنجے میں اسے جکڑ لیا' وہ چکرا کر رہ گئی' اوسان بحال ہوئے تو سر غفران کو خود سے اتنا قریب دیکھ کر بوکھلا گئی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے' چھوڑیں مجھے۔''

''بدتمیزی نہیں' یہ تو میری چاہت ہے۔ بدتمیزی تو وہ تھی جو تم نے کالج میں میرے ساتھ کی تھی۔ صرف اظہار محبت ہی تو کیا تھا' منع کرنا تھا تو آرام سے کر دیتیں' اتنا ئیراری ایکشن کیوں دکھایا۔ پورے کالج میں بدنام کر کے رکھ دیا مجھے' کسی سے نظر ملانے کے قابل نہیں چھوڑا۔'' ان کی گرفت سخت سے سخت تر ہو رہی تھی۔

''میں کہتی ہوں چھوڑیں مجھے ورنہ میں شور مچاؤں گی۔'' مہرین خود کو ان کی گرفت سے آزاد کروانے کی سر توڑ کوشش کر رہی تھی۔

''مچاؤ شور' یہی تو میں چاہتا ہوں کہ آج تم بھی بدنامی کا مزہ چکھو' تم بھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو۔'' ابھی وہ نہ جانے کیا کچھ بولنے والے تھے کہ پیچھے سے کسی نے انہیں کھینچا اور اپنی طرف رخ موڑ کر ایک زوردار گھونسہ رسید کر دیا اور صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ لاتوں مکوں سے ان کی اچھی خاصی تواضع کر دی۔ یہ شرجیل تھا شادی کے پنڈال میں شاہ بانو کو دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا' شاہ بانو یہاں ہے تو اندر مہرین کو کس نے بلایا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی وہ گھر کی طرف لپکے اگر جو مہرین انہیں کھینچ کھانچ کر وہاں سے لے نہ جاتی تو شاید وہ غفران کا خون کر ڈالتے۔

❀......❀......❀

دو ماہ بعد خضر کی والدہ رشتہ لے آئیں' مسز بختیار نے ایک مختصر سی منگنی کی تقریب رکھی تو حمیرا خالہ اور شاہ بانو کو بھی بلا لیا۔ وہ خضر کے گھر والوں سے اپنی ہونے والی بہو کو ملوانا چاہتی تھیں۔ شاہ بانو بہت دل سے تیار ہوئی کائی گرین پشواز اور آتشی چوڑی دار پاجامہ' دوپٹہ میں وہ کوئی مغلئی شہزادی لگ

رہی تھی۔ غفران نے دیکھا تو وہ چند لمحے دیکھتے رہ گئے' بلاشبہ وہ مہرین سے بھی زیادہ حسین تھی۔ تقریب میں غفران نہیں گئے تھے' حمیرا خالہ اور شاہ بانو گئی تھیں واپسی میں شرجیل اپنی گاڑی میں انہیں چھوڑنے آئے تھے۔ ثمر اور حمیرا خالہ گھر کے اندر چلے گئے تو شرجیل نے شاہ بانو کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا اور اس کے کانوں میں کوئی ایسی بات کہی جسے سن کر وہ بری طرح شرماتی گھر کے اندر بھاگ گئی یہ سارا منظر غفران اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ محبت کے اس منظر نے ان کے اندر نفرت کا الاؤ بھڑکا دیا تھا۔

حمیرا خالہ نے شادی کی تیاریاں تیز کردی تھیں' شاہ بانو کا چہرہ آنے والے شب و روز کے خیال سے ہر دم جگمگاتا رہتا۔ مہندی کمبائن کرنے کا فیصلہ کیا تھا اس لیے سب ایک ہی پنڈال میں جمع تھے۔ مہرین اور شاہ بانو پیلے جوڑوں میں گیندے کا پھول ہی لگ رہی تھیں۔ خضر اور شرجیل اپنی قسمت پر نازاں اترائے اترائے پھر رہے تھے۔ مہرین کی نظر غفران کی طرف اٹھی تو اس نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ شرجیل نے بھی انتہائی سخت نظروں سے انہیں دیکھا تھا' پوری محفل میں ان کا وجود مجرم بن گیا تھا تمام وقت وہ پچھلی کرسیوں کی رو میں بیٹھے رہے اس لیے خضر انہیں دیکھ نہیں پائے تھے۔ غفران نے کھانا بھی نہیں کھایا اور نہ ہی کسی نے انہیں پوچھا سوائے ثمر اور حمیرا خالہ کے' گھر آتے آتے ایک بج گیا۔

❀......❀......❀
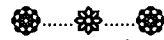
صبح فجر کی نماز پڑھ کر حمیرا خالہ جائے نماز پر بیٹھی دعا مانگ رہی تھیں جب غفران ان کے قریب آ بیٹھے ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی شیشی تھی۔

''یہ کیا ہے غفران۔'' انہوں نے دعا سے فارغ ہو کر پوچھا۔

''زہر......'' ان کے ہاتھ میں زہر تھا اور لہجے میں بھی۔

''زہر...... پر تمہارے ہاتھ میں کیوں ہے؟'' وہ اندر ہی اندر خوف زدہ ہو گئیں۔

''میں یہ پی کر مرجانا چاہتا ہوں۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو غفران......! مریں تمہارے دشمن تم کیوں مرنا چاہتے ہو؟'' ایک تلخ مسکراہٹ ان کے چہرے پر آ گئی۔

''آپ چاہتی ہیں پھوپی جان میں زندہ رہوں؟''

''ہاں...... ہاں بیٹا تم میرے بھائی کی آخری نشانی ہو میرے بچوں کی طرح ہو اور ایک ماں کیوں چاہے گی کہ اس کی اولاد اس کے سامنے مرجائے۔'' غفران اٹھے اور کچھ دور فریج پر رکھا ہوا قرآن پاک اٹھا لائے۔

''اگر آپ واقعی چاہتی ہیں کہ میں یہ زہر نہ پیوں تو قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں میری صرف ایک بات مانیں گی ورنہ میں ابھی یہ پی کر اپنی جان دے دوں گا۔'' انہوں نے شیشی کا ڈھکن کھولا تو حمیرا خالہ نے فوراً قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم اٹھائی۔

''میں تمہاری ایک بات نہیں ہر بات مانوں گی غفران' پر تم یہ زہر نہ کھاؤ۔'' انہوں نے ڈھکن بند کردیا۔ ''بولو کیا بات ہے؟'' غفران نے نگاہ ان کی طرف اٹھائی۔

''شاہ بانو کا نکاح آج شرجیل سے نہیں مجھ سے ہوگا۔'' چند لحموں کو حمیرا خالہ کچھ سمجھی نہیں اور جب سمجھ آئی تو غفران کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔

دن چڑھے غفران مولوی اور اپنے چند دوستوں کو لے آئے' رو رو کر شاہ بانو کا برا حال ہوگیا پر حمیرا خالہ نے اپنی قسم اور عزت کا واسطہ دے کر شاہ بانو کو رضامند کر ہی لیا۔ تین بار ہاں بول کر شاہ بانو نے اپنے لب سی لیے۔ شرجیل پر یہ خبر بجلی بن کر گری ان کا ہنستا مسکراتا وجود زندہ لاش میں تبدیل ہو کر رہ گیا' ہر شخص ششدر تھا کہ یہ آناً فاناً کیا ہوگیا۔ ہر طرف سے لوگ آئے پر اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا' نکاح ہو چکا تھا۔ سہاگ رات کا تحفہ غفران نے شاہ بانو کو ایک زوردار تھپڑ کی صورت دیا اور پھر اگلے تئیس سال تک اس ذلت کا انتقام وہ شاہ بانو کے وجود سے لیتے رہے۔ اس پر بھی ان کے اندر لگی آگ بجھی نہیں بلکہ مہرین کو دیکھ کر ایک بار پھر شدت سے بھڑک اٹھی تھی۔

اکثر و بیشتر اتفاقات انسانوں کی زندگی بدل دیتے ہیں وہ بھی ایک ایسا ہی اتفاق تھا جب شاہ بانو اور شرجیل ایک دوسرے کے سامنے آئے' زینب کو اپنی دوست سے ضروری نوٹس لینے تھے۔ غفران صاحب گھر کی عورتوں کا بلاضرورت باہر جانا پسند نہیں کرتے تھے اور شاہ بانو کا تو ضرورتاً بھی نہیں پر بندہ بشر تھیں کبھی کبھی اپنی اشد ضرورتوں کے لیے قریبی مارکیٹ تک زینب یا ماجد کے ساتھ چلی جاتی تھیں اس دن

بھی ایسا ہی ہوا زینب کو آدھے گھنٹے کے لیے اس کی دوست کے گھر چھوڑ کر خود مارکیٹ آ گئیں' سروس روڈ کراس کرتے ہوئے ایک تیز رفتار موٹر سائیکل سے انہیں دھکا لگا اور وہ فٹ پاتھ سے رگڑ کھاتی ہوئی گر پڑیں ان کے دائیں بازو پر سے شال ہٹ گئی' قمیص پھٹی اور بازو بری طرح چھل گیا۔

''ارے سنبھل کر آپ کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔'' راستے سے گزرتے شخص نے انہیں سہارا دے کر اٹھایا جب دونوں کی نظریں ملیں تو پھر ایک دوسرے میں پیوست ہو کر رہ گئیں۔

''شرجیل......!''

''شاہ بانو......!'' دونوں نے کانپتے لبوں سے ایک دوسرے کو پکارا۔

''تم......تم......؟'' شرجیل کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کہیں پھر ان کی نگاہ شاہ بانو کے بازو پر پڑی۔

''تم تو زخمی ہو گئی ہو شاہ بانو......آؤ میں تمہیں کلینک لے چلوں۔''

''نہیں میں ٹھیک ہوں بس اب گھر جاؤں گی۔''

''پاگل ہو گئی ہو کیا' اپنا بازو تو دیکھو کس بری طرح چھل گیا ہے۔ میں تمہیں ایسے نہیں جانے دوں گا' تمہیں بینڈ یج کروانی ہو گی۔ چلو شاباش' یہاں قریب ہی کلینک ہے۔'' ان کی ہمدردی پر شاہ بانو کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ شرجیل نے انہیں کاندھوں سے تھام کر چلنے میں مدد دی اور وہ ان کی معیت میں قریبی کلینک تک چلی گئیں یہ جانے بغیر کہ مین روڈ کے پار دو قہر برساتی نگاہیں ان کے تعاقب میں تھیں۔

❀......❀......❀

ماجد اور زینب دونوں ٹی وی کے سامنے بیٹھے چپس کھاتے ہوئے ٹام اینڈ جیری شو دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ بڑے ہو جانے کے بعد بھی دونوں یہ کارٹون بہت شوق سے دیکھتے تھے شاہ بانو کچن سمیٹ کر باہر آ رہی تھیں' ان کے دائیں بازو میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں مگر وہ کمال ضبط سے سہہ رہی تھیں۔ بچے ان کی تکلیف پر پریشان ہو کر رہ جاتے تھے۔ اس لیے اپنے ساتھ ہونے والے حادثے کی خبر انہوں نے بچوں کو نہ ہونے دی تھی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے جب غفران صاحب سپاٹ چہرے کے ساتھ لاؤنج میں داخل ہوئے زینب نے ٹی وی بند کر دیا۔

''کھانا کھائیں گے یا کھا کر آئے ہیں۔'' شاہ بانو نے روز کی طرح آج بھی ان سے پوچھا تھا' وہ آہستہ آہستہ چلتے ان کے قریب آ گئے آج ان کی چال میں غیر معمولی پن تھا' قریب آتے ہی انہوں نے ایک زناٹے دار تھپڑ شاہ بانو کو رسید کر دیا۔

''بے غیرتی کا گھونٹ پی کر آیا ہوں' جی تو چاہ رہا تھا تمہارے عاشق کی بانہوں میں ہی تمہارا گلہ گھونٹ دوں۔''

''ابو جی......'' ماجد ماں کے کردار پر رکیک الزام برداشت نہیں کر سکا۔

''برا لگ رہا ہے ناں ماں کے لیے' ذرا سوچو میں شوہر ہوں مجھ پر کیا گزری ہو گی اپنی بیوی کو کسی اور کی بانہوں میں سرعام دیکھ کر۔ تم نے ایک بار بچپن میں بھی مجھ سے پوچھا تھا ناں ماجد کے میں تمہاری ماں کو کیوں مارتا ہوں اس وقت میرے پاس جواب نہیں تھا پر آج ہے۔ تمہاری ماں ایک بدکردار اور بے حیا عورت ہے۔'' ماجد کی رگیں تن گئیں' زینب نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

''ایسا نہیں ہے ابو جی......امی ایسی نہیں ہیں۔'' شاہ بانو کا ایک ایک آنسو ماجد کے دل پر گر رہا تھا۔

''اچھا تو پھر پوچھو اپنی ماں سے کس کے ساتھ شام گزاری ہے آج اس نے۔'' زینب کا دل چاہا بول دے کہ وہ ان کے ساتھ اپنی سہیلی کے گھر گئی تھی پر یہ حقیقت تھی کہ آدھے گھنٹے کا کہہ کر شاہ بانو تین گھنٹے بعد اسے لینے آئی تھیں۔ ماجد کی نگاہیں شاہ بانو کی طرف اٹھ گئیں پر شاہ بانو کا جھکا سر نہ اٹھا۔

''امی آپ بولتی کیوں نہیں؟'' ماجد نے انہیں بولنے پر اکسایا تھا۔

''امی اللہ کے واسطے بولیں یہ سب جھوٹ ہے' ایسا نہیں ہو سکتا۔'' شاہ بانو نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں اٹھا کر بچوں کو دیکھا پر ان کے لبوں پر لگی چپ نہ ٹوٹی۔

''کیسے بولے گی' آنکھوں دیکھی تو جھوٹ نہیں ہوتی اور میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا ہوں تیئس سال تک میں نے بڑے ظرف کے ساتھ اس عورت کو برداشت کیا پر اب نہیں کر سکتا۔ اس عمر میں بھی اپنی بدچلنی نہیں چھوڑی' یہ اب اس گھر میں نہیں رہ سکتی ابھی اور اسی وقت اسے یہ گھر چھوڑنا ہوگا۔'' انہوں نے شاہ بانو کا بازو پکڑا اور مین گیٹ کی طرف

گھسیٹنے لگے۔

''ایسا نہ کریں غفران! اللہ کے واسطے مجھے گھر سے نہ نکالیں، میں کہاں جاؤں گی۔''

''جہاں مرضی جاؤ، پر میرے گھر میں تمہارے لیے اب کوئی جگہ نہیں ہے۔'' غفران صاحب نے شاہ بانو کو گیٹ سے باہر دھکا دے کر گیٹ بند کردیا۔ بدچلنی کے الزام پر ماں کی خاموشی نے ماجد اور زینب کے پیروں میں زنجیریں ڈال دی تھیں۔

❁......❁......❁

''آپ نے غلط کیا آپا...... آپ کو چاہیے تھا ماجد اور زینب کو ساری حقیقت بتا دیتیں۔'' ثمر کے اتنی رات ان کے تنہا آنے کا سبب پوچھنے پر انہوں نے ساری بات اسے اور اس کی بیوی ماہم کو بتادی۔

''کیسے بتاتی ثمر...... شرجیل ایمن کے ماموں ہیں، ماجد جوان ہے، گرم خون ہے ان سے جا کر الجھ پڑتا تو بات کتنی خراب ہوتی اور پھر غفران نے خود نہیں بتایا کہ میرے ساتھ کون تھا۔ وہ میرے منہ سے اگلوانا چاہ رہے تھے۔''

''پر آپ کی خاموشی نے ان کی بات تو سچ کردی ناں آپا۔'' ثمر کا دکھ سے برا حال تھا، وہ عمر میں اس سے دس سال بڑی تھیں۔ حمیرا خالہ کی وفات کے بعد شاہ بانو نے چاہا تھا کہ وہ ثمر کو اپنے ساتھ رکھ لیں پر غفران صاحب کو سگے بھائی کا ساتھ بھی شاہ بانو کے لیے قبول نہیں تھا۔ ثمر اچھی طرح جانتا تھا کہ غفران صاحب کا سلوک اس کی آپا سے اچھا نہیں ہے وہ چھپ کر ان سے ملتا تھا اور اگر کسی دن غفران صاحب کو پتا چل جاتا کہ وہ آیا تھا یا شاہ بانو اس کی طرف گئی تھیں بس اس دن قیامت ہوجاتی تھی۔

''نہیں ثمر...... غفران کی بات سچ نہیں ہوگی، میں اپنے بچوں کو سب کچھ بتاؤں گی پر ایسے کہ ان کی خوشیاں متاثر نہ ہوں۔ میرے بچوں نے بہت ڈر اور خوف کی زندگی گزاری ہے، پر اب ان کے ساتھ برا نہیں ہوگا ماجد کو اس کی محبت ضرور ملے گی۔'' ان کی آنکھوں میں ان کے عزم کی جھلک صاف دکھائی دے رہی تھی۔

❁......❁......❁
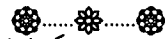
اس رات ان تینوں میں سے کسی کی بھی آنکھوں میں نیند نہیں اتری تھی، انسان کے ساتھ برا ہو یا وہ کسی کے ساتھ برا کرے دونوں صورتوں میں نیند اس کی آنکھوں سے رخصت ہوجاتی ہے۔ غفران صاحب بھی جاگ رہے تھے اور آگے کے لیے اپنے ذہن میں لائحہ عمل تیار کررہے تھے۔ ماجد اور زینب بھی جاگ رہے تھے، ماں کی خاموشی نے ان پر قیامت ڈھادی تھی۔ زینب کا رو رو کر برا حال تھا، صبح تک رونے کی وجہ سے اسے بخار چڑھ گیا تھا۔ ماجد نے اسے بخار کی دوائی کھلا کر سلادیا۔ غفران صاحب ناشتے کے بغیر ہی آفس چلے گئے اور ماجد آفس گیا ہی نہیں اس نے اپنا فون بھی بند کر رکھا تھا، اسے لگ رہا تھا کہ اگر کچھ دیر مزید اسے کوئی جذباتی سہارا میسر نہ آیا تو اس کے دماغ کی کوئی رگ پھٹ جائے گی۔ اس جذباتی سہارے کی تلاش میں وہ سامنے ایمن کے گھر آگیا، اس کے ملگجے کپڑے، الجھے بال اور سرخ آنکھیں دیکھ کر مہرین سمجھ گئی کہ وہ پریشان ہے۔

''کیا بات ہے ماجد...... یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے، تم ٹھیک تو ہو؟''

''جی آنٹی میں ٹھیک ہوں، کیا میں ایمن سے مل سکتا ہوں؟'' مہرین اثبات میں سر ہلاتی اندر چلی گئیں اور ایمن کو بھیج دیا پر تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر دروازے کی اوٹ میں آ کھڑی ہوئیں۔ کل شرجیل نے انہیں بتایا تھا کہ وہ مارکیٹ میں شاہ بانو سے ملے تھے اور آج ماجد کا آجانا حیرت انگیز تھا۔

''ماجد...... کیا ہوا، سب خیریت تو ہے ناں، آپ اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہیں؟''

''میں واقعی پریشان ہوں ایمن...... میرا سب کچھ برباد ہوگیا۔''

''ایسے کیوں کہہ رہے ہیں ماجد، میں ہوں ناں آپ کے ساتھ۔''

''اس لیے تو میں تمہارے پاس آیا ہوں۔'' اس نے بے قراری میں ایمن کا ہاتھ تھام لیا، وہ اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔

''رات ابو جی نے امی کو گھر سے نکال دیا۔''

''کیا......!'' اور پھر جیسے جیسے وہ اس کے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتا گیا ویسے ویسے اندر ایمن کی اور باہر مہرین کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

''اوہ میرے اللہ، یہ کیا ہوگیا، شاہ بانو کہاں ہے اب۔''

مہرین نے شرجیل کو بتایا تو وہ بے چین ہو اٹھے۔
"اللہ ہی بہتر جانتا ہے شاید اپنے بھائی ثمر کے پاس چلی گئی ہوں۔"
"میں اس خبیث شخص کا خون کردوں گا۔"
"نہیں بھائی جان! آپ..... آپ کچھ نہیں کریں گے۔"
"پر اب وقت آ گیا ہے کہ اس کے ظلم کو روک دیا جائے اور یہ کام اب میں کروں گی۔"
"تم......"
"جی میں! میری وجہ سے ہی اس نے شاہ بانو کی زندگی عذاب بنادی۔ اس کے دکھوں کا ازالہ بھی اب میں ہی کروں گی۔"
"تم کیا کروگی؟" شرجیل اس کی باتیں سن کر حیرت زدہ ہوئے۔
"میں....." وہ دھیرے سے مسکرادی۔ "وہ بلا رہے ہیں ناں مجھے میں جاؤں گی ان کے پاس۔"
"کیا...... مہرین.....!" حیرت سے شرجیل کی آنکھیں ابل پڑیں پر مہرین نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

❀......❀......❀

"ارے آپا...... یہ آپ کیا کررہی ہیں یہ کام کر کے مجھے شرمندہ نہ کریں۔" ماہم اپنے کمرے میں ننھے بلال کو سلا رہی تھی تو شاہ بانو کچن میں آ گئیں اور آٹا گوندھنے لگیں۔
"اس میں شرمندہ ہونے کی کیا بات ہے بیٹا! تم تو مجھے کچھ کرنے ہی نہیں دے رہیں۔ میں فارغ بیٹھنے والی عورت نہیں ہوں تمہارا چھوٹا بچہ ہے یوں مجھ سے تمہیں تھوڑا آرام ہی مل جائے گا۔"
"وہ تو ٹھیک ہے آپ کو ثمر اپنی ماں کی جگہ دیتے ہیں اور ماں سے میں یہ کام کیسے کرواسکتی ہوں۔" اس نے پیار سے ان کے ہاتھ سے پرات لی۔
"اللہ تمہیں خوش رکھے۔" شاہ بانو کی آنکھیں بھیگ گئیں اس دم ثمر بھی آ گیا پر وہ اکیلا نہیں تھا کچھ روٹھا روٹھا سا ماجد اس کے ساتھ تھا۔ شاہ بانو ماجد سے لپٹ گئیں ماجد بے حس سا کھڑا رہا پر ماں کے آنسوؤں نے زیادہ دیر اسے بے حس نہیں رہنے دیا اور وہ انہیں اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ شاہ بانو نے اسے سب کچھ بتادیا وہ ان سے گلہ کررہا تھا کہ یہ بات انہوں نے اسے پہلے ہی کیوں نہ بتادی اس وقت اس کے فون پر کال آئی۔
"ہیلو...... ماجد میں شرجیل بول رہا ہوں کیا میں شاہ بانو سے بات کرسکتا ہوں۔" چند لمحے سوچنے کے بعد ماجد نے فون شاہ بانو کی طرف بڑھا دیا۔

❀......❀......❀

بائیس منزلہ عمارت کی بارہویں منزل پر پاکستان کے ایک بڑے بینک کے ہیڈ آفس میں اپنے کیبن کی طرف بڑھتے ہوئے انہیں مہرین کی کال موصول ہوئی۔ آفس میں جانے کی بجائے وہ بڑی سی گلاس وال کے سامنے آ گئے۔
"مہرین بول رہی ہوں۔"
"بولو میں دل و جان سے سن رہا ہوں۔"
"میں آپ سے ملنے کو تیار ہوں۔"
"گڈ۔"
"پر میری دو شرائط ہیں ایک آپ کو خضر کی فائل واپس کرنی ہوگی دوسری شاہ بانو کو طلاق دینی ہوگی۔"
"اور اگر میں نہ مانوں تو......"
"تو پھر جو آپ کا دل چاہے وہ کریں زیادہ سے زیادہ میں فٹ پاتھ پر آ جاؤں گی پر آپ کے ہاتھ بھی تو کچھ نہیں آئے گا۔" غفران سوچ میں پڑ گئے۔
"ٹھیک ہے تمہیں فائل مل جائے گی پر شاہ بانو سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں وہ میرے بچوں کی ماں ہے میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔" مہرین کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔
"بہت خوب یعنی ساری عمر دکھ دینے کے لیے ایک مہرہ ہاتھ میں ضرور رکھنا ہے آپ نے۔ پر ایک بات سن لیں غفران...... کسی دوسری عورت کی موجودگی میں میں آپ کی زندگی کا حصہ بننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ آپ کو ہر حال میں شاہ بانو کو چھوڑنا ہی ہوگا اگر یہ بات آپ کو منظور ہے تو میں آ جاؤں گی۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد غفران صاحب نے جواب دیا۔
"ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔" تیئس سال سے دل میں دبی آرزو پوری ہونے والی تھی وہ ہر قیمت پر مہرین کا حصول چاہتے تھے انہیں اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کا اس سے بڑا موقع پھر کبھی نہیں مل سکتا تھا۔

❀......❀......❀

ہوٹل پرل کانٹینٹل کا ویٹر انہیں اس لگژری سویٹ کے سامنے چھوڑ گیا اور اب باہر کھڑی وہ خود کو اندر جانے کے لیے تیار کررہی تھیں۔ چند لمحوں بعد انہوں نے دل کڑا کرکے بیل دی' تھری پیس سوٹ میں ملبوس غفران صاحب نے انہیں ویلکم کیا وہ اندر آئیں تو اپنی پشت پر انہیں دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ انہیں اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا مڑ کر دیکھا تو غفران صاحب بھرپور نظروں سے سرتاپا ان کا جائزہ لے رہے تھے۔ بلیک شیفون کی گولڈن بنارسی بارڈر والی ساڑھی پر چترالی شال ایک کاندھے پر ڈالے وہ غفران صاحب کے دل پر قیامت ڈھارہی تھیں۔

''ڈھلتی جوانی میں بھی تمہارا حسن لاجواب ہے۔''

''آپ کی نظر کا کمال ہے۔''

''میرا کمال ابھی تم نے دیکھا ہی کہاں ہے۔'' انہوں نے مہرین کے گال کو چھوتی ایک لٹ کو چھونے کی کوشش کی تو وہ فوراً پیچھے ہٹ گئیں۔

''پہلے فائل اور طلاق نامہ۔'' غفران صاحب ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئے۔

''بہت ضدی عورت ہو تم۔'' یہ کہہ کر وہ ٹیبل پر رکھے اپنے بریف کیس کی طرف بڑھ گئے اور اس میں سے ایک فائل اور ایک اسٹامپ پیپر نکال لائے۔ مہرین نے دونوں چیزیں اچھی طرح چیک کیں۔

''اب تو خوش ہو۔'' کوٹ اتارتے ہوئے غفران صاحب نے پوچھا۔

''بالکل' اپنے محبوب شوہر اور شاہ بانو کی آپ سے جان چھوٹنے پر میں بہت خوش ہوں۔'' ان کا مبہم انداز وہ سمجھ نہیں پائے۔

''میں سمجھا نہیں۔'' مہرین مسکراتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھیں۔

''ابھی سمجھ میں آجائے گا۔'' یہ کہہ کر انہوں نے دروازہ کھول دیا' کف لنکس کھولتے غفران صاحب وہیں ٹھٹک گئے' سامنے ہی ماجد کھڑا تھا اور اس کے پیچھے شرجیل' خضر اور ثمر کھڑے تھے۔

''دیکھ لو ماجد...... اپنے باپ کا گھناؤنا روپ' شریف النفس باکردار بیوی پر الزام لگانے والا خود کردار کی پستیوں میں گرا ہوا ہے۔ مجھے اپنے پاس بلانے کے لیے اس نے خضر کی یہ فائل غائب کروائی تھی۔'' یہ کہتی مہرین خضر کے پاس جا کھڑی ہوئیں تو انہوں نے اپنا ہاتھ ان کے کاندھے پر رکھ کر خود سے قریب کرلیا' یہ سب دیکھ کر غفران صاحب کا رنگ فق ہوگیا۔

''مجھے شرم آرہی ہے ابو جی...... آپ کو اپنا باپ کہتے ہوئے' ساری عمر آپ امی کو مارتے رہے ان سے نفرت کرتے رہے پر آج آپ سے زیادہ قابل نفرت شخص میرے لیے اور کوئی نہیں۔'' خضر صاحب نے اپنا دوسرا ہاتھ ماجد کے کاندھے پر رکھا۔

''کسی غلط فہمی میں مت رہیے گا غفران صاحب...... مہرین میری بیوی' میری عزت ہے اور مجھے اس پر پورا بھروسہ اور اعتماد ہے۔ ماجد اور ایمن کا مستقبل بھی محفوظ ہے کیونکہ یہ صرف آپ کا نہیں شاہ بانو کا بھی بیٹا ہے۔'' خضر صاحب چپ ہوئے تو ثمر بول اٹھا۔

''میں صرف آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں بھائی جان کہ آپ نے آج اپنی غلامی سے میری مظلوم آپا کو آزاد کردیا۔ اب وہ اپنی باقی زندگی سکون سے گزار سکیں گی۔'' شرجیل دو قدم آگے آکر ان کے مدمقابل آگئے۔

''تم کل بھی اپنی شرمناک حرکتوں کی وجہ سے ذلیل ہوئے تھے اور آج بھی' ہم سب کی ہی نہیں اپنی اولاد کی نظروں میں بھی ذلیل ہوگئے ہو۔ دل تو چاہ رہا ہے آج بھی تمہارے ساتھ وہی سلوک کروں جو تیئس سال پہلے کیا تھا پر مرے ہوئے کو کیا مارنا۔'' یہ کہہ کر وہ پلٹے اور سب کے ساتھ لابی کی طرف بڑھ گئے' پیچھے غفران صاحب کا وہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

انتقام کے جنون میں دوسروں کی خوشیاں چھیننے کی کوشش میں آج وہ خود تہی دست رہ گئے تھے۔ صحیح کہا تھا شرجیل نے زندہ ہوتے ہوئے بھی وہ مُردوں سے بدتر تھے۔

❁......❁......❁

شرجیل واپس جدہ لوٹ گئے تھے' ماجد زینب کو بھی شاہ بانو کے پاس لے آیا تھا۔ مہرین اور خضر صاحب کی درخواست پر شاہ بانو نے ماجد کو ان کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی' اپنے ساتھ بہو بیٹے کو رکھتی بھی کہاں وہ تو خود بیٹی کے ساتھ بھائی کے در پر تھیں۔

ماجد کے نکاح کے ایک ہفتے بعد مہرین اور خضر صاحب

شرجیل کا پرپوزل لے آئے شاہ بانو راضی نہیں تھیں۔ ان کے کاندھوں پر زینب کی ذمہ داری تھی پر ثمر اور ماہم کے سمجھانے پر وہ عدت پوری کرنے کے بعد نکاح پر راضی ہوگئیں۔ نکاح کے بعد شرجیل نے زینب کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''دنیا نے ایک بیٹی مجھ سے چھین لی تو اللہ نے دوسری بیٹی مجھے عطا کردی۔'' یہ سن کر شاہ بانو کا دل اطمینان سے بھر گیا۔

جس دن شرجیل نے شاہ بانو اور زینب کو جدہ لے جانا تھا اس سے ایک رات پہلے سب ثمر کی طرف اکٹھے ہوئے ہر شخص اپنی جگہ خوش اور مطمئن تھا۔ زندگی میں پہلی بار ماجد اور زینب نے ماں کے چہرے پر سچی خوشی کا عکس دیکھا تھا' شرجیل شاہ بانو کو پاکر بے حد خوش اور اپنی قسمت پر نازاں تھے۔ ایمن اور ماجد بھی ایک دوسرے کو پاکر بے انتہا مسرور تھے اور ان دونوں جوڑوں کو خوش دیکھ کر مہرین اور خضر بھی بے حد مطمئن تھے تبھی اچانک بیل بجی' ثمر نے دروازہ کھولا تو سامنے غفران صاحب کھڑے تھے' انہیں دیکھ کر سب کے ہنستے مسکراتے چہروں پر سنجیدگی چھا گئی۔ شکن زدہ لباس' بکھرے بال' بڑھی ہوئی شیو اور جھکی کمر سے ان کی حالت کا سب کو بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔ شاہ بانو کا دل کٹ سا گیا' یہ وہ غفران صاحب تو نہیں تھے جن کے ساتھ انہوں نے زندگی کے تیئس سال گزارے تھے' بمشکل تمام چند قدم اٹھا کر وہ آگے آئے۔

''میں یہاں پھر کسی کو دکھ دینے نہیں آیا' بلکہ آپ سب سے اپنی زیادتیوں کی معافی طلب کرنے آیا ہوں۔ خاص طور پر شاہ بانو اور اپنے بچوں سے' اگرچہ میں اس لائق نہیں ہوں پھر بھی ہوسکے تو مجھے معاف کردو۔'' انہوں نے شاہ بانو کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے' شاہ بانو نے منہ موڑ لیا انہوں نے ماجد کو دیکھا تو وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا وہ بندھے ہاتھوں سے زینب کی طرف بڑھ گئے۔ زینب بہت حساس تھی باپ کی حالت پر تڑپ اٹھی' بھاگتی ہوئی آئی اور باپ کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چوم لیے۔ شاہ بانو یہ منظر دیکھ کر سکتے میں آگئیں' باقی سب بھی حیران رہ گئے۔ غفران صاحب نے زینب کو سینے سے لگالیا' تھوڑی دیر بعد اس کا ماتھا چوم کر روتا بلکتا چھوڑ کر گھر سے باہر چلے گئے۔

اگلے دن ائیر پورٹ کے لیے نکلنے سے پہلے شاہ بانو نے زینب کا سامان اپنے سامان سے الگ کردیا اور ماجد کو بلا کر کہا۔

''میں نے تمہارے باپ کو معاف کردیا ہے ماجد! تم بھی معاف کردو' کچھ بھی ہے وہ تمہارے باپ ہیں' تمام عمر تمہیں کھلایا پلایا' پڑھایا لکھایا تمہاری ہر ضرورت پوری کی اب انہیں تمہاری ضرورت ہے۔ ان کے پاس لوٹ جاؤ' ان کے بڑھاپے کو سہارا مل جائے گا' زینب بھی اپنے ماں باپ کے قریب رہے گی اور پھر بیٹیاں باپ کے گھر سے رخصت ہوں تبھی زیادہ عزت پاتی ہیں۔'' انہوں نے زینب کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو اس کی آنکھیں نم ہوگئیں' شاہ بانو نے ماجد کی طرف دیکھا تو اس نے سر جھکالیا انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

''میری بات مانو گے ناں بیٹا؟'' اس نے ماں کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

❁......❁......❁
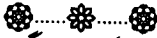
شاہ بانو اور شرجیل کی جدہ روانگی کے اگلے دن ماجد' زینب اور ایمن کو لے کر اپنے گھر آ گیا۔ بیل بجانے پر دروازہ غفران صاحب نے کھولا ان تینوں کو دیکھ کر غفران صاحب کی آنکھیں چمک اٹھیں' بے پایاں مسرت کی لہر ان کے چہرے پر دوڑ گئی۔

انہوں نے آگے بڑھ کر تینوں کو اپنے بازوؤں میں بھرلیا پھر انہوں نے دیکھا سامنے والے بنگلے کے گیٹ پر مہرین اور خضر صاحب کھڑے اس ملن پر دھیرے سے مسکرا رہے تھے۔ غفران صاحب نے اپنا سر خم کرکے ان دونوں کا شکریہ ادا کیا اور اپنے مستقبل کی خوشیوں کو اپنے بازوؤں میں بھر کر گھر کے اندر چلے آئے۔

❁

محبت

آسیہ مظہر چوہدری

''محبت کرتا ہوں تم سے اب اور جدائی گوارا نہیں۔'' وہ اس کے لفظوں کے جال میں پور پور ڈوب چکی تھی۔

''انصر میں بھی تمہارے بنا نہیں رہ سکتی۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر یک لخت گویا ہوئی تو شیطان اس کی کارروائی پر قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

''تم اپنے گھر والوں کو میرے گھر کب بھیجو گے؟'' اس نے پوچھا۔

''بہت جلد یہ بات کروں گا۔'' وہ اسے دلاسا دیتے بولا۔

''اب اس طرح چھپ چھپ کر میں ملنے نہیں آ سکتی، شہر سے دوسرا بھائی بھی آ گیا ہے۔'' اس نے افسردہ لہجے میں اپنی مجبوری بتائی تو انصر یہ سن کر تڑپ اٹھا۔

''یعنی جدائی کا زہر پیلانا چاہتی ہو۔''

''پلیز میری مجبوری کو سمجھو۔'' وہ بے بسی سے بڑبڑائی۔

رات کی سیاہ تاریکی مدھم مدھم گھٹنے لگی تھی، انجمن بھی ہولے ہولے اپنی یہ ملاقات ختم کرنے لگی تھی۔ سیاہ چادر پر ہیرے کی مانند چمکتا چاند انجمن کے اس عمل پر سخت افسردہ ہو کر اپنا چہرہ بادلوں میں چھپا گیا تھا۔

♥ ...... ☆ ...... ♥

''انجمن نی انجمن، ارے کہاں مر گئی۔'' اماں حلق پھاڑ کر چلائی تو وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی۔

''کیا ہے اماں کیوں شور مچا رہی ہے؟'' اس نے نخوت سے آنکھیں ماتھے پر چڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''وے...... امن پسند نگوڑی، باپ کب سے چائے کے لیے بیٹھا ہے، کب اس کی امن پسند بیٹی اسے چائے کا پوچھ لے۔'' اماں نے بھی جواباً اسے طنز کا جوتا بھگو کر مارا۔

''اف......'' وہ جواباً پیر پٹختی کچن کی جانب بڑھ گئی۔ الٹی سیدھی چائے پکائی اور جا کر باپ کو دے آئی۔

''میری دھی رانی کتنے دنوں سے دکھائی نہیں دی، کہاں تھیں؟'' ابا نے شفقت بھری نگاہوں سے اسے تکتے پوچھا تو وہ کچھ اور جھنجلا کر رہ گئی۔

''ابا میں گھر کے کاموں میں مصروف تھی جب آپ زمینوں سے آتے ہیں تب تک تو میں سو جاتی ہوں۔'' اس نے یہ کہہ کر جان چھڑانا چاہی۔

''آ میرے پاس بیٹھ کتنے دن ہوئے تجھ سے بات نہیں کی۔'' ابا نے محبت سے کہتے ہوئے اپنی چارپائی پہ اسے بٹھانے کے لیے جگہ بنائی تو وہ دانت کچکچا کر رہ گئی۔

''ابا وہ رجو آ رہی ہے، ابھی وقت نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر وہ وہاں سے بھاگ لی...... جب کسی نامحرم کی محبت دل میں اپنے پنجے گاڑ لے تو وہ اپنوں کی اصل محبتیں اپنی جگہ کھو دیتی ہیں۔

♥ ...... ☆ ...... ♥

انجمن اور انصر کی محبت کا قصہ چند ماہ قبل شروع ہوا تھا انصر ان کے گاؤں کے پوسٹ آفس میں ڈاکیے کی پوسٹ پر آیا تھا۔ صورت شکل اچھی تھی، میٹرک پاس تھا، انجمن کا جس جگہ گھر تھا انصر وہاں سے روز گزرتا شام کو انجمن اپنی سہیلیوں کے ساتھ چھت پر بیٹھتی تھی۔ بس وہی سے اسے آتا جاتا دیکھنے لگی اور اپنا دل ہار بیٹھی۔ ویسے کتنی عجیب بات لگتی ہے۔

محبوب کی محبت ہم سے بچھڑ جائے تو ہم زمین و آسمان ایک کر دیتے ہیں اور اپنی اصل محبتیں اپنے ماں باپ کی محبتوں کو اپنے لیے بار سمجھتے ہیں، ان کی محبتیں ہمیں قید کرتی زنجیروں کی مانند دکھائی دیتی ہیں، حالانکہ وہی اصل محبتیں ہوتی ہیں جو ہمیں دنیا کی ہر نفرت سے بچاتی ہیں، پر ہم نہیں سمجھتے کبھی بھی نہیں۔

♥ ...... ☆ ...... ♥

''میں سوچتی ہوں اگر یہ موبائل نہ ہوتا تو میرا کیا ہوتا۔''

رات کو اپنے بستر پر لیٹی رضائی کے اندر منہ دبائے وہ انصر سے باتیں کرنے میں مشغول تھی اور دوسرے بستر پر بے سدھ لیٹی اماں اس بات سے بے خبر کہ اس کی بیٹی اس کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہے۔ اماں کے چہرے پر بیٹی کی طرف سے ایک مان بھری مسکان رہتی تھی، بھروسہ اپنی اولاد پر، والدین ہمیشہ ہی اپنی اولاد کو نیک سمجھتے ہیں، درحقیقت وہ نیک سمجھ کر غلط کرتے ہیں۔

"تو یہ بھی سوچو میرا کیا ہوتا۔" وہ بھی جواباً عجیب سی آنچ دیتے لہجے میں بولا۔

"مجھے کیا پتا' کیا ہوتا؟" وہ اٹھلاتے' پُر دھیمے لہجے میں بولی۔

"اس وقت میرے پاس ہوتی تو تجھے بتاتا۔" وہ مخمور لہجے میں بولتا اس کا دل دھڑکا گیا تھا۔ شیطان نے اپنے شر کا پہلا پتا پھینکا۔ رات کے آخری پہر میں جب دو نامحرم محوِ گفتگو ہوتے ہیں تو بڑی تباہی ساتھ لاتے ہیں' بڑی ہی بھیانک تباہی اور اس تباہی کی شکلوں میں صرف بنت حوا کا وجود ہی جلتا ہے' ہمیشہ سے اور روز ابد تک کے لیے۔

♥......☆......♥

وہ ساون کی ایک نرم گرم دوپہر تھی...... جب اچانک خالہ اپنے بیٹے کمال کے ساتھ دوسرے گاؤں سے ان کے گھر آئی تھیں۔ اماں' بہن اور بھانجے کو اتنے سالوں بعد اپنے گھر کی دہلیز پر دیکھ کر واری صدقے جارہی تھیں۔ انجمن بھی خالہ کو دیکھ کر خوش ہوئی تھی اور کافی محبت واخلاق سے ملی تھی۔ پر اسے خالہ کا بیٹا کمال ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ کمال نے نیچی نظریں رکھتے اسے سلام کیا تھا' اور پھر خالو کے کمرے میں چلا گیا تھا۔

"شرمیلی کڑی نہ ہو تو' بھلا مرد بھی ایسے ہوتے ہیں۔ مرد تو انصر جیسے ہوتے ہیں' دل کی بات کہہ دینے والے' آنکھوں سے جام پلانے والے' سرِ راہ لڑکی کا ہاتھ تھام کر بات کرنے والے' بھلا ایسے بھی مرد ہوتے ہیں۔" اس نے دل میں سوچا اور تمسخر بھری ہنسی ہنستے ہوئے دوسری جانب بڑھ گئی تھی یہ سوچ صرف انجمن کی نہیں تھی' ہمارے معاشرے کے زیادہ تر لوگ شرم وحیا والے مرد کو بزدل' شرمیلا اور اسی طرح کے کئی القابات سے نوازتے ہیں۔ مرد جب شرم وحیا والا ہو تو اسے ٹوکتے ہیں۔ اور جب یہی مرد بے شرم بے حیا ہو جائے تو روکتے ہیں۔

لڑکیوں کے آئیڈیل بھی' ڈیشنگ' اسمارٹ' گڈ لک مرد ہوتے ہیں' شرم وحیا والا مرد نہیں...... اور جب یہی ڈیشنگ' اسمارٹ مرد اپنی بے شرمی کا لبادہ اوڑھتے ہیں تو انہی لڑکیوں کے آئیڈیل بت ٹوٹ کر پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ انسان ہمیشہ سے ہی بے وقعت چیزوں کے پیچھے بھاگتا ہے' پتا نہیں کیوں......؟

♥......☆......♥

اور انجمن پر خالہ کے یہاں آنے کا مقصد بم کی طرح پھٹا تھا۔ خالہ نے کمال کے لیے اس کا رشتہ مانگا تھا' اماں ابا نے فوراً حامی بھر لی تھی۔ پر اس نے بند کمرے میں اماں کے آگے کافی ہنگامہ کیا تھا۔

"اماں تو مجھ سے پوچھے بغیر ایسا کیسے کرسکتی ہے۔" وہ باقاعدہ حلق پھاڑ کر چلائی تھی۔

"آواز نیچی رکھ انجمن' ہر ماں باپ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد سکھی رہے' کمال ایک نہایت شریف اور عزت دار بچہ ہے' روزگار اپنا ہے' تو راج کرے گی راج' عورت کو تو یہی چاہیے ہوتا ہے۔" اماں نے اپنی تئیں اسے بہترین مشورہ دیا تھا۔ پر وہ نہیں جانتی تھیں اولاد جب منہ زور ہو جائے تو کسی عقل مندی کو نہیں مانتی۔

"مجھے کمال سے کسی صورت شادی نہیں کرنی۔ تو خالہ کو منع کردے۔"

"وے انجمن کیوں میرے چٹے چونڈے میں بدنامی کی مٹی ڈالنے لگی ہے۔" اماں نے بول کر دو ہتڑ اپنے سینے پر برسائے تھے۔

"مجھے کمال نہیں پسند۔" وہ سفاکیت پر اتر آئی تھی۔

"تو.....کون پسند ہے؟" اماں کے تیور یک دم بدلے اور وہ گڑبڑائی تھی۔

"بس مجھے شادی نہیں کرنی۔" وہ طرح دے گئی۔

"شادی تو تیری ہوگی اور کمال سے ہی ہوگی اگر انکار کرنا ہے تو جا کر اپنے باپ کے سامنے کر۔" اماں نے یہ کہہ کر اسے گھورا اور باہر نکل گئیں۔

جب کہ انجمن کو اپنی محبت ڈوبتے ہوئے دکھائی دینے لگی تھی۔

♥......☆......♥

"ہیلو انصر! بڑی مصیبت ہوگئی ہے کچھ کرو۔" کال ریسیور ہوتے ہی وہ چھوٹتے ہی بولی۔

"کیا ہوا انجمن کیوں اتنی پریشان ہو؟" فون کے اسپیکر سے اس کی آواز ابھری۔

"ابا اماں نے میرا رشتہ میرے خالہ زاد سے طے کردیا ہے اور اگلے مہینے نکاح ہے۔" اس نے یہ کہہ کر درحقیقت اپنی طرف سے انصر پر بم پھوڑا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو انجمن ایسا نہیں ہوسکتا۔" وہ بے یقینی سے بولا۔

"ایسا ہو چکا ہے پلیز انصر کچھ کرو نہیں تو میں کچھ کر بیٹھوں گی۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"میں کیا کروں انجمن؟" انصر کے اس جملے پر انجمن بے ساختہ چونکی۔

"تم اپنے گھر والوں کو میرے گھر نہیں بھیجو گے؟" اس نے دہلتے لہجے میں پوچھا۔

"انجمن میرے گھر والے میری اتنی جلدی شادی نہیں کریں گے مجھے ابھی نوکری کرتے کچھ ہی ماہ تو ہوئے ہیں۔"

اس نے جواز پیش کیا تو وہ جزبز ہو کر رہ گئی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اسے کس طرح سمجھائے جبکہ امی بھی اب کچھ سننے کو تیار نہیں تھیں اور ابا سے بات کرنے کی اس میں ہمیشہ سے ہمت نہیں رہی تھی۔

"یعنی تم مجھ سے شادی نہیں کرو گے۔"

"یہ کس نے کہا' کروں گا' پر اتنی جلدی....." وہ خاموش ہوگیا تو اس نے بغیر کچھ کہے فون کاٹ دیا۔

انصر کی جانب سے ناامیدی پا کر انجمن درحقیقت اندر سے ٹوٹ گئی تھی۔ اسے انصر سے ایسے کسی بھی ردعمل کی توقع نہیں تھی اور اوپر سے شادی' نکاح کی تیاریاں اسے اور ہولائے جارہی تھیں۔ کمال اس دن کے بعد اس کے سامنے نہیں آیا تھا۔ شاید وہ اس کے رویے سے اپنے لیے ناپسندیدگی جان گیا تھا۔ شریف عزت دار لوگوں کا ہمیشہ یہی مسئلہ ہوتا ہے' وہ کچھ کہے بغیر کوئی وجہ پوچھے بنا کسی صفائی کے فوراً پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اپنی تذلیل گوارا نہیں ہوتی' اماں نے بھی اس دن کے بعد سے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ نہ یہ موضوع دوبارہ گوش گزار ہوا تھا' خالہ چند دن مزید رہ کر کمال کے ساتھ واپس اپنے گاؤں لوٹ گئی تھیں' دن گزرنے لگے ایک کے بعد ایک..... وقت کا اور کام ہی کیا ہے..... فقط گزرنا..... وقت چاہے اچھا ہو یا برا گزر ہی جاتا ہے۔

اس نے انصر کو پھر دوبارہ فون نہیں کیا تھا..... اور نہ اس کی جانب سے آیا تھا لیکن ایک دن انجمن کے نمبر پر انصر کا میسج آیا۔

"انجمن میں رات گیارہ بجے کال کروں گا' ضروری بات کرنی ہے۔" میسج کا یہ متن پڑھ کر انجمن درحقیقت خوش ہوگئی اور جو خود ساختہ ناراضگی کا خول تھا وہ بھی اتار بیٹھی تھی' کیونکہ ابھی اس کہانی کا انجام باقی تھا اور شیطان کے شر کا دوسرا وار ابھی باقی تھا۔

♥......☆......♥

رات گیارہ بجے کا اس نے بڑی بے چینی سے انتظار کیا تھا۔ دل تھا کہ دھڑکے جارہا تھا اور پھر بالآخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور فون کی ہلکی بپ سنائی دینے لگی..... یہ فون جان مژدہ نہیں تھا تباہی کا پیغام تھا' ایک بڑی بھیانک تباہی کا۔

"ہیلو.....۔" اس نے فون اٹھاتے ہی بے تابی سے کہا۔
"کیسی ہو انجمن؟" اس نے بے تابی سے پوچھا۔
"اچھی ہوں۔" اس کے لہجے میں لاپروائی کا عنصر نمایاں تھا۔
"ناراض ہو؟"
"نہیں تو۔" وہ بولی۔
"انجمن، میں سمجھ سکتا ہوں، اس دن جو کچھ میں نے کہا وہ کہنے کے بعد درحقیقت میں خود کئی راتوں تک سو نہیں پایا۔" وہ تھکے لہجے میں بولا تو انجمن اس کے لہجے پر پگھل گئی۔
"تم صفائی نہ دو انصر میں جانتی ہوں۔"
"میں نے تمہیں آج ایک اہم فیصلہ سنانے کے لیے فون کیا ہے، یہ فیصلہ سمجھو تو آج ہماری محبت کا امتحان ہے۔" انصر کی اس بات پر وہ کچھ چونک سی گئی۔
"کیا مطلب؟" اس نے ناسمجھی کے انداز میں پوچھا۔
"انجمن، ہماری محبت اب ایک صورت میں پروان چڑھ سکتی ہے کہ ہم دونوں کورٹ میرج کرلیں۔" انصر کے اس جملے پر وہ ایک مرتبہ دہل اٹھی۔
"کورٹ میرج۔" وہ بڑبڑائی۔
"ہاں کیونکہ اس کے علاوہ تو کوئی اور چارہ نہیں ہے۔"
"مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ تم اپنے گھر والوں کو راضی کرو گے۔" اس نے ایک طرح سے یاددہانی کروائی اور دوسری طرف انصر گڑبڑا گیا لیکن فوراً ہی سنبھل کر بولا۔
"تمہاری طرح میرے گھر والے بھی میری شادی میری ماموں زاد سے کررہے ہیں، تمہارے پاس کل کا وقت ہے، سوچ لو۔" یہ کہہ کر انصر نے لائن کاٹ دی تھی جبکہ وہ کئی لمحوں تک فون ہاتھ میں تھامے بیٹھی رہی تھی۔

♥......☆......♥

میں شیطان ہوں، ابلیس کے نام سے دنیا مجھے جانتی ہے مجھے ان مٹی سے بنے انسانوں سے سخت نفرت ہے، میں انہیں ذلیل ورسوا کرنے کے لیے مختلف جال بچھاتا ہوں، جو لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں، اس کے حکم پر چلتے ہیں، میں ان کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا، پر جو لوگ اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں، میں ان پر جلد قابو پالیتا ہوں، اپنے کاموں کے بارے میں بتاؤں تو ویسے وہ سارے کام ہی پسندیدہ ہیں جو انسان کو نیک رستے سے ہٹانے کا سبب بنتے ہیں، پر اگر خاص اور چیدہ چیدہ کاموں کی فہرست بیان کروں تو طلاق میرے پسندیدہ کاموں پر اول نمبر پر ہے، مجھے ہمیشہ ہی اس کام میں مزہ آتا ہے، مرد وعورت کا جائز رشتہ ختم کرنا مجھے ہمیشہ سے ہی خوشی دیتا ہے اور دوسرا کام مجھے اس سے بھی زیادہ پسند ہے، جب میں اکیلے مرد اور عورت کے درمیان ہوتا ہوں، مجھے ان کے دماغوں میں گند بھرنے میں مزہ آتا ہے، پر ہاں صرف وہ لوگ جو اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں، جلد بازی ان کا شیوہ ہوتی ہے اور آپ جانتے ہی ہوں گے جلد بازی شیطان کا دوسرا نام ہے۔

♥......☆......♥

آج کا دن گزر چکا تھا، مختلف سوچیں اس کے ذہن میں آماجگاہ بنی ہوئی تھیں۔ وہ منہ سر لپیٹے اپنی چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ اماں دو دفعہ اسے بلانے آئی تھیں لیکن وہ چپ کی مورت بنے بے سدھ پڑی رہی۔ دماغ کچھ کہہ رہا تھا، دل کچھ، اسے فیصلہ کرنے میں مشکل پیش آرہی تھی اس کے ارادوں کو متزلزل دیکھ کر شیطان نے چپکے سے اپنا حملہ کیا تھا۔
"مت سوچ اتنا، کورٹ میرج کرلے، انجمن کم از کم اپنی مرضی کی زندگی تو جئے گی۔" شیطان نے بہکایا۔
"میرے اماں ابا تو جیتے جی مرجائیں گے۔" اس کے اندر سے آواز آئی۔
"ارے کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا..... تو مت سوچ ان کا، انہوں نے تیرے بارے میں نہیں سوچا تو تو کیوں سوچ رہی ہے۔ اگر وہ تیری شادی مرضی سے انصر سے کردیتے تو کیا ہوجاتا..... پر نہ جی انہوں نے اپنا سوچا تیرا نہیں۔" شیطان نے اب کے دوہرا جال پھینکا اور اس دفعہ شیطان کو مایوسی نہیں ہوئی تھی، وہ انجمن پر قابو پاچکا تھا، شر کا دوسرا پتا اپنی بازی کھیل چکا تھا۔
"ہاں انصر، میں کورٹ میرج کے لیے تیار ہوں۔" اس نے فیصلہ سنادیا تھا، انصر اب اسے باقی کی احتیاطی تدابیریں بتارہا تھا پر اب احتیاط کی کوئی ضرورت نہیں تھی، ایک بےاحتیاطی کے بعد

ساری احتیاطیں اپنا رستہ کھو دیتی ہیں۔ انجمن کا رستہ بھی کھو چکا تھا۔

اس نے نفس کی مان کر بہت بڑی غلطی کی تھی۔ ابھی تو اس محبت کی شروعات تھی۔ تباہی بھرا انجام ابھی باقی تھا۔ ایسی تباہی جو انجمن نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے منتخب کی تھی۔

یہ سیاہ رات تھی' ہر سو تاریکی کا راج تھا۔ ہوائیں ایسے لگتا جیسے بین کر رہی ہوں' ہر جانب پر اسرار ساکت خاموشی تھی۔ ایسے منظر میں صرف ایک وہ تھی جس کی دھڑکنیں بڑی تیزی سے دھڑک رہی تھیں۔ وہ لرزتے ہاتھوں سے اماں کے پرانے صندوق سے طلائی زیورات نکال رہی تھی' ایک دفعہ تو اس کا ہاتھ ان زیورات کو ہاتھ لگانے سے کانپا' لیکن پھر وہ سر جھٹک کر تیزی سے زیورات کپڑے میں باندھنے لگی۔ عورت جب ایک دفعہ باغی ہو جائے تو پھر وہ اپنے اندر سے ہر احساس ختم کر ڈالتی ہے۔

اور جب نامحرم محبت کی لت لگ جائے تو ہر رشتہ محبت کی تمیز کھو دیتا ہے' یاد رہتی ہے تو صرف اپنی خود غرض محبت......!

♥......☆......♥

وہ مختصر سامان ایک بیگ میں منتقل کر چکی تھی...... بیگ اس کے ہاتھ میں تھا' بس اب اس نے یہاں سے نکلنا تھا۔ اماں' ابا پر نظر ڈالی تو وہ گہری پُرسکون نیند سو رہے تھے۔ پر وہ شاید نہیں جانتے تھے یہ پُرسکون نیند ان کی آخری نیند ہے...... کل صبح کا سورج ان کے لیے کیسی بربادی لے کر آئے گا' وہ انجان اور قطعی بے خبر تھے' ان کی اولاد بائیس سال کی محبتوں کا قرض صرف ایک محبت کے لیے ان کے منہ پر مار کر جا رہی تھی' وہ بے خبر سو رہے تھے...... کہتے ہیں بے خبری بڑی اچھی شے ہوتی ہے' شاید کسی ایسے موقع کے لیے کہا گیا تھا۔ ہاں بے خبری بڑی اچھی شے ہے کاش...... یہ بے خبری ان دو بوڑھے وجودوں کے لیے عمر بھر قائم رہتی...... کاش...... اے کاش۔

♥......☆......♥
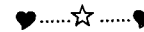
صبح کا سورج اپنے وقت پر نکلا تھا۔ کائنات کا نظام اپنے طریقے سے چل رہا تھا۔ پر کائنات میں موجود ایک گھر میں سورج موجود ہوتے بھی اندھیرا تھا۔ ہر سمت آوازیں گونج رہی تھیں۔ پر اس گھر میں ساکت خاموشی تھی' ہر جانب خوشیاں تھیں' پر اس گھر میں آنسو تھے' ان دو بوڑھے نفوس کا انگ انگ بس ایک سوال کی التجا کر رہا تھا' اس سوال کا جواب ڈھونڈ رہا تھا۔

"بیٹیاں تو بوڑھے ماں باپ کا بیٹوں سے زیادہ سہارا بنتی ہیں۔ ماں باپ کو بیٹوں سے زیادہ ان پر مان ہوتا ہے' پر کبھی کبھی بیٹیاں ایسا کیوں کرتی ہیں کہ ایک جھٹکے میں ہی ماں باپ کے پیروں سے زمین کھینچ لیتی ہیں۔ صرف نامحرم محبت کی خاطر...... اس محبت کی خاطر جو سوائے انہیں ذلت و رسوائی کے کچھ نہیں دیتیں۔" یہ سوال انجمن جیسی بیٹیوں کے ماں باپ کی نوک زبان پر موجود ہوتا ہے جو اس سوال کے جواب کے لیے عمر بھر آبلہ پائی کا سفر طے کرتے ہیں اور اسی غم کو سینے کے اندر دفن کرتے' زندگی کی بازی ہار جاتی ہیں۔

♥......☆......♥

انجمن کو لاہور کے اس فلیٹ میں آئے تیسرا دن تھا...... پر ابھی تک کورٹ میرج کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اس نے اپنا سارا زیور انصر کے حوالے کر دیا تھا کہ وہ اسے بیچ کر کوئی چھوٹا موٹا گھر خرید لے اور باقی کے پیسوں سے کوئی کاروبار کر لے۔ پر ابھی تک ایسا کچھ نہ ہوا تھا۔

"انصر ہمیں یہاں آئے اب ایک ہفتہ ہونے کو ہے' پر نہ تم نے مجھ سے نکاح کیا ہے اور نہ کوئی گھر خریدا ہے مجھے اب اس چھوٹے سے ڈربہ نما کمرے سے وحشت ہونے لگی ہے۔" وہ پھٹ پڑی۔

"یار...... کل ہمارا کورٹ میں نکاح ہے' اسی کے انتظامات کر رہا تھا' کوئی جھک نہیں مار رہا تھا۔ جو تم ایسے عدالت لگائے پوچھ رہی ہو اور رہی بات تمہارے پیسوں کی تو وہ میرے پاس موجود ہیں۔ اگر مجھ پر اعتبار نہیں تو اپنے پاس رکھ لو۔" وہ جواباً بیزاری سے بولا' وہ اس کے لہجے پر حیران رہ گئی۔

"انصر تم پر اعتبار ہی تو تھا جو اتنا بڑا قدم اٹھایا۔" وہ کہنا چاہتی تھی پر زبان جیسے گنگ ہو گئی تھی۔

♥......☆......♥

انصر آج صبح اسے جاتے وقت تیار ہونے کا کہہ کر گیا تھا' وہ گھنٹے بعد اسے لینے آئے گا' وہ آدھا گھنٹہ پہلے ہی تیار ہو کر بیٹھ

گئی تھی۔ گھنٹہ گزرا' دو گھنٹے ہوئے اور اب اڑھائی گھنٹے ہو چکے تھے انتظار کی سولی پر لٹکے اسے فکر ہونے لگی۔

"پتا نہیں یہ انصر کہاں رہ گیا۔" اس نے سوچا اور پھر چائے منگوانے کے لیے بیل بجادی۔

"جب تک انصر آتا ہے چائے ہی پی لیتی ہوں۔" وہ زیر لب بولی۔

"جی بی بی' کچھ چاہیے۔" بیرہ دروازے پر دستک دے کر پوچھنے لگا۔

"ہاں بھائی ایک چائے کا کپ لے آؤ۔"

"اچھا بی بی۔" وہ سر اثبات میں ہلاتے واپس مڑا لیکن پھر یک دم جیسے کچھ یاد آنے پر ٹھہر گیا۔

"وہ بی بی آپ سے کچھ کہنا ہے۔" وہ کچھ تذبذب سے بولا تو انجمن متوجہ ہوئی۔

"کیا ہوا بھائی۔" وہ بولی۔

"وہ جو آپ کے شوہر ہیں وہ گھنٹہ پہلے دو آدمیوں کے ساتھ نیچے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔" انصر نے یہاں انجمن اور اپنا تعلق میاں بیوی' کا ہی بتایا تھا۔

"کیا باتیں کر رہے تھے؟" وہ چونکی۔

"وہ بی بی' مجھے بتاتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے' میں مزدور آدمی ہوں یہ نوکری کر کے اپنے بیوی' بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔" وہ کچھ خوف زدہ سا تھا۔

"تم بولو بھائی۔" انجمن کو درحقیقت اب کسی انہونی کا احساس ہو رہا تھا۔

"وہ آپ کے شوہر کسی انجمن نامی لڑکی کو بیچنے کی بات کر رہے تھے۔" سر پر آسمان کا گرنا اور زمین کا پیروں تلے سے کھسکنا کسے کہتے ہیں یہ کوئی اس وقت انجمن سے پوچھتا۔ وہ ساکت رہ گئی تھی۔ اس وقت جیسے ہر شے ساکت ہو چکی تھی' شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی...... کیونکہ وہ جان چکی تھی' یہ سچ تھا گھر سے بھاگی ہوئی عورت کو عقل بڑی جلدی آ جاتی ہے' پر مسئلہ یہ نہیں ہے' جب عقل آتی ہے تب وقت گزر چکا ہوتا ہے۔

"میں نے تو محبت کی تھی' پھر ایسا کیوں ہوا میرے ساتھ؟" دل سے شکوہ نکلا اور اس کا یہ شکوہ سن کر محبت ہنسی تھی۔

"ہاہاہا محبت سے غداری کا یہی انجام ہوتا ہے' ارے تو کیوں میرے نام کو گندہ کر رہی ہے' تجھے نفس کی بھوک تھی' محبت کی نہیں' تجھے گھر سے نفس نے نکالا میں نے نہیں' تو نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے' انجمن' پر میری ایک بات یاد رکھ لے...... محبت ہمیشہ ان کا ساتھ دیتی ہے جو اسے عزت سے اپناتے ہیں۔ بے عزتی اور چور راستے اپنانے والوں کو محبت ان کی اوقات ضرور یاد کرواتی ہے...... میں محبت ہوں' پاکیزگی میری علامت ہے' تجھ جیسے لوگ جب مجھے گندہ کریں گے تو ان کے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔" ٹرین سبک روی سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔ شاید ماں باپ کی دعائیں اس کے کام آئیں تھیں جو وہ بغیر کسی رکاوٹ کے وہاں سے نکل آئی تھی۔ ماں باپ کی دعائیں اب بھی اس کے ساتھ تھیں' اس احساس نے اس کا دل چیر دیا تھا۔

"اے لوگوں' دیکھو مجھ بدنصیب کو جس نے نفس کی خاطر اپنا سب کچھ برباد کر لیا اور ہمیشہ کا خسارہ اپنے لیے خرید لیا' میرے ہاتھ بھی کچھ نہ آیا اور ٹھوکریں میرا مقدر بن گئیں۔ مجھے اب ساری زندگی انہی ٹھوکروں کے ساتھ جینا ہے۔ یہی میری سزا ہے۔" آنسو کا ایک اور قطرہ اس کے چہرے پر اپنا نشان رقم کر گیا' ٹرین اپنی منزل پر رواں دواں تھی۔ پر اس کی اب شاید کوئی منزل نہ رہی تھی' بے سروسامانی اور بے نشان مسافتیں' پوری زندگی کے لیے اس کا نصیب بن گئی تھیں۔

قسط نمبر 12

گزشتہ قسط کا خلاصہ

عرش کو تنہائی میں زنائشہ کی آواز سنائی دیتی ہے جو اس کی اذیت میں مزید اضافہ کر جاتی ہے وہ ابھی تک اسے ڈھونڈنے میں ناکام ٹھہرا تھا جس جگہ وہ رہتی تھی وہاں اب نئی عمارت تعمیر ہوگئی تھی۔ شقران بھی زنائشہ کو ڈھونڈنے میں اس کی مدد کررہا ہوتا ہے اور اس کی کوششوں سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ زندہ سلامت ہونے کے ساتھ اسی شہر میں ہے تب ہی زرق کا بھی پتا چل جاتا ہے لیکن وہ عرش کو نہیں بتاتا اور عرش کو گھر لے جاتا ہے۔ زرق رجاب کو لینے اس کے کلینک جاتا ہے اور راستے میں ایک ہاسٹل کے باہر گاڑی کھڑی کرتا اسے ایک لفافہ دے کر اندر آنے کا اشارہ کرتا ہے یہاں اس کی بہن زنائشہ دراج کے ساتھ رہتی ہے زرق یہ بات ابھی رجاب کو نہیں بتاتا اور وقت آنے کا کہہ کر ٹال جاتا ہے۔ رجاب بھی اس بات پر توجہ نہیں دیتی ہے۔ زرکاش کے ہمراہ دراج اس کے اپارٹمنٹ میں داخل ہوتی ہے لیکن سامنے امان کو دیکھ کر اس کا سارا جوش وخروش ماند پڑجاتا ہے وہ ان دونوں دوستوں کو چھوڑ کر ٹی وی کے سامنے جابیٹھی تھی تب امان زرکاش کو شادی کرنے پر زور دیتا ہے۔ زرکاش ماضی کو لے کر شادی سے انکاری ہوجاتا ہے تب دراج اسے سمجھاتی ہے اور زرکاش اس کی بات سے قدرے مطمئن ہوجاتا ہے۔ دوسری طرف شقران لفٹ میں بند ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھ دراج بھی ہوتی ہے۔ شہرام مسلسل اسے فون کرتا پریشان ہوجاتا ہے جبکہ دوسری طرف شقران دراج سے فری ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ زنائشہ کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے پیسے کون بھیج رہا ہے وہ اس حوالے سے چوکیدار سے بھی پوچھتی ہے لیکن وہ بھی لاعلمی کا اظہار کرتا ہے تب دراج اسے عرش کا کہتی ایک نئی سوچ دینے میں کامیاب ہوجاتی ہے جبکہ زنائشہ زرق کا نام ابھی بھی سننا نہیں چاہتی تھی۔

اب آگے پڑھیے

☆❁......☆......❁☆
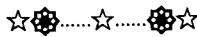
گیٹ کھولتے ہی اس کی یہ حیرت ختم ہوگئی کہ آنے والے نے ڈور بیل استعمال کیوں نہیں کی عرش کے راستہ دینے سے پہلے ہی راستہ بناتا وہ اندر گھس آیا تھا اور عرش کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتا بیگ سنبھالے دبے قدموں تیزی سے شقران کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ بڑی سی ٹرے ہاتھوں میں سنبھالے کچن سے باہر آتا شقران اسے دیکھ کر رک گیا۔

''تم یہیں کھانا کھاؤ گے؟''

''نہیں' کمرے میں آجاؤ' ایک پلیٹ اور لیتے آنا۔'' ٹرے اس سے لیتے ہوئے عرش نے کہا۔

''ابھی امام آیا ہے۔'' شقران کی سوالیہ نظروں پر اس نے بتایا۔

''تم نے اس کے لیے گیٹ کیوں کھولا؟ کھول ہی دیا تھا تو اندر کیوں آنے دیا؟ بھائی نے سختی سے اس کے یہاں داخلے پر پابندی لگا رکھی ہے۔''

''اب کیا کردیا اس نے؟'' عرش نے پوچھا۔

''اس کے ابا حضور نے پھر اسے جاب پر لگوایا جسے وہ پھر چھوڑ آیا بلکہ لڑ جھگڑ کر گھر سے بھی فرار ہے اب بھابی کو بتانا پڑے گا ان کا چہیتا یہاں آدھمکا ہے۔''

''ابھی رہنے دو' یہ سب کوئی پہلی بار نہیں ہوا' بھائی کو اس کی موجودگی کا پتہ چل گیا تو اس کی شامت آجائے گی۔'' عرش کے کہنے

پروہ سرہلاتا واپس کچن میں چلا گیا۔

فلورکشن پر براجمان وہ دونوں اس کی طرف متوجہ تھے جو ڈریسنگ کے سامنے بڑی فرصت اور نفاست سے اپنے بال سنوارنے میں مصروف تھا۔

''میرا انتظار کیوں کررہے ہو بھائیوں..... تکلف برطرف، بسم اللہ کرو۔'' امام نے جھکتے ہوئے اپنی نشست سنبھالی اور گرم گرم مرغ پلاؤ سے پلیٹ بھرنا شروع کردی۔

''ویسے معاف کرنا بہن کے گھر میں غیرت مند بھائی ایک گلاس پانی پینا بھی گوارا نہیں کرتے' کیوں عرش؟'' مسکراہٹ چھپاتے ہوئے شفقران نے تائید چاہی مگر عرش نے بس ایک مسکراتی نظر امام پر ڈالی جو ڈھٹائی سے ہنستا شامی کباب کی طرف متوجہ تھا۔

''کیسی دقیانوسی باتیں کررہے ہو بھائی' آج کے دور میں' وہ زمانے گئے' اب لوگ روشن خیال ہوگئے ہیں' اب ایسی خرافات پر کوئی کان بھی نہیں دھرتا' تم جانے کس زمانہ میں رہ رہے ہو۔'' امام نے الٹا شفقران کو ہی لاجواب کردیا۔

''ویسے بھی یہ میری بہن کا گھر بعد میں' پہلے میرے خالہ زاد بھائیوں کا ہے' یوں بھی مجھے اس گھر سے بڑی خالہ کی وجہ سے بہت انسیت ہے' سب سے زیادہ میرا آنا جانا رہا ہے اس گھر میں۔''

''صرف آنا جانا نہیں تمہاری تو صبح بھی یہیں ہوتی تھی اور شام بھی اس کی وجہ بھی سب کو معلوم ہے پر اب ایسا نہیں چلے گا' شکر کرو عرش کی وجہ سے اس گھر کا دروازہ تمہارے لیے کھل گیا ورنہ تمہارے ابا جان نے تمہارے بہنوئی صاحب کو تاکید کررکھی ہے کہ اس گھر میں تمہیں پناہ نہ دی جائے۔''

''اب ان دونوں حضرات کا ذکر کرکے کھانے کا مزہ کرکرا مت کرو بھائی۔'' امام نے بیزاری سے بات کاٹی۔

''جاب کیوں چھوڑ دی تم نے؟'' عرش نے پوچھا۔

''شہنشاہ لوگ بھی کبھی کام کرتے ہیں کیا' تم لوگ کرو' تم لوگوں پر کام کرنا جچتا ہے۔'' وہ فخر سے کالر کھڑے کرتا بولا۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو' شہنشاہ لوگ اپنی سہیلیوں سے قرض کے نام پر روپے بٹورتے ہیں اور پھر سرعام ان کے ہاتھوں سے تھپڑ کھاتے ہیں۔'' شفقران نے طنزیہ لہجے میں تائید کی۔

''تمہاری شہنشاہی نے یہاں شفٹ ہونے سے پہلے ہی ہمیں منہ چھپانے پر مجبور کردیا اور عرش تم بھی تو گئے تھے اس کے طرف دار بن کر تھپڑ کا حساب لینے' شرمندگی ہوئی تھی کہ نہیں؟'' شفقران نے ناگواری سے عرش کو بھی مخاطب کیا۔

''تو یہ تمہاری طرح دغاباز نہیں جو لوگوں کے جمگھٹے میں مجھے تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتا۔'' امام جل کر بولا۔

''تو میں اور کیا کرتا؟ شفٹنگ کے پہلے ہی دن جب میں اس کے ساتھ مین گیٹ پر موجود تھا سونے پر سہاگہ کہ وہاں سیکیورٹی گارڈز سب کے سب جمع پولیس سے کوئی مذاکرات کررہے تھے' پولیس کے کوئی ایک دو اہلکار نہیں' پوری پولیس وین وہاں کھڑی تھی۔'' شفقران نئے سرے سے عرش کو تفصیل بتاتا دل ہلکا کررہا تھا۔ ''اب ایسے خطرناک اسپاٹ پر ایک لڑکی اچانک ہم دونوں کو آ کر روکتی ہے' میں نے سوچا رشتہ داری ہوگی' سلام دعا کے لیے روکا ہوگا پر کہاں بات تو اس نے کی ہی نہیں چھوٹتے ہی اسے رکھ کے تھپڑ رسید کردیا اس کا تو جانے کیا ہوا میرے تو اپنے چودہ طبق روشن ہوگئے تھے۔'' شفقران بول رہا تھا جبکہ عرش بے ساختہ اسے دیکھ کر مسکرایا جو مسمسی صورت بنائے نہ نظر آنے والے آنسو صاف کررہا تھا۔

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس عاشقی میں عزت و سادات بھی گئی

پانی کے گھونٹ بھرتا عرش شعر گوئی سے رک نہ سکا۔

''واہ عرش میاں..... شعر میں کیا اعلیٰ ترجمانی کی ہے تم نے میرے حال پریشان کی۔'' امام نے تڑپ کر تعریف کی۔ ''بھئی میں تو کہتا ہوں تم دونوں جیسے ایک' دو ناصح اور مل جائیں تو باہر والوں کو ضرورت ہی نہیں ہمیں بے عزت کرنے کی۔''

''ہم کافی ہیں تمہارے لیے۔'' شفقران ہنستے ہوئے بولا۔
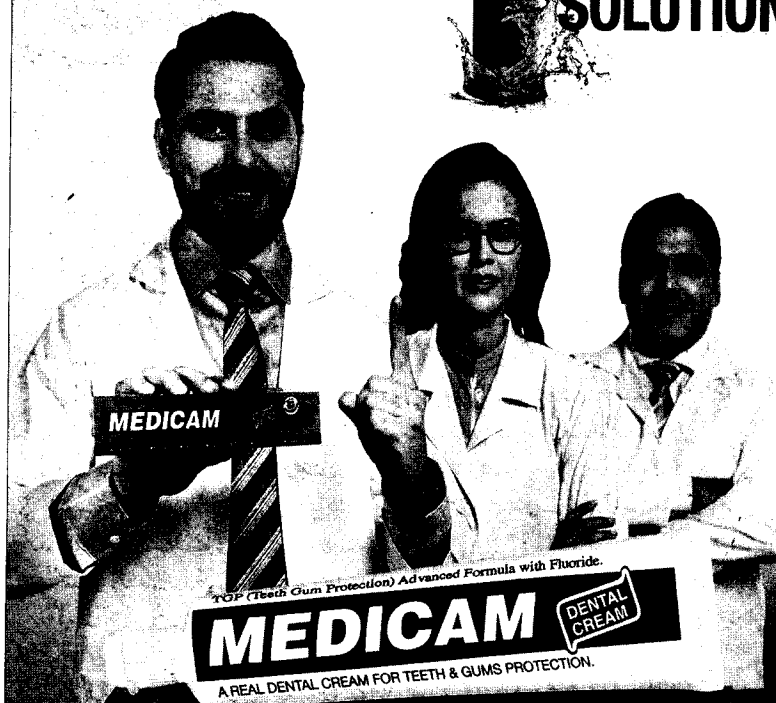
''امام......اب کوئی غلط حرکت نہ کرنا یہاں بھائی کی وجہ سے احتیاط کرنی پڑے گی تمہیں۔'' عرش نے سنجیدگی سے کہا۔ ''رجاء نے سارے کچے چٹھے میرے سامنے کھول دیئے ہیں تمہارے' میں تمہارا طرف دار بن کر گیا تھا لیکن وہ حق پر تھی اسے ایک نہیں دو چار رسید کرنے چاہیے تھے تمہیں ایک تو تم اس سے ہزاروں روپے لے کر ہضم کر چکے ہو دوسرا یہ کہ اس کی نظروں کے سامنے دوسری لڑکیوں کے ساتھ گھوم بھی رہے ہو اندھیر نگری نہیں ہے یہ۔''

''ہزاروں روپے وہی مجھے اپنی خوشی سے دیتی رہی ہے' میں نے کوئی اسے بلیک میل کر کے نہیں لیے' حالانکہ میں کر سکتا ہوں۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔

''تم ایسا کر کے دیکھ لو جوتوں سے ہی تواضع ہوگی پھر۔'' شقران نے خشمگین لہجے میں کہا۔

''میرے لیے ایک ٹیبلیٹ نگلنا مشکل ہے اور تم مزید تین اور پیش کر رہے ہو۔'' عرش نے بیزاری سے سر پر کھڑے شقران کو دیکھا۔

''پیش نہیں کر رہا' مجبور کر رہا ہوں' کھا لو ورنہ صبح بھائی نہار منہ مجھے یہ ٹیبلیٹس کھلا دیں گے' گن کر رکھ گئے ہیں' سب کھا لو۔'' شقران زچ ہو کر بولا۔

''شقران......اتنی شفقت کے مظاہرے نہ کرو' مجھے اپنی امی کی یاد آ رہی ہے۔'' ڈریسنگ کے کنارے منہ لٹکائے بیٹھے امام نے ٹوکا۔

''ابو کو یاد کرو' بھنائے ہوئے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں تمہیں۔'' شقران بولا۔

''میری ایک بات غور سے سن لو بھائیوں......سامنے والے ٹیرس کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے' اس مقام کو شجر ممنوعہ سمجھنا ہے' سمجھے۔'' امام نے وارن کرنے والے انداز میں دونوں کو دیکھا۔

''ہم تو تمہیں بھی ممنوعہ سمجھتے ہیں۔'' عرش کے کہنے پر شقران ہنستا ہوا بیڈ پر دراز ہو گیا۔

''ویسے تم نے بتایا نہیں تھپڑ والا تجربہ کیسا رہا؟ کیا جذبات و احساسات تھے اس وقت آپ کے؟'' عرش نے مسکراتی نظروں سے امام کو دیکھا۔

''یار......سچ پوچھو تو اس وقت گرما گرمی میں پتہ نہیں چلا پر بعد میں احساس ہوا بڑا زبردست ہاتھ پڑا ہے' ایک ہفتہ گزر گیا' جبڑے کا درد نہیں جا رہا۔'' امام جس طرح اپنا رخسار سہلاتا حیرت سے بتا رہا تھا شقران کے ساتھ ساتھ عرش کی ہنسی بھی بے ساختہ تھی' جبکہ امام کے زخم ہرے ہوئے تھے وہ سرعت سے اٹھا اور ٹیرس کا گلاس ڈور کھولتا باہر نکل گیا۔

''مر گئے' وہ ابھی بھائی کو فون کرے گی کہ یہ نمونہ ہمارے ہی گھر میں ہے' بھائی نے اسے میرے سامنے کہا تھا کہ امام کانٹیکٹ کرے تو وہ ضرور خبر دے' اسے بھی پتہ ہے یہ مفرور ہے۔''

''اسے تو پکڑ کے اندر لاؤ پہلے۔'' عرش کے یاد دلانے پر وہ تیزی سے بیڈ سے اترا۔

''ذرا سی شرم نہیں آئی تمہیں' ایک آزاد ملک کے آزاد شہری کو قانون کے سامنے تم نے تشدد کا نشانہ بنایا تھا' سیدھا سیدھا کیس بن سکتا تھا تم پر لیکن میری شرافت دیکھو کہ......''

''تم بھی غور سے دیکھو وہ فون پر بات کر رہی ہے' بھائی تک پہنچ گئی تمہاری یہاں موجودگی کی اطلاع۔'' درمیان میں امام کو گھرکتے ہوئے شقران اسے اندر کھینچ لایا۔

''تم نے گیٹ کھولا تھا' اب تم ہی بھائی کو جواب دینا' ان کو امام کے بارے میں بتانے سے بھی تم نے مجھے روکا تھا۔'' شقران نے عرش کو جتایا۔

''میں دوبارہ زندگی لے کر بھی یہ سچ قبول کرنے والا نہیں' مجھے کیا پتہ گیٹ کس نے کھولا۔'' عرش اطمینان سے بول کر چادر سر تک تان گیا۔

''اپنی اپنی پڑی ہے تم دونوں کو' میرا تو کوئی حل نکالو۔'' امام نے دہائی دی۔

''تمہارا کوئی حل ہوتا تو تم اس مقام پر ہوتے؟ کونے کھانچے میں جہاں جا کر سما سکتے ہو' چھپ جاؤ۔'' شقران نے بھی ہاتھ

جھاڑ کر تکیہ سنبھالا۔
"کونے کھدروں میں جاکر سمانے کا مشورہ تو ایسے دے رہے ہو جیسے میں چھپکلی ہوں' میرا یہ ایک ہی روپ ہے بھائی' ساڑھے چھ فٹ کا بندہ کیسے.....'' امام کھا جانے والی نظروں سے شفران کو دیکھتا یک دم رکا تھا' چہرے سے چادر ہٹا کر عرش نے پہلے امام اور پھر شفران کو دیکھا' باہر سے ابھرتی شہرام کی آواز پر ان تینوں کو ہی سانپ سونگھا تھا۔ اشارے سے امام نے عرش سے مدد طلب کی' اگلے ہی پل عرش کے اشارے پر وہ سیکنڈ کی بھی دیر لگائے بغیر بیڈ کے نیچے جا گھسا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے شہرام نے بغور ان دونوں کو دیکھا جو بیڈ پر بیٹھے ہوئے تھے۔
"کیا ہو رہا ہے؟'' دروازے پر رک کر وہ ان دنوں سے ہی مخاطب ہوئے۔
"باتیں ہو رہی ہیں۔'' شفران کی آواز حلق میں پھنسی۔ جب ہی جواب عرش نے دینے میں پہل کی۔
"صدیوں کے بچھڑے آج ملے ہو جو رات کے دو بجے باتیں ہو رہی ہیں امام کہاں ہے؟'' شہرام نے سخت ناگوار لہجے میں پوچھا۔
"وہ یہاں کیسے ہو سکتا ہے بھائی؟'' شفران گڑبڑاہٹ چھپائے بولا۔
"عرش؟'' شہرام کے کڑے لہجے پر وہ متوجہ ہوا۔
"وہ بیڈ کے نیچے چھپا ہے بھائی۔'' سنجیدگی سے اطلاع دے کر عرش نے شفران کے ہکا بکا تاثرات کو دیکھا اور پھر سر جھکاتا بمشکل اپنی امڈتی ہنسی چھپا پایا۔
"اس بدتمیز لڑکے کے لیے تم میرے منہ پر ہی سفید جھوٹ بول رہے ہو۔'' شہرام اب شفران پر برس پڑے جو عرش کی دبی دبی ہنسی کو سنتا اس کے جھکے سر کو گھورتا دانت پیس کر رہ گیا۔
"امام..... تم باہر نکلتے ہو یا نہیں۔'' شہرام کی دھاڑ پر وہ بیڈ کے نیچے سے رینگتا ہوا باہر نکل کر اٹھ کھڑا ہوا' شفران نے اپنا سر پکڑا جبکہ امام کے بکھرے بال اور تمتمائے سرخ چہرے کو دیکھتے ہوئے عرش ہنسی روکنے کی کوشش میں بے حال ہو رہا تھا۔
"جب بتانا ہی تھا تو چھپایا کیوں مجھے؟'' امام نے بھنائے انداز میں عرش کو گھورا جو چہرے سے تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔
"اور تم اتنے فرماں بردار کہ چھپ گئے۔'' شہرام بھڑکے۔ "تمہیں ذرا بھی احساس ہے اپنے ماں باپ کی پریشانی کا' باہر آؤ ذرا میں آج تمہارے دماغ پر چڑھی ساری گرمی نکالتا ہوں آؤ باہر۔'' شہرام اسے ساتھ لے جا کر ہی ٹلنے والے تھے' اترے چہرے کے ساتھ شہرام کی طرف جاتے ہوئے اسے بس شہرام کے پلٹنے کا انتظار تھا' ان کے دہلیز سے ذرا آگے بڑھتے ہی امام نے پھرتی سے دروازہ بند کر کے لاک کیا' لائٹ آف کی اور ایک ہی جست میں بیڈ پر آتا سر سے پیر تک چادر تان گیا' باہر سے آتی شہرام کی غصیلی آواز شفران اور عرش کے بلند ہوتے قہقہوں میں دب گئی تھی۔

☆✿.....☆.....✿☆

گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں سیاہ تارکول کی سڑک چمک رہی تھی' کچھ دیر پہلے ہونے والی ہلکی پھوار نے فضا میں خنکی اور سوندھی مہک کو پھیلا دیا تھا' ٹریفک کا شور وغل بہت پیچھے کہیں رہ گیا تھا' لہٰذا اب ڈرائیونگ کے دوران وہ بہت پُرسکون تھا۔ کل وہ کوریا سے واپس آیا تھا' آج کا دن معمول کے مطابق گزرا' رات کے کھانے سے ذرا پہلے وہ گھر پہنچا تھا' راسب کا یہ حکم وہ ہمیشہ یاد رکھتا تھا کہ رات کا کھانا سب گھر والوں کے ساتھ کھانا ہے' یہ حکم سب گھر والوں کے لیے تھا' کم از کم ایک اسی معاملے میں وہ رجاب کو بھی نہیں بخشتے تھے جو وقت پر کھانا کھانے کے معاملے میں بہت لاپروا تھی' زرق کو کبھی رجاب کی طرح راسب سے ساتھ مل کر کھانا کھانے کی اہمیت کے لیکچر نہیں سننے پڑے اس کی ایک بڑی وجہ ندا بھی تھیں جو آدھے گھنٹے پہلے ہی اسے فون پر یاد دلا دیا کرتی تھیں' آدھا گھنٹہ کافی تھا کمپنی سے گھر تک پہنچنے کے لیے اور عموماً وہ صرف رات کے کھانے کے لیے ہی آتا اور پھر واپس کمپنی..... آج تو اسے نائٹ شفٹ کا شیڈول ترتیب دینا تھا جو کہ ندا کے فون آنے تک مکمل ہو چکا تھا کھانے کے بعد یونہی اس کا دل چاہا اپنے فلیٹ تک آنے کا تو اس طرف نکل آیا' کوئی چھ ماہ پہلے جب اسے اندازہ ہوا کہ وہ اب اس قابل ہو گیا ہے کہ ایک چھوٹا سا گھر خرید سکے تو اس حوالے سے راسب اور رجاب سے بات کرتے ہوئے دل میں خدشات ضرور تھے کہ کہیں وہ دونوں اس سے بدظن نہ ہو جائیں یا

یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ ان سب سے اب الگ ہونا چاہتا ہے حالانکہ ایسا سوچنا بھی اس کے لیے شرمساری کا باعث تھا' ذاتی گھر کی خواہش ہونا ایک فطری بات تھی مگر یہ صرف ایک خواہش نہیں' ایک حسرت' ایک محرومی بھی تھی' وہ بھی ایک جان سے عزیز تر ہستی کی...... بے شک وہ اس آگ کی شدت کو کم نہیں کرسکتا تھا جسے وہ ساتھ لیے گھوم رہا تھا مگر بس ایک امید تھی۔

''زرق...... یہ ہم سب کا اپنا گھر ہے' یہاں ہم سب عزت واحترام اور یگانگت کے ساتھ رہتے ہیں' تم کس وجہ سے الگ ہونا چاہتے ہو ہم سب سے؟'' اس کی خواہش سن کر ہی رجاب کا چہرہ اتر گیا۔

''میں ایسا بالکل نہیں چاہتا' یہ میرا گھر ہے' میں الگ رہنے کی بات ہی کہاں کر رہا۔'' وہ شرمندہ لہجے میں بولا۔

''تو پھر کیا ضرورت ہے ایک اور گھر کی......؟ تم تو اکثر راتوں میں بھی کمپنی کے معاملات دیکھ رہے ہوتے ہو۔'' رجاب جرح کے موڈ میں تھی جبکہ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ رجاب کو کیسے مطمئن کرے اس کے مضطرب تاثرات بغور دیکھتے راسب خاموش نہیں رہ سکے۔

''زرق...... میں جانتا ہوں کہ گھر تم اپنے لیے نہیں خریدنا چاہتے' کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ تم کس کے لیے گھر خریدنا چاہتے ہو؟'' راسب کے سوال پر وہ ان کی جانب نہیں دیکھ سکا۔

''جب وقت آئے گا تو آپ خود دیکھ لیجیے گا۔'' وہ بمشکل بولا۔ جس پر راسب اور رجاب کے درمیان خاموش نظروں کا تبادلہ ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے' تم جہاں اور جیسا گھر لینا چاہتے ہو' مجھے بتانا میں وہ تمہارے لیے خریدوں گا پھر وہ گھر تم جس کے نام بھی کرنا چاہو......''

''نہیں' میں نے اس لیے گھر کا ذکر آپ کے سامنے نہیں کیا تھا' میں گھر خود خریدوں گا' اپنی استطاعت کے مطابق۔'' وہ درمیان میں بولا۔

''مگر میں چاہتا ہوں کہ گھر خریدنے کے لیے رقم میں تمہیں دوں...... تم نے کمپنی کی بنیاد کو مضبوط کرنے کے لیے دن رات محنت کی ہے' تمہارا حق ہے یہ۔''

''بھائی...... میں اپنی محنت کا صلہ اور حق ہر ماہ کمپنی سے وصول کرتا ہوں' مجھے اگر ضرورت ہوئی تو آپ سے ہی کہوں گا۔'' اس کے قطعی لہجے پر راسب نے گہری سانس لے کر رجاب کو دیکھا جو مسکرا رہی تھی۔

''آغا جان...... اس کی خوشی جس میں ہے اسے وہی کرنے دیں' یہ صرف اپنے زور بازو پر خواہش کی تکمیل چاہتا ہے۔''

''میں بھی اسے کہاں روک رہا ہوں' بلکہ میرے لیے تو یہ خوشی کی بات ہے کہ یہ اپنے محنت سے حاصل کیے گئے روپوں کا صحیح طریقے سے استعمال کر رہا ہے۔'' راسب بولے۔

''ٹھیک ہے زرق...... پھر کل سے ہی ہم پراپرٹی ڈیلر سے ملنا شروع کرتے ہیں۔'' رجاب بخوشی بولی اور پھر واقعی وہ اس معاملے میں زرق سے زیادہ سرگرم رہی' یہ ایک صاف ستھرا علاقہ تھا' سڑک پر ہی وہ بڑا سا آہنی گیٹ کھلا ہوا تھا' سوسائٹی کے سیکیورٹی گارڈ کرسیاں بچھائے ایک جانب بیٹھے آنے جانے والوں پر نظر رکھنے کے لیے موجود تھے' جس وقت زرق کی گاڑی گیٹ کراس کرتی اندر آئی اسی وقت گیٹ سے ذرا ہٹ کر ایک وہائٹ گاڑی رکی۔

کھلے پارکنگ ایریا میں گاڑی پارک کر کے وہ اس عمارت کی جانب بڑھ گیا جس کے پہلے ہی فلور پر اس کا تین کمروں پر مشتمل ایک کشادہ فلیٹ تھا' گہری خاموشی نے اس کا استقبال کیا' گیٹ لاک کر کے اس نے لائٹس آن کی تھیں' کچھ وقت اپنے ساتھ' اپنے پچھتاؤں کے ساتھ یہاں گزارتا تھا' یہ گھر تو اس کے پاس کسی کی امانت تھا' وہی جس کے منتظر یہاں کے دیوار و در بھی تھے جس کا سامنا کرنے کے وہ قابل بھی نہ تھا۔ ایک خوف تھا جو اسے سامنا کرنے کی جرأت نہیں کرنے دیتا تھا۔

''ختم کرلوں گی خود کو اگر دوبارہ میری نظروں کے سامنے......'' ایک چیختی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی...... دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا وہ سامنے والے کمرے کی سمت بڑھا' دروازہ کھول کر اس نے سوئچ بورڈ کی سمت ہاتھ بڑھایا' ایک ایک کر کے تمام لائٹس آن کر دیں' روشن کمرے کی صاف شفاف دیواریں چند پینٹنگز' فینسی لائٹس اور وال کلاک سے سجی ہوئی تھیں' ریشمی پردوں سے

کھڑکی، دروازے سجے تھے۔ کمرے میں ضرورت کے مطابق فرنیچر ابھی تک کسی نے استعمال نہیں کیا تھا کسی چیز پر گرد کا نام ونشان نہیں تھا۔ رجاب اسے بتائے بغیر بھی یہاں آ کر صفائی ستھرائی کر جایا کرتی تھی زرق نے کبھی اسے یہاں آنے سے نہیں روکا تھا لائٹس آف کیے بغیر دروازہ بند کرتا وہ دوسرے کمرے کی سمت بڑھ گیا اس کمرے کو رجاب نے اپنی مرضی سے ڈرائنگ روم کی شکل دے دی تھی چابیاں اور والٹ گلاس ٹیبل پر رکھتا وہ تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا اور جلتی آنکھیں موند لی...... یہ وہ گھر تھا جو اپنے مکینوں کا منتظر تھا ان کے لیے ترس رہا تھا ماں باپ عدم کو سدھار چکے تھے اس سے کوئی خدمت اس کا کوئی احسان لیے بغیر اس سے بڑھ کر بدنصیبی اور کیا ہوسکتی تھی بہن تھی مگر اسے اب اس کے تحفظ اس کے سہارے اور سائبان کی ضرورت نہیں تھی جب ضرورت تھی تب وہ سارے عالم سے بیگانہ تھا انسانیت اور ہر مقدس رشتے کے نام پر ایک سیاہ دھبہ تھا۔ اسے آج بھی یاد تھا وہ وقت جب پچھتاؤوں کی آگ میں وہ جھلستا اذیت اور خوف کے باجود زنائشہ کے پیروں سے لپٹ جانا چاہتا تھا مگر اس کے اشتعال اور خود کو ختم کردینے والی دھمکی سے وہ بہت ڈر گیا تھا ایک بہن ہی تو رہ گئی تھی اس دنیا میں بے چینی اور اضطراب میں وہ بار بار چھپ چھپ کر گھر کی طرف آتا اور پلٹ جاتا کسی پل قرار نہ تھا ایسی ہی کیفیات میں اس وقت وہ عقبی سنسان سڑک پر پہنچا جب اس نے دیکھا کہ زنائشہ ایک اجنبی لڑکی کے ساتھ بڑی سی گاڑی میں بیٹھ رہی تھی اس سے پہلے کہ وہ دوڑتا ہوا گاڑی تک پہنچتا گاڑی اسٹارٹ ہوتی آگے بڑھ گئی تھی اس کے بعد تو اس کے دوڑتے قدم پھر رکنے والے نہیں تھے۔

جانے کون سی طاقت اس کے لاغر وجود کو اس گاڑی کے پیچھے اندھادھند دوڑا رہی تھی مگر بہر حال وہ اس گاڑی کی رفتار کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا ایک رکشہ سڑک پر خالی جارہا تھا اسے روکنے میں وہ کامیاب ہوگیا جیب سے سارے روپے نکال کر رکشہ ڈرائیور کو تھمائے رکشہ ڈرائیور پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ وہ گاڑی کے تعاقب میں ہے اور پھر شاید زرق کی حالت اور منت سماجت پر بھی اسے رحم آگیا تھا اجرت تو اسے مل ہی رہی تھی سو لگادیا اپنا رکشہ گاڑی کے پیچھے کچھ وقت ضائع ضرور ہوا تھا مگر رات ہونے کے باعث اس سڑک پر ٹریفک بھی بہت کم تھی لہٰذا مطلوبہ گاڑی آنکھوں سے اوجھل ہونے سے پہلے ہی پہنچ میں آ گئی تھی وہ گاڑی ایک ہاسٹل کے سامنے رکی تھی زنائشہ اور اجنبی لڑکی کے ہاسٹل کے اندر جانے کے بعد وہ گاڑی وہاں سے چلی گئی مگر زرق کے جانے کتنے دن کتنی راتیں اس ہاسٹل کے باہر ہی گزریں اس نے بہت بار زنائشہ کو اسی اجنبی لڑکی کے ساتھ آتے جاتے دیکھا ان دونوں کا وہ تعاقب کرتا رہا طرح طرح کے خدشات اس اجنبی لڑکی کے حوالے سے زرق کو تھے مگر اسے اپنی بہن کا پتہ تھا اس کی طرح کم از کم وہ اپنے ماں باپ کو ان کی قبروں میں بے سکون نہیں کرے گی وہ مر تو جائے گی مگر کسی غلط راہ پر نہیں جائے گی اور اس کا یہ یقین مستحکم ہوتا رہا...... اپنے صبح شام اس کے یونہی زنائشہ سے چھپ کر روتے کرلاتے گزرے اپنی بے بسی اور لاچاری پر نہیں بلکہ اپنی بہن کی محرومیوں اور بے سائبانی پر=

ڈور بیل کی گونج نے اسے بری طرح چونکایا کون آسکتا تھا؟ یہی سوچتے ہوئے زرق نے گیٹ کھولا اور اگلے ہی پل ششدر رہ گیا سامنے موجود شخص کو پہچاننے میں اسے بس چند لمحے لگے تھے دوسری جانب اس نے زرق کے کچھ بولنے کا زیادہ انتظار نہیں کیا اسے سامنے سے ہٹاتا وہ خود ہی راستہ بنا کر اندر داخل ہوا ایسا کرتے ہوئے اس کی کڑی نگاہیں زرق پر ہی مرکوز تھیں رکے بغیر وہ زرق سے نگاہ ہٹاتا تیز قدموں کے ساتھ سامنے والے کمرے کی سمت گیا زرق نے اسے روکا نہیں تھا گیٹ بند کرتے ہوئے وہ بس اسے دیکھتا رہا جو سامنے والے کمرے سے نکلتا شعلہ بار نظروں سے زرق کو گھورتا دوسرے کمرے کی سمت چلا گیا چند منٹ ہی لگے تھے اسے فلیٹ کا کونا کونا چھاننے میں اس کے بعد زرق نے اسے دوبارہ جارحانہ تیوروں کے ساتھ اپنے مقابل آتے دیکھا۔

"زنائشہ کہاں ہے؟" اس کے بپھرے لہجے پر زرق بس سپاٹ نظروں سے اس کے تپتے ہوئے سرخ چہرے کو گھور رہا تھا۔

"میں نے پوچھا زنائشہ کہاں ہے؟" اس بار وہ حلق کے بل دھاڑا۔

"میں نہیں جانتا......" زرق کا لہجہ سپاٹ تھا مگر اگلے ہی پل عرش کا بھرپور مکا اس کے چہرے سے ٹکراتا اسے لڑکھڑانے پر مجبور کرگیا تھا لب سے رستے خون کو روکتے ہوئے زرق نے شدید نفرت انگیز نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ ٹھاٹ باٹ گھر گاڑی سب کچھ حاصل کرنے کے لیے تم نے اگر اسے داؤ پر لگایا ہے تو......"

''آگے ایک لفظ بھی اور کہا تو......'' بھنچے لہجے میں زرق غرایا۔
''یہ غلیظ کام تم جیسا سڑک کا آوارہ جانور کرسکتا تھا مگر اللہ نے اسے محفوظ رکھا...... تم جیسا بدکردار شخص کبھی اس کے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکتا' دوبارہ اپنی گندی زبان پر اس کا نام بھی مت لانا......'' زرق کے خونخوار لہجے پر عرش نے ایک جھٹکے سے اس کا گریبان پکڑا۔
''مجھے نہ تم سے کوئی سروکار ہے' نہ تمہاری کسی بکواس سے' میرے لیے صرف یہ اہم ہے کہ وہ میری کون ہے؟ اور مجھ سے اس کا تعلق کیا ہے؟ اس تک پہنچنے کے لیے میں تمہاری گردن بھی توڑ سکتا ہوں اور اسی لیے یہاں موجود ہوں۔'' عرش مشتعل ہوتا بولا۔
''تم جانتے ہو تمہاری اصلیت کیا ہے' اس جیسی لڑکی سے تمہارا کوئی تعلق کبھی بن ہی نہیں سکتا' جب میں اپنے سیاہ چہرے کو اس کی پاک صاف زندگی سے دور رکھنے کے لیے خود پر جبر کررہا ہوں تو تمہارے سیاہ وجود سے اس کی زندگی کو کیسے ناپاک ہونے دے سکتا ہوں' قدرت نے کسی طور سے اسے تم جیسے گھاگ شکاری کے جال سے نکالا میں نہیں جانتا لیکن اب میں کسی صورت اسے تمہارا تر نوالہ نہیں بننے دوں گا۔'' قہر آلود نظروں سے اسے گھورتے ہوئے زرق کی آواز بلند ہوئی۔ بغور اس کے غصیلے تاثرات دیکھتے ہوئے عرش نے اس کا گریبان چھوڑا۔
''تم جانتے ہو وہ کہاں ہے؟ تمہیں یہ بھی خبر ہے کہ وہ اس وقت کس جگہ موجود ہے۔'' اس بار عرش کا لہجہ سخت ہی نہیں پُر یقین بھی تھا۔
''ہاں' جانتا ہوں' بہت اچھی طرح جانتا ہوں' وہ عزت دار ماں باپ کی عزت دار اولاد ہے اور عزت دار لوگوں کے درمیان زندگی گزار رہی ہے' وہی زندگی جو میں اسے دینے کے قابل نہ تھا' وہی زندگی جس میں تم جیسے سانپ کے لیے اس کے پاس جگہ نہیں تھی اور نہ ہوسکتی ہے اگر ہوتی تو تم بہت پہلے اس تک پہنچ چکے ہوتے' روز اول سے وہ اسی دنیا' اسی شہر' اسی زمین پر ہے تمہاری طرح سڑکوں پر نہیں' جب قدرت نے اسے تم سے بچائے رکھنے کے لیے تمہیں اندھا بنا رکھا ہے تو میں کیوں تمہارے دل میں رحم ڈالوں...... وقت وقت کی بات ہے' پہلے میں کمزور تھا' تمہارے ہاتھوں دھتکارا گیا مگر آج میں کوئی بدلہ نہیں لینا چاہتا لیکن اس تک پہنچنے کا خیال دل دماغ سے نہ نکالا تو میں ضرور تمہیں زمین میں اتار دوں گا۔'' زرق کے بھڑکتے انداز کو وہ بہت تحمل سے دیکھتا اور سنتا رہا۔
''تم اور بھی کچھ کہنا چاہو تو ضرور کہو' تم کہہ سکتے ہو کیونکہ سب کچھ پتہ ہونے کے باوجود تم بہت سے معاملات سے بے خبر ہو' ناواقف ہو...... ابھی تم سے کچھ کہنا بیکار ہے مگر مجھے افسوس کے ساتھ تمہیں یہ بتانا پڑے گا کہ بہت جلد تمہارا زعم خاک میں ملنے والا ہے' اور دوسری بات یہ کہ میں کیا تھا' کیا ہوں' یہ میں جانتا ہوں' تم بس اپنے گریبان کی فکر رکھو اور اس میں جھانکتے رہو۔'' عرش پُرسکون لہجے میں بولا' یک دم ہی اسے احساس ہوا تھا کہ زرق سے زور زبردستی' بحث و تکرار سب بے معنی ہے' زرق جو بول رہا ہے' جو اس کا ردعمل ہے' وہ سب جائز ہے' اس کے سامنے صرف زرق نہیں تھا' ایک بہن کا بھائی بھی تھا جس کی غیرت اگلی پچھلی تمام کسر پوری کرنے کے لیے جاگ اٹھی تھی' اس کی نفرت' حقارت' دھمکیاں اب عرش کو مشتعل نہیں کرسکتی تھیں گہری سانس لے کر عرش اس کے سامنے سے ہٹتا اردگرد کا جائزہ لینے لگا مگر پھر چند لمحوں بعد دوبارہ زرق کو دیکھا جو زہر خند نظروں سے بس اسے گھور رہا تھا۔
''تمہاری زندگی اور حالت کیسے سدھر گئی؟'' وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔
''خون پسینہ ایک کیا ہے' تمہاری طرح عیاشیوں میں اپنے دام کھرے نہیں کرتا رہا ہوں۔'' جواب توقع کے عین مطابق آیا تھا۔
''زرق...... آئینہ میں بھی تمہیں دکھا سکتا ہوں لیکن میں ایسا نہیں کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ خون پسینہ ایک کیسے کیا جاتا ہے' اس لیے میں تمہاری محنت اور ریاضت پر مٹی نہیں ڈالنا چاہتا۔'' سرد نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے عرش نے کہا۔ ''کیا اس نے تمہیں معاف کردیا...... کیا وہ جانتی ہے کہ تم آج ایک اچھے مقام پر ہو؟'' عرش کے کھوجتے لہجے اور نظروں پر زرق کے تاثرات مزید تن گئے۔
''میں نے تمہیں آئینہ دکھایا ہے تو خود کو بھی پارسا نہیں کہا' میں آج بھی اس کے لیے گمشدہ ہوں' وہ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتی' جس دن اس کا سامنا کرنے کے قابل ہوا تب ہی اپنی نظروں میں خود کو کوئی مقام دے سکوں گا۔'' زرق نہ چاہتے ہوئے بھی

بول گیا۔
''تم کہتے ہو کہ ایک ہی شہر میں ہونے کے باوجود قدرت نے مجھے اندھا رکھا کہ اس تک میں پہنچ نہ سکوں مگر قدرت نے تمہیں اس تک پہنچا کر بھی اس سے دور رکھا ہوا ہے' اپنے زور بازو پر اپنی بہن کو تحفظ اور باعزت زندگی دینے کے معاملے میں تم کل بھی قلاش تھے اور آج بھی قلاش ہو' میں یہاں رحم کی بھیک کے لیے نہیں بلکہ حق کے ساتھ آیا تھا' پوری کوشش کروں گا کہ دوبارہ یہاں آ کر تمہارے زخموں کو نہ چھیڑوں۔'' سرد نظروں سے اسے دیکھتا عرش وہاں سے چلا گیا جبکہ زرق اپنی جگہ پر ساکت کھڑا اسے تیز قدموں کے ساتھ باہر نکلتا دیکھتا رہا۔
عرش کے انتظار میں کچھ فکر مند ہوتا شقران اس لمحے پُرسکون ہوا جب اس نے عرش کو گیٹ سے باہر آتے دیکھا۔
''وہ ملا تم سے...... کچھ بتایا اس نے؟'' شقران نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا جو ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔
''ہاں' یہ تو اس نے اچھی طرح بتا دیا ہے کہ میں اگر اس کے زبان کھولنے کا منتظر رہا تو قیامت تک زنائشہ سے نہیں مل سکوں گا۔''
''پھر......؟'' شقران الجھا۔
''پھر یہی کہ اب اس پر نظر رکھنی ہے' وہ کہاں جاتا ہے' کس سے ملتا ہے' میری وجہ سے وہ اب چوکنا رہے گا مگر اپنی بہن تک جانے والے راستوں سے کب تک نظر چرائے رکھے گا۔'' عرش ایک نگاہ اس پر ڈالتا بولا۔
''ظاہر ہے اب یہی کرنا ہوگا مگر کیا تم نے اسے بتایا کہ زنائشہ تمہاری بیوی ہے؟'' شقران نے پوچھا۔
''نہیں' کچھ احتیاط تو مجھے بھی رکھنی ہے' عجلت میں ورنہ زرق سے بھی ہاتھ دھونے پڑ سکتے ہیں۔'' عرش نے کہا۔
''اس سے مل کر تمہیں کچھ اطمینان ہوا؟'' شقران نے پوچھا۔
''یہ کہا جا سکتا ہے کہ کچھ تسلی ضرور مل گئی ہے' زنائشہ ٹھیک ہے' محفوظ جگہ ہے' یہ خبر کسی اور ذریعے سے ملتی تو میں کبھی آنکھیں بند کر کے یقین نہ کرتا مگر زرق نے غصے میں ہی سہی پر مجھے کچھ پُرسکون کر دیا ہے' سچ کہوں تو زرق کو دیکھ کر میں پہلے شاک میں تھا لیکن اب خوش ہوں' میرے ماں باپ کی طرح یقیناً اس کے ماں باپ کی بھی نیکیاں اور دعائیں اسے تباہی کے راستوں سے بچا کر لے آئی ہیں۔'' ونڈ اسکرین کے پار دیکھتا وہ طمانیت سے بولا۔ کچھ فاصلہ ہی طے ہوا تھا جب اچانک ہی سڑک کے کنارے عرش نے گاڑی روک دی' ایک نگاہ شقران نے سامنے مسجد کو دیکھنے کے بعد سوالیہ نظروں سے عرش کو دیکھا' عشاء کی نماز اس نے عرش کے ہمراہ ہی گھر کی طرف قریبی مسجد میں ادا کی تھی' مسجد سے نکلتے ہی عرش کے فون پر اس گاڑی کے بارے میں اطلاع ملی جو کہ شہر کی ایک جامع مسجد کے قریب ہی پارک کی گئی تھی' زرق کی گاڑی کو ان دونوں نے وہیں سے ٹریپ کرنا شروع کیا تھا۔
''وہ ضرور دعا کرے گا کہ میں اس کی بہن کے قدموں کی خاک بھی نہ پا سکوں' لہٰذا میں اس سے پہلے ہی اپنی عرضی لگانا چاہتا ہوں۔'' شقران کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی اس نے بتایا۔ ''تم جانا چاہو تو گھر چلے جاؤ' مجھے کچھ وقت یہاں لگے گا۔''
''نہیں' تم اطمینان سے واپس آؤ' میں یہیں ہوں۔'' شقران نے کہا۔
عرش کو مسجد میں گئے کچھ دیر گزری تھی جب وہ خود بھی گاڑی سے باہر آ گیا' یہاں لوگوں کا رش نہیں تھا' چوڑی سڑک کے دوسری جانب کچھ شاپس کھلی ہوئی تھیں جن میں سب سے نمایاں وہ ہار پھولوں کی شاپ تھی' کھلی پُرسکون فضاء میں بیٹھنے کے لیے مسجد کی سیڑھیوں سے زیادہ مناسب جگہ کوئی اور نہیں تھی سو وہ وہیں جا بیٹھا' اسے ہمیشہ اس چیز نے متاثر کیا تھا کہ عرش کے نزدیک دعاؤں کی اہمیت بہت شدید قسم کی رہی تھی' دعاؤں کا اثر اس کی زندگی میں نظر بھی آتا تھا اور نظر آ رہا تھا' اس کی نگاہیں غیر ارادی طور پر ہار پھولوں کی شاپ کے سامنے موجود ایک جوڑے پر ٹھہر گئی' ان دونوں کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ نئی زندگی کا سفر شروع کیے دونوں کو زیادہ وقت نہیں گزرا' مرد نے کنگن خرید کر عورت کے حوالے کیے' جن کو پہننے میں اس عورت نے دیر نہیں لگائی' چاہتے ہوئے بھی وہ ان دونوں پر سے نگاہ نہیں ہٹا سکا تھا اس وقت تک جب تک کہ وہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئے تھے' کبھی کبھی جانے کیوں آنکھیں اجنبی چہروں میں ان چہروں کو ڈھونڈتی ہیں' جنہیں دل ڈھونڈنے پر مجبور کرتا ہے' کچھ خواہشیں بہت عجیب ہوتی ہیں' دعا بن کر لبوں تک آنے سے خوف زدہ رہتی ہیں کہ جانے انجام کیا ہو...... مگر اس وقت مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے وہ

اپنی ڈری سہمی اس ایک خواہش کو دعا بن کر لبوں تک آنے سے نہ روک سکا تھا۔

☆❁......☆......❁☆

سست قدموں سے وہ ہاسپٹل کے وسیع ہال میں داخل ہوا تھا' اس کا رخ سامنے کاؤنٹر کی جانب تھا جہاں پہلے ہی کافی لوگ موجود تھے' کاؤنٹر کے پیچھے دو عورتیں اور ایک مرد بہت مصروف اور مستعدی سے اپنا کام کرتے نظر آرہے تھے۔ مخصوص خنک ماحول میں افراتفری کا عالم تھا' دائیں جانب مریضوں کا شمار ناممکن تھا' کاؤنٹر کے پاس سے رش کم ہونے کا انتظار کرتا وہ بار بار ادگرد کا جائزہ بھی لے رہا تھا جیسے وہ کسی کا متلاشی ہو تب ہی دائیں جانب سے ایک کرخت نسوانی آواز بلند ہوئی۔

''ڈاکٹر رجاب کے سارے پیشنٹس اوپر روم نمبر چار کے باہر جمع ہوں' ڈاکٹر کاظمی دیکھیں گے سب کو......'' سانس روکے وہ اس عورت کو دیکھتا رہا جو اعلان کرتی وہاں رکی نہیں تھی' مریضوں کا شور وغل بڑھنے لگا' کچھ سیڑھیوں کی جانب بڑھنے لگے اور کچھ اسی شش و پنج میں تھے کہ روم نمبر چار کے ڈاکٹر کے پاس جائیں یا نہیں۔

بہت ہمت کر کے بالآخر اس نے کاؤنٹر کے پیچھے موجود مرد کو مخاطب کر ہی لیا جس کے پاس سر اٹھا کر دیکھنے کی بھی فرصت نہیں تھی۔

''ڈاکٹر صاحبہ تو اب کسی پیشنٹ کو نہیں دیکھیں گی آپ اوپر چلے جائیں کوئی نمبر بچا ہوگا تو ملے گا ورنہ کل آیئے......'' کاغذوں کے پلندوں میں کچھ ڈھونڈتا وہ مرد جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔ مایوسی کے ساتھ ارد گرد کا جائزہ لیتا وہ اس طرح واپس جانا نہیں چاہتا تھا' دائیں جانب مریضوں کا رش کسی حد تک کم ہوگیا تھا' یہ دوسرے کسی ڈاکٹر کے مریض تھے' لوگوں کی تعداد کم ہوتے ہی اسے صاف طور پر اندرونی حصے میں جاتا کاریڈور نظر آرہا تھا' یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ کوئی اس کی جانب متوجہ نہیں وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا اس کاریڈور کی جانب بڑھ گیا' وہ کاریڈور کا پہلا ہی روم تھا جس کی پیشانی پر لگے بورڈ نے اس کے قدم ساکت کر دیے تھے' اندر سے ابھرتی ایک مانوس آواز نے اس کی سانسوں کو بھی روک دیا۔

''اکبر...... میں بس نکل رہی ہوں' میرے لاکرز کی چابیاں تم اپنے پاس رکھو اور یاد سے ڈاکٹر کاظمی کو میری طرف سے شکریہ ادا کرنا۔''

''جی میں ضرور آپ کا میسج دے دوں گا۔'' اس آواز کے ساتھ ہی ایک شخص روم سے نکلا مگر اسے سامنے دیکھ کر رک گیا۔

''آپ یہاں کیسے؟'' اکبر سوال کرتا اس لمحے دنگ ہوا جب کوئی جواب دینے کے بجائے وہ سرعت سے روم میں داخل ہوگیا۔

ایک جانب واش بیسن میں ہاتھ واش کرتی رجاب کی پشت پر اس کی نگاہیں ٹھہر گئی تھیں' ایک کند چھری اسے اپنے سینے میں اترتی محسوس ہوئی۔ روم کی لائٹس کے علاوہ کھڑکیوں سے داخل ہوتی روشنی میں وہ زرد رنگ کے سادہ لباس میں اپنی دراز قامت کے ساتھ پلٹتی یک دم چونکی تھی' اگلے ہی پل اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے رہ گئی' پھیلتی آنکھوں کی گہری سبز پتلیاں سامنے موجود شخص پر جم گئی تھیں' یہ شخص اس کے ماضی کا وہ خنجر تھا جس سے لگنے والے گھاؤ کی اذیت اپنی پشت پر وہ آج پھر محسوس کر رہی تھی' اس کا رنگ یوں لٹھے کی مانند سفید ہوا تھا جیسے سامنے کوئی شخص نہیں بلکہ عفریت ہو۔

''آپ اس طرح بغیر کسی کی اجازت سے منہ اٹھا کر یہاں کیوں گھسے چلے آئے ہیں۔'' اکبر اس شخص پر برہم ہوا جسے رجاب کے سوا کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا نہ ہی کچھ سنائی دے رہا تھا۔

''ڈاکٹر صاحبہ...... میں نے ان کو روکا تھا' مگر یہ......'' اکبر اب اس سے مخاطب تھا جس کے وجود میں جھرجھری سی دوڑی تھی اسے کچھ پتہ نہیں تھا کہ اکبر کیا کہہ رہا ہے' ہر طرف سے نظر چرائے وہ برق رفتاری سے ٹیبل کی طرف آئی اور بیگ اٹھاتے روم سے نکلنے کے لیے قدم اٹھائے ہی تھے۔

''رجاب...... میری بات سن لو...... میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔'' التجائی لہجے میں وہ شخص رجاب سے مخاطب دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھتا سامنے آ کھڑا ہوا مگر وہ سائیڈ سے ہوتی سر جھکائے تیر کی طرح کاریڈور سے بھی نکل گئی' حیران ہوتا اکبر رجاب کے پیچھے جاتے اس شخص کو دیکھتا ہی رہ گیا۔

حیرت سے زرق نے اس کی عجلت کو دیکھا تھا جو فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہی ونڈو کا شیشہ اوپر کر رہی تھی۔

''گاڑی اسٹارٹ کرو فوراً۔'' لرزتے لہجے میں حکم دیتی وہ زرق کو مزید حیران کرگئی۔ تب ہی زرق کی نگاہ اس شخص پر پڑی جوان کی گاڑی کے قریب آ گیا اور اب ونڈو کے بند شیشے پر ہاتھ رکھے وہ یقیناً رجاب سے کچھ کہہ رہا تھا۔
''یہ کون ہے اور......''
''سوال مت کرو' چلو یہاں سے۔'' لہو رنگ آنکھوں سے اسے دیکھتی رجاب جس طرح بھڑک کر بولی تھی زرق نے الجھن کے باوجود گاڑی اسٹارٹ کردی۔
''رجاب...... اس طرح چیخ کر تم مجھے خاموش نہیں کرسکتیں...... میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ شخص کون تھا جو تمہارے پیچھے آیا تھا...... کیا ارادہ تھا اس کا' تم کیوں اس سے فرار حاصل کرنا چاہتی ہو؟ کوئی شخص اس طرح تمہارے پیچھے میری نظروں کے سامنے آئے گا تو میں خاموش تماشائی نہیں بنا رہوں گا......'' اس کی جانب دیکھے بغیر زرق بمشکل غصے کو ضبط کرتا بولا۔
''مجھے اس وقت کوئی تکرار نہیں کرنی زرق...... بہت سے سوال مجھ سے بھی تم سے کرنے کی اجازت نہیں ہے۔'' سرخ چہرے کے ساتھ رجاب نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔ زرق نے بس ایک نظر اسے دیکھا' جو فوراً ہی منہ پھیر گئی تھی' گہری سانسیں بھرتے ہوئے رجاب کو کچھ وقت لگا تھا خود کو کمپوز کرنے کے لیے' اس دوران زرق نے بالکل بھی اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔
''اس بارے میں کوئی بات آغا جان کے سامنے مت کرنا......'' باہر پیچھے بھاگتے مناظر کو تکتی وہ سپاٹ لہجے میں کہہ گئی۔ ''آغا جان کو ہرگز اس بات کی خبر نہیں ہونی چاہیے۔''
''میں جانتا ہوں' مجھے کیا کرنا ہے' تم مجھے پابند نہیں کرسکتیں۔''
''تم بات کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔''
''میں کچھ نہیں سمجھنا چاہتا یہ دیکھنے کے بعد کہ تم میری موجودگی میں بھی اس شخص سے خوف زدہ نظر آرہی تھیں' کیا مجھے خود پر لعنت نہیں بھیجنی چاہیے؟''
''میں صرف اس لیے خوف زدہ تھی کہ اگر آغا جان کو معلوم ہوگیا کہ وہ شخص مجھ تک آن پہنچا ہے تو اللہ جانے وہ کیا کرگزریں گے......'' رجاب کے لرزتے لہجے پر زرق نے اسے دیکھا۔
''تو میرا شک درست ہے' وہ حاذق تھا۔'' زرق کے سپاٹ لہجے پر وہ اس کی جانب نہیں دیکھ سکی۔
''مجھ سے غلطی ہوئی' تمہاری بات ماننے کے بجائے مجھے اس شخص کا وہ حشر کرنا چاہیے تھا کہ وہ دوبارہ تمہارے پیچھے آنے کی جرأت بھی نہ کرتا۔'' زرق کے مشتعل لہجے پر وہ بس درد سے پھٹتے سر کو ہاتھوں میں تھام گئی تھی' صبح سے سر میں ہونے والا درد اتنی شدت اختیار کرگیا تھا کہ وہ اپنے تمام پیشنٹس کو بھی نہیں دیکھ سکی تھی' حاذق کا یوں اچانک سامنے آنا اس کے اعصاب کو شدید توڑ پھوڑ سے دوچار کرگیا تھا۔
''کیا تم اس کی وجہ سے ہاسپٹل میں نہیں رکنا چاہتی تھیں؟''
''نہیں' سر میں شدید درد ہے اس لیے تمہیں بلایا' بس فوراً گھر جانا چاہتی تھی' وہ تو بس اچانک ہی......'' مدھم آواز میں بولتی وہ چپ ہوئی۔
''تم پریشان مت ہو' میں بھائی سے اس بات کا ذکر نہیں کروں گا' لیکن تم مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ وہ تمہارے راستے میں آیا تو تم مجھ سے نہیں چھپاؤ گی' مجھے اطلاع دو گی۔''
''زرق...... تم جانتے ہو کہ میں اس معاملے پر صرف تم سے ہی بات کرسکتی ہوں' ابھی میں اس سب کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھی اس لیے بس خاموش رہنا چاہتی تھی۔'' وہ بات ختم کرنے والے انداز میں بولتی باہر متوجہ ہوگئی۔
وقت کیسے رنگ و روپ بدل کر سامنے آتا ہے کہ عقل دنگ' اعصاب شل ہوجاتے ہیں' وہ جانتی تھی' بہت پہلے سے جانتی تھی کہ ایک دن یہ ہونا ہی ہے' زمین اور آسمان میں معلق اپنے زخم خوردہ وجود کے ساتھ' اپنی اذیتوں کو ایک طرف ہٹا کر اس نے بہت کوشش کی تھی حاذق کو روکنے کی' وقت گواہ تھا مگر جو اپنے زعم 'اپنی میں' میں گرفتار ہوجائیں اسے اکثر پانی سر سے گزر جانے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے ہاتھوں' اپنے ہی ظلم کا شکار ہوگیا ہے۔

ہونٹوں پہ ہنسی' آنکھ میں تاروں کی لڑی ہے
وحشت بڑے دلچسپ دوراہے پہ کھڑی ہے
کیا نقش ابھی دیکھئے ہوتے ہیں نمایاں
حالات کے چہرے سے ذرا گرد جھڑی ہے

''میں نے تم سے کہا بھی تھا آج گھر میں ہی رہو تمہارے چہرے سے ہی اندازہ ہورہا تھا کہ طبیعت ٹھیک نہیں۔'' جس وقت وہ گھر میں داخل ہوئی ندا نے خفت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھابی...... کون آیا ہے؟'' زرق نے پوچھا۔

''راسب کے دوست اوران کی وائف ہیں۔''

''بھائی کے دوست؟ یہ اچانک کہاں سے دریافت ہوگئے؟'' زرق نے حیرت سے پوچھا جبکہ رجاب کے لیے بھی یہ حیران کن بات تھی۔ راسب کے کبھی کوئی ایسے دوست نہیں رہے جو گھر تک آئیں۔

''راسب کے چیک اپ کے لیے میں بھی ساتھ ہاسپٹل گئی تھی' وہیں ان کے دوست مل گئے' میں تو خود حیران رہ گئی کہ راسب ان سے اتنی گرم جوشی سے ملے اور بہت اصرار کے ساتھ گھر بھی لے آئے...... اب تم دونوں آکر ملوان کے دوست سے' راسب کو برا لگے گا ورنہ......''

''ملنا تو پڑے گا' خاص دوست ہی ہوسکتے ہیں۔'' رجاب نے مسکراتے ہوئے زرق سے تائید چاہی۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی پہلی ہی نظر میں ان دونوں شخصیات نے بہت اچھا تاثر چھوڑا تھا' رجاب اپنا درد سر بھول گئی تھی' راسب نے بہت محبت سے ان دونوں کا تعارف مہمانوں سے کروایا۔

''شہرام صاحب...... بس یوں سمجھ لیں کہ میرے یہ دونوں' بہن بھائی میرے گھر کی ہی نہیں میری زندگی کی بھی رونق ہیں۔''

''بالکل' وہ تو نظر بھی آرہا ہے' ابھی کچھ دیر پہلے اتنی زیادہ رونق آپ کے چہرے پر نہیں تھی جتنی کہ اب نظر آرہی ہے۔'' شہرام کے برجستہ کہنے پر راسب مسکرائے۔

''ان دونوں کی وجہ سے آج راسب گھر پر ہی تھے تاکہ چیک اپ کے لیے جاسکیں' میں روز کہتی تھی مگر سنتے نہیں تھے اور یہ کتنا اچھا اتفاق ہوا کہ آپ لوگوں سے ملاقات ہوگئی۔''

''ندا آپ کی شکایت کو صرف میں ہی سمجھ سکتی ہوں' ہمارے گھر میں بھی تقریباً یہی سلسلہ ہے' شہرام سے کوئی بات منوانے کے لیے مجھے ان کے بھائیوں سے ہی کہنا پڑتا ہے ورنہ مجھے پتہ ہے کہ میں بس کہتی ہی رہ جاؤں گی۔'' سحر مسکراتے ہوئے بولیں جبکہ رجاب ان سے نظر ہٹاتی ان کی تقریباً سال بھر کی پیاری سی بیٹی کی طرف متوجہ ہوگئی تھی جسے نزل اپنی گود میں سنبھالنے کی کوشش میں تھی۔

''زرق...... میں جب بینک میں کام کرتا تھا اس وقت کی بات ہے' شہرام ہمارے بہت اچھے کلائنٹ ہوا کرتے تھے' یہ جب کبھی بینک آتے تو بہت طویل گفتگو ہوا کرتی تھی ان سے۔'' راسب نے بتایا۔

''پھر اچانک آپ بینک سے ایسے غائب ہوئے کہ وہاں کسی کو آپ کے بارے میں کچھ پتہ ہی نہیں تھا' آج اچانک آپ سے ملاقات ہوئی دل خوش ہوگیا' اب غائب ہونے کا سوچیے گا بھی نہیں۔'' شہرام بولے۔

''اب تو غائب ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا' خواتین اگلی ملاقات طے کرچکی ہیں۔'' راسب ہنستے ہوئے بولے۔

''جی ہاں' آپ سب ہمارے گھر آرہے ہیں' کوئی بہانہ نہیں چلے گا' رجاب ہاسپٹل کی ٹائمنگ کیا ہیں؟'' سحر نے پوچھا۔

''صبح نو سے شام کے چار' پانچ بھی بج جاتے ہیں' ہفتے میں بس دو دن جانا ہوتا ہے' اگر ضرورت ہو تو اس کے علاوہ بھی جانا پڑجاتا ہے۔'' رجاب نے تفصیل سے بتایا۔

''آپ نے کسی ہاسپٹل میں جاب کے لیے اپلائی نہیں کیا؟ یا اپنے کلینک کے لیے نہیں سوچا؟'' شہرام براہ راست پوچھے بغیر نہ رہ سکے جبکہ سحر بغور اس کے چہرے کو ہی دیکھ رہی تھیں' رجاب نے اس چیز کو محسوس کرلیا تھا مگر اب لوگوں کی نظریں اپنے چہرے پر

دیکھ کر اسے عجیب نہیں لگتا تھا' وہ عادی ہوگئی تھی۔
"نہیں' ابھی تک تو ایسا کچھ نہیں سوچا' پھر حجاب اور کلینک بڑی ذمہ داری ہے' میں جتنا کر رہی ہوں اس میں ہی خوش ہوں۔"
"اور پھر لوگوں کو فیض تو پہنچ رہا ہے' جو پڑھا لکھا ہے سیکھا ہے وہ کام آ رہا ہے۔" درمیان میں راسب بول اٹھے۔
"بے شک' یہ بہت اچھی بات ہے کہ ہماری ذات سے دوسروں کو فائدہ حاصل ہو۔" شہرام تائیدی انداز میں بولے۔ زرق اجازت لے کر جانے کے لیے اٹھا تو وہ بھی چینج کرنے کے بہانے اس کے پیچھے ہی ڈرائنگ روم سے نکل آئی۔

☆......☆......☆
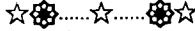
جھلائی نظروں سے وہ ان دونوں بچوں کو دیکھ رہا تھا جو اپنے سامنے رکھے سینڈوچز کو دیکھ کر منہ بناتے اسے کھانے کے لیے تیار نظر نہیں آ رہے تھے۔
"اب تو یہی کھانے پڑیں گے' شکر کرو یہ سینڈوچ بھی بن گئے ورنہ مجھے تو یہ بھی نہیں بنانے آتے۔ پتہ نہیں یہ بھی کیسے بنا لیے' غیبی مدد آئی تھی کوئی...... ویسے غیبی امداد نہیں آتی جب شامت آئی ہوتی ہے' اس کام میں آ گئی......" آخری جملے امام نے خشمگیں لہجے میں شفران کو مخاطب کرتے ہوئے ادا کیے۔
بچوں کے معدے پر برا اثر نہیں پڑنا چاہیے' بس اتنا یاد رکھنا' تمہاری بہن تمہاری ذمہ داری پر چھوڑ گئی ہیں بچوں کو ذرا بھی گڑبڑ ہوئی تو میں ایک پیر پر کھڑا ہوں تمہاری عاقبت ملیامیٹ کرنے کے لیے۔" شفران نے وارن کیا۔
"تمہاری اس دھمکی سے بچے بھی نہیں ڈرنے والے...... اتنا ہی درد و فکر ہے بھتیجوں کی تو تم بنا دو ان کے لیے نوڈلز' میکرونی' ابھی خدمت کر لو بعد میں یہی بچے تمہارے بڑھاپے کی لاٹھی بن جائیں گے۔ تمہارے بچے پتہ نہیں ہوں نا ہوں......"
"تمہارے منہ میں خاک' جیسے بھیانک اعمال ہیں تمہارے ویسی ہی پیشن گوئیاں کرتے ہو۔" شفران نے اسے لتاڑا۔
"چاچو...... مجھے نوڈلز اور حسین کو میکرونی کھانی ہیں مگر ماموں کو تو کچھ بھی پکانا نہیں آتا۔" بھوک سے بے حال حسن روہانسا ہو کر بولا۔
"بیٹا...... ماموں بے عزت تو ہو رہا ہے تم دونوں کی خاطر وہ کافی نہیں...... ایک گھنٹے سے ٹیرس پر جا جا کر رو رہا ہوں پر وہ کتابی کیڑا کان دھرنے کو تیار نہیں۔" امام کھا جانے والے انداز میں بولا۔
"پر میرے کہنے پر ضرور کان دھرے گی۔ سر پر خوان' ہاتھوں میں رکابیاں اٹھائے کچے دھاگے سے بندھی چلی آئے گی' بس تم دل پر مت لینا' باقی میں سنبھال لوں گا۔" شفران بولا مگر اگلے ہی پل امام کے جھپٹنے پر وہ سرعت سے بچتا کچن سے نکل گیا' تب ہی ڈوربیل بجی' رکے بغیر اس نے پلٹ کر امام کو دیکھا جو اس کا تعاقب چھوڑ کر ٹیرس کی طرف چلا گیا تھا۔
"یہ کیا ہے؟" عرش کو اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے شفران نے اس کے دونوں ہاتھوں میں موجود بڑے بڑے شاپرز کو دیکھا۔
"پتہ نہیں' باہر کاریڈور میں رجاء کے گھر کی ملازمہ نے یہ شاپرز دیئے' کہا رجاء نے بھیجا ہے امام کو دینے ہیں یہ......" عرش کی بات سننے تک شفران نے دونوں شاپرز کا جائزہ لے لیا' تین ہاٹ پاٹ تھے' اندازہ ہو گیا تھا کہ گرما گرم کھانا آ چکا ہے۔ "بات سنو' ابھی امام کو ان شاپرز کے بارے میں کچھ مت بتانا۔" عجلت میں عرش کو تاکید کرتے ہوئے شفران نے شاپرز لاؤنج میں ہی چھپا دیئے' شفران کے ساتھ ہی ٹیرس پر آتے عرش نے حیرت سے امام کو دیکھا جو آستینیں چڑھائے' پہلوؤں پر ہاتھ ٹکائے بگڑے تیوروں سے اسے گھور رہا تھا جو حسب عادت کرسی پر پیر سمیٹے بیٹھی کتاب میں چہرہ چھپائے ہوئے تھی۔
"اب بھی اس کے سامنے تن کر کھڑے ہو...... جو بچی کھچی ہے وہ بھی عزت ہاتھ سے جائے گی۔" ٹیرس کی باؤنڈری پر ایک بازو ٹکائے عرش نے مسکراتی نظروں سے امام کو دیکھا۔
"مجھے بھیجو جہنم میں۔" امام کلس کر بولا۔
"بھیجیں گے نہیں' تمہیں خود چھوڑ کر آئیں گے' پکے انتظام کے ساتھ۔" شفران بولا۔
"ہاں' جو چیز جہاں کی ہو وہیں اچھی لگتی ہے۔" عرش نے تائید کی۔

''ایک تو اس کٹھور دل عورت کے ہاتھوں میں بے عزت ہوا دوسرا ستم یہ کہ میرے باپ بھائیوں نے میرا گھر میں رہنا دوبھر کردیا' مجبوراً میں بے آسرا' بے سائبان' مفلسی کی حالت میں یہاں ہوں' مگر کوئی اس بات کو سیریس ہی نہیں لے رہا۔ آپی اپنے دونوں افلاطون میرے سر پر چھوڑ گئیں' کچن کے کام بھی کرنے پڑ رہے ہیں اوپر سے تم لوگ میرے زخموں پر نمک چھڑک رہے ہو۔'' امام نے احتجاج کیا۔

''تم پر یہ ستم اکثر ہی ہوتے ہیں' کوئی پہلی بار تو تم گھربار چھوڑ کر یہاں نہیں آئے' کام تو کرنا پڑے گا لہٰذا اب رونا بند کرو۔'' شفران نے جھڑکا۔

''یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے اب تو بہت سکون مل رہا ہوگا تمہیں۔'' امام کا رخ پھر اس کی طرف ہوگیا جو غافل نظر آنے کی کوشش میں کامیاب تھی۔ ''ایسی مگن ہو کتاب میں جیسے زندگی کی آخری کتاب پڑھ رہی ہو...... معصوم بچوں کی بھوک بھی تمہیں اپنی فرعونیت میں دکھائی نہیں دے رہی' میں تو دامن پھیلا پھیلا کر دعا کر رہا ہوں کہ اس کتاب کا ہیرو ہی عدم کو سدھار جائے۔''

''اور پھر تم جیسے کسی دو نمبری کی انٹری ہو جائے گی اس میں۔'' ہنستے ہوئے شفران اس کا شانہ تھپتھپاتا کرسی پر بیٹھ گیا۔

''مجھ پر طنز کے تیر برسانا بند کرو ورنہ میری زبان نے فراٹے بھرنے شروع کیے تو تم دونوں بھائیوں کو بہت شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔'' امام بگڑا۔

''مجھے درمیان میں کیوں لا رہے ہو تم......؟ ذرا دوبارہ یہ دھمکی دینا تاکہ ہوش ٹھکانے لگاؤں میں تمہارے۔'' عرش نے تیوریاں چڑھا کر اسے دیکھا۔

''تم اس سنگ دل لڑکی کی طرف داری کیوں کرتے ہو؟'' امام لڑنے والے انداز میں بولا۔

''ہاں تو وہ لڑکی ہے میں تو کروں گا اس کی طرف داری۔'' عرش کی ڈھٹائی پر شفران قہقہہ لگا تا ہنسا۔

''یہ اچھی منطق ہے تمہاری۔'' امام دنگ ہوا۔ ''کم از کم حق' ناحق کا فرق تو رکھو......' میں تو اسے بھگت رہا ہوں' مجھ سے زیادہ بہتر کون پہچان سکتا ہے اسے' رائل بلیو ڈریس میں میچنگ کی چوڑیاں پہنے خود کو بہت مہذب دوشیزہ ظاہر کر رہی ہیں محترمہ...... میری نظر سے دیکھو تو اندازہ ہوگا قیامت کی نشانی ہے یہ......'' امام نے جل کر رجاء کو گھورا۔

''نشانی کا تو پتہ نہیں لیکن قیامت ہے۔'' با آواز بلند بولتے ہوئے شفران نے مسکراتی نظروں سے رجاء کو دیکھا جو لب بھینچے ترچھی نظروں سے اسی جانب دیکھ رہی تھی۔

''تم پھر گھور رہی ہو مجھے' اتنی دیر سے بے چارا امام اپنا خون خشک کر رہا ہے' اسے تو کوئی رسپانس نہیں دیا تم نے' پھر وہ مجھ پر شک کرتا ہے' دوبارہ اس طرح نہیں گھورنا مجھے ورنہ شک یقین میں بدل دوں گا۔'' شفران نے بری طرح ڈپٹا۔

''معاملہ میرا اور اس کا چل رہا ہے' یہ تم کس چکر میں اتنے جذباتی ہو رہے ہو۔ ایسے برس رہے ہو اس پر جیسے اس کے باپ بھائی ہو...... آئے بڑے شک یقین میں بدلنے والے۔'' بھنائے ہوئے انداز میں امام برسا۔

''تو وہ کس تعلق سے مجھے گھور رہی ہے' میں بتا رہا ہوں تمہیں امام...... یہ تمہیں رسوا کر کے تم سے دستبردار ہو چکی ہے۔'' شفران نے بڑی سنجیدگی سے مزید اکسانے کی کوشش کی۔

''اور سن لو ان کی عامیانہ باتیں' اس منہ سے تمہیں ایسی ہی باتیں سننے کو ملیں گی' ایسوں کے سامنے میرا رونا رو رہے ہو۔'' اپنے ٹیرس کی باؤنڈری کے قریب تن فن کرتی رجاء آئی۔

''ایک منٹ......'' شفران نے چونک کر رجاء کو متوجہ کیا۔ ''اپنے اسی منہ کے ساتھ کل میں تمہیں یونیورسٹی ڈراپ کرنے گیا تھا۔''

''مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں یہاں کیوں کھڑا ہوں' ٹیرس سے نیچے کیوں نہیں کود جاتا......'' شفران کے انکشاف نے امام کو انگاروں پر لوٹا دیا تھا۔

''امام...... بھائی کے کہنے پر شفران اسے ڈراپ کرنے گیا تھا' اس کی گاڑی خراب تھی اور وہ یونیورسٹی سے لیٹ ہو رہی تھی۔'' اپنا فون چیک کرتے عرش نے سنجیدگی سے پوری بات بتائی۔

''تمہاری بہن کی طرح اور بھی کئی ایسے ہیں جن کو رشتے داری کا لحاظ تک نہیں ان میں سرفہرست تم ہو امام۔'' رجاء نے خونخوار نظروں سے امام کو دیکھا۔

''بھابی اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہیں ناحق وہ اپنے بھائی کی بھی طرف داری نہیں کرتیں مگر کوئی بھی بہن اپنے بھائی کی ایسی بے عزتی برداشت نہیں کرتی جیسی کہ تم کرچکی ہو امام کی۔'' شقر ان کے دل میں اچانک ہی امام کے لیے ہمدردی جاگی۔

''تو بہن کو بھی چاہیے کہ نظر رکھے بھائی کہاں کہاں کس کس کے ساتھ مٹر گشت کرتا پھر رہا ہے۔ جواب میرے پاس بھی بڑے کرارے ہیں مگر میں صرف عرش کی وجہ سے خاموش ہوں میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ بات کو اور نہیں بڑھاؤں گی۔''

''اور بھی چھ سات وعدے کرلو عرش سے...... غیروں کی اہمیت ہے مجھ سے جو وعدے کیے ان سب کو تو ٹھوکر ماردی تم نے تم بات سیڑکوں تک لے گئی ہو اب سڑک پر ہی تم سے بات ہوگی۔'' جذباتی ہوتے امام نے خالی کرسی کو ٹھوکر لگائی جو عرش کے قریب جا گری تھی ایک نظر کرسی پر ڈال کر عرش نے جن نظروں سے امام کو دیکھا سارا تاؤ وہ بھول گیا تھا۔

''یہ تو ہاتھا پائی پر اتر آیا ہے ابھی بھائی کو کال کرتا ہوں۔'' شقر ان فوراً اپنی جگہ سے اٹھا۔

''میں کہاں کررہا ہوں ہاتھا پائی...... یہ فرش ہی پتہ نہیں کیسا ہے کرسی خود پھسل کر وہاں چلی گئی...... معاف کردو یار...... ایسے کیوں گھور رہے ہو مجھے۔'' ہونقوں کی طرح امام نے ان دونوں کو دیکھا۔

''عرش...... یہ دوغلا آدمی ہے اس نے دل میں چھپا زہر ظاہر کردیا آج...... حملہ کیا ہے اس نے تم پر...... بھائی اسے گردن سے پکڑ کے اسے اس کے گھر چھوڑ آئیں گے۔'' شقر ان نے مزید امام کا خون خشک کیا۔

''عرش یہ بیکار میں اکسا رہا ہے تمہیں۔'' امام مسکینی صورت بنائے بولا۔

''فساد کی جڑ تو وہ ہے جو ہمارے درمیان جھگڑے کروانا چاہتی ہے۔''

''شرافت سے اس کرسی کو اٹھا کر وہاں رکھو جہاں یہ رکھی ہوئی تھی۔'' عرش نے خطرناک سنجیدہ انداز میں حکم دیا جبکہ امام نے فوراً تعمیل کی تھی۔

''اڑ گیا سارا طنطنہ......؟'' شقر ان کے مسکراتے لہجے پر امام کڑھتی نظر اس پر ڈال کر رہ گیا۔

''عرش...... سامنے ذرا کسی شعر کا ایسا تیر پھینکو کہ امام کے جذبات کی ترجمانی بھی ہوجائے اور سامنے والا جل کر راکھ بھی ہوجائے۔'' شقر ان نے شرارتی نظروں سے رجاء کو بھی دیکھا جو دوبارہ کرسی سنبھالتی کتاب کھول چکی تھی جبکہ عرش فوراً مستعد ہوا تھا۔

آنکھیں ہی لگ جاتی ہیں اس جاذبہ کو میر
آتی ہے بہت دیر جو اس منہ پہ نظر جائے

شعر کا اختتام ہونے سے پہلے ہی شقر ان نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

☆......☆......☆
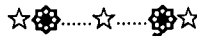
دائمہ کی نند یعنی امان کی بڑی بہن کے بیٹے کی شادی تھی دائمہ کی تاکید اور دراج کے اصرار پر وہ شادی میں شرکت کے لیے رضامند ہو ہی گئی تھی۔ میرج لان میں رونق رسومات اور فوٹو سیشن کا سلسلہ عروج پر تھا دراج کے ساتھ ہی وہ کوفت سے کبھی اس شخص کو دیکھتی جو وارفتہ نگاہوں سے دراج کی طرف متوجہ تھا اور کبھی وہ دراج کو دیکھتی جو نان اسٹاپ بول رہی تھی وہ تو غنیمت ہوا کہ اس شخص کو کہیں سے پکارا گیا تو ہی وہ دراج کے سامنے سے ہٹا مگر زنائشہ کو پورا یقین تھا کہ کچھ دیر بعد وہ دوبارہ دراج کے سامنے آ کھڑا ہوگا۔

''یہ موصوف کچھ زیادہ ہی لگاوٹ کا مظاہرہ نہیں کررہے؟'' زنائشہ کے بیزار انداز پر دراج ہنسی۔

''بابر بھائی شروع سے ہی میرے ساتھ ایسے ہی پیش آتے ہیں ورنہ ایسی ویسی کوئی بات نہیں اب بجیا کے سسرالی بھی تو ہیں لحاظ مروت تو رکھنی پڑتی ہے۔''

''کچھ لحاظ مروت زرکاش بھائی کے لیے بھی دل میں جگالو وہ کب سے آئے ہوئے ہیں کم از کم اب تو ان سے سلام دعا

کرنے چلو دور سے ہی وہ ہمیں بہت بار دیکھ چکے ہیں۔'' زنائشہ نے اسے شرمندہ کرنا چاہا۔
''تو دیکھنے دو اس کے علاوہ وہ کچھ کر بھی نہیں سکتے۔'' دراج لاپروائی سے بولی۔
''بری بات ہے دراج...... ان کی بہن کے غلط رویے کا بدلہ ان سے تو نہ لو ان کا قصور نہیں پھر بھی وہ معذرت کر چکے تھے تم سے' اگر تمہارا دل صاف نہیں تھا تو کیوں غلط بیانی کی یہ کہہ کر کہ تمہارے دل میں کوئی شکایت نہیں...... اور پھر بعد میں تم فون پر بھی مصروفیت کا بہانہ بنا کر ان سے بات کرنے سے کتراتی رہی ہو۔''
''اچھا اب میرے سامنے ان کی وکالت کر کے مزید موڈ میرا غارت نہ کرو' میرا جب دل چاہے گا تب ہی جاؤں گی ان کے پاس' تمہیں سلام دعا کرنی ہے تو ضرور جاؤ' میں نے تمہیں تو پابند نہیں کیا۔'' دراج تڑخ کر بولی۔
''ٹھیک ہے پھر میں خود ہی چلی جاتی ہوں۔'' زنائشہ ناراضگی سے اسے دیکھتی جانے کے لیے پلٹ گئی۔
''بات سنو......'' دراج کی آواز پر وہ رکی۔
''ضرورت سے زیادہ حسین لگ رہی ہو' پر اتنا یاد رکھنا وہ میری امانت ہیں۔'' دراج نے شرارت سے جتایا۔
''تم ڈوب کر مر جاؤ چلو بھر پانی میں۔'' زنائشہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا جو ہنستی چلی گئی تھی۔
''وہ پھر آ رہے ہیں تمہارے بابر بھائی۔'' زنائشہ کی اطلاع پر دراج کی ہنسی کو بریک لگے۔
''تو رکی کیوں ہو بھاگو زرکاش کی طرف میں بچیا سے اپنا بیگ لے کر آتی ہوں۔'' ہول کر زنائشہ کو کندھوں سے تھام کر آگے بڑھاتی وہ خود بھی سرعت سے دوسری طرف نکل گئی۔ گہری سانس بھر کر امان نے بغور زرکاش کے کچھ مضطرب تاثرات کو دیکھا۔
''یہ کوئی پریشان ہونے والی یا اچنبھے کی بات نہیں زرکاش...... آج نہیں تو کل یہ ہونا ہی ہے' صرف میرے گھر میں ہی نہیں' بڑی آپا کے گھر میں بھی دراج کو سب پسند کرتے ہیں' باتوں باتوں میں پہلے بھی بڑی آپا ہمیں یہ اشارہ دے چکی ہیں کہ دراج کو وہ بابر کے لیے پسند کر چکی ہیں' باقاعدہ رشتے کی بات وہ تب ہی کریں گی جب بابر کی جاب شروع ہوگی' ابھی تو اس کی اسٹڈیز مکمل ہوئی ہے' گھر میں سب سے چھوٹا ہے بس اب اس کی شادی کی ذمہ داری باقی رہ گئی ہے' دراج کی بھی باہر سے' بہت اچھی بات چیت ہے سو بظاہر کسی رکاوٹ کی گنجائش نظر نہیں آتی۔''
''تم نے یہ سب مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' زرکاش اپنے لہجے کی ناگواری نہیں چھپا سکا تھا۔
''کیونکہ میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا' آپا نے باقاعدہ ابھی کوئی بات نہیں کی' مجھے تم کو جو سمجھانا تھا وہ میں تمہیں سمجھا تا رہا ہوں زرکاش...... ابھی بھی وقت ہے' ٹھیک ہے دراج نے بابر کے لیے انکار ہی کرنا ہے مگر وہ کب تک' کس کس رشتے کے لیے انکار کرتی رہے گی؟'' امان کے لہجے میں کچھ تھا کہ زرکاش بس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔
''ایک بار ٹھان لو گے تو کچھ مشکل نہیں رہے گا' میں تمہارے ساتھ ہوں اور سب سے بڑھ کر دراج تمہارے ساتھ ہے' اپنے لیے اور دراج کے لیے تمہیں اب جلد کوئی فیصلہ کرنا پڑے گا' مت پروا کرو دنیا کی اگر تمہاری خواہش جائز اور حق پر ہے' دنیا تمہارے ہر اس فیصلے پر خوش نہیں ہوگی جو تمہاری اپنی ذات کی خوشی اور بھلائی کے لیے ہو' صرف دنیا کی بھلائی اور خوشی کے لیے اپنی ذات کو مت کھونے دو' تم ایک انسان ہی ہو فرشتہ نہیں۔'' امان کے خاموش ہونے پر وہ کسی سوچ میں گم ہوتا چپ ہی تھا جبکہ امان کی نگاہ قریب آتی زنائشہ تک گئی۔ زنائشہ کے سلام کرنے کی آواز پر وہ بھی چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔
''زرکاش...... میں بس کچھ دیر میں آتا ہوں' ابھی جانا مت۔'' زرکاش کے شانے کو تھپتھپا کر بولتا امان وہاں سے چلا گیا۔
''کیسی ہو زنائشہ...... سب خیریت؟'' زنائشہ کی طرف متوجہ ہوتا وہ نرم لہجے میں مخاطب ہوا۔
''میں ٹھیک ہوں' آپ کیسے ہیں؟'' وہ بمشکل پوچھ سکی۔
''میں اچھا ہوں' کیا تمہیں نہیں لگ رہا؟'' زرکاش کے حیران لہجے پر وہ جس طرح نروس ہوتی گڑبڑاہٹ میں مبتلا ہوئی زرکاش بمشکل مسکراہٹ چھپا سکا تھا۔
''میں دراج کو بلاتی ہوں۔'' بوکھلا کر زنائشہ نے پر تولے۔
''رہنے دو' یہ تم بھی اچھی طرح جانتی ہو کہ وہ جان بوجھ کر مجھے اگنور کر رہی ہے۔'' زرکاش نے سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"نہیں، ایسا تو نہیں ہے۔" زنائشہ شرمندہ سی ہوئی۔
"ایسا ہی ہے، تم اس کی اتنی اچھی دوست ہو مگر اسے بالکل نہیں سمجھاتی۔" زرکاش نے پہلی بار یہ شکایت کی۔
"اسے سمجھانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی زرکاش بھائی..... آپ بھی جانتے ہیں کہ اس کی ناراضگی اور غصہ سب جھاگ کی طرح ہوتا ہے۔" زنائشہ مسکرا کر بولی۔
"ہاں، یہ تو نظر بھی آ رہا ہے۔" زرکاش کے ذومعنی لہجے پر زنائشہ نے بھی چونک کر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا، دور سے دراج اسی جانب آتی دکھائی دے رہی تھی، پستئی رنگ کی دیدہ زیب جھلملاتے لباس میں دور سے ہی اس کی چھب سب سے الگ اور نمایاں تھی، ڈارک میک اپ اور خوبصورت تراش کے ریشمی آزاد بالوں کے ہالے میں اس کا روپ دمک رہا تھا، حسین نقوش میں کھلے خفت زدہ تاثرات کے ساتھ وہ قریب آنے سے پہلے ہی زرکاش کے دل میں اتر گئی تھی مگر کمال کے مضبوط اعصاب تھے زرکاش کے، مجال ہے جو دل میں موجزن محبت کے سمندر کی کوئی لہر، کوئی تاثر اس نے اپنے چہرے پر ظاہر ہونے دیا ہو، پر سامنے بھی دراج تھی، خود پر ساکت زرکاش کی روشن آنکھوں میں چاہتوں کے جلتے دیپ اور اپنے عکس کو ایک نظر میں ہی دیکھ لینا اس کے لیے نہ پہلے مشکل تھا نہ اب..... سو بے نیازی کا مظاہرہ کرتی وہ زنائشہ کی طرف ہی متوجہ ہوئی۔
"زنائشہ..... ذرا میرے ساتھ چلو، بابر بھائی اپنا کیمرہ گھر بھول آئے ہیں، ہمیں ان کے ساتھ جانا ہے۔" دراج کے کہنے پر زنائشہ حیران تھی جبکہ زرکاش نے چونک کر اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھا۔
"بات سنو، تمہارے بابر بھائی کی یہاں تمہارے علاوہ بھی اور بہنیں ہیں، وہ ان کو ساتھ لے جائے گا، نہ تم کہیں جا رہی ہو، نہ زنائشہ، بس چلنے کی تیاری کرو، بہت وقت گزر چکا ہے۔" زرکاش کچھ ناگواری سے بولا۔
"اسد بھائی ڈراپ کر دیں گے ہمیں ہاسٹل۔" وہ نخوت سے بولی۔
"دراج..... نہ ہاسٹل کے رولز اچانک بدلے ہیں، نہ اسد یا کوئی اور اچانک تمہارا سرپرست بن سکتا ہے، تم دونوں ابھی میرے ساتھ ہاسٹل جا رہی ہو، جاؤ..... دائمہ کو بتا کر آؤ، اگر تم نے مزید رکنے کی ضد کی تو میں زنائشہ کو ساتھ لے جاؤں گا۔" دراج نے جھلا کر درمیان میں کچھ کہنے کی کوشش کی مگر زرکاش نے موقع دیے بغیر قطعی انداز میں کہا۔
"ہمیں کھانا کھانے کا ٹائم تو دے دیں زرکاش..... پتہ ہے وہیں ہاسٹل میں جا کر سڑنا مرنا ہے۔" وہ جھلا کر اتنا ہی بول سکی تھی۔
"کھانا راستے سے ہی پیک کروالوں گا ورنہ یہاں ایک گھنٹہ اور لگ جائے گا۔" زرکاش کسی طور اس کی ماننے والا نہیں تھا۔
"دراج..... میں بجیا سے جانے کی اجازت لے کر آتی ہوں، تم یہیں رکو۔" دراج کے کچھ کہنے سے پہلے ہی زنائشہ درمیان میں بولتی عجلت میں وہاں سے چلی گئی۔
"کچھ سیکھو زنائشہ سے، کتنی ذمہ دار اور فرماں بردار لڑکی ہے۔" مسکراہٹ چھپاتے ہوئے زرکاش نے اس کے تنے ہوئے تاثرات کو دیکھا۔
"وہ میری دوست ہے، مجھے اس کی تمام اچھائیوں کی خبر پہلے سے ہے آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں، جب آپ میری تعریف نہیں کر سکتے تو میرے سامنے کسی کی بھی تعریف نہ کیا کریں۔" وہ جل کر بولی۔
"اور جب تم مجھے نظر انداز کرتی ہو تو میرے سامنے کسی اور کو بھی اہمیت اور توجہ دینے کی ضرورت نہیں، سمجھیں.....؟ بابر سے آج تم پہلی بار نہیں ملی جو اس سے تمہاری گفتگو اتنی طویل رہی۔" زرکاش کے سنجیدہ شکایتی لہجے پر دراج نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"آپ بابر بھائی سے جیلس ہو رہے ہیں.....؟ ارے کہاں آپ، کہاں وہ....." دراج بے ساختہ ہنسی۔
"ویسے بیا آپ کی شادی کی تقریب تو نہیں، پھر آج آپ کو اتنا ہینڈسم لگنے کی کیا ضرورت تھی۔ خوامخواہ سب کی نظروں میں آ رہے ہیں، کسی کی نظر لگ گئی تو پتہ چلے گا....." دراج شرارتی انداز میں بولی۔
"بس تمہاری نظر نہ لگے باقی سب نظروں کی خیر ہے۔" مسکراتی نظروں سے دراج کے تاثرات دیکھتا وہ دھیرے سے ہنسا

تب ہی زنائشہ کے ہمراہ آتی دائمہ نے بغور زرکاش کے خوشگوار تاثرات کے ساتھ دراج کے کھلے کھلے چہرے کو بھی دیکھا۔

"معاف کیجیے گا زرکاش بھائی! مجھے آپ تک پہنچنے میں دیر ہوگئی مجھے پتہ ہے کہ آپ زیادہ دیر نہیں رک سکیں گے اوران دونوں کو بھی ہاسٹل پہنچنا ہے امان بھائی بس آرہے ہیں آپ لوگوں کے لیے کھانا پیک کروا کے۔"

"اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں تھی یہاں سب سے ملاقات ہوگئی اچھا وقت گزرا کافی تھا۔" زرکاش نے کہا۔

"یہ تکلف بالکل نہیں ہے اگر ہے بھی تو آپ یہ شکایت امان بھائی سے کیجیے گا۔" دائمہ مسکرائی۔

"بجیا...... مروتاً ہی کچھ دیر اور یہاں رکنے کا کہہ دیں یہ تو پہلے ہی ایک پیر پر تیار کھڑے ہیں جانے کے لیے......" دراج خشمگیں لہجے میں بولی۔

"تائی جی کی وجہ سے میں زرکاش بھائی کو مجبور نہیں کرسکتی وہ ان کا انتظار کررہی ہوں گی تمہیں یاد رکھنا چاہیے۔" دائمہ کے تنبیہی لہجے پر وہ خجالت سے سرہلاتی خاموش رہی۔

☆❁......☆......❁☆
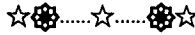
لیدر کی چیئر کی بیک سے سرٹکائے بند آنکھوں کے ساتھ وہ جانے کب سے خود کو جوڑنے اور پُرسکون کرنے کی کوشش میں تھا مگر اضطراب اور اندر کی گھٹن میں کسی طور کمی محسوس نہیں ہورہی تھی۔ اس وقت وہ اپنے گیرج کے وسیع وعریض روشنیوں سے جگمگاتے شاندار کیبن میں موجود تھا دائیں جانب شیشے کی دیوار کے دوسری جانب قطار در قطار مختلف ماڈل کی کاریں چمچمارہی تھیں ان میں وہ گاڑیاں تھیں جو سروس کے بعد اپنے مالکان کے انتظار میں تھیں اور کچھ فروخت ہونے کے لیے۔ اس کیبن کو از سرنو تعمیر کرواتے وقت شیشوں کے استعمال پر خاص توجہ دی گئی تھی۔ تقریباً یہ پورا کیبن ہی شیشے کا تھا اور اندر کی خوبصورتی کو باہر سے بخوبی دیکھا جاسکتا تھا مگر اس وقت اس جگمگاتے سجے کیبن میں سب سے زیادہ پُرکشش نمایاں اور مبہوت کردینے والا مجسم وہ خود تھا۔ سیاہ فیڈ جینز کی جیکٹ میں اس کی گہری سانسوں کے زیر و بم اندرونی خلفشار کی آگاہی دے سکتے تھے کیبن کی منقش چھت میں نصب تیز لائٹس میں اس کے بالوں کی سنہری چمک کچھ اور بڑھ گئی تھی روشن پیشانی پر ہلکی سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں گلاس ڈور کھلنے کی ہلکی سی آواز کیبن کے خنک ماحول کے سکوت میں اس کی خمدار پلکوں کو کھول گئی تھی۔ بغور اس کے تیکھے نقوش میں کھلی سوگواری اور آنکھوں میں تیرتی گلابیوں کو دیکھتا شقران خاموشی سے گلاس ٹیبل کے دوسری طرف چیئر کھینچتا بیٹھا۔

"فی الحال میرے پاس بھی ایسی کوئی خبر نہیں جو تمہاری خاموشی اور سوگواری کو ختم کردے۔" اس کی کھوجتی نظروں پر شقران نے صاف گوئی سے کام لیا۔

"شقران...... اس وقت کوئی اور بات کرو اس بارے میں کوئی بھی اچھی بری بات نہ کرنا جو مجھے صبر کا دامن چھوڑنے پر یہ دنیا تہس نہس کرنے پر مجبور کردے......" بھینچے لہجے میں شدت ضبط سے انگارہ ہوتے چہرے کے ساتھ وہ بولا۔ دوسری جانب ٹیبل کے کنارے پر بازو ٹکائے شقران بہت سکون سے اس کے بپھرتے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"دنیا کو تہس نہس کرنے کی بات نہ کرو کیونکہ تمہاری دنیا بھی اسی دنیا میں موجود ہے۔" شقران نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے شانت کرنے کی کوشش کی۔

"خود کو اذیت میں ڈالنے سے بہتر ہے کہ وہی کام کرلو جو تم کرنا نہیں چاہتے۔"

"میں اذیت میں کب نہیں رہا ہوں شقران......؟ عادت ہوچکی ہے مجھے۔" وہ درمیان میں بولا۔ "ہاں میں نہیں استعمال کرنا چاہتا کوئی غلط راستہ...... ورنہ میرے لیے مشکل نہیں زرق سے سب کچھ اگلوانا مگر یہ حربے استعمال کرکے میں اپنے صبر کو داغدار نہیں کرسکتا مجھے زنائشہ تک راہ راست پر چلتے ہی پہنچنا ہے۔" وہ اپنے لفظوں پر زور دیتا بولا تھا۔

"عجیب انسان ہو تم...... میں بھی تو تمہیں یہی سمجھانا چاہتا ہوں کہ......"

"شقران...... تم کوئی اور بات نہیں کرسکتے تو بہتر ہے گھر جاؤ۔" ناگواری سے عرش نے اس کی بات کاٹی اور دوبارہ چیئر کی پشت سے سرٹکاتے ہوئے آنکھیں موندلیں۔

"ٹھیک ہے مجھے کوئی شوق بھی نہیں یہاں بیٹھ کر تمہیں نصیحتیں دینے کا کافی کا کہہ کر آیا تھا باہر پی کر ہی جاؤں گا۔" خشمگیں

نظروں سے اسے دیکھتا شفران اطمینان سے بیٹھا رہا عرش نے آنکھیں کھول کر بس ایک نگاہ دیکھا تھا۔
''یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا' کوئی غم گسار ہوتا
کہوں کس سے میں کہ کیا ہے' شب غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا' اگر ایک بار ہوتا''
عرش کے گمبھیر لب ولہجے کو سنتے ہوئے شفران نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا۔
''تمہارا پروفیشنل ٹریننگ کورس کتنے عرصے میں مکمل ہو رہا ہے؟'' شفران نے موضوع بدلا۔
''زیادہ وقت نہیں لگے گا' فکر مت کرو پروفیشنل پائلٹ کا لائسنس ملتے ہی میں بھائی کو اپنی اس ٹریننگ سے آگاہ کردوں گا۔''
''اور تمہیں کیا لگتا ہے کہ وہ بخوشی تمہیں یہ پروفیشن اختیار کرنے کی اجازت دیں گے......؟ تمہاری خواہش پر فلائیٹ ٹریننگ سینٹر جائن کرنے کی اجازت لینے کے لیے ہی مجھے اور بھابی کو کتنی ناراضگی جھیلنی پڑی تھی بھائی کی...... تم اپنی خواہش پوری کر چکے ہو' فلائیٹ لائسنس تمہیں مل چکا ہے' جب چاہے ہیلی آسمان پر لے جاؤ تو پھر مزید لائسنس کی کیا منطق......؟''
''پروفیشنل پائلٹ کا لائسنس میرے لیے زیادہ اہم ہو گیا ہے وہ حاصل کرنے کے بعد میری پرواز بہت محدود نہیں رہے گی' میں ایئر کرافٹ کے ساتھ پہاڑوں اور سمندر پر سفر کرسکوں گا۔ فضائی ادارے سے منسلک رہ کر میں قدرتی یا ناگہانی آفات میں گھرے انسانوں کو بچانے کے لیے اپنی خدمات پیش کرسکوں گا' تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے ہیلی کاپٹر اڑانا کیوں سیکھا' زنائشہ کی یہ خواہش میرا جنون ہے' اس خواہش اس جنون سے جس قدر دوسروں کو فیض پہنچے گا اسی قدر مجھے سکون ملے گا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے پُرسکون لہجے میں بولا۔
''اچھی بات ہے' ایک شاندار کامیاب گیراج کی بنیاد بھی تم نے اسی جوش ولولے سے رکھی تھی اور مجھے یقین ہے کہ اب اس نئے پروفیشن کو بھی تم کامیابی سے نبھاؤ گے...... لیکن ایک بار اور اچھی طرح اپنی مصروفیات کا جائزہ ضرور لینا تاکہ اندازہ ہو جائے کہ نجی پروازوں کے لیے یہ دلگرفتہ پائلٹ دستیاب ہو بھی سکے گا یا نہیں...... کہیں ایسا نہ ہو پیسنجرز تمہارے کاک پٹ میں جلوہ افروز ہونے کے انتظار میں ہی منزل تک پہنچنے سے پہلے نڈھال ہو جائیں۔'' شفران نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
''مینیج کرلوں گا۔ فلائیٹ لینا میری لیے آکسیجن ہے' ایک عادت بھی اور ضرورت بھی جس کی وجہ سے مجبوراً مجھے بھائی کو ایک بار پھر بہت ناراض دیکھنا پڑے گا' پر تم سپورٹ کرو گے اس لیے کچھ تسلی ہے۔'' عرش نے سنجیدگی سے کہا۔
''ہاں' بالکل تمہیں سپورٹ کرنے کے چکر میں میں پچھلی بار بھائی کے ہاتھوں زندہ درگور ہونے کی جو کسر باقی رہ گئی تھی وہ اس بار ضرور پوری ہو جائے گی۔'' شفران کے جتانے والے خشمگین لہجے پر وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کیبن میں کافی کے ساتھ داخل ہوتے شخص کی طرف متوجہ ہوا۔
''تمہارا کام ختم ہو گیا ہے تو ساتھ ہی نکلتے ہیں۔'' شفران نے کہا۔
''نہیں' تم جاؤ میں آج گھر نہیں آرہا' ویسے بھی لیٹ نائٹ رکوں گا یہاں' کچھ گاڑیوں کا کام آج رات ہی مکمل کروانا ہے۔'' عرش نے کہا جبکہ شفران اثبات میں سر کو حرکت دیتا کافی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ چیئر پر ہی براجمان وہ گلاس وال سے گاڑی کی سمت جاتے شفران کو دیکھتا رہا' کچھ ہی دیر میں شفران گاڑی سمیت آنکھوں سے اوجھل ہو گیا مگر عرش کی نگاہیں باہر کا ہی جائزہ لے رہی تھیں پھر وہ رہ نہیں سکا' چیئر سے اٹھتا وہ پہلے گلاس وال کے قریب رک کر چند لمحوں تک باہر کی طرف متوجہ رہا پھر گلاس ڈور کھول کر باہر نکل کر اطراف میں نظریں دوڑائیں' سب کچھ معمول کے مطابق ہی تھا' نائٹ شفٹ کے سارے مکینک مکمل اپنے کام میں مگن تھے' سامنے سڑک پر روز رات کے اس وقت ٹریفک بہت کم ہو جاتا تھا' مگر کہیں نہ کہیں کچھ غیر معمولی تو تھا جو اس کی تمام حسوں کو بیدار کر گیا تھا' خنک سی ہوا کے بے آواز جھونکے اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہوئے اس نے بلا ارادہ ہی اپنے فون پر سحر سے رابطہ کیا۔
''عرش...... کچھ بولو اب' خیریت...... گیراج میں ہو؟''

''بھابی..... آج کوئی خاص دن تھا یا کل کوئی خاص دن ہے؟'' روشن رات کی خاموش فضا میں تیرتے سکون کو محسوس کرتا وہ پوچھ رہا تھا۔

''کس طور سے؟'' سحر الجھیں۔

''کسی بھی طور سے..... مذہبی یا تاریخی؟''

''نہیں چاند کی بھی آج تیرہ تاریخ ہے باقی کوئی خاص تہوار یا تاریخی دن نہ آج تھا نہ کل ہے مگر تمہیں اس وقت اچانک یہ سوال کرنے کا خیال کیوں آیا؟''

''کچھ نہیں' بس یونہی پوچھا..... شقران گھر پہنچا؟'' وہ ٹالنے کے لیے سوال کر گیا۔ عجیب ٹرانس میں وہ چیئر پر آ بیٹھا مگر دھیان اور نگاہیں باہر ہی رہ گئی تھیں' کچھ تو ایسا تھا جو غیر معمولی تھا یا شاید اسے ہی ایسا محسوس ہو رہا تھا' آج یہ رات جانے کیوں اتنی انوکھی اور پُر رونق تھی' چاند ہر ماہ کی طرح اب کے بھی اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ اپنے عروج پر پہنچ رہا تھا کیوں..... کچھ راتیں اور کچھ ساعتیں بہت پُرکشش ہوتی ہیں' قدرت کے قریب ترین کرنے لگتی ہیں' دنیا کے جھمیلوں سے لاتعلق کر دیتی ہیں' دل بس اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کرنے کے لیے بے چین ہو جاتا ہے' اسے بھی توفیق ہی تو ملی تھی' سر جھکائے وہ بند آنکھوں کے ساتھ روز و نیاز شکر اور اپنے تخلیق کرنے والے کی محبت اور احسانات کی تسبیح میں ارد گرد سے غافل تھا۔ قبولیت کی یہ ساعتیں بھی اسے گنوانا نہیں تھا' انسان تو پھر انسان ہی ہے' اسے بھی پتہ تھا کہ اسے کیا کیا مانگنا ہے قبولیت کے در تو قیامت تک کھلے ہیں۔

☆☆.....☆.....☆☆

گاڑی اپنی رفتار سے تارکول کی سڑک پر رواں دواں تھی۔ بیک سیٹ سے سر ٹکائے وہ باہر پورے جوبن پر پہنچی رات کا جائزہ لیتی دراج کی آواز بھی سن رہی تھی جو فرنٹ سیٹ پر بیٹھی جانے کس موضوع پر زرکاش سے محو گفتگو تھی۔ زنائشہ کا دھیان اس کی باتوں پر تھا بھی نہیں' تیز ہوا سے بکھرتے بالوں کی پروا کیے بغیر اس کی ساری توجہ کا مرکز آسمان پر اپنے ساتھ ساتھ سفر کرتا پورا روشن چاند تھا مگر جانے کیوں جگ مگ کرتے چاند کی دودھیا ٹھنڈی چاندنی اسے ماندسی لگی تھی' اداس چاند کی سوگوار سی چاندنی دل کے سناٹوں میں اتر کر ہر گوشے میں پھیل جائے تو چاند بہت شناسا' بہت اپنا اپنا سا لگتا ہے..... اس وقت اسے بھی چاند اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہو رہا تھا' دل میں خواہش سی ابھری تھی کہ آسمان پر تنہا سفر کرتے چاند کو اپنی آغوش میں سمیٹ لے اور اس کی تمام اداسی کو اپنے اندر جذب کر لے۔

یک دم جھٹکے بھرتی گاڑی نے اسے بری طرح چونکایا' کچھ پریشان ہو کر اس نے دراج کو دیکھا جو گاڑی کی ڈانواں ڈول ہوتی رفتار پر بے ساختہ ہنستی اس کی طرف ہی متوجہ ہوئی تھی۔

''دیکھ لو زنائشہ..... زبردستی ہمیں بھری تقریب سے کھینچ لانے کا انجام یہی ہونا تھا۔'' شوخی سے وہ زنائشہ سے مخاطب ہوتی زرکاش کو جتا رہی تھی' وہ ایک بہت وسیع و عریض روشنیوں سے منور اوپن گیراج تھا' لب سڑک پر ہی' رات کے اس پہر یہاں دور دور تک سکون اور خاموشی کا راج تھا' چند ایک ہی آتی جاتی گاڑیوں کی آوازیں اس ماحول پر اثر انداز نہیں ہو سکتی تھیں' زرکاش نے سڑک سے ذرا ہٹ کر گاڑی روک دی' گیراج میں دائیں جانب کافی فاصلے پر کچھ مکینک چھوٹی' بڑی گاڑیوں کی مرمت میں مصروف نظر آ رہے تھے' اس سے پہلے کہ زرکاش ان کی طرف جاتا' ایک مکینک اپنا کام چھوڑ کر زرکاش کی طرف آتا دکھائی دیا' گاڑی میں موجود دراج کافی دلچسپی سے تیز روشنیوں میں جگمگاتے گیراج کا جائزہ لے رہی تھی' یہاں گاڑیوں کی بھرمار نہیں تھی شاید اس لیے بھی یہ صاف ستھرا اور کھلا کھلا سا گیراج آنکھوں کو بہت بھلا لگ رہا تھا' سامنے شیشے کی ایک دیوار کا سلسلہ دکھائی دے رہا تھا اور اس کے پیچھے موجود گاڑیاں بھی۔

''زنائشہ..... یہاں کا ماحول کتنا پُرسکون اور اچھا لگ رہا ہے' آؤ ذرا باہر کھلی فضا میں نکلتے ہیں۔'' دراج کے اصرار بھرے لہجے پر کچھ تذبذب کے ساتھ اس نے تقلید کی' کھلے بونٹ کے پاس مکینک کے ساتھ موجود زرکاش نے ان دونوں کو گاڑی سے باہر آتے دیکھا مگر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بقع نور بنی اس جگہ کو شاید چاندنی رات نے زیادہ پُرکشش بنا رکھا تھا' خنک مدھم ہوا سے بکھرتے بالوں کو سمیٹتے ہوئے وہ ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی جب دراج نے اسے مخاطب کیا۔

''زنائشہ......وہ جیپ دیکھو' کتنی ہیوی لگ رہی ہے اور کیا زبردست ماڈل ہے' بیک گراؤنڈ بھی پرفیکٹ ہے' اپنی کچھ تصویریں ہی یہاں بنالیتے ہیں' اتنی تیاریاں کر رکھی ہیں مگر زرکاش کی وجہ سے شادی کا فوٹو سیشن بھی ہاتھ سے نکل گیا۔''
''دماغ خراب ہے کیا' کتنا عجیب لگے گا' سب دیکھیں گے تو جانے کیا سوچیں گے۔'' زنائشہ نے فوراً مخالفت کرتے ہوئے انکار کیا۔
''دماغ تمہارا خراب ہے' اتنی محنت کی ہے ہم نے خود پر' کچھ یادگار تصویریں بن جائیں گی تو محنت ہی وصول ہوجائے گی۔ تمہیں بھی اپنی تصویریں دیکھ کر اندازہ ہوگا کہ آج کیا قیامت ڈھا رہی ہو۔'' دراج نے گھر کتے ہوئے اسے گھورا' سچ تو یہ تھا کہ اسے زنائشہ کی تصویریں ہی محفوظ کرنی تھیں کہ آج پہلی بار وہ ہار سنگھار کے تمام تر ہتھیاروں سے لیس ہوئی تھی' لائٹ پرپل اور سلور امتزاج کے نفیس لباس میں اس کا سراپا دمک رہا تھا' سجے سنورے چہرے کے نقوش مبہوت کردینے والے تھے' رہی سہی کسر بھری بھری خوش رنگ چوڑیوں اور پھولوں کے مہکتے کنگنوں نے پوری کرڈالی تھی' اس کی ایک بھی سنے بغیر دراج اسے جیپ کی طرف لے آئی جو گیراج کی حدود میں ہی بالکل الگ تھلک کھڑی تھی' نروس ہوتی زنائشہ نے احتیاطاً گردن موڑ کر زرکاش کی جانب دیکھا' امید تھی کہ وہی دراج کو ٹوک کر واپس آنے کے لیے کہے گا مگر زرکاش تو اس وقت اپنے فون پر کسی سے بات کرنے میں مصروف تھا اور اس کا رخ بھی ان کی جانب نہیں تھا۔
''اب چہرے کے تاثرات تو ٹھیک کرو' فکر نہ کرو کوئی ہماری طرف متوجہ نہیں' یہاں سب محنت کش اور شریف لوگ ہیں' ان کے پاس نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی فرصت نہیں' اب اپنے بال ذرا ٹھیک کرو اور جیپ سے تھوڑا اور قریب ہوجاؤ۔'' دراج اسے ہدایت کرکے ریڈی ہونے کا وقت دیتی اپنے موبائل فون کے کیمرے کا فوکس چیک کرنے لگی تھی' سامنے گاڑیوں اور ان پر کام کرنے والوں کو فوکس میں رکھتے ہوئے اس نے یونہی رخ کیبن کی سمت کیا کہ تب ہی کیبن کے کھلتے گلاس ڈور سے کوئی برآمد ہوا تھا۔
ساری روشنیاں جیسے دم توڑنے لگی تھیں' ایک سنہری سی دھوپ ہر سمت پھیلنے لگی تھی' زوم کے آپشن کو حرکت میں لاتے ہوئے دراج کی آنکھیں مزید پھیلیں اس پر ساکت ہوگئی تھیں۔
''یہ کیا بلا ہے......؟'' بے اختیار دراج کی زبان سے یہ لفظ نکلتے زنائشہ کو حیران کر گئے تھے' دراج کی نظروں کے تعاقب میں متوجہ ہوتے ہوئے اس کی پہلی نگاہ سرسری ہی تھی مگر الجھتے ہوئے دراج سے اس نے کچھ پوچھنا چاہا تھا کہ یک لخت اس شخص کی طرف جاتی دوسری نگاہ زنائشہ کی آواز حلق میں ہی دم توڑ چکی تھی' اس کی آنکھیں پتھرا ہی تو گئی تھیں' پتہ نہیں سانس بھی چل رہی تھی یا نہیں' یا وہ ہی سانس لینا بھول گئی تھی' کانوں میں سائیں' سائیں کرتا سناٹا اتنا گہرا تھا کہ اسے دراج کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی' روشنیاں اس قدر تیز ہوگئی تھیں کہ ایک صرف اس چہرے کے سوا کچھ اور دکھائی نہیں دے رہا تھا' وہم اور خواب کے درمیان موجود خلا کس قدر جان لیوا ہوتا ہے' کس قدر وحشت ناک ہوتا ہے؟ یہ کوئی خلا میں بھٹکتے سر پٹختے انسانوں سے پوچھے......وہم اور خواب کو اپنی آنکھوں کے سامنے چلتے' پھرتے دیکھنا اگر آسان ہوتا تو آنکھیں پتھر اور دل دھڑکنوں سے محروم نہ ہونے لگتا......مگر پھر بھی......پھر بھی اس خواب' اس وہم کو چھو کر محسوس کرنے کی شدت کم نہیں ہوتی' تمام وحشتوں' تمام ہیبتوں کے باوجود بھی......
دنگ نظروں سے دراج اسے دیکھ رہی تھی جو کسی ٹرانس کے زیر اثر دراج کی موجودگی سے غافل آگے بڑھتی جارہی تھی' اس کی سمت کا تعین بھانپتے ہوئے یکا یک دراج کے ذہن میں جھماکے سے ہوئے تھے۔
''مجھ سے اس کی ذات' اس کی شخصیت کے بارے میں کچھ مت پوچھو دراج......میرے پاس ایسا کچھ ہے ہی نہیں کہ تم اس کا کوئی خیالی خاکہ تک بھی اپنے ذہن میں بنا سکو......میری آنکھوں سے تم کبھی اس کو نہیں دیکھ سکتیں کیونکہ میری آنکھوں کا اسے دیکھنا نہ دیکھنا ایک برابر ہی تھا......پتہ نہیں شاید یہ بھی کوئی دھوکہ ہی تھا' آنکھیں تاب ہی نہ لاتی تھیں اسے نظر بھر کر دیکھنے کی......''
زنائشہ کی لرزتی آواز دراج کے کانوں میں گونج رہی تھی' اس نے دوبارہ زنائشہ کو پکارنے یا روکنے کی کوشش نہیں کی تھی جو من من بھر کے کانپتے قدموں سے آگے بڑھتی جارہی تھی' رگوں میں منجمد ہوتا لہو اس کے وجود کو گلیشیئر بنا رہا تھا مگر پھر بھی وہ اپنے بے جان ہوتے پیروں کو کھینچ رہی تھی' پتھرائی آنکھیں اس پر ساکت تھیں جو اب ایک گاڑی کے پاس رکا ہوا تھا اور گاڑی پر کام کرتے شخص سے محو گفتگو تھا۔

''وہ سر سے پیر تک ایک دھوکہ ہوسکتا تھا مگر میں بس اتنا جانتی ہوں کہ جب وہ چلتا تھا تو یوں لگتا تھا جیسے زمین' آسمان' ہوا' چاند سورج' راستے' سڑکیں سب کے سب اس کی رفتار کے ساتھ چل رہے ہوں اور جب وہ ٹھہرتا تھا تو سب کچھ ساکت ہوتا لگتا' میری نظروں میں تو ساری کائنات ہی اس کے ساتھ ٹھہر جاتی تھی' وہ بیان کی حد سے باہر تھا اور اب تو وقت نے اسے میرے وہم وگمان کی حد میں بھی نہیں رہنے دیا۔

فضا میں آکسیجن کم سے کم ہوتی جارہی تھی' سانس لینا ناممکن تھا' وہ اندھا دھند دور بہت دور کہیں بھاگ جانا چاہتی تھی مگر کوئی آہنی شکنجہ اس کے برف ہوتے نیم جاں وجود کو جکڑے گھسیٹ رہا تھا' آنکھوں میں دھند بڑھتی جارہی تھی' اس دھند میں چوڑی پشت اور چمکتے بالوں کی مانوس سنہری سطح کے سوا کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا' دو قدم کا ہی تو بس فاصلہ تھا جہاں مانوس خوشبو کی بھاری زنجیروں نے اس کے ناتواں وجود کو جکڑ کر بے حس وحرکت کرڈالا تھا' دوسری جانب وہ اپنے مخاطب کے یک دم خاموش ہونے اور حیران تاثرات پر چونکتا اپنے عقب میں متوجہ ہوتا خود بھی نہ صرف دنگ رہ گیا تھا بلکہ اتنے قریب اچانک ایک لڑکی کی موجودگی پر سرعت سے ایک قدم ذرا اور پیچھے ہٹا تھا' فوری طور پر اس کی آنکھوں میں تیرتی ازل کی گلابیوں میں حیرت اور الجھن کے سوا کوئی تاثر زنائشہ کو دکھائی نہیں دیا تھا' مگر اگلے ہی پل عرش کے تاثرات بدلے تھے اور چہرے کا رنگ بھی' نگاہیں گہرے میک اپ کی تہوں سے گزرتیں زرد پڑتے اس چہرے پر جم کر ساکت ہوگئی تھیں......بس پلک جھپکنے کی ہی دیر لگی تھی' شدت سے دھڑکتے دل کی طوفانی دھڑکنوں کے شور میں وہ سرعت سے واپسی کے لیے پلٹ گئی تھی' زمین' آسمان' اس کی آنکھوں کے سامنے ہم آغوش ہورہے تھے' سارے منظر آپس میں گڈمڈ ہورہے تھے' اپنی پشت پر ساکت نگاہیں اسے خنجر کی طرح وجود میں اترتی محسوس ہورہی تھیں' اذیت کی شدت سے مساموں سے ٹھنڈا پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔ دماغ کے پرخچے اڑ رہے تھے' وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کس طرح زمین پر قدم جما کر چل رہی ہے' وہ بس پیروں سے لپٹی بھاری آہنی زنجیروں کے وزن کو کھینچتی گاڑی تک پہنچنا چاہتی تھی' دوسری جانب دراج پریشان نظروں سے اس کے ہلدی کی طرح زرد ہوتے چہرے کو دیکھتی کوئی بھی سوال کیے بغیر اس کے ساتھ ہی بیک سیٹ پر آبیٹھی تھی' دھیرے سے دراج نے اس کا سرد اور بھیگا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا جو سر جھکائے بیٹھی بس گہری سانسیں بھر رہی تھی۔

''پتہ نہیں مجھے کیا غلط فہمی ہوئی تھی' یہاں سے جلدی چلو دراج' مجھے بہت تھکن محسوس ہورہی ہے۔'' سر اٹھائے بغیر وہ لرزتے لہجے میں بولی جبکہ دراج کو اس کی آواز کسی کھائی سے ابھرتی محسوس ہوئی تھی' اس سے پہلے کہ دراج کچھ کہتی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے زرکاش نے اسے متوجہ کیا' پھر زیادہ وقت نہیں لگا تھا گیراج سے روانہ ہونے میں' ماؤف دماغ کے ساتھ دراج دور موجود اسی جگہ' اسی پوزیشن میں ساکت کھڑے شخص کو دیکھتی بری طرح الجھ رہی تھی دوسری جانب زنائشہ کو ہوش نہیں تھا کہ کب ہاسٹل تک کا راستہ طے ہوا اور کس وقت وہ دراج کی ہمراہی میں روم تک پہنچی' کسی ڈمی کی طرح وہ بس دراج کے قدموں کی رفتار کا ساتھ دیتی رہی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

عہدِ نشاط

صباء ایشل

"کس کے ساتھ منہ کالا کر کے آرہی ہے میری رانی؟"
خوب صورت چہرے والا مکروہ لڑکا آگے بڑھ کر اس لڑکی کے سر سے سیاہ چادر کھینچنا چاہتا تھا۔ لڑکی نے حفاظت کے لیے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے گرد لپیٹ لیے۔ یہ وہ شخص تھا جسے اس کا دینی بھائی قرار دیا گیا تھا۔

"ہاہاہا...... ارے واہ لگتا ہے بیچارا غریب عاشق تھا بس یہ ہی لے کر دے سکا۔" اس لڑکی کے ہاتھ لپیٹنے سے ہاتھ میں موجود پلاسٹک کا لفافہ سامنے نظر آرہا تھا۔ لوگ جمع ہونے لگے تھے۔

"پیلی دال۔ تھوڑے سے چاول لال مرچ اور یہ بخار کی گولیاں۔ لگتا ہے تھکاوٹ بہت ہوگئی ہے اب اتارنے کے لیے یہ گولیاں بھی ساتھ لائی ہے۔" دوسرے لڑکے نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ میں پکڑی شفاف تھیلی کا معائنہ کیا۔

لڑکی کی آنکھیں بھر آئیں۔ عرش پر ملائکہ انسان کی بے حسی اور گری ہوئی سوچ پر حیراں تھے تو فرش پر انسان تماشہ دیکھنے اکٹھے ہورہے تھے۔ ایک مکروہ قہقہہ فضا میں گونجا اور فضا سڑے ہوئے دل والے جسموں کے حلق سے نکلنے والی آواز سے بدبودار ہوگئی۔

"کیا بات ہے کوئی فلم چل رہی ہے کیا؟ چلو چلو سب نکلو یہاں سے۔" عجیب وغریب دھاگوں اور ربڑ سے بھرا ایک تیسرے لڑکے کا ہاتھ مکا بن کر لہرایا تو مجمع چھٹنے لگا۔ لوگ ایک ایک کر کے جانے لگے۔ عرش پر ایک سرگوشی ہوئی۔

"یعنی اتنے لوگوں میں کوئی ایک بھی صاحب دل انسان نہیں......"

"فلم ارے یہ گوری پوری فلم ہی تو ہے بول میری لیلی کتنے لے گی۔ تو کہے تو پورے مہینے کا راشن ڈلوادوں۔" قہقہہ پھر سے فضا میں گونجا جس کی بساند برداشت کرنا فضا میں موجود جراثیموں کے لیے بھی مشکل ثابت ہوا تھا۔

جس زمین پر انسان درندوں سے زیادہ درندگی ظاہر کرتا ہے وہاں انسانیت کے قتل کے لیے درندوں کی کیا ضرورت۔

"بھائی...... اسے ہماری مدد کی ضرورت ہے۔"

نورالہدیٰ بھائی کے ساتھ دوست کے گھر سے واپس آرہی تھی۔ سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے آگے بڑھتے قدم اور نظریں دونوں ہی ساکت ہوئے تھے۔ اس کے بھائی نے اثبات میں سر ہلایا اور قدم آگے بڑھایا ہی تھا کہ ایک دم رک گیا۔ نورالہدیٰ نے حیرانی سے اس کی اور پھر اس لڑکی کی جانب دیکھا۔ جس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ آگئی تھی۔ دونوں بازو جو کچھ دیر پہلے لپیٹے ہوئے تھے اب چادر کے نیچے چلے گئے۔

تینوں لڑکے بھی نا سمجھنے والے انداز میں اس کی معنی خیز مسکراہٹ سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔ دور کھڑے لوگ ایک بار پھر متوجہ ہوئے تھے۔

ابن آدم بنت حوا کی قیمت پوچھ رہا تھا۔

بنت حوا مول بتانے والی تھی۔

زمین پھٹی نہ آسمان۔

عرش فرش سب ساکت تھے۔

لڑکی کا ہاتھ چادر سے باہر نکل کر تیزی سے گھوما اور تینوں لڑکے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر کراہنے لگے۔

"سات دن سے بخار میں پھنک رہی تھی تب تو کسی نے آکر یہ نہ پوچھا کہ اتنے دنوں سے کہاں مری ہوئی ہے۔ آج آدھا دن پہلے تو میں نوکری کی تلاش میں پھرتی رہی کہ اور کچھ نہ سہی کسی کے گھر میں ماسی ہی بن جاؤں لیکن کم ظرف لوگوں نے دروازے سے اندر بھی نہ جانے دیا پھر ایک جگہ عورتوں کو اینٹیں بناتے دیکھا تو وہاں جا کر بھوکی نظروں سے دیکھنے والے حریص انسان کی منت سماجت کر کے کام مانگا اور محنت کے بعد کھانے پینے کا یہ سامان خرید سکی ہوں۔ مردار کھانے والے گدھ جگہ جگہ مجھے نوچ کھانے کو بے قرار ہیں۔ میری تعلیم میرا کردار، میری ماں کی محنت، میری بچپن سے اب تک کی زندگی سب کے سامنے ہے لیکن وہ سب کسی کو یاد نہیں وہ سب کوئی معنی نہیں رکھتے اگر کسی کو یاد ہے تو بس اتنا کہ میں اکیلی رہتی ہوں۔ میرے ماں باپ کے چلے جانے میں میرا کیا قصور اور کہاں لکھا ہے کسی لڑکی کا باپ اسے بچپن میں چھوڑ جائے اور ماں جوانی میں تو وہ لڑکی بدکردار ہی ہوگی؟" وہ لڑکی کسی ناگن کی طرح پھنکار رہی تھی اور کسی میں اسے خاموش کرانے کی ہمت نہ تھی۔ کچھ دیر قبل منحوس قہقہوں سے گندی ہونے والی فضا اب نم ہونے لگی۔ ہر طرف بے رنگ اداسی اپنا

رنگ جمانے لگی تھی۔

☆......☆☆......☆

گھر کے بڑے کمرے میں نواب ہاؤس کے سب ہی لوگ جمع تھے۔ نہایت سنجیدہ موضوع پر گفتگو جاری تھی۔ یہ خاندان بہت ہی عجیب تھا۔ ہر سال کے آخر میں اسی کمرے میں ایک نشست منعقد کی جاتی تھی۔ جس میں گھر کے ہر فرد کا شامل ہونا فرض تھا۔ برسوں سے اس گھر میں یہی ریت چلی آرہی تھی۔ نئے سال کے آغاز سے پہلے گھر کا ہر شخص باقی سب کے سامنے خود سے ایک نشاط عہد کرتا۔ ایک ایسا عہد جس سے وہ خود کو بہتر انسان بنا سکے، جس سے وہ لوگوں کے کام آسکے یا ایسا عہد جس کا پورا ہونا ان کو خوشی دے سکے اور یہ وعدہ سب کے سامنے اس لیے کیا جاتا تاکہ کوئی فرد کہیں کمزور ہونا چاہے تو اسے یہ علم ہو کہ گھر کے باقی لوگ میرے اس عہد سے واقف ہیں لہٰذا انہیں کوئی کمزور لمحہ انہیں عہد توڑنے پر مجبور نہیں کرسکے۔ اس خاندان میں کل پانچ افراد تھے۔ بوا جو گھر کی کرتا دھرتا تھیں۔ جوانی میں ہی بیوگی کی چادر اوڑھ چکی تھیں اور پھر دوبارہ شادی کی ہی نہیں۔ ان کے علاوہ ان کے بھائی بھابی اور ان کے دو بچے نواب ہاؤس کے مکین تھے۔

''بوا...... ہمارے ایک دوست کے والد کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے وہ آج کل بہت پریشان ہے۔ ہم نے سوچا کہ ہم اس برس اپنے اخراجات میں کچھ کمی کرکے ہر ماہ اس کی فیس اپنی جیب خرچ سے ادا کریں گے۔'' یہ تیمور ہاشم جاہ تھے۔ نواب گھرانے کے چشم و چراغ اور نورالہدیٰ سے دو برس چھوٹے ان کے بھائی۔

''لیکن بیٹا یاد رکھیے گا اس نیکی کی بھنک کسی کو نہ پڑے۔ ہمیں ہر کام صرف اللہ کی رضا اور خود کو بہتر بنانے اور دلی سکون اور خوشی کے لیے کرنا ہے۔ ریا کاری نہیں کرنی بالکل بھی۔'' بوا متانت سے بولیں۔

''بے فکر رہیے بوا...... ہم کسی سے ذکر تک نہیں کریں گے۔ ہمیں آپ کے پڑھائے سبق ازبر ہیں ہم کوشش کریں گے کوتاہی نہ ہونے پائے۔'' تیمور دھیمے لیکن پُرعزم لہجے میں بولے۔

''ہمارے ایک ملازم کے معاشی حالات بہت کشیدہ ہیں اتنے کہ بال بال قرضے میں جکڑا ہوا ہے۔ بوڑھی ماں بستر پر ہے۔ دو جوان بہنوں کا ساتھ ہے۔ پھر بیوی بچے بھی اس کی ہی ذمہ داری ہے۔ پریشانی سے بے چارا خیالوں میں ہی کھویا رہتا ہے۔ ویسے تو ہم گاہے بگاہے اس کی مدد کرتے رہتے ہیں لیکن اس بار ہم ان شاء اللہ اس کا ذاتی کاروبار شروع کرنے میں مدد کریں گے جس سے وہ گھر کے معاملات آسانی سے سنبھال سکے اور ساتھ ساتھ قرض کی ادائیگی بھی ممکن ہوسکے۔ اس کے علاوہ اس برس اس کی بہنوں کے لیے نیک رشتے ڈھونڈنا اور بیاہنا بھی ہمارے عہد کا حصہ ہے۔'' یہ نواب ہاشم جاہ تھے نورالہدیٰ اور تیمور ہاشم جاہ کے والد۔

''بہت خوب بھیا...... عہدِ نشاط کی تکمیل کے لیے آپ جس طرح زندگیاں سنوار رہے ہیں یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا اور ہمیں یاد آیا آج وہ بچہ فرہاد مٹھائی لے کر آیا تھا۔ ماشاء اللہ سے کسی محکمے میں افسر لگ گیا ہے۔'' بوا اچانک یاد آنے پر خوشی سے بولیں۔

''ہاں اور آپ کو اور ہمیں بہت دعائیں دے رہا تھا کہ اگر نواب صاحب ہمارا ہاتھ نہ تھامتے تو وہ تو پڑھائی چھوڑ ہی

چکے تھے۔'' حسینہ بیگم نے بوا کی بات کا سلسلہ جاری رکھا۔ حسینہ بیگم نواب ہاشم جاہ کی شریکِ سفر تھیں۔

''یہ تو بہت اچھی خبر سننے کو ملی الحمدللہ۔ فرہاد بہت ذہین بچہ تھا اگر تعلیم پوری نہ کر پاتا تو اس کی ذہانت غمِ روزگار میں الجھ کر زنگ آلود ہو جاتی اور اس کے دل میں دنیا کے لیے نفرت کا بیج پروان چڑھ جاتا۔ اسی لیے ہم نے اس کا ہاتھ تھاما تا کہ ان کو اپنی صلاحیتوں کو منوانے کا موقع مل سکے۔ ہمیں اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ ہم اپنے گزشتہ برس کے عہدِ نشاط میں کامیاب ہوئے۔'' حاشم جاہ نے مسرت سے کہا۔

''نورالہدیٰ اب آپ کی باری ہے۔ آپ بتائیے آپ اس برس کیا عہد کر رہی ہیں؟''

''بوا آپ سب کی طرح پیسوں سے تو ہم کسی کی مدد نہیں کر سکتے لیکن پچھلی بار کی طرح اس مرتبہ بھی ایک اچھا عہد کرنا چاہتی ہوں جیسے گزشتہ برس میں نے جھوٹ نہ بولنے کا عہد کیا تھا اور مجھے خوشی ہے میں نے پورا برس جھوٹ سے احتراز برتے رکھا لیکن بوا اس بار جو عہد میں کرنا چاہ رہی ہوں مجھے اس کو بتاتے ہوئے ہچکچاہٹ ہو رہی ہے۔ اصل میں وہ پنو ہے ناں میں نے اسے سرِ راہ کچھ آوارہ مزاج لڑکوں کے نرغے میں دیکھا تھا۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے وہ بہت اچھی لڑکی ہے لیکن لوگوں کی باتوں اور افواہوں کی وجہ سے کوئی اس سے ملتا ہی نہیں۔ میں چاہ رہی تھی کہ اس کی دوست بن جاؤں۔'' وہ رک رک کر بول رہی تھی۔ بوا اور حسینہ بیگم ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔

''ہمارا خیال ہے آپ کا خیال ٹھیک نہیں۔ آپ کو کچھ اور سوچنا چاہیے۔ آپ لڑکی ذات ہیں ہم نہیں چاہتے کوئی آپ کے کردار پر انگلی اٹھائے۔ آپ کا ان سے میل جول بڑھے گا تو لوگوں کی زبانیں کون روکے گا۔'' حسینہ بیگم سخت انداز میں بولیں۔

''امی جان...... ہمیں ایسا وعدہ کرنا ہے ناں جو ہمیں خوشی دے۔ تو سچ میں مجھے ان سے بات کر کے ان کا دکھ بانٹ کر خوشی ملے گی اور پھر وہ بھی تو لڑکی ہی ہیں ناں ان کے کردار پر بھی ساری دنیا سوال اٹھا رہی ہے۔'' نورالہدیٰ بھیگے لہجے میں بولیں۔

''بہو ٹھیک کہہ رہی ہیں نورالہدیٰ...... آپ کوئی اور عہد سوچ لیں۔ آپ کے لیے یہ ممکن نہیں ہوگا۔'' بوا تیز آواز میں بولیں۔

''لیکن ہمیں آپ کا ساتھ چاہیے بوا...... پھر ہم کر سکتے ہیں۔'' وہ اپنی بات پر مصر رہی۔

''بس ہم نے کہہ دیا ناں نہیں تو نہیں۔ جائیے اپنے کمرے میں اور کچھ اور سوچیے۔ ان کی مدد آپ کے بس کا کام نہیں......'' بوا کا فیصلہ اٹل تھا۔ نورالہدیٰ افسردہ نظروں سے انہیں دیکھتی کمرے سے نکل گئی۔

☆......☆☆......☆

''ہم نے کہیں پڑھا تھا ہر انسان کے دو چہرے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو وہ دنیا کو دکھاتا ہے اور دوسرا وہ جو وہ دنیا سے چھپاتا ہے۔ ہم نے سوچا ہی نہ تھا کہ یہ بات ہمارے اپنے گھر میں ہی سچ ثابت ہو جائے گی۔'' وسیع کمرے کے درمیان تیز قدموں سے ٹہلتی نورالہدیٰ کا ضبط جواب دے رہا تھا۔

''سمجھتے کیا ہیں یہ سب لوگ...... بڑے ہیں تو ہمیشہ ٹھیک ہی ہوں گے؟ بچے اچھا نہیں سوچ سکتے کیا؟ بچپن سے آج تک ہمیں اچھا انسان بنانا چاہتے تھے۔ ہمیشہ لوگوں کی مدد کرنا سکھایا اور آج جب ہم واقعی کسی کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں روک رہے ہیں۔'' اس نے طیش سے صوفے پر رکھے کشن زمین پر پھینکے۔

''وہ بے چاری کتنی اکیلی ہیں۔ کتنی مشکل سے زندگی گزار رہی ہیں ہم تو بس اچھے دوستوں کی طرح ان کے ساتھ وقت گزارنا چاہتے تھے' ان کو یہ احساس دلانا چاہتے تھے کہ اس بھری دنیا میں کوئی ایک تو ان کے ساتھ ہے۔ کسی کو تو ان کا دکھ محسوس ہوتا ہے لیکن امی جان تو امی جان ہمیشہ سے سچائی اور اچھائی کا ساتھ دینے کا درس دینے والی بوا نے بھی منع کر دیا۔ کیا یہی ہے ان کی اچھائی کہ اس کی مدد کی استطاعت ہونے کے باوجود اسے تنہا چھوڑ دیا جائے۔'' اس نے قالین پر بیٹھتے ہوئے کشن کھینچ کر بیڈ پر پھینکے۔ اس کا دل کر رہا تھا ہر چیز تہس نہس کر دے لیکن مجبور تھی کہ اس گھر میں یہ سب باتیں سختی سے منع تھیں۔

''اگر آپ لوگ ہمیں منع کر سکتے ہیں تو پھر ہماری بھی ضد ہے۔ ہم کسی بھی طرح سے کچھ بھی کریں گے لیکن ان کی مدد ضرور کریں گے۔'' وہ پُرعزم انداز میں خود سے ہم کلام ہوئی۔

''ہم نے کھیر پکا کر کٹوریاں تیار کر دی ہیں آپ مغرب

سے پہلے سب کے گھروں میں دے آئیں۔" حسینہ بیگم نورالہدیٰ سے مخاطب ہوئیں جولاؤنج میں سب کے درمیان خاموشی سے بیٹھی تھی۔ وہ بنا کوئی جواب دیئے ہولے سے گردن ہلا کر اٹھ کر باورچی خانے میں آ گئی۔

ٹرے میں کٹوریاں رکھ کر نورالہدیٰ نے ایک اور کٹوری میں کھیر نکال کر سلیب پر رکھی کٹے ہوئے بادام پستوں والی پلیٹ سے بادام پستے چھڑکے اور چاندی کا ورق سجا کر کٹوری ٹرے میں رکھی۔ سال تو کل شروع ہونے والا تھا وہ اپنا عہد آج سے شروع کرنے والی تھی۔ ٹرے ڈھک کر وہ باہر نکل آئی۔

"سنو..... نکڑ والے گھر میں دینے کی ضرورت نہیں۔" پیچھے سے امی جان کی آواز آئی تو اس کے چہرے کے زاویے بدل گئے۔ وہ ان سنی کرتی آگے بڑھ گئی۔ سب کے گھروں میں کھیر دے کر وہ سب سے آخر میں نکڑ والے گھر کی طرف بڑھی۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا وہ کھٹکھٹانا چاہتی تھی کہ اسے محسوس ہوا کہ اندر سے کسی کے بولنے کی آواز آ رہی ہے۔ وہ تجسس میں گھر گئی۔

"اتنی شام کو پینو کے گھر کون ہوسکتا ہے؟ محلے کے تو سب ہی لوگ ان سے بدظن ہیں۔ کہیں لوگ سچ ہی تو نہیں کہتے؟ میرا خیال ہے مجھے دروازہ کھٹکھٹانے کے بجائے یہ دیکھنا چاہیے کہ اندر آخر کون ہے اور کیا باتیں ہو رہی ہیں۔" نورالہدیٰ دل ہی دل میں خود کو سمجھاتی بنا کسی آہٹ کے اندر داخل ہوگئی۔ گھر کی حالت خستہ تھی۔ اکھڑا پلستر، ٹوٹا فرش اور دیواروں سے جھانکتی اینٹیں اس گھر کے مکین کی حالت خود بیان کر رہی تھیں۔ چھوٹے سے صحن کے ایک کونے میں باورچی خانہ تھا اور صحن سے متصل ایک ہی کمرہ تھا۔ وہ دھیرے سے کمرے کی جانب بڑھی۔ دروازے سے سر نکال کر اس نے دیکھنے کی کوشش کی تو وہ وہیں جم گئی۔

"آپ کبھی کبھی آجاتی ہیں میرے لیے یہ ہی بہت ہے۔ اس بھری دنیا میں اللہ کے بعد اب ایک آپ کا ہی تو سہارا ہے۔" پینو روتے ہوئے اس خاتون کے گلے لگ گئی۔

"پریشان نہیں ہوتے بیٹا...... ہم نے ہاسٹل میں بات کرلی ہے۔ کل آپ کالج پہنچ جانا آپا جی نے کہا ہے کہ وہ پرنسپل سے بات کرنے بھی وہیں آئیں گی۔ کوئی بھی مسئلہ ہو آپ بلا جھجک انہیں یا مجھے کہہ سکتی ہیں۔ آپ کا ماہانہ خرچ اور فیس ہر ماہ آپ تک پہنچ جایا کرے گی۔ بس آپ نے دل لگا کر اپنی ادھوری تعلیم مکمل کرنی ہے اور ان سب کو کچھ بن کر دکھانا ہے جو آج آپ پر انگلیاں اٹھا رہے ہیں۔" نورالہدیٰ ششدر رہ گئی۔

"آنٹی جی...... مجھے سمجھ نہیں آرہی میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں۔" اس نے سامنے کھڑی خاتون کے ہاتھ تھام لیے۔

"ہم تو صرف اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ آپ شکریہ کہہ کر شرمندہ نہ کریں۔ کل ہم بازار گئے تھے تو کچھ کپڑے اور سامان آپ کے لیے خریدے تھے اور یہ کھیر آج ہم نے پکائی تو آپ کے لیے بھی لے آئے۔ اسے رکھ لیجیے اب وقت بہت ہوگیا ہم چلتے ہیں۔" ان خاتون نے پینو کا ماتھا چوما۔ نورالہدیٰ جلدی سے بیرونی دروازے کی جانب پلٹی۔ اس کی آنکھیں نم تھیں۔

"سب نے اپنے اپنے عہد سوچ لیے نورالہدیٰ اب بس آپ ہی باقی رہ گئی ہیں۔" رات کے کھانے کے بعد نورالہدیٰ برتن سمیٹ رہی تھی جب نواب ہاشم جاہ اس سے مخاطب ہوئے۔

"بابا ہماری عادت ہے کہ ہم بہت جلد سب سے بدگمان ہو جاتے ہیں اس لیے اس بار ہم نے سوچا ہے کہ ہم پورا سال کسی سے بھی بدگمان نہیں ہوں گے اور ہم نے سوچا ہے کہ اس عہد کو ہمیشہ یعنی عمر بھر قائم رکھیں گے تاکہ کبھی بھی بدگمانی ہمارے اندر اپنی جگہ نہ بنا سکے۔" نورالہدیٰ بوا اور حسینہ بیگم کی جانب دیکھتی معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔ بوا اور امی جان حیرانی سے نا سمجھنے والے انداز میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

نورالہدیٰ نے تو اپنا عہدِ نشاط سوچ لیا۔
نیا سال بس شروع ہونے والا ہے۔
کیا آپ نے نئے سال کا آغاز کسی ایسے نئے عہد سے کرنے کا سوچا جو آپ کو اور دوسروں کو خوش رکھ سکے۔

انا کا بت

تمثیلہ زاہد

اس نے ایک لمبی انگڑائی لیتے ہوئے اپنی آنکھیں کھولیں‘ سائیڈ ٹیبل پر رکھی گھڑی الارم بجا بجا کر اب خاموش ہوگئی تھی۔ اس کی چوڑیاں‘ ہار‘ بندے ایسے ہی دھرے تھے۔

”او مائی گاڈ‘ دس بج گئے۔“ اس کی ادھ کھلی آنکھوں نے ٹائم دیکھتے ہی دماغ کے سائرن پر ہوش وحواس کے ناخن لے لیے تھے وہ مکمل اپنے حواسوں میں آ چکی تھی۔ نہ جانے کب کمال آفس چلے گئے‘ رات شادی کی تقریب سے آتے آتے دو بج گئے تھے۔ شادی بھی اس کی عزیز جان خالہ زاد کزن سحر کی تھی‘ شادی کی تھکن دماغ اور وجود پر ایسی سوار تھی کہ صبح آنکھ الارم بجنے کے باوجود نہ کھول سکی۔ اسے سخت غصہ آ رہا تھا کہ کمال نے اسے آفس جاتے ہوئے کیوں نہ اٹھایا۔ اب اسے کمرے سے باہر آنے میں دقت ہو رہی تھی۔ ساس کا روکھا‘ تنقید بھرا رویہ اب دن بھر اس کے ساتھ رہنے والا تھا۔ وہ ڈرتے ڈرتے کمرے سے باہر نکلی تو سامنے سیٹنگ روم میں اخبار پڑھتی ساس نے ٹھٹک کر اسے ترچھی نظروں سے گھورا۔

”ہوگئی صبح بہو......؟“ انداز تیکھا تھا۔

”جی۔“ وہ بمشکل بولی اور نظریں چراتے ہوئے کچن کی جانب بڑھ گئی۔

”ہاں صبح دس بجے ہو یا بارہ بجے‘ کون سا میاں کو ناشتے بنا کر دینے کی ذمہ داری سر پر ہے جو فکر ہو صبح اٹھنے کی۔“ ساس نے طنز کیا۔ سدرہ رکی نہیں کچن میں تیزی سے داخل ہوئی معلوم تھا یہاں سوال کا جواب نہیں۔

”فریدہ آپا شام کو آ رہی ہیں‘ امریکہ میں رہتی ہیں۔ تمہاری شادی میں شرکت نہ کرسکی تھیں‘ یہاں ایک ہفتہ قیام کریں گی‘ ذرا اپنی عادتیں بدل لو میکے میں نہیں ہو سسرال میں ہو اور شادی کے بعد لڑکیوں کو اپنے لااُبالی پن سے باہر آ جانا چاہیے خیر سے چھ ماہ ہوگئے ہیں لیکن تمہارے مزاج میں ذرا تبدیلی نہیں آئی۔ نہ جانے وہ کیسی بہوئیں ہوتی ہیں جو ساس کو پلنگ سے پیر نیچے رکھنے نہیں دیتیں۔“ انہوں نے اپنے مخصوص سخت لہجے میں حکم دیا‘ جسے وہ خاموشی سے سر جھکائے سنتی رہی اس نے اپنا سر ساس کی باتوں پر ہلایا تو ساس کچن سے باہر چلی گئیں۔

”لو جی اس گھر میں آفتیں کم ہیں جو ایک اور آفت میرے سر نازل ہونے آ رہی ہے۔“ اس نے ساس کے جاتے ہی لمبا سانس کھینچا۔

❀......❀......❀

لاڈوں میں پلی سدرہ تین بہن بھائی تھے‘ سب سے بڑی بہن کی شادی تب ہی ہوگئی جب وہ میٹرک میں تھی۔ اس کی شادی سے ایک سال پہلے بھائی کی شادی بھی ہوگئی تھی وہ سب سے چھوٹی تھی۔ گھر کا ماحول آسودہ اور دوستانہ تھا‘ سدرہ نے امبرین آپی کی سسرال میں کبھی کوئی ایسا اتار چڑھاؤ نہ دیکھا تھا۔ آپی کو سسرال یا شوہر کی طرف سے کسی سنگین پریشانی کا سامنا نہ تھا۔ آپی کے سسرال میں ہر رشتے کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ خود اس کی بھابی غیروں سے آئی تھیں‘ ان کے گھر کا ماحول اتنا دوستانہ تھا کہ بھابی پہلے دن ہی ان کے ساتھ گھل مل گئی تھیں۔

اس نے گریجویشن کیا تو دو تین رشتوں میں سے کمال کا انتخاب کرلیا گیا۔ کمال گورنمنٹ آفیسر تھا‘ اچھی تنخواہ تھی‘ والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ شہر کے پوش علاقے میں کمال اس کی بہن سنبل اور ماں رہتے تھے۔ چھوٹی فیملی تھی‘ بظاہر سسرالی مسائل کا انبار نظر نہیں آ رہا تھا۔ شریف لوگ تھے‘ شادی دو ماہ میں ہی کردی گئی اور سدرہ رخصت ہوکر مسز کمال بن گئی۔ اپنے گھر میں اس نے کبھی اپنی بھابی کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے‘ کھانے پینے یا سونے جاگنے میں پابندی نہ دیکھی تھی لیکن یہاں ساس گھڑی کی سوئیوں

پر چلتی تھیں۔ شہر کے پوش علاقے میں رہنے کے باوجود صرف صفائی کے لیے ماسی تھی' کپڑے وہ خود دھوتی تھیں۔ گھر میں کھانا پکانا' سب کا ناشتا تیار کرنا ساس کی ذمہ داری تھی۔ وہ اپنی اس ذمہ داری سے دستبردار ہونا بھی نہیں چاہتی تھیں۔ سدرہ نے بھی ان کے معاملات میں مداخلت کرنا مناسب نہ سمجھا لیکن وہ کچھ بھی اچھا کرنے کی کوشش کرتی نتیجہ الٹ ہی نکلتا تھا۔ وہ اپنی تمام کوششوں کے باوجود ساس کے دل میں جگہ نہیں بنا پا رہی تھی۔ اس کی نند خوش مزاج تھی' ماں کے رویوں سے واقف تھی وہ کسی معاملے میں دخل نہیں دیتی تھی۔

مزاج میں خاموش طبیعت تھی' سدرہ کو نند سے گلہ نہ تھا لیکن ساس کی زبان تلوار بن کر اس کے اوپر لٹکتی رہتی۔ اس کی ذرا سی کوتاہی کے پاداش میں سارا سارا دن تنقید کا نشانہ بنے رہنا اسے کلسا دیتا تھا۔ وہ روز کمال کو آفس جاتے ہوئے کاموں میں مدد دیتی تھی' وہ جب صبح نو بجے گھر سے نکل جاتے تو وہ کمرے سے باہر آ کر ناشتا بناتی تھی۔ ساس ناشتا اپنے دونوں بچوں کے ہمراہ کر چکی ہوتی تھیں' وہ اکیلے ہی اپنے کمرے میں ناشتا کرتی تھی۔

شروع شروع میں شوہر کے ساتھ ناشتا کرنے کی خواہش نے اسے بہت خوار کیا تھا۔ ساس نے اسے اس طرح میاں کے ساتھ بیٹھ کر ناشتا کرنے کو بے حیائی کا خطاب دے ڈالا تھا۔ کمال ماں کے مزاج کے خلاف بات نہیں کرتا تھا تاکہ گھر کا ماحول خراب نہ ہو۔ وہ خود ہی کوشش کرتی کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جو ساس کا موڈ بدل دے کیونکہ پھر سارا دن ساس کے اسی بگڑے موڈ کے ساتھ اسے اکیلے ہی گزارا کرنا پڑتا تھا۔

کزن کی شادی کی تھکن کی وجہ سے وہ رات دیر سے سوئی تھی اور صبح دیر سے اٹھنے کی وجہ سے ساس کے تیور بگڑ گئے تھے۔ ان کی بہن شام کو آ رہی تھیں کیا معلوم اتنے سال بعد بہن کو دیکھ کر ان کا موڈ خوشگوار ہو جائے۔ ہوسکتا ہے جتنا تلخ میں سوچ رہی ہوں ایسا نہ ہو' سب اچھا ہی ہوگا۔ ابھی اسے ناشتا کرنے کے بعد برتن دھونا تھے اور پھر ساس کے ساتھ سبزی بنانے میں مدد بھی دینی تھی' آج تو اسے اپنے کمرے کی حالت بھی درست کرنی ہے اور کپڑوں کا ڈھیر بھی پڑا تھا' وہ بھی تو دھونا تھا۔ سدرہ کو ناشتا کرتے ہوئے سو کام یاد آ رہے تھے' جس میں دن بھر گزر جائے گا اب اس کے دماغ پر ساس کے رویے کی الجھن کے بجائے کاموں کے انبار سوار تھے' وہ جلدی جلدی ناشتا کر رہی تھی تاکہ شام تک سب کام نبٹا کر آنے والی مہمان کے سامنے اچھا امپریشن ڈال سکے۔

❁......❁......❁

''یہ لیجیے گرما گرم کافی' آپ کی تھکن بھی اتر جائے گی۔'' سدرہ نے خوش دلی سے فریدہ خالہ کی طرف کپ بڑھایا۔

''واہ بھئی نسرین' تمہاری بہو تو خوش مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ کافی سگھڑ بھی ہے۔'' خالہ نے مسکرا کر

تعریفی نظروں سے سدرہ کی طرف دیکھا تو وہ گلنار ہوگئی۔

''اچھی سگھڑ بہو ملی ہے' ساس ان بوڑھی ہڈیوں کے ساتھ کھانا بھی پکاتی ہے اور بہو کے شوہر کو روز ناشتا خود بنا کر آفس کا لنچ بھی تیار کر کے دیتی ہے۔'' وہ تلخی سے سدرہ کے مسکراتے چہرے کی طرف دیکھ کر بولیں جس کی مسکراہٹ ساس کی طنزیہ باتوں سے غائب ہوگئی تھی۔ کمال اور سنبل نے ایک نظر سہمی سی شرمندہ ہوتی سدرہ پر نظر ڈالی لیکن کچھ کہہ نہ سکے۔

''خالہ' بھابی کافی بہت اچھی بناتی ہیں آپ پی کر دیکھیں ناں۔'' سنبل نے بات کا رخ بدلا تو سدرہ نے شکر گزار نظروں سے سنبل کی طرف دیکھا جس کی نرم مسکراہٹ ابھی بھی سدرہ کے وجود پر تھی وہ پھر مزید وہاں نہ رکی اور کچن کی جانب بڑھ گئی جہاں جھوٹے برتنوں کا انبار اس کا منتظر تھا۔

❁......❁......❁

''نماز پڑھ لی؟'' مغرب کی نماز پڑھ کر فریدہ خالہ تسبیح کے دانے گراتی نسرین بیگم کے برابر تخت پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''ہاں' اللہ کا شکر ہے۔'' انہوں نے تسبیح مکمل کر کے دانے مٹھی میں دبا لیے۔

''ان پانچ دنوں میں پہلی بار تمہارے منہ سے شکر کا کلمہ سنا ہے۔'' فریدہ خالہ مسکرا کر بولیں ان کا لہجہ معنی خیز تھا۔ کچن کا کام سمیٹتی سدرہ ان کی نظروں سے اوجھل نہ تھی۔

''کیا مطلب؟'' وہ ان کے چبھتے لفظوں کی سوئیاں اپنے جسم پر محسوس کرتے ہوئے عجیب لہجے میں بولیں۔

''نسرین ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔'' فریدہ خالہ نرم لہجے میں بولیں۔

''اللہ کا شکر ہے ہم تو ہر حال میں اللہ کا شکر ادا ہی کرتے ہیں خیر سے اچھا گھر' اچھا کھا پی رہے ہیں' بیٹے کی شادی کر دی' کل کو بیٹی کی بھی ہو جائے گی۔ اللہ کا شکر ہے اس نے عزت دے رکھی ہے۔'' وہ قدرے خفا ہوتے ہوئے بولیں' ان کے وجود میں بیٹھا انا کا بت جاگ گیا تھا۔

''اللہ نے تمہیں عزت دی ہے تو تم بھی دوسروں کی عزت کرنا سیکھو۔'' وہ ناصحانہ انداز میں بولیں۔

''اللہ معاف کرے آپا' میں نے کون سی بدتمیزی کر دی' آپ کے ساتھ......؟'' نسرین بیگم نے اپنی ترش رو بہن کی طرف برا مانتے ہوئے دیکھا۔

''اچھا ایک بات بتاؤ نماز کیوں پڑھتی ہو؟'' انہوں نے لہجے میں نرمی سموئی۔

''ہم مسلمانوں پر فرض ہے اور اس لیے بھی کہ اس کی سخت پوچھ ہے قیامت کے دن۔''

''اور بندوں کے حقوق...... کیا ان کی پوچھ نہیں؟'' آپا نے انا کے بت پر ضرب لگائی۔ نسرین بیگم بچی تو نہ تھیں نہ جاہل کہ کچھ نہ سمجھتیں۔ وہ بہن کی اشارہ کنائیوں میں باتیں سب ہی کچھ سمجھ رہی تھیں۔ ان کے اندر گھنٹیاں بج رہی تھیں لیکن انا کا بت تھا جو سالم اب بھی کھڑا تھا۔ کسی طور ریزہ ریزہ ہونے کے لیے تیار نہ تھا' وہ سب جانتی تھیں غلطیاں' کوتاہیاں' کبیرہ صغیرہ گناہ' دل کے قفل کو نہ کھلنا تھا نہ کھلا وہ جوں کا توں بند تھا۔ اس زنگ لگے قفل پر فریدہ آپا اپنی نرم باتوں کا تیل ڈال کر کھولنے کی سعی کر رہی تھیں۔ وہ اپنی سخت مزاج اور بات بات پر تنکنے والی اس بہن کے رویوں سے بچپن سے واقف تھیں۔ وہ بچپن میں بھی اپنی کسی بات سے ٹس سے مس نہ ہوتی تھی' لوگوں پر طنز کرنا اور اپنے ہی دماغ کے تحت دوسروں کو ماتحت بنا کر چلانا ان کی فطرت ثانیہ تھی۔

وہ پانچ دن سے یہاں تھیں' انہیں افسوس ہو رہا تھا' فرماں بردار اولاد اور اب بہو لیکن ان کے مزاج میں نرمی آئی ہی نہ تھی۔ وہ پانچ چھ سال پہلے آخری بار جب بہن سے مل کر گئی تھیں' بہن کے شوہر کے انتقال پر سوچا کچھ مزاج بدل جائے گا لیکن آنے کے بعد یہی اندازہ ہو رہا تھا بدلا تو کچھ بھی نہیں۔ فریدہ آپا کی باتوں کو سن کر وہ

خاموش ہوگئیں، دل ہی دل میں قائل تو تھیں لیکن انا کا بت۔

''جہاں تک مجھے اندازہ ہوا ہے، سدرہ اچھے اطوار کی بچی ہے۔ کل کو ایسا نہ ہو کہ تمہارے مزاج کی گرمی کی حدت سے وہ پگھلنے کے بجائے اشتعال میں آجائے، تم ایک بات کہو وہ سو جواب دے۔ کسی کی نرمی کا فائدہ ایک حد تک اٹھانا ٹھیک ہے، میڈیا نے عورت کو بہت انفارمیٹو بنا دیا ہے۔ اب دب کر رہنے والی عورتوں کا رواج نہیں رہا، اس لیے عزت دو اور لو کے اصول پر زندگی گزارنے میں ہی عقل مندی ہے۔ مجھے دیکھو تین بیٹے ہیں اور تینوں ہی بہوئیں ساتھ رہتی ہیں، سب اپنا اپنا کھانا پکاتی ہیں۔ الگ پورشن بنے ہیں، کوئی کسی کے معاملے میں دخل نہیں دیتا، سب اپنے حال میں مست ہیں۔ تمہیں یاد ہے نہ ہماری ہمسائی نور آپا جب اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے بہو لائی تھیں، دو ماہ میں ہی بیٹا الگ ہوگیا تھا وجہ ماں کی بے جا روک ٹوک نے انہیں اس انتہائی قدم پر مجبور کر دیا تھا۔ امید ہے میری بات تمہیں سمجھ میں آرہی ہوگی، تم سوچنا ضرور......'' فریدہ آپا خاموش گم صم سی بیٹھی نسرین بیگم کو سوچ کا ایک نیا رخ دے کر اٹھ گئی تھیں۔ نسرین بیگم نے پُروقار سی فریدہ آپا کی پشت دیکھی جوان کی انا کے بت پر کاری ضرب لگا کر جا چکی تھیں۔ بت پاش پاش ہو چکا تھا اور وہ نم آنکھوں سے ریزہ ریزہ ہوتے بت کے ٹکڑوں کو دیکھ رہی تھیں۔ آسمان پر نکلا چاند بھی کل آنے والے نئے سال کا سورج نئے انداز سے طلوع ہوتے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

کسے الزام دوں

سمیہ عثمان

شزا کی اسکول وین کے مسلسل ہوتے ہارن کی آواز پر میں نے ٹیرس سے شزا کو ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھتے دیکھا۔ ڈرائیور نے سرگوشی میں شزا سے کوئی بات کی جس سے اس کا چہرہ ایک دم ہی گلال ہوا تھا اور میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھیں۔ میں ایک ماں ہو کر اپنی بیٹی سے کیسے غافل ہوگئی اور وہ بھی اپنی اکلوتی بیٹی سے۔

شروع میں میری روٹین تھی کہ میں شزا کو گیٹ تک لینے اور چھوڑنے خود جاتی تھی لیکن جب سے شزا ناٹنتھ کلاس میں آئی اور اس کی وین کا ڈرائیور چینج ہوا تو میں یہ سوچ کر مطمئن ہوگئی کہ اب میری بیٹی بڑی اور سمجھدار ہوگئی ہے جبکہ میں اپنی ماں کا پڑھایا ہوا سبق بھول گئی کہ لڑکی کو اس وقت تک گائیڈنس کی ضرورت ہوتی ہے جب تک وہ اپنا گھر نہ سنبھال لے وہ اپنے شوہر' بچوں میں مصروف ہو کر اپنی ذات نہ بھول جائے اور اب یہ باتیں یاد آئیں تو میں اپنی عقل پر ماتم کررہی تھی۔ اتنے عرصے سے ایک شخص جو یقیناً شزا کے پاپا کی عمر کا ہوگا' اسے ورغلا رہا تھا اور میں انجان رہی' صرف اپنی مصروفیت کی وجہ سے اگر میں ایک کم پڑھی لکھی خاتون ہوتی تو روپیٹ کر اپنی بیٹی کی تعلیم چھڑوا کر اسے گھر کے کاموں میں الجھا دیتی لیکن میں ایک باشعور عورت ہونے کے ساتھ اس معاشرے کا اہم حصہ بھی ہوں۔ میں احسن ہمدانی جو ملٹی نیشنل کمپنی کے اونر ہیں ان کی دوسری بیوی ہونے کے ساتھ ایک سائیکاٹرسٹ بھی ہوں' کچھ عرصے سے میں نے اپنے شعبے کو زیادہ ٹائم دینا شروع کردیا تھا جب ہی یہ سب ہوا اور میں اب تک غافل ہی رہتی جو کل رات میری بیٹی مجھ سے اس قسم کی گفتگو نہ کرتی۔ وہ باتیں میرے ذہن میں اب بھی کسی فلم کی طرح چلنے لگی تھیں۔

''ممی' کیا دوسری شادی گناہ ہے؟'' اس نے کھانے کی ٹیبل پر بظاہر خود کو نارمل پوز کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہیں گناہ تو نہیں۔''

''پھر ہمارے معاشرے میں اس کو معیوب کیوں سمجھا جاتا ہے؟''

''کون سمجھتا ہے؟'' میں نے اپنی پلیٹ میں رائس نکالتے ہوئے اسے دیکھا میرا خیال تھا کہ شاید آج اسکول میں ایسی کوئی بات ہوئی ہے' جس کی وجہ سے وہ یہ سوال کررہی ہے لیکن میں غلط تھی۔

''یہی ہمارے آس پاس کے لوگ' سب سے پہلے تو ہمارے ہی گھر کے لوگ دوسری شادی کو پسند نہیں کرتے۔'' اس کی بات پر میں چونکی ضرور لیکن اس پر ظاہر نہیں ہونے دیا اور وہیں میرے اندر کچھ غلط ہونے کا الارم بجا تھا۔

''ہاں اس صورت میں جب لڑکی کی ایج کم ہو۔''

''ایج کہاں سے بیچ میں آگئی ممی......لڑکی اگر بالغ ہے اپنا اچھا برا سوچ سکتی ہے تو اس کی شادی کردینی چاہیے وہ مرد پہلے سے شادی شدہ کیوں نہ ہو اور پھر ہمارا مذہب بھی تو اس بات کی اجازت دیتا ہے ناں۔''

''بیٹا مذہب کو بیچ میں کیوں لا رہی ہو۔ اگر ہم مذہب اور معاشرے کو ساتھ لے کر چلیں تو پھر اس بات کا جھگڑا ہی نہ ہو لیکن اب ہم مذہب سے وہی بات نکالتے ہیں جس کی ہمیں ضرورت ہو' بات ہو رہی تھی معاشرے کی تو میں اسی حوالے سے بتاتی ہوں کہ صرف لڑکی کا بالغ ہونا یا اس کا اپنا اچھا برا سوچنا ہی اس بات کی دلیل نہیں کہ اس کی شادی کردی جائے بلکہ لڑکی نا صرف تعلیم یافتہ ہو' اس میں اپنی تعلیم کو استعمال کرنے کا شعور ہو ساتھ ہی وہ اپنے گھر اور بچوں کی ذمہ داری اٹھانا بھی جانتی ہو۔'' میری مختصر سی تقریر پر وہ پہلو بدل کر رہ گئی اور اس وقت سے لے کر رات سونے تک میں اس کے ہر انداز کو نوٹ کرتی رہی تھی لیکن میرا ذہن پھر بھی وین ڈرائیور کی طرف نہیں گیا' شزا کا اسکول کو ایجوکیشن تھا میں یہی سمجھی کہ شاید کلاس کے کسی بچے میں انوالو ہو رہی ہے یا پھر کوئی اور بات ہے رات اس کے سوتے ہی میں نے اس کا موبائل چیک کیا لیکن چند ایک دوستوں کے اور کوئی میسج نہیں تھا میں تھوڑی مطمئن ہوئی مگر اندر کچھ غلط ہونے کا احساس مجھے چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ میں نے رات اس کے پہرے پر گزاری جبکہ شزا میٹھی

نیند سو رہی تھی یہ بھی غنیمت تھا کہ احسن ان دنوں بزنس ٹور پر تھے۔

اب شزا کے اسکول جانے کے بعد میں خود کو ملامت کرنے کے ساتھ جھنجلا رہی تھی میں ماں ہو کر فی الحال بیٹی کو کچھ نہیں کہہ سکتی تھی کیونکہ ابھی تک اس نے میرے سامنے اظہار محبت نہیں کیا تھا اور اگر کر بھی دیتی تب بھی، مجھے تحمل کا مظاہرہ کرنا تھا اول تو وہ جس عمر میں تھی میری ذرا سی مخالفت اسے باغی کر دیتی اور پھر نجانے یہ محبت کب سے چل رہی تھی؛ میں ایک لڑکی کی ماں تھی مجھے اس طرح کام کرنا تھا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے' لیکن ان سب باتوں سے پہلے مجھے اپنے شک کو واضح کرنا تھا' آیا سچ ہے یا نہیں؟ ساتھ ہی دل میں دعا گو تھی کہ میرا شک غلط ہوا اور جو میں سوچ رہی ہوں وہ نہ ہو' شزا کی واپسی سے ذرا پہلے میں پھر ٹیرس پر آ کھڑی ہوئی۔ عموماً تو اس وقت میں اپنے کلینک میں ہوتی یا پھر کسی لائبریری میں کوئی بک اسٹڈی کر رہی ہوتی' اس لیے شزا گھر میں میری موجودگی سے غافل تھی۔

وین کی آواز پر میں ایک ستون کے پیچھے چھپ کر انہیں دیکھنے لگی۔ ڈرائیور کسی بات پر اصرار کر رہا تھا اور شزا مسلسل انکار میں سر ہلا رہی تھی۔ تب اس نے شزا کا ہاتھ تھام کر اپنے ہونٹوں سے لگایا اور پھر وہی ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا تھا۔ میں ٹیرس سے دروازے کے پاس کھڑی وین میں بیٹھے ڈرائیور کی آنکھوں میں دنیا جہاں کی مظلومیت دیکھ سکتی تھی۔ مرد بہت بڑے کھلاڑی ہوتے ہیں یہ بازی ہار و جیت کے لیے نہیں کھیلتے بلکہ خود کو تسکین پہنچانے کے لیے کھیلتے ہیں' تسکین مل گئی تو فتح ان کی اور اگر نہ ملی تو یہ بازی کو ایسے موڑ پر چھوڑتے ہیں کہ جیتنے والا اپنی فتح میں بھی ساری زندگی ہار محسوس کرتا ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے اپنی بیٹی کو بچانا تھا۔ اس شخص کی مکاری پر میں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔ اس کو اشارے سے فون

کرنے کا کہتی شزا جب گھر کے اندر داخل ہوئی تو میں بھی ٹیرس سے کچن میں چلی آئی اور خود کو نارمل کرنے کے لیے سلاد کاٹنے لگی۔

''ممی...... آج آپ گھر پہ؟'' شزا کو حقیقتاً حیرت ہوئی تھی میں نے ایک نظر شزا کو دیکھا جس کے چہرے پر ایک سایہ آ کر گزرا تھا۔

''ہاں......'' میں نے اپنے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''آج کوئی ضروری کام نہیں تھا اس لیے میں نے سوچا کہ اپنی بیٹی کے لیے اس کی پسند کا کھانا تیار کرلوں' تم جلدی سے فریش ہو کر آ جاؤ جب تک میں کھانا نکالتی ہوں۔''

''میں ابھی آئی۔'' وہ کہہ کر تیزی سے کمرے میں بند ہوگئی۔ میں جو اپنے انداز سے یہ ظاہر کرنا چاہ رہی تھی کہ میں اس کی ہر بات سے بے خبر ہوں اس میں' میں کامیاب ہوگئی تھی لیکن غصے کی جو آگ میرے اندر بھڑک رہی تھی اسے میں دبانے میں ناکام رہی تھی۔ میرا دل چاہا تھا کہ عام عورت کی طرح آگے بڑھ کر اپنی بیٹی کو دو تھپڑ لگاؤں اس کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر اس سے ان حالات کی وجہ پوچھوں لیکن اس میں میرا ہی نقصان تھا اس لیے میں خود پر جبر و ضبط کر رہی تھی صرف اپنی بیٹی کے اچھے مستقبل کے لیے۔

☆......☆......☆

میں حالات کو قابو کرنے کے لیے اپنی بیٹی کو پوری توجہ و ٹائم دے رہی تھی اور ایسے میں اس کو موقع نہیں دے رہی تھی کہ وہ وین ڈرائیور سے بات کر سکے...... اس دن کے بعد سے میں ہی شزا کو پک اینڈ ڈراپ دے رہی تھی' ایک سائے کی طرح میں اس کے ساتھ تھی۔ شروع کے چند دن تو شزا میرے ساتھ سے خوش ہوئی لیکن پھر جیسے اسے احساس ہونے لگا کہ وہ ایک قید میں ہے...... یہ ایک فطری عمل ہے انسان کو جب باہر سے توجہ ملنے لگے تو اسے گھر ایک قید خانہ لگنے لگتا ہے اور پھر وہ زیادہ سے زیادہ وقت وہاں گزارنا چاہتا ہے جہاں سے اسے اہمیت و محبت ملتی ہے۔ شزا کے ساتھ بھی یہی مسئلہ تھا اور پھر ابھی تک اس نے اپنی محبت کا راز دار بھی کسی کو نہیں بنایا تھا اس بات کا اندازہ مجھے اس کے موبائل میسجز پڑھ کر اور اس کے چہرے کے زاویے سے ہوا تھا۔ وہ اب گھر میں اکتائی اکتائی سی رہتی' ٹی وی دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر سوچ کی پرچھائی ہوتی' موبائل فون آف رہتا یا پھر واش روم میں ساتھ لے جاتی...... وہ کھانا بھی برائے نام کھاتی ایسے میں میری نظریں اسے اپنے حصار میں رکھتی تھیں...... وہ اب بے زار ہوگئی تھی۔

''ممی...... مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' چھٹی کا دن تھا ہم دونوں ہی ساتھ بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے' جب شزا نے اچانک مجھے مخاطب کر کے کہا تو میں ٹی وی کا والیوم کم کرتی پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کیا بات ہے بیٹا کچھ پریشان لگ رہی ہو' طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟''

''میں ٹھیک ہوں ممی۔'' وہ اپنے ہاتھ کی انگلیاں مروڑنے لگی اور میں اس کے بن کہے ہی تمام بات سمجھ گئی تھی لیکن اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی شاید الفاظ ذہن میں ترتیب دے رہی تھی۔

''مجھے کسی سے محبت ہوگئی ہے ممی...... میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔''

''کون ہے......؟'' پہلی بار میں نے اپنا لہجہ قدرے سخت رکھا۔

''ہے کوئی...... میں مر جاؤں گی ممی اگر وہ مجھے نا ملا' مجھے اپنی یہ زندگی اس کے بغیر بے کار لگنے لگی ہے پلیز ممی آپ......''

''شزا......'' میں اونچی آواز میں چیخی جبکہ وہ بے بسی سے رونے کے ساتھ سسکنے لگی۔ میں ابھی شزا کی محبت کے طوفان کو اپنے سرد رویے سے یہیں فریز کر دینا چاہتی تھی لیکن وہ میری سوچ سے کہیں زیادہ زور آور تھا وہ میرے پیروں میں بیٹھ گئی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں ممی میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی......''

''کون ہے وہ......؟''

''سکندر علی...... اسکول وین کا جو ڈرائیور ہے وہ......'' اس کا جملہ میرے تھپڑ کی گونج میں دب گیا تھا۔ میں ایک عام

عورت بن گئی۔ میں بھول گئی کہ میں بھی اس عمر سے گزر کر آئی تھی اور میری ماں نے کس طرح میری تربیت کی تھی۔

''تم نے سوچا کیسے شزا......'' میں آپے سے باہر ہوگئی۔ ''ایک دو ٹکے کے ڈرائیور کے ساتھ تم عشق لڑانے چلی ہو۔''

''آپ مجھے کچھ بھی کہہ لیں اسے کچھ نہ کہیں۔''

''کیوں نہ کہوں اسی نے تمہیں ورغلایا ہے جھوٹے خواب دکھائے ہوں گے یہ غریب لوگ راتوں رات امیر بننے کے خواب ایسے ہی پورے کرتے ہیں۔''

''بس ممی...... آپ غلط سمجھ رہی ہیں' میں تو تنہا ہی اس سفر پر نکلی تھی اور بھٹک جاتی جو وہ میرا ہاتھ نہ تھامتا...... اب میں بہت آگے نکل آئی ہوں ممی اور وہ بھی مجھے اپنانا چاہتا ہے۔'' وہ اپنی بات مکمل کرتی چکرا کر زمین پر گرگئی اور میرے ایک دم ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

''شزا...... شزا آنکھیں کھولو۔'' میں نے زمین پر بیٹھ کر اس کا سر اپنی گود میں رکھا اور مسلسل اسے پکار رہی تھی' اس وقت میں کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے قاصر تھی۔ میری ممتا اس لمحے عروج پر تھی' اگر میرا بس چلتا تو دنیا کی ساری خوشیاں اس کی جھولی میں ڈال دیتی' اس کی ذرا سی خراب طبیعت نے مجھ پر یہ واضح کیا کہ اگر اس کو کچھ ہوگیا تو میرا کیا ہوگا اور اس سوچ کے ساتھ ہی مجھ میں بجلی سی بھر گئی تھی۔

گھر کوئی زیادہ بڑا نہیں تھا دو بیڈ روم' ڈرائنگ اور ڈائننگ ٹی وی لاؤنج کے علاوہ ایک گیسٹ روم اوپر کے حصے میں اور پھر چھت تھی۔ اس لیے صفائی ستھرائی کے کاموں کے لیے ماسی تھی' باقی کام میں خود کرتی تھی۔ یہاں ہر ایریے کا اپنا گارڈ تھا اس لیے میں نے گھر میں چوکیدار بھی نہیں رکھا تھا اور اب جو سچویشن تھی اس کو مجھے ہی ہینڈل کرنا تھا' فیملی ڈاکٹر کو گھر بلانے کا مطلب احسن کو انفارم کرنا تھا میرا ذہن تیزی سے کام کررہا تھا۔ میں نے شزا کو ہوش میں لانے کے لیے اس پر پانی کے چھینٹے بھی مارے اور پانی بھی پلانے کی کوشش کی' مگر وہ ہوش میں نہیں آئی۔ میں اسے اپنے سہارے اٹھا کر تقریباً گھسیٹتی ہوئی گاڑی تک لائی اور پھر پچھلی سیٹ پر اس کو لٹا کر میں نے خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر کے مطابق ذہنی انتشار اور لو بلڈ پریشر کی بنا پر شزا بے ہوش ہوئی تھی۔ اس وقت وہ دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھی جبکہ ایک ہاتھ میں ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ میں اس کے سرہانے بیٹھی مسلسل قرآنی آیات پڑھ کر اس پر پھونک رہی تھی۔

''آئی ایم سوری ممی' میں نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا وہ تو نارملی مجھ سے اپنی باتیں کیا کرتے تھے صرف مجھ سے ہی نہیں امبر سے بھی۔'' وہ نیند میں کہہ رہی تھی اور میں اپنے نام کی پکار پر اس کے قریب آگئی۔ ساتھ ہی اس مرد کے شاطر دماغ پر میرے خون کی رفتار تیز ہوگئی' امبر شزا کی کلاس فیلو تھی۔

''ان کے حالات سن کر پہلے مجھے دکھ ہوا' پھر ہمدردی اور یہ ہمدردی کب محبت میں تبدیل ہوئی میں نہیں جانتی۔'' وہ مزید کہہ رہی تھی شاید بے ہوشی میں بھی وہ تمام باتیں اس کے ذہن میں چل رہی تھیں جو وہ اس وقت مجھ سے کرنا چاہتی تھی۔

''اور اب ہم ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ پلیز ممی آپ ناراض نہ ہوں۔'' کہتے ہوئے اس کی آواز مدہم ہوگئی اور میں پھر اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئی۔ ایک نئی سوچ میرے ذہن میں گردش کرنے لگی تھی۔ یعنی سکندر علی ایک ساتھ دو لڑکیوں کو پھنسا رہا تھا اگر ایک نہیں تو دوسری سہی اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوگیا تھا اور بے وقوف بنی بھی تو میری بیٹی صرف میری توجہ نہ ہونے کی بنا پر وہ اس کے جال میں پھنس گئی۔ لڑکے ہوں یا لڑکیاں گھر میں اگر توجہ کم ہوجائے تو وہ باہر اپنے لیے توجہ تلاش کرتے ہیں جوائنٹ فیملی میں تو چچا' تایا' دادا' دادی سنبھال لیتے ہیں لیکن بگڑتے ہمیشہ سپرٹ فیملی کے بچے ہیں جیسے میری بیٹی...... اس وقت مجھے شزا کے ساتھ اپنی اور احسن کی عزت کی بھی فکر تھی۔ گو کہ اس نے ابھی کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا تھا لیکن مستقبل سے تو سبھی انجان ہوتے ہیں سو میں بھی تھی اور خوف زدہ بھی۔

میں شزا کو روم میں تنہا چھوڑ کر کینٹین میں آئی اس وقت مجھے چائے کی شدید طلب ہورہی تھی میں چائے لے کر ایک طرف ٹیبل پر بیٹھ گئی' میں دوسروں کی زندگی کی الجھن دور کرتی تھی آج خود الجھ کر رہ گئی تھی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں۔

ذہن مسلسل اسکول کی انتظامیہ سے بات کرنے پر زور دے رہا تھا' تو دوسری طرف دل انجانے سے خوف میں گھرا شزا کی طرف سے فکر مند تھا جبکہ میں یکسوئی سے ہر پہلو پر سوچنا چاہتی تھی۔ چائے ختم کرنے کے بعد بھی میں وہاں کافی دیر بیٹھی رہی صرف اپنے دل ودماغ کی آوازوں کو ایک کرنے کے لیے اور پھر جانے کتنی دیر میں وہاں الجھتی رہتی کہ فجر کی اذان میری سماعت سے ٹکرائی اور جیسے سب کچھ ٹھہر گیا' ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ ہر طرف ایک ہی آواز تھی "نیند سے بہتر ہے نماز" میری نیند تو پہلے ہی اڑ گئی تھی۔ اس لیے میں اللہ سے مدد مانگنے اٹھ کھڑی ہوئی۔

میں نماز ودعا سے فارغ ہوکر کمرے میں آئی تو شزا کمر کے پیچھے تکیہ ٹکائے بیٹھی ہوئی تھی مجھ پر نظر پڑتے ہی اس نے نظریں چرالیں۔ میں اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"بھوک لگی ہے بیٹا؟" میری بات پر اس نے ذرا سا سر نفی میں ہلایا اس کی پیشانی پر بے شمار بل تھے جبکہ وہ اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں سے کاٹ رہی تھی۔ یہ اس کی ناراضگی کا اظہار تھا۔

"بیٹا...... مجھے کچھ وقت دو میں سوچ سمجھ کر ہی کوئی فیصلہ کروں گی۔" میری بات پر وہ ایک دم مجھے دیکھنے لگی۔ "آپ کے پاپا سے بات کروں گی انہیں قائل کروں گی اس رشتے کے لیے۔" اس کی نظروں میں بے یقینی اور ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"آپ سچ کہہ رہی ہیں؟"

"ہاں بیٹا......" میں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ "آپ سے بڑھ کر تو میرے لیے کچھ نہیں لیکن ابھی آپ کو مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا؟"

"کیسا وعدہ......؟" وہ چونکی۔

"اپنی پوری توجہ پڑھائی پر دو گی اور جیسا میں کہوں گی ویسا ہی کرو گی۔"

ڈاکٹر کے آجانے سے ہم دونوں ہی خاموش ہوگئے تب وہ شزا کا چیک اپ کرنے اور دوائیں لکھنے کے ساتھ ہدایت دینے لگا جسے میں توجہ سے سننے لگی جبکہ شزا جانے کیا سوچنے لگی تھی۔ میں کاؤنٹر پر فیس ادا کرتی شزا کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔

"ممی میں آپ کی پہلی شرط کے طور پر اپنی پڑھائی پر توجہ دینے والی بات مان سکتی ہوں جبکہ دوسری بات پر مجھے اختلاف ہے۔" اس کا انداز سوچتا ہوا تھا میں خاموش رہی صرف اس لیے کہ وہ اپنی سوچ کو زبان دے کر وضاحت دے کیونکہ اب ہمارے درمیان کوئی پردہ تو رہا نہیں تھا۔

"اگر میں آپ کی ہر بات مانتی ہوں تو آپ تو سکندر علی سے ملنے پر پابندی عائد کردیں گی اور مجھے اس سے فون پر بھی بات کرنے نہیں دیں گی اور ہوسکتا ہے کہ آپ میرا اسکول بھی چھڑوا کر کہیں اور ایڈمیشن کروادیں۔"

"میں اتنی ظالم نہیں ہوں بیٹا لیکن صرف اس بات کا خیال رکھنا کہ ہماری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے اس لیے محتاط رہنا اور جو بات بھی ہو مجھ سے ہی کرنا کسی اور سے نہیں۔" میری بات پر وہ مطمئن ہوکر مسکرائی۔

"آج آپ چھٹی کرلو طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" میں نے گھر کے سامنے گاڑی پارک کرتے ہوئے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں غلطی سے بھی سکندر علی کا نام اپنی زبان پر نہیں لارہی تھی اور ویسے بھی جس شخص سے آپ کو نفرت ہو اس کا ذکر آپ کو تکلیف واذیت میں مبتلا کردیتا ہے اور یہی حال میرا تھا۔

میرا دوسرا اسٹیپ اسکول کی انتظامیہ کو خبردار کرنا تھا تاکہ شزا کی طرح کوئی اور لڑکی سکندر علی کے جال میں نہ پھنس جائے اس لیے میں شزا کے سونے کے بعد ماسی کو اس کے پاس چھوڑ کر اسکول آگئی اور اس وقت میں میڈم صالحہ کے سامنے بیٹھی شزا کے ساتھ پیش آنے والے حالات کے بارے میں بات کررہی تھی۔

"دیکھیں مسز ناجیہ احسن۔" میڈم صالحہ میری بات توجہ سے سننے کے بعد مخاطب ہوئیں۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہوں گی لیکن ہم اسکول کے اندر کے معاملات دیکھتے ہیں' باہر کیا ہوا ہے اور کیا ہورہا ہے اس سے ہمیں کوئی غرض نہیں اور آپ پہلی خاتون ہیں جو سکندر علی کی

شکایت لے کر آئی ہیں ورنہ آج سے پہلے تو کسی بھی اسکول وین ڈرائیور کی کوئی کمپلین ہمیں موصول نہیں ہوئی ہوسکتا ہے آپ کی بیٹی غلط بیانی کر رہی ہو......“ ان کا نرم وشگفتہ انداز بھی میرے اندر آگ لگا گیا تھا۔

”ہوسکتا ہے میری بیٹی جھوٹ بول رہی ہو لیکن ایک لمحے کو میری بیٹی کی جگہ اپنی بیٹی کو رکھ کر سوچیں کیا اس وقت بھی آپ یہی بات کہیں گی۔ معاشرہ بے شک مردوں کا ہے لیکن عورت مظلوم عورت کی وجہ سے ہے اگر آپ کو میری بات کا اعتبار نہیں تو امبر کو بلا کر پوچھیں کہ کیا سکندر علی اپنے گھر کے مسائل اس سے ڈسکس نہیں کرتا۔“ میں نے بھی انہی کے انداز میں بات کی تھی جب ہی وہ ٹپٹا گئیں اور فوراً ہی امبر کو کلاس سے اپنے روم میں بلالیا۔

”ٹھیک ہے مسز ناجیہ احسن آپ کی بات اگر ٹھیک بھی ہوئی تب بھی ہمارا ادارہ فوری نوٹس پر سکندر کو فارغ نہیں کرسکتا کیونکہ یہ ہمارا رول نہیں ہے کہ فوراً ہی کسی غلطی پر ہم اپنے ورکر کو نکال دیں۔“

”میں بھی اسے نکالنے کی بات نہیں کر رہی‘ لیکن ہے تو وہ آپ کا ورکر اگر باہر کچھ غلط کرے گا تو نام تو آپ کا بھی خراب ہوگا۔“ میں نے انہیں ایک اور پہلو سوچنے کے لیے دیا تب وہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی مزید بولیں۔

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن پہلے تصدیق ہوجائے کہ وہ ایسا کر بھی رہا ہے اور اگر کر رہا ہے تو کیوں؟“ وہ مسلسل اپنا دامن بچا رہی تھیں اور میں ان کی اس حرکت پر ضبط کیے بیٹھی جبکہ زبان پہ سوال مچل رہا تھا کہ ان سے پوچھوں آخر آپ کا اور اس وین ڈرائیور کا آپس میں کیا رشتہ ہے لیکن اب میں ان سے اس حوالے سے مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے خاموشی سے امبر کا انتظار کرنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد امبر مودب سے انداز میں ان کے روم میں آئی تھی میں نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر میڈم کو جو امبر کو گھور رہی تھیں۔

”آپ کیا اسکول کی باتیں بھی باہر جا کر لوگوں کو بتاتی ہیں؟“ ان کے اس سوال پر میں چونکی جبکہ امبر ان کے رویے پر خوف زدہ ہوئی تھی۔

”نو میڈم......“

”یہ آپ اس سے کیا پوچھ رہی ہیں‘ اصل موضوع کی طرف آئیں۔“

”میں اسی طرف آرہی ہوں‘ جب آپ اپنے گھر اور اسکول کی باتیں ادھر ادھر نہیں کرتیں تو سکندر علی آپ سے کیوں اپنے گھر کی باتیں کرے گا۔“

”وہ کرتے تھے اپنے گھر کی باتیں۔“ اب کے امبر اعتماد سے بولی شاید وہ معاملہ سمجھ گئی تھی۔ ”اس لیے میرے پاپا نے اسکول وین ہٹادی اور اب مجھے خود چھوڑنے آتے ہیں جبکہ مما لینے آتی ہیں۔“ وہ سادگی سے بتا رہی تھی جبکہ میڈم کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ لہرایا اور میں مطمئن سی ہوگئی‘ یہ تو میں سمجھ ہی گئی تھی کہ میڈم صالحہ صرف اپنے اسکول کی بدنامی کے ڈر سے بات کو دبانا چاہ رہی ہیں جبکہ اب ساری بات کھل کر ان کے سامنے آگئی تھی۔

”آپ نے بھی کچھ کہا ہوگا جب ہی تو وہ اپنی باتیں کرتے ہوں گے۔“

”نو میم......میں نے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی بلکہ وہ خود میرے گھر کے حالات پوچھتے تھے مما کیا کرتی ہیں؟ پاپا آفس سے کب آتے ہیں‘ کل رات کے کھانے میں کیا کھایا وغیرہ وغیرہ۔“

”پھر آپ کیا جواب دیتی تھی؟“ اب کی بار سوال میری طرف سے تھا۔

”کبھی موڈ ہوتا تو بتادیتی‘ کبھی ٹال دیتی یا پھر وین کی پچھلی سیٹ پر جا بیٹھتی ایسے میں شزا ان کا نشانہ بنتی تھی آنٹی شزا کو تو ان سے ہمدردی ہوگئی ہے۔“ وہ شزا کے حوالے سے مجھے جانتی تھی اور یوں بھی ایک دو بار میں شزا کے ساتھ اس کے گھر بھی گئی تھی۔

”میں نے اس کو سمجھایا بھی کہ انکل ہماری ایج سے بہت بڑے ہیں‘ ہمیں ان سے ہر بات نہیں کرنی چاہیے لیکن میرے سمجھانے کا الٹا اثر ہوا شزا مجھ سے ہی کھنچی کھنچی رہنے لگی اور اب ہم ساتھ آتے جاتے نہیں تو مزید مجھے کچھ نہیں پتا۔“

اس کی بات کے اختتام پر میں نے میڈم کو دیکھا جنھوں نے امبر کو جانے کا حکم دیا اور پھر بات کو سنبھالتی ہوئی بولیں۔

''غلطی صرف سکندر کی نہیں ہم سب کی ہے کہ ہم بے خبر رہے ہم بہت سی باتیں یہ سوچ کر اپنے بچوں کو نہیں بتاتے کہ ابھی تو چھوٹے ہیں وقت آنے پر انہیں بتائیں گے کچا ذہن ہے ابھی کہیں ہماری باتوں کا کوئی غلط مطلب نہ لے جائیں یہ سوچ ہماری غلط ہے اب جس تیزی سے ہمارے معاشرے میں برائی پھیل رہی ہے اس کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے بچوں کو وقت دینے کے ساتھ ان کی کونسلنگ بھی کریں تاکہ وہ غلط راہ کی طرف نہ جائیں۔''

''آپ کی بات سے میں اتفاق کروں گی اور پھر بات صرف میری بیٹی کی نہیں ہر لڑکی کی ہے پھر میرا مقصد آپ کے اسکول کو بدنام کرنا نہیں بلکہ آپ کو خبردار کرنا تھا اب آپ کو بھی آسانی ہوگی یہ سوچنے میں کہ اب آپ نے کیا کرنا ہے۔'' میں کہہ کر اسکول سے نکل آئی تھی میرا کام یہاں آ کر ختم نہیں ہوا بلکہ شروع ہوا تھا اسکول وین اسکول کے باہر ہی کھڑی تھی جبکہ سکندر نظر نہیں آ رہا تھا شاید تمام وینز کے ڈرائیورز کے ساتھ کہیں گیا تھا۔ میں نے میڈم صالحہ سے سکندر کے گھر کا ایڈریس لے لیا تھا کیونکہ اب میرا اگلا اسٹیپ سکندر کی بیوی تھی کیونکہ ایک عورت گھر کو سنوارتی بھی ہے اور اجاڑتی بھی ہے اور مجھے یہی دیکھنا تھا کہ وہ کون سی عورت میں شمار ہوتی ہے۔

تقریباً بیس سے پچیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد میں سکندر کے گھر کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا ایڈریس زیادہ مشکل نہیں تھا اس لیے مجھے بھی تلاش کرنے میں زیادہ مشکل نہیں ہوئی۔ گھر کے مکینوں کی حالت گھر کے باہر سے ہی پتہ چل رہی تھی لوہے کا دروازہ زنگ آلود ہونے کے ساتھ جگہ جگہ سے ٹوٹا اور ایک طرف کو جھکا ہوا تھا بے پردگی سے بچنے کے لیے پرانی چادر کا پردہ بنایا گیا تھا جس میں سے عجیب سی اسمیل آ رہی تھی جبکہ بیرونی دیوار نہ زیادہ اونچی تھی اور نہ نیچی بس درمیانی تھی لیکن اس پر بھی جیسے کبھی رنگ و روغن ہوا ہی نہیں تھا گھر کے ایک طرف کچرے کا ڈھیر الگ مکھیوں اور مچھروں کی تفریح گاہ بنا ہوا تھا۔ گھر کے اندر سے مسلسل بچے کے رونے کی آواز کے ساتھ عورت کے چیخ کر بولنے کی آواز بھی آ رہی تھی میں یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ وہ بچے کو سلا رہی ہے یا اسے ڈانٹ رہی ہے۔ میں نے پہلے دروازے کی کنڈی بجائی پھر انتظار کیے بغیر میلا سا پردہ انگلی اور انگوٹھے کی مدد سے ہٹا کر اندر داخل ہوگئی تھی۔ اندر کا منظر باہر کے منظر سے زیادہ خراب حالت میں تھا ہر چیز بکھری ہوئی تھی صحن میں جامن کے سوکھے پتوں کا ڈھیر ہونے کے ساتھ گھر کے کچرے کا بھی ڈھیر جمع تھا۔ برآمدے میں رکھے تخت پر صبح ناشتہ اور رات کے کھانے کے جھوٹے برتنوں پر مکھیاں بیٹھ رہی تھیں جبکہ دیواروں پر مکڑی کے جالے اور چھپکلیاں بھی موجود تھیں رنگ و روغن تو شاید جس وقت گھر بنا تھا اسی وقت کروایا ہوگا اس کے بعد سے اب تک دیواریں محروم تھیں۔

''جی کون ہیں آپ......؟'' مجھ پر نظر پڑتے ہی سکندر کی بیوی نے ناگواری سے پوچھا اور میں نے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجاتے ہوئے کہا۔

''سکندر جہاں جاب کرتا ہے اس اسکول کی میڈم ہوں۔'' میری بات پر وہ ایک دم تردد کا شکار ہوئی تھی فوراً ہی اس نے سر پر دوپٹہ ٹھیک کرتے ساتھ کھڑی دس بارہ سال کی لڑکی کو ایک ہاتھ جڑا تھا۔

''کمبخت یہاں کیوں کھڑی ہے اندر سے کرسی لے کر آ۔'' پھر مجھ سے مخاطب ہوئی۔

''آپ وہاں گرمی میں کیوں کھڑی ہیں یہاں آئیں پنکھے کے نیچے بیٹھیں۔'' وہ مجھے اپنے ساتھ لیے ہوئے برآمدے میں آ گئی تھی جب تک لڑکی بھی کمرے سے قدرے بہتر حالت میں کرسی لے آئی۔ میرے بیٹھتے ہی خاتون نے فین آن کر دیا تھا۔

''برتن اٹھاؤ یہاں سے۔'' وہ غصہ سے بچی سے مخاطب ہوئی اور پھر میرے سامنے تخت پر بیٹھ کر افسردگی سے بولی۔

''اصل میں طبیعت ٹھیک نہیں ہے میری اور پھر اس جنجال کو بھی تو سنبھالنا پڑتا ہے۔'' اس نے کہنے کے ساتھ اپنی پانچ ماہ کی بیٹی کو (جواب تک تخت پر ایک طرف رونے میں مصروف تھی) اٹھا کر اپنی گود میں لٹا لیا تھا۔

''کتنے بچے ہیں تمہارے؟''
''پانچ۔''
''لیکن گھر میں تو صرف یہ دو ہی نظر آ رہی ہیں باقی کہاں ہیں؟'' میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا پھر ایک دم سے خیال آنے پر کہنے لگی۔ ''اسکول گئے ہوں گے یہ تمہاری طبیعت کی وجہ سے گھر پر ہے۔''
''ہم غریب کے بچے کہاں تعلیم حاصل کر سکتے ہیں' تین بیٹے ہیں اور تینوں باہر نکلے ہوئے ہیں' دوپہر کے کھانے کے وقت ہی گھر کا رخ کریں گے اگر بھوک لگی تو ورنہ شام ہی میں شکل دکھائیں گے۔'' اپنی بات کے اختتام پر وہ ذرا سا مسکرائی اور میں ذہن میں الفاظ ترتیب دینے لگی کہ اس سے کس طرح بات کروں کہ وہ میری سوچ سے متفق ہو جائے اور میری مشکل آسان ہو...... مگر سب کچھ اتنا آسان نہیں تھا کیونکہ زندگی میں سب سے مشکل کام کسی پر اپنی سوچ مسلط کرنا ہے جبکہ میں تو ابھی سکندر کی بیوی سے ملی تھی اس پہلی ملاقات میں' میں اس پر کیا واضح کرتی اس لیے میں پھر آنے کا کہتی ہوئی وہاں سے آ گئی تھی۔
اگر یہ مسئلہ کسی اور کے ساتھ ہوتا تو میں انہیں چند منٹ میں حل بتا کر سکون سے ہو جاتی لیکن اب جب میرے اپنے ساتھ اتنا پیچیدہ مسئلہ ہوا تو مجھے احساس ہو رہا تھا کہ باتیں کرنا بہت آسان ہے جبکہ ان پر عمل کرنا باتوں کو سننے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے' بہت آسان لفظ ہے صبر لیکن بہت مشکل ہے اس کا گھونٹ پینا۔ رات کا ایک حصہ گزر چکا تھا اور میں اس وقت شزا کے کمرے میں تھی ایک پہرے دار کی طرح۔ ایک پل کو اگر غلطی سے آنکھ لگ جاتی تو دوسرے پل انجانے خوف سے آنکھ کھول کر شزا کے ہونے کا یقین کرتی اور اسی میں میری صبح ہوئی تھی۔ بیٹیوں کے بعد ماؤں کی نیند کب اپنی رہتی ہے جب تک وہ اپنے گھر کی نہ ہو جائیں شاید اس وقت تک انہیں سکون نہیں آتا یا ہو سکتا ہے اس کے بعد بھی نہ آتا ہو۔
شزا کی طبیعت اب پہلے سے بہتر تھی اس لیے وہ ناشتہ کرتے ہوئے مسلسل چہک رہی تھی۔ میں شزا کو ابھی بھی اسکول بھیجنا نہیں چاہ رہی تھی اول تو اس شخص کی وجہ سے جو میری بیٹی کو بہکا رہا تھا دوسرا کل اسکول کی انتظامیہ سے بات کرتے میں خود اب تک شرمندہ تھی کہ وہ اپنی غلطی ماننے کو تیار ہی نہیں تھے لیکن شزا مجھ سے ضد کر کے اسکول جانے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔
''آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ممی' میں نے وعدہ کیا ہے آپ سے' بے فکر ہو جائیں جب آپ راضی ہیں تو میں آپ کی عزت پر حرف آنے نہیں دوں گی۔'' اس کی بات پر میں ذرا سا مسکرائی۔
''بات یہ نہیں ہے ابھی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے میں چاہ رہی تھی کہ ابھی آپ چھٹی کر لو۔''
''اب میں ٹھیک ہوں بس آپ پریشان نہ ہوں۔'' اس نے محبت سے میرا گال چوما تو میں اسے اسکول چھوڑ آنے پر تیار ہو گئی تھی۔
پندرہ سے بیس منٹ بعد میں اسکول کے دروازے پر شزا کو اللہ حافظ کہتی آگے کا لائحہ عمل سوچ رہی تھی گو کہ میرے اندر کی بے چین عورت مجھے ہر کام جلدی کرنے پر اکسا رہی تھی جبکہ اب مجھے ہر قدم سوچ سمجھ کر اور بہت ہوشیاری سے اٹھانا تھا۔ اس لیے میں یونہی بیک مرر میں اپنے بال سیٹ کرنے کے ساتھ سکندر کی وین کو بھی دیکھنے لگی۔ وہ میری گاڑی کے بالکل پیچھے کھڑی تھی' اور سکندر کے چہرے سے آج بے زاری و جھنجلاہٹ صاف ظاہر ہو رہی تھی' غالباً کل میڈم نے اس کو بلا کر اس کی حرکت کے بارے میں باز پرس کی ہوگی یا پھر اس کی بیوی نے میری آمد کا بتایا ہو' یہ میری اپنی سوچ تھی اور انہی باتوں نے سکندر کو ہوشیار کرنے کے ساتھ جھنجلانے پر مجبور کیا ہوگا' وہ یہ بھی سمجھ گیا ہوگا کہ میں اپنی بیٹی کی طرف سے غافل نہیں ہوں...... میں سمجھ گئی تھی کہ اب وہ ہر صورت میری بیٹی سے رابطہ کرے گا اور اسے میرے خلاف کرنے کی کوشش کرے گا' میں راستے بھر ہر پہلو سے سوچتی ہوئی گھر آ گئی تھی لیکن گھر آنے سے پہلے میں سرکاری اسکول سے داخلہ فارم لینا نہیں بھولی تھی' کیونکہ میری پلاننگ کا اہم حصہ تو یہ ہی تھا۔
اللہ نے اگر عورت کو پسلی سے بنایا ہے تو اس کے دل و دماغ میں وسعت عطا کی ہے جب ہی مشکل سے ہی سہی لیکن مرد

کے ساتھ جڑے ہر رشتے کو قبول کرلیتی ہے۔ ماں' باپ' دیور' جیٹھ' نند اپنے سسرال والوں کو بھی جبکہ مرد کا ذہن وسوچ مختصر ہے اس کے دل میں وسعت نہیں جبھی عورت جب بیوی بن جائے تو اس سے جڑے رشتے اسے پسند نہیں ہوتے کجا کہ اس کی دوست' اور پھر اسے چار دیواری میں کام کرنے والی عورت پسند ہوتی ہے کیونکہ اس کے اندر ڈر ہوتا ہے کہ کہیں باہر نکل کر یا باہر سے کوئی آ کر میری بیوی کو میری عیاشیوں کے بارے میں نہ بتادے۔ ان باتوں کو وہ ورغلانے میں شمار کرتا ہے اس لیے بچوں اور چولہا چوکی میں ہی عورت کو مصروف رکھتا ہے یہ ایک سطحی مرد کی سوچ ہے جو ہمارے معاشرے کا ایک اہم حصہ بھی ہے۔ ان ہی مردوں کی وجہ سے کئی عورتیں نفسیاتی ہوچکی ہیں گو کہ پڑھی لکھی باشعور خواتین ہیں لیکن اب وہ ایک نفسیاتی زندگی گزار رہی ہیں۔

میں تمام کاموں سے فارغ ہوکر شزا کو اسکول لینے کے لیے قصداً گھر سے دیر سے نکلی تھی صرف اس لیے کہ جب تک سکندر سے اس کی ملاقات ہوجائے کیونکہ یہ بہت ضروری تھا۔ میں نے اسکول کے گیٹ پر کھڑی شزا کے چہرے سے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ سکندر علی نے خود کو مظلوم ظاہر کرتے ہوئے کیا کہانی سنائی ہوگی' میرے ہاتھ ہلانے اور مسکرانے پر وہ خفا سی میری برابر والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔

''آپ دیر سے کیوں آئیں؟''

''ماسی دیر سے آئی تھی اور پھر کھانا پکانے میں دیر ہوگئی سوری۔'' میں نے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے آخر میں معذرت کی تو وہ مسکرادی اور میرے تمام شکوک وشبہات پر اس نے پانی پھیر دیا یعنی جیسا میں سوچ رہی تھی ویسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

☆......☆......☆

میں نے دو دن تک شزا کو مسلسل نظروں میں رکھا صرف اس لیے کہ میں اس کے انداز سے یہ جان سکوں کہ وہ سکندر سے اب بھی بات کرتی ہے اس سے فون پر رابطے میں ہے یا نہیں اور میں یہ جاننے میں ناکام رہی تھی اس لیے میں نے قصداً خود کو بظاہر مصروف کرلیا اور شزا کو ایک طرح سے موقع مل رہا تھا لیکن مجھے پھر بھی مایوسی ہوئی تھی۔

''ہوسکتا ہے جس طرح امبر نے میڈم کے سامنے ساری بات رکھی تھی اور پھر میڈم نے کیریئر کونسلنگ کا بھی کہا تھا۔ ہوسکتا ہے انہوں نے سکندر سے بھی اس حوالے سے بات کی ہو اور شزا سے بھی اور ہوسکتا ہے دونوں سمجھ گئے ہوں۔'' میں نے خود کو تسلی دی اور پھر میں اپنے کاموں میں مصروف ہوگئی تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ شزا کو بھی ٹائم دے رہی تھی۔

تب ایک رات پھر میں شزا کی بات پر چکرا گئی میں جو ہر بات بھول کر زندگی میں مصروف ہوئی تھی سکندر کی شاطر طبیعت پر میں گنگ رہ گئی۔ میں کڑی سے کڑی ملا کر سرا تھامنا چاہتی تھی کہ شزا کی آواز ایک بار پھر سماعت سے ٹکرائی۔

''ممی آپ پاپا سے بات کرکے ہماری منگنی کروادیں۔ آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں پاپا کو بھی نہیں ہونا چاہیے۔ آپ بات کریں ناں پاپا سے۔'' وہ مسلسل اصرار کررہی تھی' اس کا انداز ایسا تھا کہ میں ابھی اسی وقت رات کے بارہ بجے اس کے پاپا کو فون کرکے بیٹی کی منگنی کی بات نہ صرف بتاؤں بلکہ کل شام کا وقت بھی طے کرلوں مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ایک لمحے میں میرا دماغ پھٹ جائے گا اور دوسرا لمحہ مجھے دیکھنا نصیب نہیں ہوگا۔

''میں بات کروں گی بیٹا ضرور بات کروں گی' آپ کے امتحان تو ہوجائیں۔'' میں نے خود پہ ضبط کے پہرے بٹھاتے ہوئے بمشکل کہا۔

''آپ کبھی بات نہیں کریں گی میں جانتی ہوں۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی اور مجھے اپنی تمام پلاننگ فیل ہوتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیسے یقین دلاؤں۔

''تمہیں میری بات پر اعتبار نہیں۔'' میں نے محبت سے چور لہجے میں کہا۔

''نہیں......'' وہ فوراً بولی۔

''ایسا کیوں بیٹا......اب سے پہلے بھی میں آپ کی ہر خواہش مانتی آئی ہوں پھر آپ نے ایسا کیوں سوچ لیا کہ میں آپ کی خوشیوں کے درمیان آؤں گی آپ کی بات نہیں مانوں گی۔''

"تو پھر آپ ابھی پاپا سے بات کریں۔" اس کے لہجے میں ضد وہٹ دھرمی شامل تھی۔ میں اسے دیکھتی رہ گئی۔ میری تربیت کو ایک شخص نے اپنی جھوٹی محبت سے کتنی جلدی زائل کردیا تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو آگئے تب وہ سفاکی کی انتہا کرتے ہوئے بولی۔

"مجھ پر آپ کے ان آنسوؤں کا کوئی اثر نہیں ہونے والا میری خوشی سکندر میں ہے اور میں اسے چاہتی ہوں اس کے علاوہ کسی کو نہیں۔ اس لیے میں کوئی غلط قدم اٹھاؤں آپ مجھے اس کے ساتھ رخصت کردیں۔"

"شہزا......" میں ضبط کرنے کے باوجود چیخی۔

"مجھ پر آپ کے غصے یا محبت کا کوئی اثر نہیں ہونے والا می بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے عزت کے ساتھ بیاہ دیں۔" وہ خود غرض بنی میرے صبر وضبط کا امتحان لے رہی تھی جبکہ میں سمجھ گئی کہ وہ نہیں بول رہی بلکہ سکندر نے اس کو یہ سبق پڑھایا تھا اور اس وقت وہ اس کے الفاظ بولنے کے ساتھ انداز بھی اسی کا اپنائے ہوئے تھی۔

"میں بھی تو یہی چاہتی ہوں بیٹا کہ آپ کی محبت آپ کو مل جائے کیونکہ آپ کی خوشی سے زیادہ میرے لیے کچھ اہم نہیں اور رہی بات آپ کے پاپا سے بات کرنے کی تو میں ابھی کرلیتی ہوں لیکن کیا آپ اپنے پاپا کو جانتی نہیں وہ کبھی بھی سکندر کو اپنے داماد کے طور پر نہیں دیکھنا چاہیں گے فون پر وہ میری پوری بات سنے بغیر ہی آپ کو اسکول سے نکلوانے اور دوسرے اسکول میں ایڈمیشن کروانے کا کہیں گے ساتھ ہی سکندر کے لیے بھی سخت ایکشن لیں گے۔" میں اپنے ذہن میں الفاظ کو ترتیب دیتی اسے سمجھانے لگی مجھے یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں میری طویل گفتگو سے وہ مزید اپنی بات پر اڑ کر کوئی غلط قدم نہ اٹھالے۔ اس لیے میں خاموش ہو کر اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لگی۔

"ٹھیک ہے میں آپ کی بات سے متفق ہوں لیکن آپ میری سکندر سے منگنی کردیں پاپا کو آپ نے کسی نہ کسی طرح تو راضی کرنا ہی ہے منگنی کی بات بھی بتادیجیے گا۔" وہ کندھے اچکا کر ایسے بولی جیسے کسی اور کی منگنی کی بات کررہی ہو۔ میں اس کے انداز وبات پر ششدر رہ گئی فوراً سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہوں اور پھر جب میری کوئی بھی بات وہ سرے سے ماننے کو تیار ہی نہیں تھی تو پھر میں مزید اس سے کہتی بھی تو کیا۔

"رات بہت ہوگئی ہے ہم اس موضوع پر کل بات کریں گے۔"

"بات کل پر مت ٹالیں۔ بس مجھے یہ بتادیں کہ میں سکندر کو منگنی کے لیے گھر آنے کی دعوت دوں یا وہیں انگوٹھی پہن لوں۔" اب کسی بھی صورت مجھے ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہوئی تھی جبکہ اب مجھے سختی سے کام نہیں لینا تھا۔ اس معاملے کو سوچ سمجھ کر حل کرنا تھا۔

"بیٹا جب سب آپ طے کرچکی ہیں تو مجھے کچھ وقت دو کہ میں کچھ انتظامات کرلوں۔" میں نے خود کو نارمل ظاہر کرتے ہوئے مسکرانے کی ناکام کوشش کی اور ہتھیار ڈالنے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے آپ کے پاس صرف کل کا دن ہے۔" اس نے جیسے مجھ پر احسان کیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں وہیں ٹی وی لاؤنج کے سنگل صوفے پر گر گئی ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح۔

میرے یا احسن کے خاندان میں کوئی لڑکا شہزا سے بڑا یا اس کے برابر کا بھی ہوتا تو میں اس کی شادی کرنے میں ذرا دیر نہ کرتی مگر مسئلہ یہ تھا کہ ہمارے دور ونزدیک کے رشتہ داروں میں سب کی شادی لیٹ ہوئی یا پھر بیٹے چھوٹے تھے۔ کہانیوں میں تو اچھا لگتا ہے کہ ایک غریب لڑکی کی شادی امیر لڑکے سے ہوگئی یا ایک امیر لڑکی کی غریب لڑکے سے مگر حقیقت اس کے برعکس ہے ساتھ رہتے ہوئے انسیت ہوجائے تو شاید محبت جنم لے لیتی ہے لیکن پہلی نظر کی محبت کو میں کسی طور نہیں مانتی اور اگر ہر بات کو ایک طرف رکھ کر اس وقت میں اپنی بیٹی کا سوچوں تو سکندر کو اس سے سچی محبت ہوتی تب وہ اس کے برابر تک آنے کی کوشش کرتا پیسے سے نہ سہی تعلیمی لحاظ سے ہی لیکن وہ تو کسی جوڑ کا تھا ہی نہیں عمر میں بھی میری بیٹی سے کہیں زیادہ تھا۔

"اگر کبھی زندگی میں تمہیں یہ لگے کہ تم تنہا ہوگئی ہو یا کوئی فیصلہ نہیں کرپارہی ہو تو اپنے رب سے رجوع کرنا وہ تمہاری

مشکل ضرور آسان کرے گا......'' امی کی آواز میری سماعت میں گونجی اور میں فوراً صوفے سے اٹھی اور وضو کرتی ایک بار پھر جائے نماز پر جا کھڑی ہوئی تھی۔ نماز پڑھ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو آنکھیں نم ہوگئیں۔

''الٰہی میری مشکل آسان کردے اگر اس میں تیری رضا ہے تو میری رضا بھی اس میں شامل کردے ورنہ میری بیٹی کا دل اس طرف سے پھیر دے۔ تو ہی مالک ہے سب تیرے ہی اختیار میں ہے۔'' میں روتے ہوئے سجدے میں جا گری تھی ہر چیز خاموشی سے میری سسکیاں سن رہی تھی صرف وہی میرے دل کا حال جانتا تھا تو پھر کیونکر میری مشکل آسان نہ ہوتی۔

☆......☆......☆

صبح ناشتے کی ٹیبل پر شزا نے برائے نام ناشتہ کیا تھا۔ وہ اپنے ہر انداز سے مجھے یہ باور کروا رہی تھی کہ وہ اپنی رات والی بات پر قائم ہے ہمارے درمیان ناشتے سے لے کر اسے اسکول ڈراپ کرنے تک کوئی بات نہیں ہوئی تھی جبکہ میں اب اندر سے مطمئن تھی میں روٹین کے کاموں سے فارغ ہوکر ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی تو میرا موبائل بج اٹھا۔ میں نے ایک نظر اسکرین پر جگمگاتے ہوئے احسن کے نمبر کو دیکھ کر کال ریسیو کی۔

''ہیلو...... کیسے ہیں احسن...... کب واپسی ہے آپ کی؟'' میرے لہجے میں دنیا جہان کی تھکن در آئی تھی جبکہ دوسری طرف وہ فکرمندی سے پوچھنے لگے۔

''خیریت تو ہے کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں بس بہت تھک گئی ہوں۔''

''تھک تو میں بھی گیا ہوں۔'' ان کے لہجے میں آزردگی در آئی۔ ''اب آؤں گا تو پھر کہیں گھومنے چلیں گے۔'' میاں بیوی کا رشتہ انوکھا ہے ایک ساتھ ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے ایک دوسرے کے احساسات وجذبات سمجھ نہیں پاتے اور دور ہوں تو آواز سے ہی ایک دوسرے کی کیفیت سمجھ جاتے ہیں۔ جیسے اس وقت میں ان کی حالت سمجھ رہی تھی اور وہ میری پریشانی جاننے کو بے تاب تھے اور اپنی اپنی پریشانی میں ہمیں صرف ایک دوسرے کا خیال تھا۔

''کب واپسی ہے آپ کی......؟''

''ایک ہفتے بعد شزا کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہے۔''

باپ، بھائی اور شوہر جیسے رشتے کے بغیر عورت ادھوری ہے معاشرے میں چلنا ان رشتوں کے بغیر بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ وہ چاہے خود کو کتنا ہی بااعتماد اور طاقتور سمجھ لے لیکن زندگی میں ایک مقام ایسا ضرور آتا ہے کہ وہ کمزور ہوجاتی ہے اس لیے عورت کے لیے یہ انمول رشتے ہیں اللہ کی طرف سے عطا کردہ انمول انعام۔ اس لیے مجھے بھی اب شوہر کا سہارا چاہیے تھا۔

''سب ٹھیک تو ہے ناں...... کوئی مسئلہ ہے تو بتاؤ۔''

''کیا بتاؤں، دراصل شزا......'' میں احسن کو سب کچھ بتاتی چلی گئی اور پھر وہی تو تھے جو اس مسئلے کا کوئی بہتر حل بتاسکتے تھے۔ میاں بیوی کے درمیان ہم آہنگی ہو تو زندگی خوب صورت اور آسان ہوجاتی ہے اور محبت اس رشتے کو مضبوط کردیتی ہے کیا ہوا جو میں احسن کی دوسری بیوی تھی مگر تھی تو من چاہی ناں۔

''میں کیا کروں آپ ہی بتائیں؟'' میری بات پر احسن نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''آپ خود سائیکاٹرسٹ ہیں لوگوں کے مسئلے مسائل حل کرتی ہیں اور مجھ سے پوچھ رہی ہیں کہ کیا کروں...... میرے پاس تو ایک ہی حل ہے کہ سکندر کو لاک اپ میں بند کروادیتا ہوں مار لگے گی تو عقل ٹھکانے آجائے گی ورنہ پھر اس کے خاندان والوں سے بات کریں اس کی بیوی سے جو سب سے اہم ہے اگر سب ملے ہوئے ہیں تو پھر یہی حل ہے۔'' احسن کی بات پر میں سوچ میں پڑ گئی اور پھر جیسے مسئلے کا حل سامنے آگیا جس بات کو میں طول دے رہی تھی وہ تو سرے سے کچھ تھی ہی نہیں اللہ پر بھروسہ کرلو تو پھر مسئلے مسائل حل ہوجاتے ہیں، میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا میں نے احسن کو الوداع کہا اور نئے سرے سے اپنی تمام پلاننگ کے ساتھ شروع دن کے واقعات سوچنے لگی تو احساس ہوا کہ میں اگر احسن سے پہلے ہی بات کرلیتی تو میری مشکل حل ہوچکی ہوتی۔ میں خوامخواہ ہی معاملے کو خود سلجھانے میں لگی ہوئی تھی اور اب میرے پاس وقت کم تھا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد شنزا کوئی بات کیے بغیر اپنے کمرے میں بند ہوگئی تو میں اللہ کا نام لے کر گھر سے نکلی اور اب میں ایک عورت یا سائیکاٹرسٹ نہیں بلکہ ایک ماں بن کر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ مجھے آخری لائحہ عمل کیا ترتیب دینا چاہیے۔ میں نے گاڑی کا رخ سکندر کے گھر کی جانب کیا لیکن وہ مجھے سڑک کے ایک جانب کھڑا نظر آ گیا۔ میں نے نجانے کس خیال کے تحت اس کے قریب گاڑی روکی۔ وہ میری طرف دیکھ کر طنز سے مسکرایا تو میرے اندر غصہ کی آگ ایک دم بھڑک اٹھی۔ میں اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام! تم ہی ہوناں جو میری بیٹی کو بہکا رہے ہو؟'' میں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے دوٹوک انداز اپنایا تو اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی جبکہ چہرے پر شیطانیت رقص کرنے لگی تھی۔

''میں بہکانے والا کون ہوتا ہوں...... میں نے تو صرف دانہ ڈالا اور وہ معصوم پرندے کی مانند میرے جال میں آ گئی۔''

''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' میں نے کن اکھیوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے قدرے نرم لہجہ اپنایا۔

''یہاں یا کہیں اور......؟''

''کہیں بیٹھ کر۔''

''ٹھیک ہے چلیں پھر...... ویسے بھی اب تو رشتہ داری جڑنے والی ہے۔'' وہ اپنی بائیک کی طرف بڑھتا ہوا بولا تو میں اسے خود کو فالو کرنے کا کہتی ہوئی گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔ اب مجھے اسے سمجھانے کے ساتھ دوٹوک بات کرنی تھی' اس لیے میں اپنے کلینک کی طرف گاڑی کو موڑتے ہوئے ذہن میں الفاظ ترتیب دینے لگی۔

''جی...... اب کہیں کیا بات کرنی ہے آپ کو؟'' وہ میرے پہنچنے کے تقریباً پانچ منٹ بعد میرے روم میں آیا تھا میں نے پہلے انٹرکام کے ذریعے چائے منگوائی پھر اس سے مخاطب ہوئی۔

''تم کیا چاہتے ہو؟'' میرا انداز دوٹوک تھا۔

''میں کیا چاہتا ہوں یہ تو شنزا آپ کو بتا چکی ہے۔''

''شنزا کو بیچ میں مت لاؤ' وہ بچی ہے۔'' اس کے منہ سے اپنی بیٹی کا نام سن کر میں تلملائی۔

''بچی تو آپ سمجھ رہی ہیں ورنہ وہ اپنا اچھا برا سب سمجھتی ہے۔''

''جسٹ شٹ اپ' اوقات کیا ہے تمہاری جو تم یہ بات کررہے ہو۔'' میں غصہ سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تو بجائے وہ برا ماننے کے اپنی آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کر مسکرانے لگا۔

''ایک معمولی اسکول وین ڈرائیور ہو کر تم یہ حرکت کررہے ہو جبکہ تمہارے اپنے گھر میں بھی پانچ بچے موجود ہیں اور ایک بیوی بھی۔''

''اس کے باوجود بھی مجھ سے شادی کی خواہش مند آپ کی بیٹی ہے۔'' اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''میں نے اپنے حوالے سے اس کو سب بتادیا ہے کوئی ایسی بات نہیں جو ہمارے درمیان راز ہو......'' اس کے اس انکشاف پر میں چکرا کر رہ گئی اب رہ کیا گیا تھا ہمارے درمیان جس پر میں بحث کرتی اسے بلیک میل کرتی اپنی بیٹی کی زندگی بچالیتی' پھر بھی مجھے کوئی سرا چاہیے تھا جس سے میں شنزا کو اس کے چنگل سے نکال لیتی۔

''کتنے پیسے لوگے تم اس کی زندگی سے جانے کے لیے...... میں ہر قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں مگر اپنی بیٹی کی شادی تم سے نہیں کروں گی۔''

''میں شیخ چلی ضرور ہوں مگر سونے کا انڈا دینے والی مرغی کو فوراً ذبح نہیں کروں گا۔'' وہ کہتا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا جبکہ میں اس کی سوچ' اس کی مکاری پر شاکڈ تھی۔ میں اسے کیا سمجھی اور وہ کیا نکلا تھا۔

''اس سے پہلے کہ ہم کورٹ میرج کرلیں بہتر یہی ہوگا کہ آپ اسے عزت کے ساتھ میرے ساتھ رخصت کردیں۔'' وہ دروازے کے پاس جا کر رکا اور مجھے دیکھنے لگا۔ ''پھر باقی کی زندگی میں آپ نے مجھے اور میرے بیوی بچوں کو کیسے رکھنا ہے یہ میں بعد میں بتاؤں گا...... آپ ابھی کا سوچیں صرف کل کا دن ہے آپ کے پاس۔'' وہ کہہ کر چلا گیا اور میں گنگ بیٹھی رہ

گئی۔ کچھ بھی تو نہیں کرسکی میں، جبکہ گھر سے کیا سوچ کر نکلی تھی اور یہاں تک آنے میں بھی میں نے کتنی ہی باتیں ذہن میں ترتیب دی تھیں لیکن وہ میری ہر بات وسوچ پر استہزائیہ ہنستا چلا گیا تھا، میں ایک ماں ہوکر کمزور پڑ رہی تھی اور وہ میری کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہ رہا تھا۔ میری اولاد کو میرے لیے استعمال کرتا اپنا الو سیدھا کرنا چاہ رہا تھا' صرف دولت حاصل کرنے کے لیے' آرام دہ زندگی بسر کرنے کے لیے' وہ ایک ساتھ کئی زندگیاں داؤ پر لگا رہا تھا۔

''اگر اس نے میری بیٹی کو اپنی پہلی شادی کے بارے میں بتایا ہے تو کیا اپنی بیوی کو بھی شزا کے بارے میں بتایا ہوگا؟'' میری سوچ نے رخ موڑا لیکن بجائے میں اس حوالے سے سوچنے کے گاڑی کی چابی اٹھاتی روم سے نکل گئی تھی۔

☆......☆......☆

محبت خواب دکھاتی ہے اور اتنے حسین خواب کہ انسان آنکھ کھلنے کے بعد بھی اس کے سحر میں رہتا ہے لیکن وہ سحر بھی کچھ دیر کے لیے ہوتا ہے اگر جو انسان حقیقت کی نظر سے دیکھے تو ہر چیز اس پر واضح ہوتی چلی جاتی ہے اپنے بھاؤ کے ساتھ اور اب مجھے بھی شزا کو اس حقیقت سے روشناس کرانا تھا۔

صبح ناشتے کی ٹیبل پر وہ اسکول جانے کے لیے بالکل تیار بیٹھی تھی۔ میں نے جوس کا گلاس اپنے سامنے رکھتے اسے بغور دیکھا جو موبائل پر میسج کرنے کے بعد اسے سائیڈ پر رکھتی اسپون سے کھیل رہی تھی۔

''آج تم اسکول نہیں جاؤ۔'' میری بات پر وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی...... پلیٹ میں تقریباً اسپون پٹخا تھا۔

''کیوں......؟''

''کچھ خریداری کرنی ہے۔'' میں خود پر ضبط کرتی اسے دیکھتے ہوئے بولی جبکہ دل میرا شدت سے چاہا تھا کہ دو تھپڑ اس کے گالوں پر لگا کر بالوں سے پکڑ کر کمرے میں بند کردوں مگر ابھی جوش سے نہیں ہوش سے کام لینا تھا۔

''اب تمہاری پسند سے ہی تو سب کرنا ہے اور پھر میں اکیلی کہاں تک سب کرپاؤں گی۔''

''کیا مطلب؟'' وہ ایک دم نارمل ہونے کے ساتھ مسکرائی۔ ''آپ مان گئیں؟''

''تمہاری خوشی کے لیے۔'' میں نے دل پر پتھر رکھ کر مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔ ''پھر تم سکندر کو فون پر منع کردو کہ وہ آج نہ آئے...... بلکہ میں کال کرتی ہوں خوش ہوجائے گا۔'' میں نے کہہ کر خود ہی اس کا موبائل اٹھا کر کال ملائی اور اس کی نظریں مجھ پر آکر ٹھہر گئیں۔

''ہیلو میری جان' بس پانچ منٹ۔'' دوسری ہی بیل پر اس نے فوراً ہی کال ریسیو کی اور اس کی آواز سن کر میں تلملا گئی لیکن سامنے بیٹھی شزا کو دیکھ کر مجھے خود پر کنٹرول کرنا پڑا تھا۔

''آج شزا اسکول نہیں جائے گی۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی لہجے میں تلخی در آئی۔

''کیوں؟''

''یہ تم اسی سے پوچھ لو۔'' میں نے موبائل شزا کی طرف بڑھا کر اپنی ایک آنکھ دبائی جس کا مطلب تھا کہ وہ ابھی اس کو کچھ نہ بتائے جب ہی وہ سنبھل کر بات کرتی اسے آج آنے سے منع کرگئی اور میں بظاہر خوش اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کی ترکیب کرنے لگی۔ مشکل ضرور تھا سب' لیکن دل میں اللہ سے سب ٹھیک ہوجانے کی دعا بھی مانگ رہی تھی۔

اللہ بھی اپنے بندوں کی بہتری ہی چاہتا ہے بے شک زندگی کے سفر میں اونچے نیچے راستے ضرور آتے ہیں لیکن انہیں وہ ہمارے کسی نیک عمل یا دعا سے ہموار ضرور کردیتا ہے کیونکہ وہ سب کے حالات جانتا ہے کہ اس کا کون سا بندہ کتنی مشکل برداشت کرسکتا ہے' اللہ جو اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے اور میں تو پھر بیٹی کی محبت میں تڑپ رہی تھی اس کی خوشی کے لیے اپنے رب سے دعائیں کررہی تھی اور ساتھ ہی کوشش بھی۔ اس یقین کے ساتھ کہ وہ مجھے مایوس نہیں کرے گا۔

سورج کی شدت میں تیزی آئی تو میں شزا کو لے کر مارکیٹ آگئی اور ہر چیز خریدتے ہوئے اس کی پسند کو ملحوظ خاطر رکھا۔ شزا نے بھی ہر دفعہ کی طرح ہر چیز اعلیٰ سے اعلیٰ لی تھی ان چیزوں پر پیسے بھی اسی طرح خرچ ہورہے تھے لیکن مجھے پروا

نہیں تھی کیونکہ میرے لیے یہ روٹین کی بات تھی نجانے ہم کتنی مارکیٹیں گھومے تھے جب شام ڈھلنے کا احساس ہوا تو وہ تھک کر مجھے دیکھنے لگی۔

"بس چلیں۔" میں نے اسے بازو کے حلقے میں لے کر پیار سے پوچھا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی۔

"بہت تھک گئی ہوں باقی شاپنگ کل کرلیں گے۔"

"چلو ٹھیک ہے جیسے تمہاری خوشی۔" میں کہہ کر اس کا ہاتھ تھام کر مال سے نکل کر پارکنگ ایریا میں آ گئی تمام شاپنگ بیگز پچھلی سیٹ پر رکھ کر اس کے لیے فرنٹ ڈور کھولا اور اسے بٹھا کر خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھی۔

"اب کیا پروگرام ہے آئسکریم کھاؤ گی یا گھر چلیں؟"

"گھر چلتے ہیں۔" اس نے فوراً کہا تو میں نے بھی گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے مین روڈ پر لا کر قدرے اسپیڈ بڑھائی تھی گو کہ میں بھی تھک گئی تھی لیکن پھر بھی سب کام آج ہی نمٹانے تھے۔ اس لیے انجان راستوں پر گاڑی دوڑاتی شنزا کو حیران کر گئی تھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں مما؟" وہ ناسمجھی سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"بتاؤں گی ابھی صبر کرو۔" میں نے موڑ کاٹتے ہوئے کہا اور پھر تقریباً دس منٹ کے بعد میں نے ایک گندی سی گلی کے باہر گاڑی کو بریک لگائے تھے وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے کے ساتھ حیران نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر آئی تو اس نے بھی میری تقلید کی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں مما؟"

"سکندر کے محلے میں۔ وہ ہے اس کا گھر۔" میں نے کہنے کے ساتھ ہی ایک خستہ حال دروازے کی طرف اشارہ کیا تو وہ اس طرف دیکھنے لگی۔

"دیکھ لو...... یہ ہے اس کا اسٹینڈرڈ اور تمہاری محبت جہاں صرف بھوک مچلتی ہے ایک وقت کھاؤ اور دوسرے وقت کی فکر۔" میں کہہ کر اس کے قریب چلی آئی اب میں نے اسے جگا کر حقیقت کی دنیا دکھائی تھی۔

"محبت ہی سب کچھ نہیں ہوتی پیسہ بھی اہمیت رکھتا ہے۔ ابھی تم کیا کچھ خرید کر نہیں لائیں کل ایک روٹی خریدنے کے لیے بھی تم ایک ایک پیسہ جوڑ رہی ہو گی اپنی خواہشات مار رہی ہو گی...... اس وقت ایک دوسرے کو دینے کے لیے محبت نہیں طعنے ہوں گے۔" میری باتوں سے اس کے چہرے پر غصہ ظاہر ہونے لگا جیسے اسے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا ہو میں استہزائیہ ہنسی۔

"سچ کڑوا ضرور ہوتا ہے لیکن اسے جتنی جلدی تسلیم کرلیا جائے بہتر ہے ورنہ زندگی بھر پچھتانا پڑتا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ میری بیٹی پر ایسا کوئی وقت آئے۔" میں خاموش ہو کر اس کا ہاتھ تھام کر سکندر کے گھر کے دروازے تک لے آئی تھی۔

"اس دروازے کے اس پار سکندر اور اس کے بیوی بچے ہیں اگر جو تمہیں اپنی محبت عزیز ہے تو میں ابھی اور اسی وقت تمہیں یہیں چھوڑ کر جا رہی ہوں...... رہو یہیں۔" میں نے کہہ کر قدم آگے بڑھائے جبکہ وہ ایک ایک چیز کو حیرت سے دیکھ رہی تھی گھر کے باہر جمع کچرے کا ڈھیر ابلتا گٹر اس پر پیدا ہوتے مچھر اپنا راگ الاپ رہے تھے اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اندر سے رونے کی آواز کے ساتھ برتنوں کے گرنے کی آواز آئی تھی اور وہ خواب سے جیسے جاگ کر تقریباً بھاگتی ہوئی میرے پاس آئی اور میرا ہاتھ تھام کر بولی۔

"مما...... مما مجھے لے چلیں یہاں سے پلیز مما میں آپ کے ساتھ جاؤں گی...... میں یہاں نہیں رہ سکتی مجھے لے چلیں۔" وہ کہتی جا رہی تھی اور میں اسے دیکھ کر طمانیت سے مسکراتی دل میں اپنے رب کی شکر گزار تھی کہ اس نے وقت سے پہلے شنزا کو لوٹا دیا تھا۔ ورنہ اگر کل جو وہ چوٹ کھا کر سنبھلتی تو میں کیا کر سکتی تھی؟ اور کسے الزام دیتی؟

گزشتہ قسط کا خلاصہ

زبیر انصاری نور فاطمہ کو باعزت طریقے سے اپنا کر اپنے گھر میں اس کا جائز مقام دیتا ہے یہی نہیں شادی کے بعد بھی وہ اپنی تعلیم جاری رکھتے ہوئے میڈیسن کا انتخاب کرتی ہے۔ سفینہ کی موت اور ٹیپو کی گمشدگی کا غم اپنی جگہ پر ڈاکٹر نور فاطمہ پہ قسمت مہربان رہتی ہے جس کا سارا کریڈٹ ایک قدر کرنے والے اچھے شوہر کی بدولت ہے۔ گھر میں زبیر انصاری کی بہن نگہت آپا کا بیٹا عمیر لندن سے آتا ہے۔ سب کی طرح وہ علینہ سے بھی گھلنے ملنے کی کوشش کرتا ہے جس پہ سمیر کچھ معیوب محسوس کرتا ہے۔ انصاری ہاؤس میں سمیر کی بطور ڈی سی پرموشن کی خوشی میں ہونے والا ڈنر اس وقت انتہائی مضحکہ خیز صورت اختیار کر جاتا ہے جب کشمالہ علینہ کو ملازمہ سمجھ کر اس کی بے عزتی کرتی ہے۔ سمیر جواباً کشمالہ کی طبیعت صاف کرتا ہے پر علینہ سے معذرت کرنے جانے پہ وہاں پہلے سے عمیر کی موجودگی اسے سیخ پا کر دیتی ہے۔ مونس جیل سے پلٹ کر خاور کے سامنے علینہ کے کردار اور سمیر کے حوالے سے بہتان تراشی کرتا ہے جس پہ خاور ہرگز یقین نہیں کرتا لیکن مونس اس یقین سے جھوٹ بولتا ہے کہ خاور کو ہلکا سا شک ہوتا ہے۔ ادھر علینہ' فریحہ اور عمیر کے ساتھ ڈنر پہ نہ جانے کی بجائے گھر پہ رکتی ہے جہاں سمیر سے اس کی ہلکی سی نوک جھونک ہوتی ہے۔ ڈنر پہ عمیر' فریحہ کو اپنی آمد کا مقصد بتا کر حیران کر دیتا ہے۔ وہ اچانک گھبرا جاتی ہے اور عمیر کے کریدنے پہ اسے سچائی بتانے کا ارادہ کرتی ہے لیکن پھر فارس کی بدگمانی سے نالاں خاموش ہو جاتی ہے۔ عمیر اسے فریحہ کی ہاں تصور کرتے بے انتہا خوش ہے دوسری طرف گھر میں علینہ اور سمیر کا جھگڑا ہو جاتا ہے۔ علینہ جو سمیر سے بدگمان اندر جا رہی تھی اس کا ہاتھ کھینچ کر سمیر اسے روکتا ہے پر وہ اپنا بیلنس برقرار نہیں رکھ پاتی اور گرنے سے بچنے کو سمیر کا سہارا لیتی ہے' اسی وقت خاور وہاں آجاتا ہے اور مونس کی باتوں کو سچ جان کر علینہ کی بے تحاشہ بے عزتی کر دیتا ہے۔ سمیر بجائے انکار کرنے کے خاور کی بات پہ سیخ پا ہو کر تمام الزام خوشی سے قبول کر لیتا ہے جس سے علینہ کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں پر سمیر اسے ٹوک دیتا ہے۔ دوسری طرف سمیر اپنے انداز سے خاور کو اپنی اولاد پہ بھروسہ کرنے کی تلقین کرتا خاصا روڈ ہو جاتا ہے۔ علینہ تلملا جاتی ہے' خاور خاصہ شرمندہ ہوتا ہے پر علینہ اسے باتیں سنا کر روتی دھوتی اندر چلی جاتی ہے۔ سمیر اس سے معذرت کرتا ہے۔ وہ دونوں اپنی باتوں میں مگن ہوتے ہیں جب مسٹر اور مسز انصاری وہاں پہنچ کر ان کی گفتگو سن لیتے ہیں۔ بیگم انصاری سمیر سے خفا ہوتی ہیں کہ اسے علینہ کے والد سے اس انداز میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی نیز اسے یہ بھی فکر ہے کہیں خاور دوبارہ علینہ کی نانی کو کال کر کے شکایت نہ کر دے۔ وہ صفائی دینے اور معذرت کرنے اس کے گھر پہنچتی ہیں۔ زبیر انصاری کو روک کر سمیر ان کے ساتھ خاور کے گھر جاتا ہے جو اس وقت خاصا پریشان اور شرمندہ ہوتا ہے۔ نور فاطمہ معذرت کرتے اس کی دلجوئی کرتی ہیں اسی وقت ملازم شہباز کی اکھڑتی سانسوں کی اطلاع دینے لاؤنج میں پہنچتا ہے۔ خاور گھبرا کر اندر جانے لگتا ہے جب نور فاطمہ کے استفسار پہ وہ انہیں بتاتا ہے کہ اس کے والد شدید بیمار ہیں۔ نور فاطمہ اپنے تئیں اخلاقیات نبھاتے اس کے والد کی مزاج پرسی کرنا چاہتی ہیں دوسرا بطور ڈاکٹر وہ اس کی مدد کرنے کی خواہاں ہیں۔ وہ انہیں ساتھ لے آتا ہے۔ بستر مرگ پہ آخری سانسیں لیتے شہباز کی نبض ٹٹولتے' جھریوں بھرے ضعیف چہرے کو نور فاطمہ پہچان لیتی ہیں۔ ایک پل میں سب کچھ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ وہ خاور کو اپنی شناخت بتاتی ہیں جس پہ وہ شاک رہ جاتا ہے۔ سمیر حیرت اور پریشانی سے یہ سب دیکھ رہا ہے۔ شہباز کی موت کے وقت پزل کا آخری ٹکڑا جڑ چکا ہوتا ہے۔ فریحہ' علینہ اور سمیر تینوں اپنے اپنے والدین کا ماضی جان کر شاکڈ ہوتے ہیں البتہ علینہ بہت ایکسائیٹڈ ہوتی ہے۔ آسیہ پاکستان پہنچتی ہے تو ماں سے برسوں بعد مل کر علینہ

جذباتی ہوجاتی ہے البتہ آسیہ کو علینہ کا نور انصاری کی طرف کھنچاؤ تشویش میں مبتلا کرتا ہے۔ فریحہ کی عمیر سے رشتے کی بات چل رہی ہوتی ہے کیونکہ فریحہ نے عمیر کے سامنے فارس کا راز فاش نہ کرتے ہوئے اپنا بھرم قائم رکھا ہوتا ہے لیکن گھر واپسی پہ اس نے فارس کو فون کرکے اپنے اندر کی بھڑاس خوب نکالی تھی۔ دوسری طرف کشمالہ اور سمیر کے درمیان گفتگو اس وقت شدید نوعیت اختیار کرجاتی ہے جب کشمالہ عام عورتوں کی طرح حسد کا مظاہرہ کرتے سمیر کا تعلق علینہ سے جوڑتی ہے اور علینہ کو غائبانہ برا بھلا کہتی ہے۔

اب پڑھیے آگے

☆☆☆☆☆☆

ابھی پہلی محبت کے......
بہت سے قرض باقی ہیں......
ابھی پہلی مسافت کی......
تھکن سے چور ہیں پاؤں......
ابھی پہلی رفاقت کا......
ہر ایک گھاؤ سلامت ہے......
ابھی مقتول خوابوں کو بھی دفنایا نہیں ہم نے......
ابھی آنکھیں ہیں عدت میں......
ابھی یہ سوگ کے دن ہیں......
ابھی اس کرب کی کیفیت سے باہر کیسے آجائیں......
ابھی اس زخم کو بھرنے دو......
ابھی کچھ دن گزرنے دو......
یہ غم کے نیلگوں دریا......
اتر جائیں تو سوچیں گے......
ابھی یہ درد تازہ ہے......
سنبھل جائیں تو سوچیں گے......
ابھی یہ زخم رستے ہیں......
یہ بھر جائیں تو سوچیں گے......
دوبارہ کب اجڑنا ہے......

"جانتی ہوں تمہارا دل دکھا ہوا ہے۔ سانحہ بھی تو کچھ کم نہیں پر یہ سب تو زندگی کا حصہ ہے۔ خوشی اس بات کی ہے برسوں بعد تمہارا بھائی تمہیں مل گیا۔ عمیر کی چھٹیاں ختم ہونے والی ہیں۔ میں بس یہ چاہ رہی تھی کوئی رسم ہوجاتی۔ بہت دھوم دھڑکا نہیں کریں گے پر سب اپنوں کو جمع کرکے چھوٹی سی تقریب' بچوں کی خوشی ہوجائے گی۔" نگہت آپا نے بہت سوچ سمجھ کر اور طریقے سے نور فاطمہ سے بات کی تھی۔ یہ بھی خدشہ تھا کہیں وہ دکھی نا ہوجائیں لیکن ان کی بھی مجبوری تھی۔ رشتے کی بات تو چند روز پہلے ہی ان کی دونوں بہنیں باقاعدہ طور پہ بھائی بھابی سے کرچکی تھیں' اسی دن سے عمیر بھی اپنی خالہ کے ساتھ جاچکا تھا۔ گھر کے سب افراد کی رضامندی سے ہی رشتہ طے پایا تھا لیکن رسم کے متعلق ابھی کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ نگہت نے دونوں چھوٹی بہنوں اور بیٹے کی صلاح کے بعد ان کی مرضی جاننا چاہی تھی۔

"جیسے آپ کی خوشی آپا' ویسے بھی کچھ غم تو رہتی سانس تک ساتھ چلتے ہیں۔ یہ ہمارے گھر کی پہلی خوشی ہوگی ان شاء اللہ اچھے انداز میں منگنی کی رسم ادا کریں گے۔ بس آپ تاریخ بتا دیں اللہ نے چاہا تو سب انتظام ہوجائے گا۔" شہباز کے انتقال کو ابھی بس دو ہفتے ہی ہوئے تھے ایسے میں دھوم دھڑکے کا سوچنا ہی دل کو اچھا نہیں لگ رہا تھا پر دنیا کا اصول ہے اس کے ساتھ ہی چلنا پڑتا ہے۔ اس پہ سسرال کے معاملات' انہوں نے دل بڑا کرکے نگہت آپا کو ہاں کہہ دی تھی۔ ابھی عمیر کے پاکستان میں رہتے منگنی ہوجائے تو اچھا تھا ورنہ پھر اس کی جلد واپسی کے امکانات کم تھے۔ دونوں طرف آپس میں مشورے کے بعد منگنی کی تاریخ طے کردی گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی زور وشور سے تیاریوں کا آغاز ہوگیا تھا۔ نور نے خاور کو بھی کال کرکے کہہ دیا تھا ساتھ ہی اپنی مجبوری بھی بتادی تھی۔ اس نے بھی اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ پروگرام کی پلاننگ کے ساتھ ہی جیسے گھر کا ماحول تبدیل ہوگیا تھا۔ بیچ میں بس ایک ہی ہفتہ تھا ایسے میں نور فاطمہ کی مصروفیت بھی بڑھ گئی تھی۔ کم سے کم کرتے کرتے بھی اچھا خاصا بڑا فنکشن ہونے والا تھا۔ جہاں وہ اور ڈاکٹر انصاری خوشی سے بے حال تھے وہیں فریحہ دن بادن خاموش ہوتی جارہی تھی۔ اس کا بجھا بجھا سا انداز اور خود کو حد درجہ اسپتال کے معمولات میں مصروف کرلینا نور انصاری کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھا۔ پتا نہیں کیوں لیکن انہیں فریحہ کی اچانک خاموشی کوئی پیغام دے رہی تھی۔ رشتہ طے ہونے سے پہلے جب انہوں نے فریحہ سے اس کی رائے معلوم کی تھی تو اس نے عمیر کی طرح انہیں بھی انکار نہیں کیا تھا لیکن اس دن کے بعد سے فریحہ میں انہیں وہ پہلی سی بے ساختگی' زندہ دلی اور گرم جوشی نظر نہیں آرہی تھی۔ کچھ پہ در پہ ہورہے انکشافات اور

سانحات تھے جن کی وجہ سے وہ سب ہی ابھی تک نارمل نہیں ہو پائے تھے ایسے میں زندگی معمول پہ آتے آتے بھی وقت لگتا تھا۔

''تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں فری؟'' وہ شاپنگ سے واپس آئی تھیں جب فریحہ کو کپڑے دکھاتے انہوں نے بے ساختہ اس سے پوچھا۔ پستئی رنگ کے پیور شیفون پہ بے نفیس کامدار دوپٹے پہ انگلیاں پھیرتی فریحہ کا ہاتھ تھم گیا تھا۔ نور انصاری اس کی طرف متوجہ تھیں پر اس نے ماں کی طرف دیکھنے سے اجتناب برتتے فقط سر کونفی میں ہلاتے ان کی بات کا جواب دیا تھا۔ وہ ایک بار پھر اسی ارتکاز کے ساتھ اپنے سامنے پھیلے کپڑے کی طرف متوجہ تھی جیسے اس وقت اس سے اہم اور اس سے بڑھ کر کچھ اور نہیں۔

''مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے تم خوش نہیں ہو۔ میرے لیے تمہاری خوشی سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہے میری جان۔ عمیر بے شک بہترین انسان ہے اور یہ ہماری بھی دل و جان سے خواہش تھی وہ ہمارا داماد بنے لیکن اگر.....'' نور انصاری کے اندر پل رہے خدشات جانے کیوں سر اٹھانے لگے تھے۔ فریحہ نے اس بار سر اٹھایا تھا۔ آنکھوں میں زندگی تھی نا چہرے پہ خوشی۔ ایک بے نام سی اداسی تھی جس نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ نور انصاری کہتے ہوئے خاموش ہو کر ایک ٹک بیٹی کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

''میں آپا کو منع کر سکتی ہوں۔'' جانے کیسے ان کی زبان سے نکلا تھا۔ گو اس کے بعد کے اثرات خوش آئند ہرگز نہیں ہوتے پر اس وقت ان کا ذہن فریحہ کی خوشی سے بڑھ کر بھی کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ فریحہ نے ان کے تفکر بھرے چہرے کو دیکھا جہاں ابھی کچھ دیر پہلے آنے والے لمحوں کی خوشی جھلملا رہی تھی اب وہاں سنجیدگی کا راج تھا۔ لب کاٹتے اس نے سر جھکا لیا۔ چند لمحے اذیت ناک خاموشی کے گزرے اور پھر فریحہ کی آواز کمرے میں گونجنے لگی۔

''میری خوشی آپ کی خوشی میں ہے ممی۔ آپ نے اور ڈیڈی نے ہمیشہ ہمارا اچھا سوچا ہے۔ اس میں بھی میری بھلائی ہی ہوگی۔ ماں باپ اپنے بچوں کے لیے کوئی بھی غلط فیصلہ نہیں کرتے۔'' ماں کا ہاتھ تھامے فریحہ نے اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کرنے کا اختیار انہیں سونپ کر انہیں مطمئن کر دیا تھا۔

۞☆☆☆☆۞☆☆☆☆۞

وہ لاؤنج میں پھیلا سامان سمیٹ کر ملازمہ کے ہاتھ فریحہ کے کمرے میں بھجوا رہی تھیں جب سمیر گھر میں داخل ہوا۔ کچھ دن سے وہ اس معمول کا عادی ہو چکا تھا۔ منگنی کی تقریب میں بس اب چند روز ہی باقی تھے اسی لیے نور انصاری ان دنوں اسپتال بہت کم جا رہی تھیں۔ مہمانوں کی لسٹ، پھر ان کے دعوت نامے تیار کرنے کے ساتھ ساتھ ساری شاپنگ وہی کر رہی تھیں۔ اب بھی اس کی آمد پہ دعا سلام کے بعد موضوع گفتگو یہی تھا۔

''پھوپو کب آ رہی ہیں؟'' باتوں باتوں میں اس نے پوچھا۔

''سترہ کو۔'' نور فاطمہ نے آخری لفافہ بھی ملازمہ کو تھمایا۔

''ہم......تین دن بعد۔'' وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔

''یعنی فنکشن سے بس دو دن پہلے ہی پہنچیں گیں۔ وہ تو مہمانوں سے بھی لیٹ ہو رہی ہیں۔'' اس بار لہجے میں حیرانی بھی شامل تھی۔

''بتا رہی تھیں سیٹ کا ایشو ہو رہا ہے۔ یہ بھی بڑی مشکل سے ملی ہے۔'' نور فاطمہ نے تفصیل بتائی تو اس نے سمجھنے کے سے انداز میں سر ہلایا۔

''علینہ کے جانے کے بعد تو گھر خالی خالی سا لگتا ہے۔ اس کی بھی اپنی ہی رونق تھی۔ سوچتی ہوں فری چلی جائے گی تو بالکل ہی اکیلی ہو جاؤں گی میں۔'' اس کے چہرے کو دیکھتے نور فاطمہ نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ جو ٹانگ پہ ٹانگ جمائے اپنے ہی خیال میں گم تھا ماں کے اس عجیب و غریب انکشاف پہ قدرے حیرانی سے انہیں دیکھنے لگا۔

''فری کہاں جا رہی ہے؟'' اس نے ابرو چڑھائے سوال کیا۔

''شادی کے بعد تو چلی ہی جائے گی ناں۔'' بیگم انصاری زچ ہوئیں۔

''اس سے پہلے تو ابھی ہمارے سر پہ مسلط ہے۔ آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے کل چلی جائے گی۔'' اس نے سر ہلاتے اپنے مخصوص انداز میں ایک غیر سنجیدہ بات کو انتہائی سنجیدگی سے کہا تھا۔ فریحہ ہوتی تو ابھی کے ابھی چوتھی جنگِ عظیم شروع ہو جاتی۔ نور انصاری نے سر تھام لیا۔ ان کی تمہید کا پوسٹ مارٹم انتہائی بے دردی سے جو کیا گیا تھا۔

''اور وہ آپ کی بھتیجی صاحبہ، جن کو آپ مس کر رہی ہیں۔

خاصی بے مروت خاتون نکلیں وہ تو۔ پلٹ کر اپنی حسین پھوپو کی خبر بھی نہ لی۔" ان کے تاثرات کو نظر انداز کرتے وہ مزید بولا۔

"اس کی ماں اتنے سالوں بعد آئی ہے۔ خود سوچو ماں سے بڑھ کر بھی کوئی ہوتا ہے بھلا۔ خیر مہینے دو مہینے میں وہ بھی چلی جائے گی اور یہ معصوم پھر اکیلی کی اکیلی۔ شاکرہ آنٹی ہیں تو سہی پر ماں باپ کی بات کچھ اور ہوتی ہے۔" انہوں نے فوراً علینہ کا دفاع کیا اور آخر میں ٹکڑا جوڑتے گزشتہ بات کو ایک بار پھر نئے سرے سے شروع کیا۔ سمیر کے فون پہ کوئی میسج آیا تھا' وہ انگلیوں سے اسکرین اسکرول کرتا میسج پڑھنے میں مصروف تھا لیکن کان البتہ ماں کی طرف ہی لگے تھے۔ وہ ایک پل کو رکیں اور پھر کچھ جھجکتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"میں سوچ رہی تھی......" بات ابھی ان کے منہ میں ہی تھی جب فون واپس جیب میں ڈالتے سمیر نے ایک دم مداخلت کی۔

"ممی پلیز ہم اسے اڈاپٹ نہیں کر سکتے۔ اچھی خاصی ہیڈک ہوجاتی ہے ایسے پرابلم چائلڈ کے ساتھ۔" نور چند لمحے حیرانی سے اسے دیکھتی رہیں اور پھر پاس پڑا کشن اٹھا کر سمیر کے دے مارا۔

"اپنی ہی ہانکتے رہنا میری زبان سے فقرہ چھین کر اپنی بے تکی ٹانگ دی اس میں۔" وہ باقاعدہ جل کر بولیں۔

"میں تو سوچ رہی تھی منگنی سے پہلے اسے یہاں بلالوں۔ آسیہ سے ریکوئسٹ کروں دو تین دن پہلے اسے میرے پاس چھوڑ دے۔ فری کے ساتھ تو ویسے بھی اس کی اتنی دوستی ہے۔ ایک اور بات' اس کے لیے بھی تو فنکشن کا ڈریس لینا ہے۔ اسے ساتھ لے جا کر ہی خریدوں گی اب سلوانے کا تو کوئی وقت نہیں۔" اس سے پہلے کے وہ کوئی مزید نیا شوشا چھوڑتا انہوں نے جلدی جلدی ساری بات اس کے گوش گزار کی۔

"تم ایسا کرنا کل آفس سے واپسی پہ اسے ساتھ لیتے آنا۔ میں شاکرہ آنٹی سے خود بات کرلوں گی۔" ساتھ ہی ساتھ حکم نامہ بھی جاری کردیا جس پہ وہ محض سر ہلاتا رہا۔

"ایک تو آپ لیڈیز کو شاپنگ کا بہانہ چاہیے ہوتا ہے۔ موقع بے موقع لاتعداد کپڑے بنا بنا کر رکھتی رہتی ہیں لیکن جہاں کوئی موقع آیا آپ کے وارڈروب کو چوہے کتر جاتے ہیں۔" جب تسلی ہوچکی کہ ماں اپنی بات مکمل کرچکی ہیں تو اس نے بھی زبان کے جوہر دکھائے۔

"یہ جس طرح کی باتیں تم مجھ سے کررہے ہونا' ایسی اپنی بیوی سے کرنا پھر چکھائے گی تمہیں مزاوہ۔" اس تمسخرانہ انداز پہ نورانصاری نے بھی اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

"چلیں جب تک اس بلا سے آزاد ہیں ہم بھی جھک مارنے کا لائسنس رکھتے ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"اچھا سنو...... تمہیں علینہ کیسی لگتی ہے؟" یہ انتہائی ظالمانہ اور جارحانہ اٹیک تھا۔ بالآخر اس تمام تر تمہید کا لب لباب جو اتنی دیر سے بیگم انصاری اس کے سامنے رکھ رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ ان کی بات پہ کسی بھی قسم کا کوئی ری ایکشن دکھاتا ڈاکٹر انصاری وہاں آگئے۔

"کیا باتیں چل رہی ہیں بھئی ماں بیٹے میں' ذرا ہمیں بھی تو پتا چلے۔" ڈاکٹر انصاری نے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں ان دونوں کو مخاطب کیا۔

"وہ میں ممی سے پوچھ رہا تھا جب ان کا انٹرسٹ اتنا زیادہ میچ میکنگ کی طرف تھا تو آپ نے ان کا ایڈمیشن میڈیکل کالج میں کیوں کروایا۔ خوامخواہ اتنا وقت اور پیسہ ضائع ہوا۔ ایک میرج بیورو کھول دیتے۔ اچھی خاصی آمدنی ہوجاتی۔ اب تک تو ہم کروڑوں میں کھیل رہے ہوتے۔" نور کے کچھ بھی کہنے سے پہلے سمیر نے اپنے دل کا بوجھ خوش اسلوبی سے ہلکا کیا۔

"سارے جہان کی شادیاں ہوجائیں گیں بس میں اس کا سہرا دیکھنے کی حسرت لیے بیٹھی رہوں گی۔" اس جواب نے ان کے ارمانوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

"چیک ہاؤ ٹیپیکل شی از یار۔" سمیر نے ہاتھ کے اشارے سے انصاری صاحب کی توجہ اس غور طلب امر کی طرف دلائی۔

"ایموشنلی بلیک میلنگ اسٹارٹ کردی۔" بناوٹی رنجیدہ انداز میں وہ حیرت سے کہہ گیا۔

"ہاں تو کوئی غلط بات تو نہیں کہی' جب میں تمہاری عمر کا تھا تو تم آچکے تھے مجھے جیلس کرنے۔" زبیر انصاری نے بیگم کی طرف درای کرتے اچھا شوہر ہونے کا فرض ایک بار پھر پورا کیا۔

"آپ ہی بتائیں کیا برائی ہے علینہ میں۔ اتنی پیاری ہے۔ پڑھی لکھی سادہ سی بچی۔ کشمالہ کو تو ویسے بھی یہ دوٹوک انکار کرچکا ہے۔" میاں کی سپورٹ ملتے ہی انہوں نے سنجیدگی سے بات کو آگے بڑھایا۔

"میں نے کب کہا اس میں کوئی برائی ہے لیکن یہ بھی خوب رہی جس میں کوئی برائی نہ ہو اس سے فٹافٹ شادی کرلو۔ اس طرح تو میری کئی شادیاں ہوجائیں گیں کیونکہ ایک سے ایک اچھی لڑکیاں بھری ہوئی ہیں۔" نور انصاری کے برعکس وہ اس وقت بے انتہا غیر سنجیدہ تھا۔

"تم بس ایک ہی کرلو تو بہت ہے۔ میری جان پہ یہ بھی احسانِ عظیم ہوگا۔" انہوں نے باقاعدہ دونوں ہاتھ جوڑے۔

"بھئی...... سچ کہوں مجھے تو خود علینہ بہت پیاری لگتی ہے۔ بھولی بھالی اپنائیت اور چاہت رکھنے والی۔ پھر اپنے گھر کی بچی ہے۔" زبیر انصاری کے دل کو نور فاطمہ کی بات لگی۔

"پھر اِدھر اُدھر دیکھنے کی بجائے جب گھر میں ہی مناسب رشتہ موجود ہو تو دیر کس بات کی۔"

"مجھے اب کوچ کرنا چاہیے۔ دونوں ہی پارٹیاں میری آزادی کی دشمن ہوچکی ہیں۔" سمیر نے ڈاکٹر انصاری کو بھی ماں کی تائید میں بولتا پاکر وہاں سے کھسکنے کا منصوبہ بنایا اور اپنی سوچ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے وہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"جتنا بھاگنا ہو بھاگ لو لیکن میں اب تمہاری ایک نہیں سنوں گی۔ فری کو بھیجوں گی تو ساتھ ہی بھولا دوں گی۔ بہت سن چکی ہوں میں تمہارے بہانے۔" اعلانیہ انداز میں کہتے انہوں نے اس بار سمیر کو کھلی دھمکی دی تھی۔ وہ کان لپیٹے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ جانتا تھا ابھی اس کی دال گلنے کی نہیں ہے کیونکہ اس بار نور نے انصاری صاحب کو بھی ساتھ ملا لیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وقت کو ان دنوں پر لگ گئے تھے یا شاید اچھے دنوں کی یہی خاصیت ہوتی ہے کہ بناء محسوس ہوئے گزرتے چلے جاتے ہیں۔ مشکل اور کڑا وقت بوجھ کی طرح محسوس ہوتا ہے شاید اسی لیے اس بوجھ کو ڈھوتے ہونے والی تھکان اس وقت کو طویل اور ناقابلِ برداشت کردیتی ہے۔ وہ جب سے گھر لوٹ کر آئی تھی۔ آسیہ کے ساتھ دونوں بچوں کی بدولت گھر میں ویسے ہی رونق ہوگئی تھی۔ ان دونوں کی لگی بندھی زندگی میں آئی اس تبدیلی کا خوشگوار اثر ان دنوں مزاج پہ بھی حاوی تھا۔ ملنے جلنے والوں کا الگ تانتا بندھا رہتا کیونکہ آسیہ اس بار بڑے طویل وقفے سے پاکستان آئی تھی تو آدھا دن مہمان نوازی کی نذر ہورہا تھا۔ ایسے میں علینہ کو دوبارہ نور انصاری سے رابطہ کرنے کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔ وہ خود تو آسیہ اور شاکرہ سے مل کر جاچکی تھیں اور گاہے بگاہے دو تین بار کال کرچکی تھیں۔ ان دنوں انصاری ہاؤس میں کیا چل رہا تھا علینہ کو اس کی بالکل کوئی خبر نہیں تھی۔ آسیہ کی وجہ سے خاور بھی اس سے ملنے نہیں آیا تھا نا ہی اتفاق سے فون پہ بات ہوئی تھی۔ وہ ناشتے کے برتن سمیٹ رہی تھی جب اس کے فون کی بیل بجی۔ اسکرین پہ چمکتے نمبر کو دیکھ کر کچھ حیرت اور نامعلوم سی خوشی نے دل پہ دستک دی۔ بناء سوچے سمجھے ایک پل کی بھی تاخیر کیے علینہ نے کال اٹینڈ کی۔

"کیسی ہو خوب صورت لڑکی؟" اس کی بے ساختہ سی ہیلو کے جواب میں سمیر کا شرارت بھرا جملہ سنائی دیا۔ علینہ سے بہتر اس فقرے کا پس منظر اور کون سمجھ سکتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس کی ساری خوشی ایک لمحے میں غارت ہوگئی۔ اتنے دن میں وہ سمیر کی اسے اور فریحہ کو تنگ کرنے والی عادت بخوبی سمجھ چکی تھی اور ہر بار کی طرح آسانی سے چڑ بھی گئی تھی۔

"فون کیوں کیا؟" اس نے نروٹھے پن سے سوال کیا۔ دوسری طرف سمیر کو اندازہ ہوگیا تھا وہ منہ پھلائے ہوئے ہے۔

"سوال گندم جواب چنا۔ اصولاً تمہیں پہلے اپنی خیریت بتانی چاہیے تھی پھر مدعا پوچھتی۔" اس نے بے ساختہ چوٹ کرتے مزے سے کہا۔

"ٹھیک ہوں میں۔ اب بتائیں فون کس لیے کیا؟" علینہ دل ہی دل میں اپنی بدتمیزی پہ شرمندہ ہوئی لیکن غلطی ماننے والوں میں سے تو خیر وہ بھی نہیں تھی لہٰذا بڑے پتھر مار انداز میں کہتے اس نے سمیر سے فون کرنے کی وجہ دریافت کی۔

"اصولاً تو ہمارے ہاں کزنز ایک دوسرے کو کال کرتے رہتے ہیں اور اس پہ اتفاق سے ٹیکس بھی نہیں لگتا۔ خیر تمہارا مسئلہ تھوڑا سا ٹیڑھا ہے۔ تم سے ملنے سے پہلے تو احتیاطاً ہیلمٹ پہننا ہوا ہونا چاہیے۔" سمیر نے ریاضی کے مشکل ترین مسئلے کی طرح اپنی بات کو انتہائی آسان بنا کر پیش کرتے ہوئے بڑے مدبرانہ انداز میں کہا۔ علینہ مزید تپ گئی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ کوئی باقاعدہ فون کرکے بھی کسی کو اس طرح تنگ کرسکتا ہے۔

"کتنے باتونی ہیں آپ؟" اس نے بے اختیار سر پہ ہاتھ مارا۔

"آپ کے عمیر بھائی سے تو کم ہی بولتا ہوں میں۔ ان کی باتیں تو بہت قہقہے لگا کر سنی جاتی ہیں۔ خیر ہمیں کیا۔" یہ طنز علینہ کے سر کے اوپر ہی سے گزر گیا تھا۔ اسے کہاں اندازہ تھا در پردہ

اس کی عمیر سے ہلکی پھلکی دوستی ڈی سی صاحب کے اعصاب پہ کتنی بھاری پڑ رہی تھی۔ اس کے جتاتے سے انداز پہ ناک چڑھاتے علینہ نے اس کی بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش ترک کی تھی شاید اسی لیے وہ خاموش رہی تھی۔

''دراصل آپ کی پھوپو آپ کو یاد کررہی ہیں۔ ان کا کہنا ہے ان کی 'خوب صورت بھتیجی' کو فوراً ان سے ملوانے لایا جائے۔'' اس کے کچھ بھی کہنے سے پہلے سمیر نے اسے اپنا کال کرنے کا مقصد بتایا۔ یہ بھی خدشہ تھا وہ کہیں غصے میں کال ہی نا کاٹ دے اسی لیے جلدی سے بولا۔

''ٹھیک ہے میں شام تک چکر لگالوں گی۔'' علینہ کو تھوڑی سی مایوسی ہوئی تھی۔ وہ جو سمجھ رہی تھی کہ سمیر نے خود اسے کال کی ہے اپنی سوچ کے غلط ہونے پر دل افسردہ ہوا تھا۔ خود پہ قابو پاتے اس نے اپنے موڈ کو نارمل رکھنے کی کوشش کی۔

''میں آفس سے پانچ بجے نکلوں گا' ساڑھے پانچ تک تمہیں پک کرسکتا ہوں۔'' سمیر نے مزید کہا۔

''سڑک سے رکشہ ملتا ہے۔ میں خود چلی آؤں گی۔'' اپنے اندر کی بھڑاس علینہ نے اس کی بات کو فوری رد کرتے ہوئے نکالی۔

''سوچ لو پچھلی بار اسی سڑک پہ رکشے کی بجائے تمہارا فلمی ہیرو مل گیا تھا۔ اس کے چکر میں دو بار تم میری کلاس کرا چکی ہو میں مزید چانس نہیں لینا چاہتا۔'' مونس سے ہوئی بدمزگی تو پہلے ہی اچھی خاصی پریشانی پیدا کرچکی تھی اور جانے انجانے سمیر بھی اس مشکل کا حصہ بن چکا تھا۔ اس کا تو غائبانہ ذکر ہی علینہ کے حلق میں کڑواہٹ انڈیل گیا تھا۔ سمیر نے اس کا حوالہ دے کر گویا اسے باقاعدہ دھمکی دی تھی۔

''ساڑھے پانچ تک تیار رہوں گی میں۔'' اس کا منہ لٹک گیا تھا پھر بھی اس نے سمیر کی بات مان لی۔

''اپنا کچھ سامان بھی رکھ لینا' ان کا پلان ہے فری کی منگنی تک تم وہاں رکو۔'' سمیر نے مزید کہا تو علینہ پچھلی ساری باتیں بھول کر ایک دم ہی پُرجوش ہوگئی۔

''کیا فریحہ باجی کی منگنی ہورہی ہے......! کس سے ہورہی ہے ان کی منگنی؟ انہوں نے تو بتایا بھی نہیں مجھے۔ ابھی فون کرکے پوچھتی ہوں ان سے۔'' ایک سانس میں اس نے سوال پہ سوال کرڈالے۔ اس کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ فریحہ سے دلی وابستگی اپنی جگہ' سچ تو یہ ہے اس نے اپنی ساری زندگی میں ایسا کوئی موقع نہیں دیکھا تھا۔ کئی سال سے وہ ملک سے باہر تھی پھر پاکستان آکر بھی اس کی زندگی بہت محدود تھی' شاکرہ اپنی جگہ سوشل خاتون تھیں مگر علینہ اپنی عادت اور مزاج کی وجہ سے بہت الگ تھلگ رہتی تھی۔ اپنے حالات پہ کڑھنے کے علاوہ اس کا باقی دھیان اپنی پڑھائی پہ تھا جسے وہ صحیح معنوں میں بہت سنجیدہ لیتی تھی۔ اس کے لیے تو یہ کسی فیری ٹیل کا سماں تھا کہ اس کی کزن اور قریبی دوست کی منگنی یا شادی ہونے والی تھی۔

''حوصلہ لڑکی...... حوصلہ مشین گن کی طرح سوالوں کی بوچھاڑ شروع کردی ہے غریب انسان پہ۔'' اس حیرانی و بے صبرے پن کے ساتھ وہ اس پل سمیر کو بے حد معصوم لگ رہی تھی۔ وہ اس کی ایکسائٹمنٹ کو انجوائے کررہا تھا۔ اس کے ٹوکنے کے باوجود علینہ نے اس سے ایک ایک بات کی تفصیل معلوم کی۔ اگلے چند منٹ وہ اسے رشتے کی تمام تر صورت حال اور منگنی کی تاریخ وغیرہ سے متعلق اپ ڈیٹ کرتا رہا۔ کال بند کرتے ہی علینہ نے شاکرہ اور آسیہ کو ایک ساتھ سمیر کی کال اور فریحہ کی منگنی کی اطلاع دیتے اپنے انصاری ہاؤس جانے کے متعلق آگاہ کیا۔

☆☆☆

علینہ تو اسی وقت کمرے میں آکر اپنا سامان پیک کرنے میں مصروف ہوگئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد نور انصاری نے بھی شاکرہ کو کال کرکے فنکشن کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ چند دن علینہ کو انصاری ہاؤس رہنے کی اجازت طلب کی تھی۔ شاکرہ کو بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا' انہوں نے بنا تامل اجازت دے دی تھی' ساتھ ہی فریحہ کے لیے بہت سی دعائیں بھی اور اب علینہ اپنے کمرے میں بند تیار ہورہی تھی۔ البتہ جب سے علینہ کے انصاری ہاؤس جانے کی بات چھڑی تھی آسیہ کچھ چپ سی ہوگئی تھی۔ شاکرہ باہر تخت پہ بیٹھی تھیں اور دونوں بچے بیٹھک میں کھیل رہے تھے جب آسیہ ٹرے میں دو کپ چائے کے رکھے ان کے پاس آکر بیٹھی۔

''علینہ کا وہاں جانا ضروری ہے کیا؟'' کچھ سوچتے ہوئے اس نے سوال کیا۔ آواز قصداً مدھم تھی کہیں علینہ نا سن لے۔

''نہیں ضروری تو بالکل نہیں۔ بس تمہاری بیٹی ہی منہ بسورے پڑ جائے گی جو گھنٹہ بھر سے سامان باندھے بیٹھی ہوا میں اڑ رہی ہے۔'' شاکرہ نے بھاپ اڑاتی چائے کی پیالی کو

معروف مصنف و کالم نگار مشتاق احمد قریشی کے قلم سے ایک اور شاہکار

پیہم خیال

مشتاق احمد قریشی
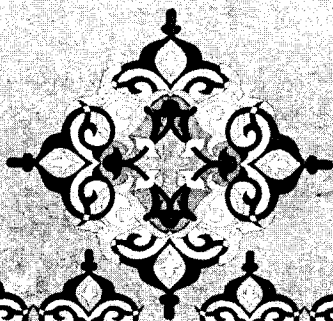
اٹھاتے بے ساختہ جواب دیا۔ انہیں بیٹی کی بات نے حیران تو کیا تھا پر انہوں نے اپنے کسی انداز سے وہ حیرت آسیہ پہ ظاہر نہیں ہونے دی۔

''میں اسے سمجھا دیتی ہوں۔'' ماں کو معترض نا پا کر آسیہ نے مزید کہا۔

''کوشش کرلو ہے تو تمہاری ہی اولاد ضد پہ اڑ جائے تو اماں باوا کی کب سنتی ہے۔'' شاکرہ نے پلیٹ سے بسکٹ اٹھا کر گرما گرم چائے میں ڈبویا اور جھٹ منہ میں رکھ لیا۔

''یہ آپ ہر بات میں مجھے کیوں گھسیٹ لیتی ہیں۔'' آسیہ ماں کے طنز پہ جھنجلا کر بولی۔ وہ شاکی نظروں سے ماں کی طرف دیکھ رہی تھی جو مزے سے دوسرا بسکٹ چائے میں ڈبو کر منہ میں رکھ رہی تھی۔

''کیوں نا گھسیٹوں' تین بچوں کی ماں بن گئی ہو۔ خیر سے بیٹی بیاہنے لائق ہوگئی پر مجال ہے جو عقل چھو کر بھی گزری ہو۔'' وہ باقاعدہ ہاتھ نچاتے بولیں۔

''اب میں نے ایسا کیا کہہ دیا امی؟'' آسیہ نے شکایت بھرے لہجے میں سوال کیا۔

''یہ تو تم خود سوچو۔ کیا حرج ہے بھلا علینہ کے وہاں جانے میں۔'' شاکرہ عینک کے شیشوں کے اوپر سے بغور آسیہ کا ضرورت سے زیادہ سنجیدہ چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

''نہیں میں تو بس یہ کہہ رہی تھی ابھی تو منگنی میں کچھ دن ہیں۔ دن کے دن آپ ہی کے ساتھ فنکشن اٹینڈ کرآتی۔ میں اس کی خاطر یہاں آئی ہوں اور وہ تین دن کے لیے اپنی پھوپی کے گھر رہنے جارہی ہے۔'' اس نے بات بنائی۔ شاکرہ کے لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

''آسیہ رانی...... یہ بال تمہاری ماں نے دھوپ میں سفید نہیں کیے ہیں۔ اگر تو اتنی سی بات ہوتی تو تم علینہ کو خود ہی پیار سے ٹوک دیتی۔ چہرے پہ تشویش لیے میرے آگے رونا نا روتی۔'' تمسخرانہ لہجے میں کہتے انہوں نے بھنویں چڑھائے آسیہ کی طرف دیکھا۔

''میرے چہرے کی تشویش نظر آگئی تو اس کی وجہ بھی تو سمجھ آچکی ہوگی۔ خود ہی سمجھ لیں کیوں نہیں بھیجنا چاہتی میں علینہ کو وہاں۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''اب اتنا دماغ نہیں میرا خالی جو تمہاری خوامخواہ کی پریشانی پہ سوچتی پھروں۔ خود ہی بولو منہ سے کون سا غم کھائے جارہا ہے تمہیں۔'' شاکرہ نے ایک ہی گھونٹ میں آدھی چائے کی پیالی خالی کرتے مزے سے جواب دیا۔

''آپ کو علینہ میں بدلاؤ نظر نہیں آرہا؟'' آسیہ پُرتشویش لہجے میں بولی۔

''ظاہر ہے حالات بھی تو بدل گئے ہیں۔'' شاکرہ اب بھی پُرسکون تھیں۔

''میں ان بدلے ہوئے حالات کی بات نہیں کررہی ہوں امی۔ مجھے لگتا ہے اس کے باپ کا اندازہ درست تھا۔ شاید علینہ......'' وہ کہتے ہوئے خاموش ہوئی پر شاکرہ کو تو مانو جیسے پتنگے ہی لگ گئے تھے۔

''اس سے آگے ایک لفظ مت کہنا آسیہ۔ وہ نگوڑ مارا خاور پہلے ہی خرافات کہہ چکا۔ اس کا باپ نہ مرا ہوتا تو وہ سناتی کہ یاد رکھتا ساری عمر۔ باقی نور فاطمہ نے ساری بات بتا کر میرا غصہ ٹھنڈا کردیا لیکن اب تمہاری نہیں سنوں گی۔ بوڑھی ہوئی ہوں پر ہوش عقل قائم ہیں میرے۔ علینہ ہو یا سمیر دونوں ہی مجھے عزیز ہیں ان کے کردار پہ ایک حرف نہیں سننے والی۔'' آواز اندر علینہ تک نا پہنچ جائے اس لیے شاکرہ نے بمشکل خود پہ قابو رکھا تھا پر اپنی ناپسندیدگی کا واضح اظہار کرتے اس نے بے حد سختی سے بیٹی کو جواب دیا تھا۔ آسیہ نے بایاں ہاتھ ماتھے پہ دے مارا۔ ہمیشہ کی عجلت پسند شاکرہ کو اپنی بات کا مفہوم سمجھانا کون سا آسان کام تھا جو آسیہ اپنے ادھورے لفظوں سے کرجاتی۔

''اوہو امی...... آپ میری بات کا مطلب نہیں سمجھیں۔ مجھے شک ہے علینہ' سمیر کو پسند کرتی ہے۔'' اس نے کھل کر بتایا۔

''شاید وہ لوگ بھی علینہ کو اسی لیے اتنی اہمیت دے رہے ہیں۔'' اس کے اندر پل رہے بدترین خدشات اسے سچ ہوتے نظر آرہے تھے۔

''نور فاطمہ بڑی رکھ رکھاؤ والی عورت ہے۔ اوپر سے علینہ اس کی اکلوتی بھتیجی۔ خون کی کشش مارتی ہے انسان کو۔ یہ کھنچاؤ تو بڑی فطری چیز ہے باقی اگر ایسا کچھ ہو بھی جاتا ہے تو تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ بیٹی اپنوں میں جائے گی۔ ایسا اونچا خاندان اور سب سے بڑھ کر لائق فائق داماد۔ یہ تشویش کس بات کی بھئی۔'' شاکرہ کو اس بات میں سرے سے کوئی برائی نظر نہیں آرہی تھی اس کی وجہ غالباً وہ اسے آسیہ کی نظروں سے نہیں دیکھ رہی تھیں۔ جو تعلق ان کا انصاری خاندان سے تھا اس کے

مطابق اگر واقعی آسیہ کی سوچ درست نکلی تو یہ علینہ کی خوش بختی تھی مگر آسیہ کے لیے اب نور فاطمہ فقط خاور کی بہن تھی۔ وہ خاور جس سے اسے کانٹے ملے تھے۔ جس نے اس کی امیدوں بھری زندگی کو بنجر و بیابان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ جس کی وجہ سے علینہ سالوں سے دربدر ہو رہی تھی اور اس رشتے کو سامنے رکھتے ہوئے ایک بار پھر اسی خاندان میں بیٹی بیاہنا اس کے نزدیک ہرگز عاقلانہ فیصلہ نہیں تھا۔

''لیکن میں یہ سب نہیں چاہتی۔'' وہ دوٹوک لہجے میں بولی۔

''کیوں بھئی' بھلا اس رشتے میں کیا برائی ہے۔'' شاکرہ نے حیرت سے دایاں ہاتھ منہ پہ رکھا۔

''دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک کر پیتا ہے امی۔ برائی اس خاندان میں ہے۔ ان لوگوں کی تربیت میں ہے۔ جس شخص سے مجھے کوئی سکھ نہیں ملا اس کے خاندان سے میری بیٹی کو کیا فیض مل پائے گا۔ اپنا دکھ تو انسان پھر برداشت کر لیتا ہے لیکن اولاد کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی۔'' اس نے کھل کر اپنے جذبات ماں کے گوش گزار کردیئے تھے۔

''بہت سہا ہے علینہ نے' بڑی آزمائش دیکھی ہے ہم نے اب اس کی آگے کی زندگی میں آسودگی اور سکون دیکھنا چاہتی ہوں میں۔'' اپنی بیٹی کے لیے درست فیصلہ کرنے کا وہ پورا اختیار رکھتی تھی اسی لیے اپنے خدشات کے زیر اثر اس نے وقت پہ نتیجہ نکال لیا تھا۔

''سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم انجان بنو تو میں کیا کہوں اب۔ سچ تمہارے سامنے اس دن نور فاطمہ ہی کہہ چکی۔ حالات انسان کو کیا سے کیا بنا دیتے ہیں۔ یہ تو تقدیر کا لکھا تھا بندہ کیا کرسکتا ہے لیکن اگر میری مانو تو یہ رشتہ ہماری بچی کی خوش قسمتی ثابت ہوگا۔ تم خاور سے خوف زدہ ہو لیکن خاور اور سمیر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔'' شاکرہ اس کے درد سے واقف تھیں اور کچھ عرصہ پہلے تک وہ بھی اسی کی طرح سوچتی تھیں بلکہ خاور کو کئی بار جتا بھی چکی تھیں لیکن جب سے حقیقت ان کے سامنے آئی تھی' انہیں خاور پہ ترس آتا تھا جو فطری انسانی ہمدردی کا تقاضہ تھا۔ سب کو زندگی ایک ہی معیار اور پیمانے پہ نہیں ملا کرتی' یہاں کسی کے مقدر میں پھول تو کسی کے دامن میں کانٹے ہوتے ہیں۔ ان کانٹوں کی چبھن اور ان سے رستا خون بڑے بڑوں کی آنکھوں میں آنسو لے آتا ہے۔ یہ مقدر تھا کہ خاور کی زندگی کا خالی پن اور الجھاؤ آسیہ اور علینہ کے حصے میں آیا۔ ایک ٹوٹے ہوئے خاندان کا ٹکڑا خاور ان دونوں کو بھی اپنے نوکیلے کناروں سے زخمی کرگیا پر اس میں اس ٹوٹے ہوئے تارے کا کیا قصور تھا جس کے حالات نے اس کے اندر یہ تلخی بھردی تھی۔

''شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہوں لیکن میں بس اتنا جانتی ہوں خاور سے میرا تعلق مدت ہوئی ختم ہوچکا ہے اور اب اس سے یا اس کے خاندان سے مجھے یا میری بیٹی کو کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔'' وہ بیٹی کی ماں تھی اور مائیں بہرحال اپنی اولاد کی خوشیوں کی خاطر خودغرض ہوجایا کرتی ہیں۔ اس وقت وہ بھی یہی خودغرضی دکھا رہی تھی پھر بھلے اس میں خود علینہ کا ہی دل کیوں نا ٹوٹ جائے۔

''تمہارا تعلق تو واقعی نہیں رہا پر علینہ کے تو سارے رشتے اللہ رکھے قائم ہیں۔ بہرحال جو تم مناسب سمجھو اب میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ تم جانو تمہاری اولاد جانے۔ میرا کیا ہے میں تو بھیا چپ ہی بھلی۔'' شاکرہ نے آسیہ کے فیصلہ کن جواب پہ ہاتھ کھڑے کرتے ہوئے اپنی غیر جانبداری ظاہر کی تھی۔ انہیں افسوس ہوا تھا آسیہ کی سوچ پہ لیکن یہ بھی سچ تھا کہ وہ خود ماں تھیں اور جب خود کو اس کی جگہ رکھ کر دیکھا تو اسے درست پایا تھا۔ شاید ان حالات میں وہ بھی کچھ ایسا ہی فیصلہ کرتیں۔ دوسرا ابھی تو یہ سب یک طرفہ سوچ تھی' کیا پتا سمیر یا نور فاطمہ کے دل میں واقعی ایسی کوئی بات ہے بھی یا نہیں۔ اب کہاں ان کا گھر' کہاں انصاری خاندان' شاکرہ نے بحث سے اجتناب کرتے بات ختم کی۔

''تم اپنی بیٹی کو سمجھا لو فاطمہ کو فون کرکے میں منع کردیتی ہوں۔ خوامخواہ لڑکے کا پھیرا لگے گا۔'' ان کا ذہن اب اس نقطے پہ اٹکا تھا کہ انہیں نور فاطمہ سے کیا بہانہ کرنا ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آسیہ نے کچھ سوچتے ہوئے علینہ کے کمرے میں قدم رکھا' وہ سیاہ شیفون پہ ہم رنگ کڑھائی والے کرتی میں تقریباً تیار کھڑی تھی۔ اس کا میچنگ دوپٹہ بیڈ کی پائنتی پہ سلیقے سے سجا ہوا تھا۔ کانوں میں اس نے وہی سونے کی چھوٹی چھوٹی جھمکے پہن رکھے تھے۔ جو آسیہ دوہا سے اس کے لیے لائی تھی۔ اور بس یہی اس کا واحد سنگھار تھا۔ کلائی میں بندھی اپنی اکلوتی رسٹ واچ کے ساتھ وہ اس پل مکمل لگ رہی تھی لیکن آسیہ کو اس

کے چہرے کے سکون اور آنکھوں سے چھلکتی خوشی کے سبب وہ اس دنیا کی حسین ترین لڑکی لگ رہی تھی۔ کہیں اسے خود آسیہ کی نظر نہ لگ جائے اس ڈر سے اس نے نظریں جھکالیں تھیں۔ یہ پہلی بار تھا کہ علینہ کہیں جانے کے لیے اتنا دل سے تیار ہوئی تھی۔ یہ سوٹ اس نے آسیہ اور شاکرہ سے باقاعدہ مشورہ کرنے کے بعد منتخب کیا تھا۔ ویسے بھی وہ کالج جانے کے سوا گھر سے باہر کہیں نہیں جاتی تھی اور بس جو ہاتھ لگا وہ پہن لیا کے فلسفے پہ یقین رکھتی تھی۔ اسے عام لڑکیوں کی طرح بننے سنورنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی پر آج اس کا یہ روپ شاکرہ کے ساتھ ساتھ آسیہ کے لیے بھی نیا تھا۔ کچھ بھی تھا آسیہ کے خدشات غلط نہیں۔ علینہ میں یہ بہت نئی اور حیران کن تبدیلی تھی۔ آسیہ کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے علینہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا پر اس وقت وہ خود اتنی افراتفری اور ایکسائٹمنٹ میں تھی کہ اس کے چہرے کی سنجیدگی پہ توجہ ہی نہیں دے پائی تھی۔ سیاہ سینڈل کے اسٹریپ بند کرنے کے بعد اس نے اپنا فون چیک کیا اور آسیہ کو یہ ماننے میں کوئی عار نہیں تھی کہ یہ سب بے چینی سمیر کے انتظار میں تھی۔ آسیہ کو اس کی خوشی اس کا جوش پریشان کررہا تھا۔ شاکرہ درست کہتی تھیں اس وقت علینہ کو روکنا آسان نہیں۔ اس کا دل توڑنے کے لیے اسے واقعی بہت ہمت درکار تھی جو بہر حال ایک ماں کا حوصلہ نہیں تھا پھر چاہے وہ کتنا ہی اس رجحان کے خلاف کیوں ہو پر اس وقت کچھ بھی کہنا اس کے ساتھ زیادتی ہوتی۔ آسیہ بمشکل خود کو روکتے ہوئے بس اس کی تیاری اور سامان کا پوچھ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔ اس کا چھوٹا سا بیگ تو بیڈ پہ پیک رکھا تھا۔ علینہ نے اس سے منگنی کا فنکشن اٹینڈ کرنے کا اصرار کیا تھا لیکن آسیہ نے مسکرا کر منع کردیا حالانکہ یہ نور فاطمہ بھی درخواست کرچکی تھیں لیکن سب کو ہی اندازہ تھا وہ خاور کی وجہ سے نہیں جانا چاہتی۔ شاکرہ باہر بیٹھیں نور فاطمہ کو کال ملانے ہی والی تھیں کہ آسیہ نے اسی وقت انہیں روک دیا۔ شاکرہ بیٹی کے چہرے سے چھلکتی بے بسی کو محسوس کرتے یوں مسکرائیں تھیں جیسے کہہ رہی ہوں۔

''کہا تھا ناں میں نے یہ سب اتنا آسان نہیں۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انصاری ہاؤس بالکل ویسا ہی تھا جیسا وہ چند روز پہلے چھوڑ کر گئی تھی۔ وہی والہانہ پن، وہی مسکراتے چہرے، اپنائیت اور خلوص البتہ اب اس محبت و خلوص پہ علینہ کا دل بے اعتبار نہیں تھا۔ یہ گھر اور یہاں بستے لوگوں نے اپنے رویے سے اس کے اندر چھپے احساسِ کمتری کی جڑیں کمزور کردیں تھیں باقی کی کمی اس رشتے کے سبب پوری ہوئی تھی جس کا انکشاف اگرچہ نیا تھا پر خون کی صورت رگوں میں برسوں سے دوڑ رہا تھا۔ وہ اس بار نا تو یہاں اجنبی تھی نا پرائی اسی لیے پورے حق سے سب سے ملی تھی۔

''اُف...... مجھے تو یقین نہیں آرہا فریحہ باجی۔'' سب سے مل کر آخر اسے فریحہ کے ساتھ کچھ دیر کی تنہائی میسر آہی گئی تھی۔ وہ دونوں فریحہ ہی کے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ فریحہ اسے نور انصاری کے کہنے پہ وہ ساری شاپنگ دکھا رہی تھی جو وہ منگنی کے لیے کرچکی تھیں۔

''یقین تو مجھے بھی نہیں آرہا۔'' علینہ کے جوش کے مقابل فریحہ کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔ سب کی موجودگی میں تو وہ پھر بھی تھوڑا بہت مسکرا رہی تھی لیکن اب پھر وہی خاموشی کا حصار تھا۔

''عمیر بھائی تو چھپے رستم نکلے۔ کتنی باتیں کرتے تھے میرے ساتھ اور اتنا بڑا راز چھپالیا۔ ویسے آپ خوش تو ہیں ناں۔'' علینہ نے فی الفور اس کی سنجیدگی پہ توجہ نہیں دی تھی۔ وہ اس کے کپڑے دیکھ رہی تھی ساتھ ساتھ تبصرہ کرتے اپنی فیلنگز بھی شیئر کررہی تھی۔ اس نے شرارت سے فریحہ کو چھیڑا لیکن فریحہ میں وہ روایتی سا جذبہ مفقود تھا۔

''پتا نہیں۔'' اس کے دوٹوک غیر متوقع جواب نے علینہ کو مایوس کیا۔ اسے ایک دم کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔ فریحہ تو بات بے بات ہنسنے مسکرانے والی زندگی سے بھرپور لڑکی تھی اسے ان دنوں پھول سا کھل جانا چاہیے تھا کہ یہ موقع زندگی میں ایک نیا اور خوب صورت احساس جگاتا ہے پھر وہ کیوں اس وقت اتنی بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔

''فریحہ باجی۔'' وہ شاک ہوئی۔

''کیا آپ اس رشتے سے خوش نہیں ہیں۔ عمیر بھائی پسند نہیں ہیں آپ کو؟ وہ تو بہت اچھے انسان ہیں۔'' اسے ساری صورت حال سمجھنے میں بہر حال زیادہ وقت نہیں لگا۔

''کیا ضروری ہے صرف اچھے انسانوں کو ہی پسند کیا جائے۔ دل جسے چاہے وہ تو سب سے اچھا ہوتا ہے ناں علینہ۔'' فریحہ بھی جیسے اس پل دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی۔ وہ سب جو وہ اپنے والدین سے نہیں کہہ پائی تھی ایک دوست اور کزن کو کہہ کر خود کو ہلکا کرنا چاہتی تھی اسی لیے اس نے علینہ

کے سامنے اپنی ذات کھول کے رکھ دی۔
"مطلب آپ کسی اور کو چاہتی ہیں۔ لیکن یہ بات آپ نے پھوپو سے کہی کیوں نہیں یا وہ آپ کی شادی زبردستی......"
علینہ کا ذہن الجھ رہا تھا۔ وہ فریحہ کے ساتھ کوئی زیادتی ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی اور یہ بھی یقین نہیں تھا کہ نور اور انصاری صاحب جیسے سلجھے ہوئے باشعور اور اولاد کو بہترین طرزِ زندگی و تربیت دینے والے والدین اس سے شادی کے سلسلے میں زور زبردستی کر سکتے ہیں۔
"کوئی کچھ نہیں جانتا۔ انفیکٹ عمیر نے بھی اس رشتے سے پہلے مجھ سے پوچھا تھا۔" اس نے فوراً ہی علینہ کی غلط فہمی دور کی۔
"تو آپ منع کر دیتیں۔" علینہ نے اس کا آسان اور سادہ حل پیش کیا۔
"اس سے کیا ہوتا۔ سمجھ نہیں آتا جب تعلق بننا ہی نہیں ہوتا تو مقدر کیوں اسے روگ بنا کر ہمارے گلے میں ڈال دیتا ہے۔" بے اختیار چند آنسو فریحہ کی پلکوں پہ سمٹ آئے تھے۔ علینہ اس سے عمر تجربے اور تعلیم میں کم تھی' اس کے شعور کی سطح بھی ظاہری سی بات ہے فریحہ سے مختلف تھی پھر بھی اس وقت وہ اس کی ذہنی اور قلبی کیفیت کو سمجھ رہی تھی' فریحہ کو اس کا ساتھ غنیمت محسوس ہو رہا تھا کیونکہ یہاں کوئی ایسا قابلِ اعتبار تھا جو بناء کسی ردِعمل اس کی باتیں سن اور سمجھ رہا تھا۔ وہ بس اتنا ہی چاہتی تھی۔ اس سے زیادہ کی خواہش کا نہ وقت تھا نہ ہی دل کو تمنا کیونکہ بات اب وہاں تک جا پہنچی تھی جس سے پلٹ کر آنا دشوار تھا۔
"اوہ میرے اللہ...... یہ سب ٹھیک نہیں ہو رہا۔ آپ کی خوشی کے بغیر اس رشتے کا تصور ہی غلط ہے فریحہ باجی۔ آپ اپنے علاوہ عمیر بھائی کے ساتھ بھی زیادتی کر رہی ہیں۔" علینہ نے اسے تصویر کا دوسرا رخ بھی دکھایا۔ وہ اگر سچے دل سے فریحہ کی خیر خواہ تھی' اس سے بے لوث محبت کرتی تھی تو عمیر کے لیے بھی اس کے دل میں اچھے جذبات تھے۔ عمیر ایک سچا' دوست طبیعت اور خیال رکھنے والا شخص تھا جس نے بہت کم وقت میں علینہ کو بھی اپنائیت اور عزت دی تو یہ ایک فطری بات تھی اسے عمیر کے ساتھ ہو رہی زیادتی پہ افسوس ہوا تھا۔ فریحہ کو اگر من پسند انسان نہیں مل رہا تھا تو عمیر لاعلمی میں دھوکا کھا رہا تھا۔ ایک ایسا بندھن جس میں فقط کمپرومائز اور مصلحتیں جڑی ہوں' زندگی کی خوب صورت اور بہت سا قیمتی وقت کھا جاتا ہے۔ سچے جذبات کی سب سے بڑھ کر ناقدری کچھ ایسے ہی تعلق میں ہوتی ہے جہاں محبت کا بہاؤ یک طرفہ ہو۔
"اس وقت تو بس اتنا جانتی ہوں خود کو وقت و حالات کے دھارے پہ چھوڑ دیا ہے۔ یہ بہاؤ جس طرف بھی لے جائے میں بناء کسی مزاحمت اس سمت چلنے کو تیار ہوں۔" فریحہ بے بسی کی انتہا پہ تھی' اس کے لہجے سے چھلکتی مایوسی علینہ کو تکلیف دے رہی تھی۔ ایک وہ بھی وقت تھا جب علینہ پہ طاری ڈپریشن اور فرسٹریشن کو فریحہ اپنی ہلکی پھلکی باتوں اور دوستانہ مشوروں سے کم کرتی تھی۔ وہ بہت کم وقت میں اس کی بہت بڑی سپورٹ بن چکی تھی اور آج ایک دل ٹوٹنے پہ علینہ کو اس کا اپنی جگہ کھڑے ہونا حیران کر رہا تھا۔ تو کیا دل ٹوٹنا اتنا ہی کوئی بڑا سانحہ ہوتا ہے جو انسان سے اس کا سارا اعتماد' اس کی شخصیت کا غرور چھین لیتا ہے۔
"اپنے ساتھ اتنا ظلم مت کریں۔ آپ تو بڑی مضبوط اور ہمت والی ہیں۔" علینہ نے اسے دلاسہ دیا پر ایسے دلاسے فقط لفاظی ہوا کرتے ہیں اس شخص کے لیے جس پہ کوئی افتاد بیتی ہو۔
"بہت مضبوط دکھائی دینے والے لوگ اندر سے بہت حساس اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتے ہیں علینہ۔ انسان کتنا ہی بہادر کیوں نا ہو وقت و حالات کے سامنے بکھر جاتا ہے اور پھر کیا پتا اسی میں میری بہتری پوشیدہ ہو۔" وہ تلخی سے مسکرائی اور بالآخر اس نے اپنے ساتھ ساتھ علینہ کو بھی قائل کرنے کی کوشش کی۔ وقت و حالات سے سمجھوتہ تو وہ پہلے ہی کر چکی تھی کہ اس کے سوا کوئی دوسرا چارہ بھی نہیں تھا لیکن دل کو سکون تو آتے آتے ہی آتا ہے۔
"جب دل پہ پتھر رکھ کے اتنا بڑا فیصلہ کر چکی ہیں تو پھر چہرے پہ یہ اداسی کیوں ہے۔ آنکھوں سے درد کیوں چھلک رہا ہے۔ ہار کی تھکاوٹ اور کارواں لٹنے کا ملال کیوں ہے؟" علینہ نے اس کا ہاتھ تھام کر سوال کیا۔
"شاید ابھی زخم نیا ہے۔" اس نے اپنی لاجک پیش کی لیکن علینہ نے نفی کے انداز میں سر ہلاتے اس کی منطق کو رد کر دیا۔
"نہیں اس لیے کہ دل مطمئن نہیں۔ آپ کے اندر اب تک خود سے جنگ چل رہی ہے۔ آپ نے ہار نہیں مانی فریحہ باجی بلکہ اب بھی امید کی ڈوری تھامے آپ اس کی منتظر ہیں۔"

بڑی سفاکی سے اس نے فریحہ کو آئینہ دکھایا تھا۔ وہ سچ کہہ گئی جس سے وہ خود آنکھیں چرا رہی تھی۔ سینے میں دھڑکتے دل کی بغاوت پہ بند باندھنے کی سعی کررہی تھی۔

"اور میں یہ بھی جانتی ہوں وہ نہیں آئے گا۔ اسے مجھ سے زیادہ اپنا کریئر عزیز ہے۔ انسان دو ضروری چیزوں میں سے ایک بہتر اور کارآمد شے کا انتخاب کرتا ہے۔ اس نے میری محبت کو چھوڑ کر اپنے لیے اس سے بہتر چیز کو چن لیا ہے۔" اپنی آنکھوں کو ہتھیلی سے مسلتے اس نے تلخ لہجے میں جواب دیا اور پھر سامنے پڑا سب سامان اٹھا کر الماری میں رکھنے لگی۔ علینہ لب کاٹتی چپ چاپ اس کے بیڈ پہ بیٹھی اس کی پشت کو دیکھتی رہی وہ جانتی تھی ان حالات میں آنکھیں پونچھ لینے سے دل پہ دھرا بوجھ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

❁☆☆☆❁☆☆☆❁

رنگ و نور میں ڈوبی ایک خوشگوار شام انصاری ہاؤس میں اتر چکی تھی۔ پوری کوٹھی کو برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا یوں کہ بیرونی عمارت سنہری روشنی میں نہائی دکھائی دے رہی تھی۔ لان اتنا وسیع تھا کہ آرام سے بڑی گیدرنگ اکٹھی ہوسکتی تھی پھر یہاں بس قریبی لوگ، دوست و رشتے دار تھے۔ فنکشن کا انتظام انصاری فیملی کے شایانِ شان تھا۔ نگہت آپا، ان کے شوہر اور دونوں بیٹیاں چند روز پہلے ہی پہنچ گئی تھیں۔ ابھی عمیر سمیت ان سب کی آمد انصاری صاحب کے فارم ہاؤس سے ہوئی تھی جو یہاں سے گھنٹے بھر کے فاصلے پہ تھا اور جہاں اس وقت عمیر سمیت انصاری صاحب کی دونوں بہنیں رہائش پذیر تھیں۔ خوشی سے دمکتے سبھی چہرے اچھے اور خوشگوار لمحوں کو انجوائے کررہے تھے۔ لان کے ایک طرف اسٹیج بنایا گیا تھا جہاں عمیر اپنے والدین اور مسٹر اینڈ مسز انصاری کے ساتھ بیٹھا تھا۔ علینہ سے اس کی ملاقات آتے ہی ہوچکی تھی اور مبارک باد کے ساتھ وہ اپنی شکایت بھی کہہ چکی تھی۔ نور فاطمہ کے لائے سفید اور سنہری کاٹن نیٹ کے کرتے کے ساتھ سفید غرارے پہ بڑا سا نیٹ کا دوپٹہ سنبھالے وہ نور فاطمہ کے ساتھ ساتھ سب انتظام دیکھتی پھر رہی تھی۔ نور فاطمہ کی فرمائش تھی کہ فریحہ کی بیوٹیشن اس کا بھی میک اپ کرے حالانکہ وہ نہ نہ کررہی تھی لیکن ان کی خوشی کی خاطر اس نے بھی آج ہلکا سا میک اپ کررکھا تھا اور یہ تبدیلی اس کی شخصیت کو نکھار رہی تھی۔ بڑا نفیس سفید موتیوں کا چوکر (گلوبند) اور دونوں کلائیوں میں سفید اور سنہری ڈھیر ساری چوڑیاں پہنے وہ اپنی مکمل تیاری کے ساتھ وہاں موجود تھی اور اب بہرحال نظر انداز نہیں کی جاسکتی تھی۔ سب مہمانوں کی آمد کے بعد نور فاطمہ نے اسے فریحہ کو لانے بھیجا جو اس وقت اپنے کمرے میں موجود تھی۔ وہ بھاگم بھاگ گھر کے اندر داخل ہوئی جب سامنے سے آتے سمیر سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

"آپ کون ہیں محترمہ؟" دیکھ تو وہ اسے بہت پہلے چکا تھا پر بات کرنے کا موقع اتفاق سے اب ہاتھ آیا تھا۔

"میں وارننگ دیتی ہوں آج میرا مذاق بالکل مت اڑائیے گا۔ ویسے بھی میرا موڈ کچھ ٹھیک نہیں۔" اس کی شرارت کو محسوس کرتے علینہ نے انگلی اٹھا کر بگڑے تیوروں کے ساتھ اسے تنبیہہ کی۔ حالانکہ سب ہی اس کی تعریف کررہے تھے لیکن سمیر سے بہرحال اسے کسی سیدھی بات کی توقع نہیں تھی اسی لیے حفظ ماتقدم کے طور پہ پہلے ہی محتاط ہوگئی۔ کچھ اسے فریحہ کو لانے کی جلدی تھی اسی لیے سائیڈ سے نکل کر آگے بڑھی پر سمیر نے ایک دم اس کی کلائی پکڑ کر روک لیا۔

"آپ کا موڈ تو بہرحال کچھ لے دے کر ہی ٹھیک ہوگا۔ ویسے اس اسٹائل کے ساتھ بدلے ہوئے تیور خاصے سوٹ کر رہے ہیں تم پر۔" علینہ نے حیرت سے پہلے اسے اور پھر اپنی چوڑیوں بھری کلائی کو دیکھا جو سمیر کے ہاتھ میں تھی۔ مسکراتے ہوئے اس نے علینہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"آپ کو پتا ہے آپ کا پرابلم کیا ہے؟" اس نے لب بھینچے۔

"وہ تو یقیناً آپ کو معلوم ہوگا۔" دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے وہ بے نیازی سے بولا۔ خود اس نے سیاہ رنگ کا کرتا شلوار پہن رکھا تھا۔ کرتے کے گلے پہ ہم رنگ نہایت سادہ کڑھائی تھی جو اس کی شخصیت کو چار چاند لگا رہی تھی۔

"آپ کسی کو بھی انتہا کی حد تک اریٹیٹ (عاجز) کرسکتے ہیں۔" علینہ نے منہ پھلائے جواب دیا۔

"ہر کسی کو نہیں بہرحال تمہارا کیس تو ایکسپشنل (انفرادی) ہے۔" وہ ہنسا۔

"مجھے فریحہ باجی کو لانا ہے، پھوپو انہیں بلا رہی ہیں اور آپ یہاں بلاوجہ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔" اسے یقین تھا اس شخص سے کبھی اپنے مطلب کی بات بہرحال وہ نہیں سن پائے گی۔ وہ بتانا بھی چاہے گا تو خود علینہ کا ٹیمپرامینٹ ایسا ہے کہ اسے خوامخواہ غصہ آجاتا۔

”یہ خواہش بھی تمہاری پھوپو کی ہے یقین نا آئے تو ان سے پوچھ لو۔“ تھوڑا سا آگے بڑھ کر سمیر نے علینہ کے کان میں سرگوشی کی۔ اس پل سچ میں اسے اپنے دل کی دھڑکن تیز ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

”آپ واقعی ایک نمبر کے فضول آدمی ہیں اور شاید اسی لیے اب تک آپ کی شادی نہیں ہوئی۔“ چہرے کی اڑی ہوئی رنگت اور اپنی غیر ہوتی حالت پہ قابو پاتے اس نے جھنجلا کر کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔

”اچھا یعنی آپ کے خیال میں یہ جو شادی شدہ لوگوں کا مجمع ہے یہ سب عقل والے ہیں۔“ سمیر نے اس کی بات کو انجوائے کرتے تعجب کا اظہار کیا۔

”بالکل.....“ وہ حتمی انداز میں بولی یہ اور بات سب کچھ سر پہ سے گزر گیا تھا اسی لیے تو بات کو کہاں سے کہاں لے گئی تھی۔

”ظاہر ہے انہیں خواتین کو خوش رکھنے کا سلیقہ ہے اسی لیے ہیپلی میریڈ ہیں۔“ اپنی طرف سے اس نے بڑی جاندار دلیل پیش کی تھی جس پہ سمیر کا دل قہقہہ لگانے کو چاہا۔

”اوہ..... اس کا مطلب میں کسی لڑکی کو خوش کردوں تو میری بھی شادی کا امکان قوی ہے۔ کیوں؟“ اس مشورے پہ علینہ کا دل اپنا سر پیٹ لینے کو چاہا۔

”اب یہ تو وہ لڑکی بہتر بتا سکتی ہے۔“ اس نے کندھے اچکائے اپنی جان چھڑائی۔

”اینی ہاؤ۔ راستہ چھوڑیں میرا۔ پہلے ہی اتنا وقت ضائع ہوگیا ہے۔“ سمیر سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ علینہ سائیڈ سے نکل کر فریحہ کے کمرے کی طرف جانے لگی جب پہلی بار اینٹرنس میں کھڑی کشمالہ پہ سمیر کی نگاہ پڑی۔

”اوہ ہائے۔ اٹس ریئلی گڈ ٹو سی یو (تمہیں دیکھ کر خوشی ہوئی)۔ مجھے پورا یقین تھا تم ضرور آؤ گی۔“ سمیر نے خوش اخلاقی سے اسے ویلکم کرتے ہوئے کہا۔ علینہ نے اس کی آواز پہ پلٹ کر پیچھے دیکھا اور پھر وہ وہیں رک گئی۔ سامنے کشمالہ اپنے جلوہ آفریں حسن کے ساتھ اس دن کی طرح قیمتی لباس میں پورے اعتماد سے کھڑی تھی۔

”نا آتی تو آج یقیناً بہت کچھ مس کردیتی۔“ اس کے چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ اپنی بات کہتے اس نے ایک نگاہ پیچھے کھڑی علینہ کو دیکھا جو عجیب خجالت کا شکار ہوئی تھی۔ سمیر نے بھی اس کی نگاہوں کی پیروی میں پیچھے مڑ کر علینہ کو دیکھا جو اس وقت اپنے سرخ لبوں کو دانتوں سے بڑی بے دردی سے کاٹ رہی تھی۔ یقیناً اسے کشمالہ کو دیکھ کر اس دن والا واقعہ یاد آیا تھا اور اب جس طرح اس نے انٹری دی تھی علینہ کو اس کا وہاں موجود ہونا ڈسٹرب کر گیا تھا۔

”ہم یہاں کیوں کھڑے ہیں، فنکشن تو باہر ہے۔ وہیں چلتے ہیں۔“ سمیر نے اس کی بات کو صریحاً نظر انداز کرتے عام سے لہجے میں کہا اور چند قدم آگے بڑھا۔

”آنٹی نے کہا تم اندر ہو تو اسی لیے تم سے ملنے چلی آئی پر یہاں آکر پتا چلا تم اکیلے نہیں ہو۔“ وہ دونوں اب لاؤنج سے باہر نکل رہے تھے جب علینہ کے کانوں میں کشمالہ کی آواز پہنچی۔ کچھ دیر پہلے کا سارا فسوں غارت ہوچکا تھا۔ سر جھٹکتی خود پہ قابو پاکر وہ فریحہ کے کمرے میں آئی۔ یوں بھی صبح سے فریحہ کی اداسی اسے پریشان کیے ہوئے تھی۔ وہ آج سارا دن اس کا موڈ ٹھیک کرنے میں لگی رہی اب یہ کہاں سوچا تھا عین موقع پہ اپنا ہی موڈ غارت ہوجائے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

پیور شیفون کی ٹی پنک اور وائٹ خوب صورت کامدار میکسی، اسٹائلش دوپٹے اور میچنگ جیولری کے ساتھ فنکشن کی مناسبت سے ہوئے میک اپ میں فریحہ اپنی مثال آپ لگ رہی تھی۔ آنکھوں کی اداسی، کاجل اور گہرے آئی شیڈ سے چھلکتی انہیں اور بھی دلکش بنا رہی تھی۔ عمیر سیاہ ڈنر سوٹ میں شاندار لگ رہا تھا۔ اسٹیج پہ جب علینہ نے اس کے ساتھ فریحہ کو بٹھایا تو وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت اچھے لگ رہے تھے۔ منگنی کی رسم نہایت خوشگوار انداز میں انجام پذیر ہوئی اور اس کے بعد کھانے کا دور چلا۔ کھانے کے بعد نور انصاری خاور کے ساتھ شاکرہ کی میز پہ چلی آئیں۔ افراتفری میں اب تک نور فاطمہ انہیں وقت ہی نہیں دے پائی تھیں۔ خاور بھی سب سے الگ تھلگ وہاں بیٹھا تھا۔ حالانکہ نور فاطمہ نے رخشندہ کو بھی دعوت دی تھی پر خاور نے اسے وہاں لانے سے منع کردیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا اس کی کسی حرکت سے ماحول خراب ہو۔

”ماشاء اللہ علینہ تو آج بہت ہی پیاری لگ رہی ہے۔“ اسٹیج سے اتر کر اپنی میز کی طرف جاتی علینہ کو دیکھ کر نور انصاری نے بیک وقت خاور اور شاکرہ کو مخاطب کیا۔

”اور خوش بھی۔ اسے آج سے پہلے تو میں نے ہنستے ہوئے کبھی دیکھا ہی نہیں۔“ خاور نے تائیدی انداز میں کہا۔ اتنے

سالوں بعد تو آج علینہ پہلی بار اس سے خود ملی تھی۔ اس کا حال احوال پوچھا تھا۔ یوں جیسے برسوں بعد اس نے اسے معاف کردیا ہو اور اس سوچ نے خاور کو بہت ہلکا پھلکا کردیا تھا۔

''اللہ میری بچی کی خوشیاں سلامت رکھے۔'' شاکرہ نے دعا دی۔ وہ خود اسے اِدھر اُدھر بھاگتا دوڑتا دیکھ کر دل ہی دل میں اس کی بلائیں لے رہی تھیں اور ساتھ ہی آسیہ کے لیے عقل کی دعا بھی مانگ رہی تھیں۔

''آمین۔'' ان دونوں نے ایک ساتھ دہرایا۔

''ٹیپو میں سوچ رہی تھی اگر علینہ اور سمیر کا' میرا مطلب علینہ کی شادی اگر سمیر سے ہوجائے۔'' نور فاطمہ نے بالآخر اپنے دل کی بات کہہ دی۔ اتفاق سے موقع تھا کہ خاور اور شاکرہ دونوں یہاں موجود تھے اور وہ چاہتی تھیں ان دونوں کے سامنے ہی بات شروع کردیں۔ پچھلی میز پہ بیٹھی سلاد کترتی علینہ نے نور فاطمہ کی آواز سنی۔

''آپا......!'' علینہ کی طرح خاور کو بھی حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ خاور نے شکر گزار نظروں سے بہن کی طرف دیکھا۔

''آنٹی آپ کا کیا خیال ہے۔ علینہ جب سے گئی ہے گھر میں سب ہی کو اس کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ سمیر کو تو آپ جانتی ہی ہیں اگر آپ کو کوئی اعتراض نا ہو تو......'' شاکرہ کے چہرے پہ بے تحاشہ سنجیدگی تھی۔ انہیں خاموش پاکر نور فاطمہ نے انہیں مخاطب کیا۔ وہ بڑی امید بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''میں تمہارے جذبات سمجھ سکتی ہوں بہو اور ان کی قدر بھی کرتی ہوں۔ تم اس کی پھوپی ہو تم سے بڑھ کر کون اسے عزت و مان دے گا پھر سمیر تو سب سے بڑھ کر ہے ماشاء اللہ' لیکن میں یہ فیصلہ نہیں لے سکتی۔ اس بات کا اختیار تو بس اس کی ماں ہی کو ہے۔'' شاکرہ نے کن انکھیوں سے خاور کو دیکھا جو لب بھینچے وہاں ہر حق سے دستبردار کردیا گیا تھا۔ ظاہر ہے وہ کیسے بھول سکتا تھا علینہ کے متعلق فیصلہ لینے کا حق بھی اسی کے پاس ہے' جس نے اس کی پرورش کی ہے۔

''ظاہر سی بات ہے ماں باپ ہی کو اولاد کی شادی و بیاہ کا فیصلہ کرنے کا حق ہوتا ہے اور علینہ کے معاملے میں تو کل اختیار آسیہ کے پاس ہی ہے۔ میں تو بس آپ دونوں سے اپنے دل کی خواہش بیان کررہی تھی۔ اگر آپ دونوں کو کوئی اعتراض نہیں تو میں کچھ دن تک باقاعدہ رشتہ لے کر آجاؤں گی۔ میری خواہش ہے فریحہ کی رخصتی کے ساتھ ہی سمیر کی شادی بھی کردوں۔'' نور فاطمہ اس وقت خاور کے دل کا حال سمجھ سکتی تھیں۔ انہوں نے بناء احساس دلائے اپنا ہاتھ میز پہ دھرے خاور کے ہاتھ کی پشت پہ رکھ دیا جیسے اسے تسلی دے رہی ہوں۔ خاور نے بہن کی طرف دیکھا۔ نور نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے سمجھایا۔ وہ بہت دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے شاکرہ سے مخاطب تھیں۔

''میں آسیہ سے گھر جاکر بات کروں گی بہو پھر تمہیں بتاؤں گی۔'' علینہ کی ہر حسِ سماعت میں بدل چکی تھی۔ نوالہ اس کے حلق میں اٹک گیا تھا۔ ابھی تو دل نے خواہش کی اڑان بھرنا سیکھی بھی نہیں تھی کہ سب کچھ بناء مانگے جھولی میں ڈالا جانے لگا تھا۔ ابھی تو وہ اپنی اس بے قراری کو کوئی نام بھی نہیں دے پائی تھی۔ اپنے ارادوں سے خود ہی بغاوت کرتے دل سے الجھتی وہ تو ابھی نا سے ہاں کے درمیان کھڑی تھی اور یہاں ایک ہی جست میں صحرا پار ہوگیا تھا۔ اسے نانی پہ شدید حیرت ہوئی تھی کہ انہوں نے کچھ بھی کہے بغیر ساری بات ماں پہ کیوں ڈال دی...... اب بھلا نانی کے سامنے اس کی ماں کو بھی کیا اختیار حاصل تھا لیکن وہ آسیہ کی سوچ سے غافل تھی شاکرہ نہیں اسی لیے انہوں نے مصلحت کے تحت بات کو سمیٹ لیا تھا۔

۞☆☆☆۞☆☆☆۞☆☆☆۞

تین دن کس گہما گہمی میں گزرے اور آج صبح سے فنکشن کی تیاری سے لے کر فنکشن ختم ہونے تک' کوئی ایک لمحہ جو سکون سے بیٹھنے کا ملا ہو۔ اب جو گھر لوٹی تو اونچی ہیل والے سینڈل پہن کر دوڑ بھاگ کرنے سے اس کی ایڑھیاں دکھ رہی تھیں۔ انہیں واپسی پہ دیر ہوگئی تھی اسی لیے خاور نے ان دونوں کو گھر ڈراپ کیا۔ ویسے تو نور فاطمہ بھی ڈرائیور کو بھیج رہی تھیں کیونکہ سمیر مہمانوں میں بزی تھا لیکن خاور نے انہیں روک دیا۔

گھر پہنچ کر وہ ماں اور بھائیوں سے مل کر سیدھی اپنے کمرے میں گھس گئی تھی۔ دوپٹہ بیڈ پہ پھینک کر اس نے سب سے پہلے اپنے تکلیف دیتے پیروں سے سینڈل کو الگ کیا اور اب دونوں ہاتھوں سے پاؤں مسلتے انہیں کچھ راحت دینے کی ناکام کوشش کررہی تھی جب بیگ میں رکھے اس کے فون پہ میسج کی بیپ سنائی دی۔

''میں سوچ رہا تھا تم پہ بلیک کلر بہت سوٹ کرتا ہے لیکن ابھی کچھ دیر پہلے تم نے میرے خیال کو غلط ثابت کردیا۔ تم سفید

رنگ میں بھی خاصی حسین لگتی ہو.....خوب صورت لڑکی۔'' اس کے واٹس ایپ پہ بلنک کرتا سمیر کا میسج دیکھ کر اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی تھی۔

''کیا ہوا تم خوش نہیں ہوئی؟'' اس کے میسج ریسیو کر کے بھی جواب نہ دینے پہ سمیر نے اسے دوسرا میسج بھیجا تھا۔ ظاہر ہے یہ بھی اسی وقت پڑھا جا چکا تھا جس کی خبر سمیر کو بروقت مل چکی تھی۔ وہ اب بھی شاک میں تھی۔

''میں سوچ رہا تھا تھوڑی پریکٹس کرلوں' کیا پتا میں تمہیں اچھا لگنے لگوں اور شاید اس طرح میری شادی جلدی ہوجائے۔'' اس بار اس نے آنکھ مارتا ایموجی بھی ساتھ ارسال کیا۔

''اتنی گہری خاموشی سے عموماً 'اعتراف' مراد لیا جاتا ہے لیکن تمہارے کیس میں اس کا الٹ بھی ہوسکتا ہے۔'' اس بار علینہ کا قفل ٹوٹا۔

''نہیں.....'' بے اختیار اس نے ریپلائی کیا۔

''کیا نہیں؟ 'ہاں' کے 'نا'.....'' وہ اب اسے گھیرنے کے موڈ میں تھا۔

''گڈ نائٹ۔'' علینہ نے نچلا لب دباتے اپنی ہنسی کو روکا اور واٹس ایپ بند کر کے موبائل سائیڈ پہ رکھ دیا۔ ایک ہی دن میں اتنے بہت سے انکشافات اس کی جانِ ناتواں پہ بھاری ہورہے تھے۔

''کیا یہ سب آج کے آج میری جان لے کے چھوڑیں گے۔'' اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے سوچا۔ فنکشن میں کشمالہ کو دیکھ کر اور سمیر کے ساتھ اس کی نارمل بول چال کے علاوہ اس کے علینہ پہ اچھالے گئے طنزیہ جملے گھر آنے تک اس کا مزہ کرکرا کرتے رہے تھے۔ بظاہر اس نے ان دونوں پہ کوئی توجہ دی تھی نا ہی اپنے موڈ پہ اس کا اثر آنے دیا تھا پر دل کچھ اداس ہوگیا تھا۔ بے اختیار پہلی بار اس نے اپنا موازنہ کشمالہ سے کیا اور بڑی مایوس ہوئی تھی۔ لیکن اس وقت نور فاطمہ کی باتوں سے دل کو کچھ حوصلہ ہوا۔ اگر سمیر کا رجحان کشمالہ کی طرف ہوتا تو وہ کبھی علینہ کے لیے سوال نا اٹھاتیں اور اب اس طرح اچانک سمیر کے میسج۔ اس کی طرح اس کا تعریف کرنے کا انداز بھی غیر معمولی تھا۔ دو لفظوں میں اسی وقت کہہ دیتا کہ علینہ تم اچھی لگ رہی ہو تو بیتے لمحے کس قدر حسین بن جاتے پر اسے تو فقط علینہ کو چڑانے میں مزا آتا تھا۔ اس کا جلتا کڑھتا' سرخ ہوتا چہرہ اور ماتھے کی تیوریاں دیکھ کر وہ حظ اٹھاتا تھا۔ ان سب باتوں کے بعد آج رات کم سے کم نیند تو اس کی آنکھوں سے بغاوت کرچکی تھی اور پھر کچھ وہ اس خوف سے بھی سونا نہیں چاہتی تھی مبادا وہ خوابوں میں ہی نا چلا آئے۔ ایک میسج کا جواب تو ڈھنگ سے دے نہیں پائی اس کا سامنا کیسے کر پائے گی۔

❁☆☆☆❁☆☆☆❁☆☆☆❁

اس نے نیند سے بوجھل آنکھوں سے اپنے سامنے کھڑے وارڈ بوائے کو دیکھا تھا۔ وہ اسے کچھ بتا رہا تھا لیکن اپنی ہی سوچوں میں گم اس کا شل ہوتا دماغ کچھ بھی سمجھ نہیں پارہا تھا۔

''وہاں ایمرجنسی سے کال آرہی ہے آپ کی سر۔'' اس نے ایک بار پھر اپنی بات کو دہرایا تھا۔ اس بار الفاظ اس کی سمجھ میں آئے تھے۔ اسی لیے اس نے سر کے اشارے سے اسے جواب دیتے رخصت کیا تھا لیکن وہ اب بھی اپنی سیٹ پہ ہی بیٹھا ہوا تھا۔ پچھلے ایک ماہ سے اس کی ڈبل ڈیوٹیاں چل رہی تھیں۔ ایک ڈاکٹر کے اچانک چھٹی پر جانے کے بعد سے کام کا دباؤ بڑھ گیا تھا اس کے ساتھ اس کی ذمہ داری بھی۔ کچھ ان دنوں وہ ویسے بھی یو ایس ایم ایل ای کی تیاری میں مصروف تھا تو جاب سے ملنے والا باقی کا وقت اس کا پڑھائی میں گزر جاتا تھا لیکن جس دن سے اسے فریحہ کی کال آئی تھی اس کا اطمینان غارت ہوگیا تھا۔ فریحہ نے کئی بار کی کوشش کے باوجود اس کی کال اٹینڈ کی تھی نا ہی اس کے کسی میسج کا جواب دیا تھا۔ اس درجہ بے اعتنائی پر وہ پاگل نہ ہوتا تو اور کیا کرتا۔ کس سے کہتا' کسے سناتا کہ دل پہ اس وقت کیا گزر رہی تھی۔ فریحہ کی تلخ آنسوؤں میں بھیگی آواز اسے ایک پل سونے نہیں دیتی تھی۔ زندگی کی ہر کیلکولیشن' ہر ضابطہ' وہ تلی بندھی سوچ فریحہ کی اس ایک کال کی بدولت ریت کے ڈھیر کی طرح بکھر گئی تھی۔

فارس زندگی کی بساط پہ دل کی بازی اپنے ہی ہاتھوں ہار چکا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

میرا دردِ نغمۂ بے صدا

حنا بشریٰ

ایک آس، ایک احساس، میری سوچ
اور بس تم......
ایک سوال، ایک مجال، تمہارا خیال
اور بس تم......
ایک بات، ایک شام، تمہارا ساتھ
اور بس تم......
ایک دعا، ایک فریاد، تمہاری یاد
اور بس تم......
میرا جنون، میرا سکون بس تم
اور بس تم......

''محبت آفاقی جذبہ ہے یہ تو قدرت کی طرف سے دل میں اتارا جاتا ہے اور پھر اس جذبے کے سامنے سرتسلیم کرنے والا اطاعت گزار کہلاتا ہے اور اس جذبے سے متصادم و متنفر ہونے والا خوامخواہ خود کو تھکاتا ہے۔ انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا کہ کسی بھی پسندیدہ شخص کا عکس آئینہ دل پر محفوظ کرے یہ احساس تو حکم ربی کا محتاج ہوتا ہے۔ کس کا عکس کس کے دل پر اتار دیا جاتا ہے اکثر تو خبر بھی نہیں ہوتی اور جب خبر ہوتی ہے تو اس عکس کو مٹانا دشوار ہو جاتا ہے اور زبردستی کی صورت میں پورا وجود زخمی ہو جاتا ہے پھر ہر زخم سے خون رستا ہے اور یوں رستا ہے کہ ہر زخم کا ناسور بنا ڈالتا ہے مگر دل سے عکس بھی نہیں مٹتا۔''

وسیع آسمان پر کالی بدلیوں نے حکم خدائے لم یزل سے کمندیں ڈالیں تو چہار سو زندگی چھا گئی۔ دن میں رات کا سماں ہو گیا بس چاند تاروں کی کسر باقی تھی۔ آسمان سے برستی بارش نے طوفان کی شکل اختیار کی، ہوا میں شوریدگی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ پینٹنگ روم کی واحد کشادہ کھڑکی باہر کا منظر بخوبی اجاگر کر رہی تھی۔ گرد و پیش سے بیگانہ رنگوں کا دیوانہ مصوری جس کا مشغلہ ہی نہیں بلکہ جنون تھا۔ وہ اپنے ذہن کے پردے پر جھلملاتے عکس کو کینوس پر اتار کر اب اس میں رنگ بھر کر گویا جان ڈال رہا تھا۔ ایک عجیب سی بے اطمینانی اس کے خوبرو چہرے پر محو رقص تھی۔ اس شوق کو پروان چڑھانے کی خاطر ایک عدد آرٹ گیلری بھی قائم کر چکا تھا، وہ اس دنیا کا ایک جانا پہچانا نام بن چکا تھا۔ وہ اپنی کتنی ہی شاہکار تصویروں کی کامیاب نمائش کر چکا تھا، کتنے ہی شاہکار فن پاروں کا خالق تھا، بہت سی بے جان چیزوں کو وہ کینوس پر محفوظ کر چکا تھا، بہت سے شاندار قدرتی مناظر کے علاوہ تجریدی آرٹ کے یادگار نمونے بھی امر کر چکا تھا مگر تشنگی اب بھی باقی تھی اسے اپنے فن کو عروج بخشنا تھا۔ وہ کوئی شاہکار بنانا چاہا تھا، کوئی ایسا چہرہ جو قدرت کی صناعی کا منہ بولتا ثبوت ہو، اسی تلاش میں وہ ابھی تک بھٹک رہا تھا۔ اسے ''دیومالائی حسن'' چاہیے تھا، اس کی فرینڈز میں حسین دوشیزاؤں کی لمبی قطار تھی مگر کسی چہرے نے اسے ابھی تک متاثر نہیں کیا تھا۔ وہ کافی عرصے سے بے چین و مضطرب تھا، بہت سے خیالی پیکر ذہن کے پردے پر جھلملاتے مگر وہ مطمئن نہ ہوتا اسے بہت خاص چہرے کو لے کر خاص الخاص شاہکار بنانا تھا اسے فن مصوری کی دنیا میں تہلکہ مچانا تھا۔ کتنی ہی معروف و مشہور ماڈلز کا وہ امتحان لے چکا تھا مگر ناکام رہا تھا۔ وہ مضطرب ضرور تھا مگر اپنی تلاش میں ہرگز تھکا نہیں تھا کیونکہ وہ اس بات پر یقین کامل رکھتا تھا کہ...... ''ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے''

اس نے برش سائیڈ پر رکھا اور صوفے پر براجمان ہو گیا۔ کچھ دیر کے لیے اپنے فن پارے کو دیکھتا رہا جو ابھی نامکمل تھا تو اس کی آنکھوں میں بے پناہ تھکاوٹ اتر آئی، سکون کی خاطر اس نے آنکھیں موند لیں اور صوفہ کی بیک سے ٹیک لگا لیا۔ آنکھیں بند ضرور تھیں مگر دماغ ہنوز جاگ رہا تھا اس کے روم روم میں ایک شاہکار کی تلاش میں دیوانگی رچ بسی تھی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک نے اس کے خیالات میں خلل ڈالا لیکن آنکھیں ابھی بھی بند تھیں۔

''آ جاؤ......'' وہ ابھی بھی اپنی سابقہ پوزیشن میں تھا، اس کے اجازت دینے پر پینٹنگ روم کا دروازہ نہایت آہستگی سے کھلا، باہر کھڑے وجود نے دو قدم اٹھائے ہی تھے کہ ٹھٹک

سا گیا نفیس سے صوفے پر ایک خوبرو نوجوان محو استراحت تھا مگر وہ اپنے دھیان میں آنکھیں موندے ہوئے تھا جو دروازے کے باہر کھڑے وجود کے حیرت استعجاب سے بالکل بے خبر تھا۔ وہ آج بنگلے میں پہلی بار آئی تھی' چھوٹے مالک کو کبھی دیکھا بھی نہیں تھا یوں کمرے میں خوبرو شخص کو تنہا دیکھ کر وہ قدرے کنفیوژ سی ہوگئی۔

''کون ہے بھئی' اب آ بھی جاؤ۔'' عارفین نے طویل خاموشی سے اکتا کر کہا اور آنکھیں کھول کر سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ جم سا گیا۔ وہ دوشیزہ وہاں کسی سنگی مجسمے کی طرح ایستادہ تھی' گلابی دودھیا رنگت' روشن چمکدار ستارہ آنکھیں' یاقوتی لب' مناسب قد' ستواں ناک' پیشانی پر دائیں جانب سیاہ تل' یوں جیسے نظر بد سے حفاظت کا قدرتی انتظام ہو۔ سیاہ کرتا اور سفید چوڑی دار پاجامے کے ساتھ سفید دوپٹہ سر پر سلیقے سے لیے وہ عارفین کو مبہوت کرگئی تھی۔ وہ دوشیزہ گنجینہ حسن کی مالکہ تھی اسے دیکھتے ہی پہلی نظر میں مغلیہ دور کی حسین کنیز انارکلی کا تصور ابھرتا تھا۔ اسے لگا کہ بچپن میں جو قصے سنے تھے اس حسین کنیز کو آج حقیقت کی آنکھ سے دیکھ بھی لیا ہو۔ وہ دوشیزہ جو پہلے ہی اندر آنے سے ہچکچا رہی تھی اس نوجوان کی محویت پر مزید گھبرا گئی' وہ کبھی گھنیری پلکوں کو جھکاتی تو کبھی اٹھانے پر مجبور ہو جاتی۔

''اندر آجاؤ۔'' پُر شوق نگاہوں نے اِذن عطا کیا۔

وہ اندر آتے ہوئے خود کو ملامت کر رہی تھی' اسے چھوٹے مالک کے کمرے میں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ رعد کی کڑک نے عظیم شور برپا کیا تو وہ نازک سا وجود یوں کانپا کہ ہاتھ میں پکڑی ٹرے بھی گرنے کے قریب ہوئی جیسے جیسے وہ قریب آرہی تھی اس نوجوان کی آنکھوں میں شوق دید بڑھتا ہی جارہا تھا۔

''چھوٹے مالک یہ جوس.....'' یاقوتی لب ہلے تو گویا جلترنگ بج اٹھے۔ وہ جتنی خود حسین تھی اس کی آواز بھی بے پناہ دلکش تھی۔

حسن والوں کو کیا ضرورت ہے سنورنے کی
وہ تو سادگی میں بھی قیامت کی ادا رکھتے ہیں

عارفین کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی' وہ حسین اپسرا جانے کے لیے پلٹی تھی کہ رک گئی۔

''بارش...... بہت تیز ہوگئی ہے کھڑکی بند کردو۔'' عارفین اس سراپا حسن کو کچھ دیر اور دیکھنے کا خواہش مند تھا' سو بہانہ تراشا۔ وہ نازک اندام حسینہ حکم کی تعمیل میں کھڑکی تک پہنچی' پنجوں کے بل کھڑی ہوئی اور کھڑکی کے پٹ تھامنے کی سعی کرنے لگی۔ اس کی گلابی مومی ایڑیاں اور پاؤں میں نازک سی پازیب تھی مگر دیوانی مستانی ہوائیں بھی عارفین کے ساتھ اس سازش میں شریک تھیں۔ وہ بہت دلچسپی سے اس کی کوشش دیکھ رہا تھا' اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ہوا یونہی شرارت کرتی رہے اور وہ اس کی نگاہوں کے سامنے کچھ دیر اور رہے۔ آخر کار ہوا کو رحم آہی گیا تو وہ کھڑکی بند کر کے جانے کے لیے پلٹی تو جاتے جاتے اس کی نگاہیں عارفین کی مسکراتی پُر شوق نگاہوں سے جاملیں۔

''اب میں جاؤں جی؟'' اس کے لہجے میں تعجب نمایاں تھا۔

''نہیں۔'' دوسری جانب نامعلوم سا استحقاق غالب آیا۔

''کوئی اور کام ہے چھوٹے مالک؟'' وہ بولی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''گل رخ.....'' یاقوتی لب ہلے۔

❁......✿......❁
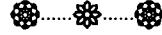
''زینب بوا تمہاری بیٹی تو بہت خوب صورت ہے' یہ سچ مچ تمہاری ہی بیٹی ہے ناں؟'' ساریہ نے گل رخ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے استفسار کیا۔ اس کا لہجہ توصیفی تھا۔

''جی چھوٹی بی بی' میری سگی بیٹی ہے اور وہ بھی اکلوتی۔'' زینب نے محبت سے گل رخ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ویری بیوٹی فل..... نیچرل بیوٹی اور نام بھی بالکل ٹھیک رکھا ہے گل رخ۔'' ساریہ نے گل رخ کے گلابی گال کو چھوتے ہوئے کہا تو وہ حیاء سے مزید گلابی ہوگئی۔

''بس جی یہی میری جمع پونجی ہے اور جی حسن سے کیا ہوتا ہے چھوٹی بی بی' بیٹیوں کے نصیبوں سے ڈر لگتا ہے۔ بہت خوب صورت چہرے والیاں بھی قسمت کی مار سے بچ نہیں پاتیں۔ اللہ میری دھی کا نصیب سوہنا کرے' اسے کوئی غم نہ پہنچے۔'' زینب نے دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھتے ہوئے دعائیہ انداز میں کہا۔

''اچھا' ساریہ اب یہ فضول باتیں بند کرو۔'' مسز احسان جو کافی دیر سے بے نیاز بنی نیل فائل کرنے میں مگن تھیں سٹپٹا سی گئیں۔ انہوں نے تقریباً گھور کر گل رخ پر نگاہ ڈالی اور جھٹ نظر پھیر لی' وہ دل ہی دل میں اس حسین دوشیزہ کو دیکھ کر لرز اٹھیں مگر فوراً ہی خود کو مضبوط کرلیا۔

''زینب.....اس کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی' جانتی بھی ہو گھر میں مرد ملازمین ہیں یوں جوان جہان لڑکی کو لانا کہاں کی عقل مندی ہے۔'' مسز احسان نے دانستہ بیٹے اور شوہر کا ذکر نہیں کیا تھا۔

''بیگم صاحبہ.....مجبوری ہے میں اکثر بیمار رہتی ہوں' اس کو ساتھ لائی ہوں تاکہ کام کاج سیکھ جائے' میری جگہ پر آ جایا کرے گی۔ بیگم صاحبہ میری دھی بہت سیانی ہے آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔'' زینب بوا عاجزی سے بولیں۔

زینب کی التجاؤں اور ساریہ کی بھرپور حمایت نے مسز احسان کو مجبور تو کردیا مگر وہ گل رخ کے وجود سے خائف تھیں۔ اس کا ملکوتی حسن انہیں خار کی طرح چبھنے لگا تھا وہ بات بہ بات اسے جھڑکتیں' کاموں میں بلاوجہ کی تنقید کرتیں۔ سستی اور کام چور کا طعنہ دیتی حالانکہ وہ کافی سلیقے اور مستعدی سے کام کرتی تھی۔ چند ہی دنوں میں اس نے سب کو اپنے کام کا گرویدہ بنالیا تھا جن میں ساریہ تو سرفہرست تھیں مگر مسز احسان اس کے ساتھ ناروا سلوک رکھتیں تاکہ گل رخ اپنی اوقات میں رہے اور اپنے حسن کے زعم میں محلوں کے خواب نہ دیکھنے لگے۔

ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی' پورا لان سرخ گلابوں سے مہک رہا تھا ننھے پرندے خوش الحانی سے ثنائے رب ذوالجلال کررہے تھے۔ رنگ برنگی تتلیاں اپنی بہار دکھا رہی تھیں' گل رخ پانی کا پائپ تھامے پودوں کو پانی دینے میں مصروف تھی۔ عارفین جاگنگ کرکے لوٹا تو گل رخ کو دیکھ کر تھم سا گیا وہ خود کو اس پری وش کے سامنے بے بس و بے خود سا محسوس کرنے لگتا تھا۔ دماغ مزاحمت کرتا محبت کی ان دیکھی راہوں پر چلنے سے انکاری ہوتا مگر دل ضدی بچے کی طرح پیر پٹختا اور گل رخ کا ہاتھ تھام کر انجانی راہوں پر گامزن ہونے کی خواہش کرتا۔ وہ کنج گلاب میں کھڑی خود بھی گلاب کا پھول لگ رہی تھی' نظروں کی تپش کا احساس گل رخ کو چونکا گیا' نگاہیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا مگر پھر فوراً رخ موڑ گئی۔

''بدنظر......بدتمیز......بہت بے ہودہ ہے۔'' وہ ناگواری سے دل ہی دل میں بڑبڑائی' دل چاہ رہا تھا کہ ایک موٹا سا پتھر اٹھا کر اسے دے مارے تاکہ اس کی محویت ٹوٹے۔

''پہلی ملاقات سے ہی یوں گھور رہا ہے جیسے پہلے کبھی کوئی لڑکی نہیں دیکھی۔'' وہ سوچ گئی۔

''ارے عارفین..... آج بڑی جلدی جاگنگ سے واپس آ گئے۔'' ساریہ نے اس کی نگاہوں کے زاویے کا

تعاقب کیا تو نقطہ انتہا گل رخ تک ٹھہرا۔ اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھر گئی' اس نے عارفین کی نظروں میں کبھی کسی لڑکی کے لیے پسندیدگی نہیں دیکھی تھی وہ اس کا چھوٹا بھائی کم اور دوست زیادہ تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے ہر بات شیئر کرتے تھے' ساریہ کا ماموں زاد ارسلان سے نکاح ہوچکا تھا بس رخصتی عنقریب متوقع تھی۔ عارفین کے لیے اسے بہت اچھی اور پیاری لڑکی کی تلاش تھی اور شاید یہ تلاش اب ختم ہوچکی تھی گل رخ نیک سیرت اور خوب صورت لڑکی تھی۔

''اے مسٹر...... کہاں گم ہو؟ کچھ پوچھ رہی ہوں۔'' ساریہ نے اس کے چہرے کے قریب چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

''ہاں......'' وہ تھک گیا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکراتے ہوئے سنگی بنچ پر بیٹھا تو ساریہ بھی ساتھ ہولی۔

''یہاں لان میں کھڑے کیا ہورہا تھا' کیا کچھ تلاش کررہے تھے۔'' ساریہ اس کی بے خودی کو فوکس کرتے ہوئے شرارت سے بولی۔

''یہ لڑکی کون ہے؟'' عارفین نے جواب دینے کی بجائے سوال کرڈالا۔ ساریہ نے مختصراً بتایا تو ایک نامعلوم سی اداسی عارفین کے خوبرو چہرے کو اداس کرگئی۔ شاید اپنی اور اس کی حیثیت کے فرق نے اس کو مغموم سا کردیا تھا۔

''اچھا جناب...... آپ کے شاہکار کا کیا بنا' کیا کوئی پری چہرہ ملا؟ بھئی عارفین' جلدی کرو میں نے اس مہینے کے آخر میں نمائش کی ڈیٹ فائنل کردی ہے اور نمائش کے پاس بھی تقسیم کیے جاچکے ہیں۔'' ساریہ تیزی سے اپنا سارا پلان اس کے سامنے ڈسکس کرتی رہی اور وہ خاموش نگاہوں سے گل رخ کو تکتا رہا۔ عارفین اب سنجیدگی سے غور کرنے لگا کہ وہ دل آفریں وجود اس کے اعصاب پر سوار رہنے لگا تھا۔ حسن نے اسے گھائل کیا تو اسے احساس ہوا کہ دیوانگی کیا چیز ہے' یہ حسن ہی تو تھا جس نے زلیخا کو دربدر کیا اور کچھ کنواری دوشیزاؤں نے ''حسن یوسف'' دیکھ کر اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔

❁......❁......❁

عارفین کو اپنے شاہکار کے لیے جس دیو مالائی حسن کی ضرورت تھی وہ بلاتردد اسے حاصل ہوگیا تھا۔ اب اگلا مرحلہ اسے کینوس پر اتارنا اور دنیا کے روبرو کرنا تھا۔ وہ پوری جانفشانی کے ساتھ اس کام میں جت گیا' رات کی گہری خاموشی میں وہ اس شاہکار کی تخلیق میں کھو سا جاتا۔ وہ یوں ہر نقش نگار پر برش چلاتا کہ ذرا سی بھی غفلت اس حسن کی دیوی کے حسن کو گہنا سکتا تھا۔ آج ساریہ نے اسے عارفین کے پینٹنگ روم کی صفائی کا کہا' عارفین گھر پر نہیں تھا سو وہ بغیر کسی اعتراض کے وہاں چلی آئی۔ وہاں بے ترتیبی دیکھ کر سخت کوفت زدہ سی ہوئی۔

''توبہ ہے یہ کس جنونی انداز میں پینٹنگ کی جاتی ہے۔'' وہ صفائی کرتے ہوئے بڑبڑائی۔ دل میں تجسس نے سر اٹھایا تو قدم بے ساختہ کینوس کی جانب اٹھ گئے۔ سفید چادر سے ڈھکا ہوا کینوس بے حد پراسرار لگ رہا تھا اس نے ڈرتے ہوئے چادر ہٹائی' تو تحیر کے مارے اس کی آنکھیں پتھرا سی گئیں' یہ تو وہ خود تھی۔ سفید مغلیہ انداز کی گھیردار فراک کے ساتھ ہم رنگ چوڑی دار پاجامہ اور خوب صورت آنچل لیے وہ سنگ مرمر کے چکنے فرش پر بیٹھی تھی' سیاہ ریشمی بالوں میں موتیے کی لڑیاں سجی ہوئی تھیں۔ پاؤں میں نازک سی پازیب دمک رہی تھی' وہ پھٹی ہوئی آنکھوں سے اپنا پورٹریٹ دیکھ رہی تھی دل ہی دل میں وہ عارفین کی مصوری کی قائل ہوگئی تھی' نگاہ جونہی پیشانی کے تل پر جا ٹھہری تو وہ سلگ اٹھی۔

''کتنا گھٹیا اور نظر باز انسان ہے' کتنے غور سے ایک ایک چیز کو دیکھ کر تصویر بنائی ہے۔'' عارفین کے بارے میں اس کی رائے مزید بری ہوئی تھی۔

''کوئی کمی رہ گئی ہے کیا؟'' عقب سے عارفین کی شوخ آواز ابھری تو وہ چونکی اور یکلخت پلٹ کر دیکھا۔

وہ جانے کب اندر آیا تھا اور اب مزے سے صوفے پر براجمان اس کی محویت سے محظوظ ہورہا تھا۔ گل رخ نے دل کی بات کو دل ہی دل میں دبایا تھا کیونکہ عارفین جیسا بھی تھا اس کا مالک تھا اور وہ یہاں کی ادنیٰ سی ملازمہ۔ وہ کچھ بھی کہے بنا جانے لگی کہ عارفین نے اس کا راستہ روک لیا۔

"یہاں بلا اجازت آیا تو جاسکتا ہے مگر جایا نہیں۔"
عارفین کے الفاظ اسے خوف زدہ کر گئے وہ حیرت کے مارے اسے تکنے لگی۔

"تم نے بتایا نہیں کہ اپنی تصویر کیسی لگی' کیا قدرت کی صناعی میں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔ ہاں البتہ میں بندہ بشر ہوں کوئی کوتاہی کرسکتا ہوں مگر تمہاری غیر موجودگی میں تمہاری تصویر بنانا کوئی آسان کام تو نہیں تھا۔" عارفین دانستہ اسے کریدنے اور کھوجنے کے لیے بولا۔

"چھوٹے مالک آپ نے یہ اچھا نہیں کیا' ایک غیر لڑکی کی تصویر بنائی وہ بھی بلا اجازت۔" گل رخ ناگواری سے کہہ بیٹھی۔ جواب میں عارفین نے زندگی سے بھرپور قہقہہ لگایا تو وہ مزید سلگ گئی اور جانے کے لیے قدم بڑھائے ہی تھے کہ عارفین نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

اقرار......

سنو میں آج یہ اقرار کرتا ہوں
تمہاری چاہ میں سورج سے بھی زیادہ تمازت ہے
اور میں اک موم کی صورت پگھلتا جارہا ہوں
مجھے تم اپنی زلفوں کی گھنیری چھاؤں میں محفوظ کرلو
یا اپنے لمس سے محروم کرکے یونہی
معدوم ہونے دو......!

"گل رخ اپنی تصویر دیکھ کر مجھ سے خفا ہو مگر دل کے کینوس پر نقش تمہاری صورت کب سمائی میں بے خبر ہوں۔ میں چاہوں بھی تو تمہارے تصور سے خود کو آزاد نہیں کرواسکتا۔" عارفین گہرے لہجے میں بولا۔

گل رخ کے اردگرد محبت کے ان گنت گلاب کھل اٹھے تھے' وہ تو جس سے بے پناہ چڑتی تھی وہ اسے من میں بسائے بیٹھا تھا۔ وہ اسے چھونے سے ڈرتا تھا کہ کہیں وہ میلی نہ ہوجائے جو تاروں سے زیادہ ارفع اور بہتے پانی سے زیادہ شفاف تھی وہ تو مثلِ قرص مہتاب تھی جو ٹھنڈی اور روشن تھی۔ جس کی روشنی نے عارفین کے وجود کو جگمگا کر رکھ دیا تھا اور یہی محبت بھرا روشن دل اندھیری راہوں میں اس کے لیے اب مشعل راہ تھا۔ محبت نے گل رخ کو اپنی لپیٹ میں لیا تو وہ مزاحمت نہ کرپائی۔ عارفین کی محبت ایک خوب صورت خواب تھا جس کی تعبیر ناممکن تھی مگر وہ آنکھیں نہ کھولنا چاہتی تھی' کہیں خواب ٹوٹ نہ جائے بکھر نہ جائے مگر جب درمیان میں حیثیت کی دیوار کھڑی ہوئی تو وہ لرز کر رہ گئی۔ محبت کا بھیانک انجام اسے رلا دیتا' کہیں محبت کی پاداش میں اسے بھی دیوار میں چنوا دیا جائے' وہ الجھ کر رہ گئی تھی۔

❁......❁......❁
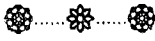
زینب بوا نیند ہی نیند میں دنیا سے ناطہ توڑ کر گل رخ کو داغ مفارقت دے گئیں تو ساریہ اسے مستقل گھر لے آئی۔ مسز احسان کی مخالفت کے باوجود اس کی تمام ہمدردیاں گل رخ کے ساتھ تھیں جس دن اسے علم ہوا کہ وہ اس کے بھائی کی محبت ہے تو وہ اس نازک آبگینے کی حفاظت کرنے لگی تھی۔ وہ امیر اور غریب کی محبت کے قطعی مخالف نہ تھی کیا غریب کا دل نہیں ہوتا' خواب نہیں ہوتے' ارمان نہیں ہوتے۔ اب ہر لمحہ گل رخ عارفین کی نگاہوں کے سامنے رہنے لگی تو دیوانگی مزید بڑھنے لگی۔ شمع اور پروانہ کا کھیل جاری تھا مگر عشق و مشک کہاں چھپتے ہیں' عارفین کی نظروں نے عشق کا راز طشتِ ازبام کیا تو باقی کسر کینوس پر بنی تصویر نے پوری کردی۔ حقیقت آشکار ہوتے ہی مسز احسان کا دماغ بھک سے اڑ گیا' وہ تو پہلے ہی اس کے ساتھ ناروا سلوک روا رکھتی تھیں' اب تو مزید بدسلوکی کرنے لگیں۔ اب ان کے انداز میں تحقیر کا پہلو نمایاں ہونے لگا تھا۔

"ہمارے خاندان کی بہو ایک ملازمہ کی بیٹی بنے یہ ممکن نہیں......اپنی اوقات میں رہو لڑکی' مخمل میں کبھی ٹاٹ کا پیوند نہیں لگتا' اتنی اونچی اڑان نہ اڑو کہ جب گرو تو نہ آسمان تمہارا مقدر رہے اور نہ ہی زمین۔" مسز احسان خشونت بھرے انداز میں بولیں۔

گل رخ آنسو ضبط کرکے رہ جاتی دو چاہنے والوں کے درمیان نفرت کرنے والے کا وجود تو دستور دنیا ٹھہرا' محبت کرنے والے محبت سے اور نفرت کرنے والا اپنی نفرت سے مجبور ہوتا ہے۔ دو دلوں کو جدا کرنا معاشرے کا مقصد حیات بن جاتا ہے جس کی خاطر وہ اپنی تمام تر توانائیاں استعمال کرتا

ہے کیونکہ وہ اس مقدمے پر عمل پیرا ہوتا ہے۔

''محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے۔''

ایک پل کے لیے انہیں گل رخ کا وجود برداشت نہیں تھا' وہ اس موقع کی تلاش میں تھیں کہ عارفین اور ساریہ نمائش کے سلسلے میں آؤٹ آف کنٹری ٹور پر جائیں تو وہ گل رخ کو چلتا کریں اور کسی بھی شخص سے اس کا بیاہ کر کے ہمیشہ کے لیے اس مصیبت سے نجات حاصل کرلیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہی تھیں اور تقدیر اپنی چال چل رہی تھی' ایک شدید کار ایکسیڈنٹ میں مسز احسان اس دارفانی سے کوچ کر گئیں۔

❁......❁......❁

اتنے بڑے حادثے نے احسان ولا کے درو بام ہلا دیئے' ایسی انہونی ٹوٹی تھی کہ کسی کے گمان میں بھی نہ تھا۔ احسان صاحب اپنا تمام بزنس وائنڈ اپ کر کے مستقل واپس آئے تو ایک شعلہ جوالہ ان کی نگاہوں کا محور و مرکز بن گئی' وہ غیر معمولی حسن انہیں بھی گھائل کر گیا تھا۔ سارا زمانہ جس کے سحر میں تھا تو بھلا احسان صاحب خود کو کیسے روک پاتے۔ گل رخ' عارفین اور ساریہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تقدیر اب کون سا نیا رنگ دکھانے والی تھی۔

''صرف دو ہفتے کا ٹور ہے گل رخ...... تم تو ایسے رو رہی ہو جیسے میں ہمیشہ کے لیے تم سے جدا ہو رہا ہوں۔'' عارفین اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔ اس کی بات پر وہ دہل کر رہ گئی۔

''اللہ نہ کرے۔'' جھیل سی آنکھیں شفاف پانی سے لبالب بھر گئیں۔

''تم پریشان مت ہونا' میں واپس آ کر پاپا سے تمہارے بارے میں بات کروں گا' مجھے امید ہے کہ ان کا ری ایکشن ماما جیسا نہیں ہوگا۔'' وہ مخمور لہجے میں کہتے ہوئے اس کے گلابی ہاتھ تھامتے ہوئے رک گیا۔ محبت نے اب عشق کی جانب قدم بڑھا دیئے تھے ابتدا اب انتہا کی جانب جا پہنچی تھی۔ وہ دونوں اپنے اپنے جذبے لیے بارگاہ عشق میں حاضر تھے' وہ اسے چھو کر گناہ گار نہیں ہونا چاہتا تھا وہ عشق کی معراج کو پانا چاہتا تھا اپنی یاد اور انتظار کا حسین تحفہ دے کر وہ عارضی مفارقت دے گیا۔

❁......❁......❁

پردیس جا کر بھی عشق کی بے قراریوں کو چین نصیب نہ ہوا' وہ دن میں کتنے ہی فون گل رخ کی آواز سننے کو کرتا۔ اس کا بھیگا لہجہ محسوس کر کے جہاں خوشی کا احساس ہوتا وہاں برسوں کی تھکاوٹ اس کے جسم و جان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ وہ چشم تصور میں اسے بانہوں میں بھرتا اور اس کے بھیگے رخسار پونچھتا۔ اسے اپنی محبت وعدے پر قائم رہنے کا یقین دلاتا کہ زندگی کی آخری سانس تک دل کے کینوس پر صرف ایک ہی عکس رہے گا۔

عارفین دور رہ کر کچھ تبدیلیاں محسوس کرنے لگا تھا' زمین و آسمان کی وسعتیں بھی وہی تھیں' زمین کے موسم اور رُتیں بھی وہی تھیں مگر پھر بھی بہت کچھ بدل گیا اور وہ بھی بہت خاموشی سے۔ وہ بہت غور کرتا مگر عقل سمجھنے سے قاصر تھی' گل رخ اب وہ نہیں رہی تھی' لہجہ اب بھی بھیگا سا ہوتا مگر بے حد ویرانی کا راج ہوتا۔ وہ اب بے قراری سے اس کے آنے کا نہیں پوچھتی تھی مگر اس کا بجھا ہوا لہجہ بہت کچھ کہہ رہا ہوتا مگر کیا عارفین پر ابھی حقیقت کا انکشاف ہونا باقی تھا کہ گل رخ اب اس کی زندگی سے بہت دور جا چکی تھی۔ عارفین اپنے اضطراب سمیٹتا ہوا واپس لوٹا تو وہ گل رخ کو دیوانوں کی طرح تلاش کرنے لگا اس کی بے چین نگاہیں دیدار یار کے لیے تڑپ رہی تھیں۔ شام کا ملگجا اندھیرا پھیل رہا تھا' وہ اسے لان میں تنہا سنگی بنچ پر بیٹھی دکھائی دی' وہ اسے سرپرائز دینے کی غرض سے دبے پاؤں چلتا ہوا اس کے قریب جا بیٹھا۔ وہ گردو پیش سے بیگانہ نم گھاس پر اپنا دودھیا پاؤں پھیر رہی تھی' ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کے پاؤں میں پازیب تھی مگر یہ کیا عارفین کو ایک دم جھٹکا سا لگا' آج یہ پازیب پرانی والی نہیں تھی' جدید فیشن کے عین مطابق تھی۔ اس کی چمک دمک دیکھ کر کوئی اندھا بھی کہہ سکتا تھا کہ وہ پرانی ہرگز نہیں۔ گل رخ نے نئی پازیب کہاں سے لیں' کیا کسی نے تحفہ دیا ہے؟ کیونکہ گل رخ ہرگز اتنی قیمتی پازیب نہیں خرید سکتی تھی پھر کس نے دی ہے؟ عارفین الجھ سا گیا۔

اسی دوران اپنی سوچوں میں مگن گل رخ چونکی تو عارفین کو

روبرو دیکھ کر ضبط نہ کرسکی اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر رونے لگی‘ عارفین اس کی گریہ زاری کو اپنی غیر حاضری کی وجہ جان کر اسے چپ کروانے لگا مگر وہ مزید بکھر جاتی تھی۔ عارفین کے دل کو کچھ ہوا تھا یہ رونا‘ یہ تڑپنا بلا سبب تو نہیں تھا۔ عارفین کو معاملے کی سنگینی کا ادراک ہوا تو وہ پوچھ بیٹھا۔

”کیا بات ہے گل رخ‘ کیوں یوں رو رو کر خود کو نڈھال کررہی ہو؟“ عارفین درد بھرے لہجے میں بولا تو گل رخ کا رونا تھما مگر آنسو ابھی بھی گالوں کو بھگوتے چلے جارہے تھے۔ گل رخ اب بھی چپ تھی‘ خاموشی عارفین کے لیے بہت جان لیوا تھی مگر احسان آفندی نے آ کر جو انکشاف کیا اسے سن کر عارفین کا دل چاہ رہا تھا کہ رو رو کر دریا بہا دے۔

”جوان اور حسین لڑکی کا یوں تنہا رہنا بہت معیوب لگ رہا تھا‘ ملازمین اور دنیا والوں کی آنکھوں میں بے پناہ سوالات ابھرنے لگے تھے۔ اس کا واحد حل مجھے یہی سمجھ آیا کہ میں نے گل رخ سے نکاح کرلیا‘ ایک غریب لڑکی کو سہارا بھی مل گیا۔ میری بھی ضرورت پوری ہوگئی‘ نیکی کی نیکی۔“ احسان آفندی بولتے ہوئے عارفین کی دنیا تاریک کرگئے تھے‘ انجانے میں وہ اپنے اکلوتے بیٹے کی دنیا اجاڑ بیٹھے تھے۔ عارفین تو گویا سکتے کی حالت میں تھا مگر ساریہ چپ نہ رہ پائی۔

”پاپا...... یہ آپ نے کیا کیا‘ آپ دونوں کی عمر میں کتنا فرق ہے۔ صرف دنیا کو مطمئن کرنے کے لیے آپ نے بے چاری کی مرضی بھی نہ جانی اگر اتنا ہی نیکی کرنے کا شوق تھا تو اس کی کسی ہم عمر انسان سے شادی کروادیتے وہ کم از کم خوش تو رہتی۔“ ساریہ نے درپردہ عارفین کے غم پر ماتم کیا تھا مگر وقت بے رحم چال چل گیا تھا‘ تشنہ آرزوئیں اپنے آپ کو پاگلوں کی طرح نوچ رہی تھیں‘ اب بہن کی حمایت بھی اپنے بھائی کے لیے بے کار تھی۔

❁......❁......❁

عشق نے لاحاصل اور نامراد رہنے کی اپنی روایت قائم رکھی تھی‘ دو دلوں کو برباد کرنے کی۔ عارفین اپنی ہستی کو ریزہ ریزہ ہوتے دیکھ رہا تھا مگر خود کو بکھرنے سے نہیں بچا پا رہا تھا آخر کس گناہ کی پاداش میں وہ یوں سولی پر لٹکایا گیا تھا۔

”عارفین...... میں تمہارا دکھ سمجھ سکتی ہوں۔“ ساریہ اسے یوں غم زدہ دیکھ کر تڑپ اٹھی۔

”ساریہ...... یہ کیسا دستور ہے زمانے کا‘ جب میں گل رخ کو پانے کے لیے مچل رہا تھا تو میرے راستے میں امیری و غریبی کی بلند دیوار حائل کردی‘ ایک ملازمہ کی بیٹی اونچے خاندان کی بہو نہیں بن سکتی۔ مخمل میں کبھی ٹاٹ کا پیوند نہیں لگا اگر محبت بغاوت کرے تو اسے دیوار میں چنوادو‘ کیا یہ سارے بے رحم اصول صرف اولاد کے لیے رائج ہیں۔“ عارفین یوں بولا کہ ساریہ کا دل پھٹنے لگا تھا‘ بھائی کی محرومی اسے بھی رلا گئی۔

”جب بات احسان آفندی پر آئی تو انہیں کتنے آرام سے اپنی خواہش حاصل ہوگئی‘ ہر اصول توڑ ڈالا۔ امیری غریبی کا یہاں تک کہ عمر کا فرق بھی روند ڈالا‘ صرف اپنی سنی‘ اپنے دل کی مانی۔ اپنی ضرورت کو اولین جانا‘ نہ ظالم سماج ٹکرایا اور نہ ہی سماج کی بلند و بالا روایات راستے کا پتھر بنیں زمانہ بھی خاموش رہا۔ اپنی مرتبہ بڑے خاندان کو بھی نظر انداز کردیا اور دل کی خاطر گھٹنے ٹیک کر ایک غریب ملازمہ کو اپنی شریک حیات بنالیا۔“ عارفین کے لہجے میں ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں تھیں جو اسے لحہ بہ لحہ لہولہان کررہی تھیں۔ ساریہ فقط آنسو بہا سکتی تھی مگر اس کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی دل کا درد نغمۂ بے صدا بن گیا۔

وہ شکستہ قدموں سے پینٹنگ روم میں داخل ہوا اور اندوہ گیں انداز میں گل رخ کی تصویر کے سامنے بیٹھ گیا۔ حسرت و ملال سے بھری نگاہیں گل رخ کے چہرے پر تھیں‘ عارفین کا دل ماتم کرنے لگا تھا۔ کاش وقت واپس پلٹ آئے اور وہ احسان آفندی سے گل رخ کو مانگ لیتا مگر آہ اب کچھ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

یعقوب کو آنسو لہو کے رلاتا ہے عشق
آنکھوں میں خاک نجف ملاتا ہے عشق
عقل محو حیرت و تجسس تھی جب
منصور کو سولی پر سلاتا ہے عشق
افہام و تفہیم میں بدن سے بدن تک

روح کو روح سے ملاتا ہے عشق
دل کے اندر اک تڑپ سی رہتی ہے جیسے
ہر پہر مجھ کو بلاتا ہے عشق

عارفین رونا چاہتا تھا مگر چپ تھا' آنسو تو گویا جم سے گئے تھے برف کی مانند۔ اتنی بھیانک حقیقت کو تسلیم کرنا اسے دوبھر ہو رہا تھا' اپنی محبت و آرزو کو اپنی ماں کے روپ میں دیکھ کر وہ تڑپ گیا تھا۔ آخری بار ایک حسرت بھری نگاہ اپنے شاہکار پر ڈالی' دیو مالائی حسن لیے گل رخ کی تصویر مسکرا رہی تھی۔ عارفین کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوگئی۔ تیز دھار خنجر سے اپنی نبض کاٹ کر وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکا تھا۔

''پلیز گل...... میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں' میرا بھائی مر رہا ہے اس کی سانسیں ٹوٹ رہی ہیں۔ ایک بار...... صرف ایک بار اس کو دیکھ لو وہ صرف تمہارے لیے اس دنیا کو چھوڑ رہا ہے شاید موت کو اس پر رحم آ جائے اور میرے بھائی کی زندگی بخش دے۔'' ساریہ روتے ہوئے گڑگڑا رہی تھی۔

گل رخ بے جان مورتی کی مانند ساکت تھی' تقدیر کے بھیانک مذاق پر وہ ابھی تک زندہ تھی' وہ خود حیران تھی کہ روح اس وجود خاکی سے نکل کیوں نہیں جاتی' یہ کیسی اذیت تھی' عشق کے ابھی اور کتنے امتحان باقی تھے۔ ساریہ کی منت سماجت پر اس بے جان مورتی میں جان آئی تھی' دل تو پہلے ہی عارفین کے لیے آہ و بکا کر رہا تھا بس ساریہ نے دید کی راہ نکال دی تھی۔ ہسپتال سے کچھ دور سڑک پر گاڑی پارک کرنے کے لیے ساریہ جو رکی تو...... گل رخ کی بے قراری آخری حدوں کو چھونے لگی' عارفین کو ایک نظر دیکھنے کی آس اسے گرد و پیش سے بیگانہ کر گئی تو سامنے سے آنے والی تیز رفتار گاڑی بھی نہ دیکھ پائی' سڑک پر گل رخ کا لہو بکھرا تو زندگی کا دامن چھڑا کر وہ دور چلی گئی۔ اسی لمحے عارفین نے بھی چند آخری تھکی ہوئی سانسیں لے کر زندگی سے ناطہ توڑ لیا تھا۔

دور اندھیرے میں دو اکٹھی قبریں بنا دی گئیں' دونوں قبروں پر روشن ننھے چراغوں کی لو تند و تیز ہوا سے مقابلہ کرتے ہوئے تھکنے لگی تو آخر کار ہار مان لی۔ چراغ گل ہوئے تو ہر طرف گھرے اندھیرے نے سیاہ چادر تان لی۔

❁......❁......❁

عارف آرٹ کمپلیکس کے زیر اہتمام مصوری کے فن کی شاندار نمائش آڈیٹوریم میں ساریہ کی سرپرستی میں منعقد کی گئی۔ دیو مالائی حسن کی مالکہ گل رخ کا پورٹریٹ اور اس کا خالق عارفین احسان خوب داد سمیٹ رہے تھے۔ ہر شخص انگشت بدنداں تھا کہ یہ تصویر جس ساحرہ کی ہے وہ خیالی یا فرضی نہیں بلکہ حقیقی تھی۔ مصور نے کمال مہارت سے برش و رنگوں کی مدد سے اسے کینوس پر اتار کر گویا مثال قائم کر دی تھی۔ تصویر کے نیچے مصور کی اپنی ہینڈ رائٹنگ میں لکھا گیا لفظ (Real) مداحوں کو ورطۂ حیرت میں ڈالے ہوئے تھے جس کی تصویر اتنی شاندار ہے وہ خود کتنا بے نظیر حسن رکھتی ہوگی۔

ایک اور داستان عشق تمام ہوئی' عشق ہمیشہ کی طرح فاتح قرار پایا تھا دو دلوں کو جدا کرنے کا اختیار اس نے ازل سے رب ذوالجلال سے لے رکھا تھا۔ اس کا خوب استعمال کیا' عشق و حسن دنیا میں تو نہ مل سکے مگر مصوری کی دنیا میں اپنا نام امر کر گئے تھے۔ عارفین کی زندگی کا آخری شاہکار شہرت کی بلندیوں کو چھو گیا تھا اور گل رخ کا دیو مالائی حسن لوگوں کی آنکھوں سے اتر کر دلوں کے کینوس پر شاندار مثال چھوڑ گیا تھا۔ عشق کے بھید تو عشق ہی جانے......

جگر جلا دیتا ہے یہ عشق
غم بڑھا دینا ہے یہ عشق
کبھی کبھی ایسا بھی ہونا ہے
پاگل بنا دیتا ہے یہ عشق
جس نے کیا وہی جانتا
کیا سے کیا بنا دیتا ہے یہ عشق

کوئی تو بتائے

از طیبہ فاطمہ

"سنیے......آپ کے نزدیک لو میرج کرنے والے کی کیا حیثیت ہے؟"

"ارے بھئی یہ آپ مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہیں؟ میرا مطلب یہ ہے کہ لو میرج کرنے والا ظالم ہوتا ہے یا مظلوم؟"

"اف اب آپ مجھے یوں کیوں دیکھ رہے ہیں جیسے میرا دماغ چل گیا ہو۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ لو میرج کرنے والا خوش قسمت تو ہوسکتا ہے مگر مظلوم نہیں ہوسکتا' بالکل ہوسکتا ہے۔ صرف مظلوم نہیں بلکہ 'ابوالمظلوم' بھی ہوسکتا ہے۔ نہیں سمجھ آئی' آئے گی بھی نہیں' جب تک آپ میری آپ بیتی نہ سن لیں۔"

☆☆☆......☆☆☆

میں شان رانا عرف شانی' ماں باپ کا لاڈلا راج دلارا' پہلوٹھی کی اولاد' مجھ سے چھوٹے دو بھائی اور ایک بہن' جو مجھے بڑے بھائی والا درجہ اور محبت دیتے تھے۔ اب نہیں دیتے' اب تو وہ مجھے دیکھ کر راستہ بدل لیتے ہیں کیونکہ میری بیوی کو یہ سب پسند نہیں کہ میرے بہن بھائی مجھ سے زیادہ فری ہوں۔ میں پڑھائی میں شروع سے اچھا تھا۔ کالج کے بعد یونیورسٹی کی دنیا میں قدم رکھا تو خود کو فلم اسٹار وحید مراد مطلب ہیرو سمجھنے لگا۔ شکل وصورت تو میری واقعی ہیرو والی ہی تھی۔

یونیورسٹی میں پڑھائی کے ساتھ میں نے خوب عیش بھی کیے۔ بھئی عیش سے مراد سیر سپاٹے' کھانا پینا اور پارٹیز وغیرہ ہیں۔ بقول میرے دوستوں کے بس ایک کمی رہ گئی تھی کہ یونیورسٹی میں میرا آخری ہونے کے باوجود اور ابھی تک دھواں دھار قسم کا عشق نہیں ہوا تھا۔ میرے سارے دوست اب تک دو دو تین تین عشق بھگتا چکے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ جو یونیورسٹی آئے اور عشق کیے بغیر تعلیم مکمل کرکے چلا جائے اس جیسا گھامڑ اور نالائق بندہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ مجھے چڑاتے اور میں ابھی تک عشق کے "ع" تک بھی نہیں پہنچا تھا۔ شاید مجھے کوئی لڑکی اپنے معیار کی نہیں لگی تھی۔ ممکن تھا کہ میں عشق کے "ع" کو چھوئے بغیر یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کرکے فارغ ہوجاتا کہ وہ ہوگیا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یہ میں اب کہتا ہوں کہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اُس وقت تو میں یہ سوچتا تھا کہ یہ اتنی دیر سے کیوں ہوا۔ تھوڑا پہلے ہونا چاہیے تھا۔ ہوا یوں کہ ہمارے جونیئرز میں سحر نامی ایک لڑکی کہیں سے ٹرانسفر ہوکر آئی اور ایسی آئی کہ میرے دل ودماغ پر سحر طاری کرگئی۔ سحر خوب صورت لڑکی تھی۔ اب ایسا بھی نہیں تھا کہ میں نے اس سے پہلے کوئی خوب صورت لڑکی نہیں دیکھی تھی مگر اس میں نہ جانے کیا تھا کہ میری مت ماری گئی۔ لوگ تو دوسروں کے عشق میں گوڈے گوڈے ڈوبتے ہیں' میں سحر کے عشق ٹں سر سمیت ڈوب گیا تھا۔ سر اگر باہر رہ جاتا تو شاید میں کچھ سوچ بچار کرلیتا۔

☆☆☆......☆☆☆

قصہ مختصر میری تعلیم مکمل ہونے تک سحر کے ساتھ میری محبت کی پتنگ بہت اونچی اُڑنے لگی تھی۔ میری قسمت اچھی تھی کہ اِدھر میں تعلیم سے فارغ ہوا' اُدھر مجھے ایک اچھی نوکری مل گئی۔ پہلی تنخواہ ماں باپ کے ہاتھ پر رکھی اور ساتھ ہی شادی کی خواہش بھی ظاہر کردی۔ امی ابو دونوں مسکرائے۔

"ہاں تو جاتا ہوں تمہاری پھوپو کے ہاں' بات تو تیری نگہت سے بچپن سے ہی طے ہے۔ ایک مہینے بعد نکاح اور رخصتی بھی کروالیتے ہیں۔" ابو نے خوش ہوکر کہا اور میرا سارا جوش صابن کی جھاگ سے بنے بلبلے کی طرح ہوگیا جو ابھی اُونچا اُڑ رہا ہوتا ہے اور یک دم پھٹ کر ختم بھی ہوجاتا

ہے۔

''میں نکہت سے شادی نہیں کروں گا۔'' میں نے اُسی وقت اعلان کردیا۔

''دماغ درست ہے تمہارا' وہ بچپن سے تمہارے نام پر بیٹھی ہے۔'' امّی نے گرج کر کہا۔

''تو میں نے کہا تھا یہ سب کرنے کو..... میں شادی اپنی پسند سے کروں گا' سن لیں آپ سب۔''

''تو کرلے خود ہی جا کر ہم ہرگز تمہارا ساتھ نہیں دیں گے۔'' ابّو نے دوٹوک کہا۔

''میں بتارہا ہوں کہ آپ کو میرے ساتھ سحر کے گھر جانا ہوگا ورنہ.....'' میں شدت جذبات سے چپ ہوگیا۔

''ورنہ کیا؟''

''ورنہ میں خودکشی کرلوں گا۔''

''جا کر لے۔'' ابّو میری دھمکی سے ذرا متاثر نہ ہوئے۔ میں نے غصے میں آ کر ابو کے کمرے کا رخ کیا اور بیڈ کی سائیڈ کی دراز سے ان کا لائسنس یافتہ پستول نکالا اور سب کے درمیان آ کر وہ پستول اپنی کنپٹی پر رکھ لیا۔ آپس کی بات بتاؤں پستول خالی تھا۔ اسی لیے تو میں نے آرام سے اسے کنپٹی پر رکھ لیا تھا۔

''اگر میری شادی سحر سے نہ ہوئی تو میں خود کو گولی مار لوں گا۔'' امّی ابّو میرے اس ردعمل پر جم گئے۔ ابّو جی پہلے ہوش میں آئے اور آگے بڑھ کر میرے ہاتھ سے پستول چھینا اور اسے دور پھینک کر جھکے ہوئے کندھوں کے ساتھ واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

''تو جو چاہتا ہے وہی ہوگا۔'' امّی دوپٹے سے آنسو صاف کرتی اندر کمرے میں چلی گئیں اور میں خوشی سے اُچھلتے دل کو سنبھالے اپنے کمرے کی طرف مگر اپنے کمرے میں جانے سے پہلے میں پستول اُٹھانا نہیں بھولا تھا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ بات کسی کو معلوم ہو کہ پستول خالی تھا۔

جوان بیٹے کی اس حرکت نے امّی ابّو کی ساری سختی کو جیسے نچوڑ دیا تھا۔ دونوں نے پھوپو کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اس رشتے سے معذرت کرلی۔

''جوان اولاد بے نتھے بیل کی طرح ہوجائے تو اس کو قابو کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ ہم بھی جوان اولاد کے ہاتھوں بے بس ہوگئے۔'' ابّو نے روتے ہوئے پھوپو کو اپنے گلے سے لگالیا۔ پھوپو سمجھدار عورت تھیں بھائی بھابی کی مجبوری کو سمجھ کر ان کے ساتھ کھڑی ہوگئیں۔ البتہ ان کے شوہر یعنی میرے پھوپا کو کافی غصہ تھا۔ اُنہوں نے نکہت کا رشتہ اپنے بڑے بھائی کے گھر طے کردیا۔ وہ لوگ تو شروع سے نکہت کو پسند کرتے تھے مگر اس کی نسبت کا سن کر چپ ہوگئے تھے۔ اب جو موقع ملا تو چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کر کے لے

گئے۔ یوں میری منگنی سے ایک ہفتہ پہلے نگہت کی شادی اس کے تایا زاد سے ہوگئی۔ میں دن رات سحر کے سپنوں میں کھویا ہوا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

منگنی کے بعد ایک سال کے اندر اندر میری اور سحر کی شادی ہوگئی۔ میری شادی کے فوراً بعد ہی مجھے اور سحر کو اُوپر والے پورشن میں شفٹ کرکے ایک طرح سے علیحدہ کردیا گیا تھا۔ سیانے کہتے ہیں قسمت کے فیصلے زیادہ دیر تک محفوظ نہیں رہتے۔ میری قسمت کا فیصلہ بھی جلد ہی سامنے آگیا۔ اس فیصلے کو دیکھ کر میرے سارے سپنے ایک ایک کرکے ٹوٹ گئے کیونکہ سحر بے حد پھوہڑ' کام چور' زبان دراز اور شکی مزاج تھی۔ اللہ گواہ ہے میں نے ذرا برابر بھی کچھ جھوٹ کہا ہو۔ پھوہڑ اور کام چور ایسی کہ میں ہر روز بغیر ناشتہ کیے آفس جاتا' اپنے کپڑے خود استری کرتا۔ گھر ہر وقت اُلٹا پڑا رہتا' کچن میں گندے برتن سنک میں پڑے اس کی نگاہِ کرم کے منتظر رہتے اور وہ جب تک کچن کے سارے برتن استعمال نہ ہوجاتے اور کچن میں کوئی جگہ ایسی نہ بچتی جہاں گندے برتن رکھے جاسکتے ہوں تو وہ مارے باندھے گندے برتن دھو کر کچن کا حال اور بُرا کردیتی۔ خاندان بھر میں اس کے پھوہڑ پن کے قصے شہرت پانے لگے مگر اسے ذرا پروا نہیں تھی۔ اسی پر بس ہوتا تو میں صبر شکر کرلیتا مگر ابھی تو مجھے نہ جانے کیا کیا دیکھنا تھا۔

ہمارا پہلا بچہ دنیا میں آیا تو سحر کے مزید جوہر کھلے۔ وہ جو پہلے ہی کام چور تھی اب بالکل ہی سست ہوگئی۔ کاہلی کی بدولت اس کا وزن دن دگنی رات چگنی ترقی کرنے لگا۔ گندا سندا بچہ سارا دن ریں ریں کرتا رہتا۔ امی نہ ہوتیں تو میرا تو بچہ بھی رُل جاتا۔ علیحدہ ہونے کے باوجود میری امی نے میرے بچے کو پالنے میں اپنی جان ماری۔ میں سحر کو کبھی سختی سے سمجھانے کی کوشش کرتا تو اس کی زبان کی بریکیں فیل ہوجاتیں پھر اسے روکنا ناممکن ہوجاتا تھا۔ میں لاتعلقی اختیار کرلیتا تو آنسو آنکھوں میں بھر کر میرے پاس آبیٹھتی۔

''لومیرج کی تھی تم نے مجھ سے تمہیں تو چاہیے تھا مجھے اپنی ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھتے۔'' وہ شکوہ کرتی۔

''ہتھیلی کا تو کیا' تم تو میرے کلیجے کا چھالا بن چکی ہو۔'' میں دل ہی دل میں اس کی بات کا جواب دے کر ٹکر ٹکر اس کی شکل دیکھتا۔

شکی ایسی کہ ابھی تک میرا پھوپو کے گھر جانا ممنوع تھا۔ خاندان کی کسی تقریب میں نگہت سے ملاقات ہوجاتی تو سحر کا موڈ ہفتوں خراب رہتا اور وہ زہر میں بجھی دو دھاری تلوار بن جاتی۔

''جو میرے لیے اپنے ماں باپ سے ٹکرا کر اپنی بچپن کی منگنی ختم کرواسکتا ہے اور انہیں چھوڑنے کا فیصلہ کرسکتا ہے وہ کسی اور کے لیے مجھے چھوڑتے وقت تو سوچے گا بھی نہیں۔'' اس کی بے اعتباری بڑھتی جارہی تھی۔ حالانکہ اللہ گواہ ہے میں نے کبھی اپنے ماں باپ کو چھوڑنے کا سوچا تک نہیں تھا۔ بس شادی سے پہلے ایک دن ایویں شوخی میں آکر میں نے سحر سے کہا تھا اس کے لیے مجھے اپنے گھر والوں کو بھی چھوڑنا پڑا تو چھوڑ دوں گا اور اس نیک بخت نے اس بات کو دل میں بسالیا تھا۔ امی ابو' بہن بھائی سب میری درگت بنتی دیکھتے اور خاموشی سے اپنے کاموں میں مصروف رہتے جیسے کہہ رہے ہوں ''اب بھگت بچے۔''

سحر کے شک کی انتہا تو اس دن ہوئی جب ایک دن اس نے میرے دفتر فون کیا۔ اس وقت میں ایک میل اور ایک فی میل کولیگ میرے ساتھ کسی فائل پر ڈسکشن کررہے تھے کہ فون پر دوسری طرف فی میل کولیگ کی آواز چلی گئی۔

''یہ کس کے ساتھ رنگ رلیاں منارہے ہو؟'' سحر کی غصیلی آواز اُبھری۔

''میں اس وقت اہم کام کررہا ہوں بعد میں بات کرتا ہوں۔'' میں نے کوفت زدہ انداز میں کہہ کر کال کاٹ دی۔

اگر جو مجھے اس کے ردعمل کی بھنک بھی پڑ جاتی تو میں بچاؤ کا کوئی راستہ اختیار کرلیتا۔ آفس سے میرے گھر کا فاصلہ تقریباً آدھے گھنٹے کا تھا اور ٹھیک آدھے گھنٹے بعد میرے آفس کا دروازہ ٹھاہ کی آواز کے ساتھ کھلا۔ سحر کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر میں گنگ رہ گیا اور پھر جو وہ شروع ہوئی تو وہ تماشا لگا کہ پورے دفتر نے لائیو دیکھا اور سنا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹے اور میں سحر کو اس میں سمو دوں۔ میری حالت اُبلتے پانی کے پتیلے پر رکھے ڈھکن جیسی ہوگئی تھی۔

''مجھے بڑا افسوس ہوا شان صاحب کہ آپ کی بیوی کی ذہنی حالت اتنی ابتر ہے۔'' میری فی میل کولیگ مسز احمد جو دو بچوں کی ماں تھی ایک زہریلی نظر سحر پر ڈال کر چلی گئی۔ میں جیسے تیسے کر کے سحر کو گھر لے آیا۔

''بس بہت ہوگیا' میں سحر کو طلاق دے دوں گا' اس نے تو میرا جینا حرام کردیا ہے۔'' میں نے اُسے امی ابو کے سامنے پٹخا۔ جس کی زبان پھر قینچی کی طرح چل رہی تھی۔ ابو جی اُٹھ کر کمرے میں گئے اور واپس آکر وہی پستول جو کبھی میں نے دھمکی دینے کے لیے استعمال کی تھی' لا کر خود میری کنپٹی پر رکھ دیا۔

''اگر تم نے سحر کو طلاق دی تو میں خود تمہاری کنپٹی میں گولی اُتار دوں گا اور یاد رکھنا اس دفعہ یہ پستول خالی نہیں ہے۔'' ابو نے غصے میں بھڑک کر کہا۔

''یعنی آپ کو معلوم تھا کہ اس وقت پستول خالی تھا یعنی کہ اب آپ مجھے گولی مار دیں گے؟'' میں نہ جانے کیا بولے جا رہا تھا۔ میں ابو کے اس انداز پر غم سے ادھ موا ہوگیا۔ مجھے یقین نہ آیا کہ میری دھمکی سے ڈر جانے والے ابو ایسا بھی کرسکتے ہیں۔

''ہاں' ہمارے خاندان میں آج تک کسی نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی۔ خبردار جو تم نے منہ سے ایسی بات بھی نکالی ہو تو تمہاری پسند ہے سحر' شادی تم نے خود کی تھی اب اسے نبھاؤ گے بھی تم۔'' مجھے لگا جیسے ابو جی نے مجھے لومیرج کرنے کی سزا دی ہو۔

پچھلے دنوں مجھے نگہت کے سسرال جانے کا اتفاق ہوا تو اس کا سجا سجایا گھر' صاف ستھرے بچے اور مطمئن شوہر دیکھ کر میں نے خود پر سو بار لعنت بھیجی جس نے اس سکھ کو برضا و رغبت ٹھوکر مار کر اپنے لیے جہنم خرید لی تھی۔ نگہت کا پُرسکون گھر دیکھ کر میرا لومیرج کرنے کا غم حقے کی طرح تازہ ہوگیا تھا۔

''اگر جو میں امی ابو کی بات مان لیتا تو اگر میری شادی نگہت سے ہوجاتی تو اگر میں ضد نہ کرتا تو......'' نگہت کے گھر سے واپسی پر مختلف ادھوری سوچیں میری ہم سفر رہیں۔

اب میں ہوں' سحر ہے اور میری بے ترتیب زندگی جسے میں گھسیٹے جا رہا ہوں اور گھسیٹتا رہوں گا۔ مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آئی کہ میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا کہ میں لومیرج کر کے بھی آٹھ آٹھ آنسو رو رہا ہوں۔ میرے لیے لومیرج بری بلا کیوں ثابت ہوئی۔ آپ کو سمجھ آجائے تو مجھ سے ضرور رابطہ کیجیے گا اور نہ سمجھ میں آئے تو کوئی بات نہیں بری بھلی گزر رہی ہے' باقی بھی گزر ہی جائے گی۔ بس میری ایک نصیحت ہے کہ اندھی محبت کرنے سے اجتناب کریں۔ محبت کرتے وقت اپنے دل کے ساتھ ساتھ اپنا دماغ' ناک' منہ اور کان سب کچھ کھول کر یہ سوچ لیں کہ اگر اس محبت کو شادی کی صورت میں ساری عمر نبھانا پڑے تو خوشی خوشی نبھا لیں گے۔ ورنہ میری مثال آپ کے سامنے ہے۔

دلِ نادان

فرح بھٹو

رات کے فسوں خیز ماحول میں اپنے پلنگ پر دراز نمرہ کانوں میں ہیڈ فون لگائے ایف ایم پر اپنے پسندیدہ آر جے کا پروگرام سننے میں مگن تھی جو اپنی گمبھیر آواز کا جادو جگا رہا تھا وصی شاہ کی رومانوی نظم ''کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا کنگن ہوتا'' فہد کے مخصوص لہجے میں نمرہ کے دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش پیدا کررہی تھی' وہ ایک ایک لفظ ڈوب کر ادا کررہا تھا نمرہ اپنے ہاتھوں میں موجود کانچ کی چوڑیوں کو دیکھ کر زیرِلب مسکرائی جیسے یہ نظم اسی کی خاطر گائی جارہی ہو۔

فہد اس کا پسندیدہ آر جے تھا رات کے دو گھنٹے اس کا پروگرام چلتا جو مشہور شاعروں کے کلام پر مشتمل ہوتا اس کے ساتھ وہ روز ایک اچھوتے ٹاپک پر سیر حاصل گفتگو کرتا اور سامعین کو بھی میسجز اور کالز کے ذریعے اس میں شامل کرتا تھا' اس کا اندازِ گفتگو دل موہ لیتا تو آواز کے زیروبم دیوانہ کردینے کی صلاحیت رکھتے تھے' شب کے دس سے بارہ اتنی تیزی سے گزرتے کہ نمرہ ان کے طویل ہونے کی دعا مانگا کرتی تھی۔

آج کا موضوع محبت تھا جس پر کئی نظمیں غزلیں فہد نے سامعین کی فرمائش پر سنائیں اور اب میسجز اور کالز کا وقت آگیا تھا نمرہ آج تک پروگرام میں اپنے میسجز کے ذریعے شامل رہی تھی اب یکایک اس کا دل فہد کو کال کرنے پر اکسانے لگا یہ ٹاپک ہی ایسا تھا کہ نمرہ رہ نہ سکی اور موبائل سے نمبر ڈائل کرنے لگی ٹوں ٹوں کی بزی ٹون سنائی دے رہی تھی وہ جانتی تھی فہد کو کال کرنا مشکل تھا سارے شہر کی کالز اسی وقت فہد کے پروگرام کو ملائی جارہی تھیں۔ کچھ دیر کے انتظار کے بعد بالآخر اس کی کال مل گئی۔

''السلام علیکم! کون ہے ہمارے ساتھ اور کہاں سے؟'' فہد کی بھاری آواز گونجی تو نمرہ کا دل پوری رفتار سے دھڑکنے لگا۔

''وعلیکم السلام! میں نمرہ......''

''نمرہ ماشاء اللہ بہت خوب صورت نام ہے اور دلکش آواز' ہاں تو نمرہ جی' آپ محبت کے لیے کیا کہنا چاہیں گی' اپنے خیالات ہم سے شیئر کریں۔'' فہد کی چہکتی آواز میں کی گئی تعریف نمرہ کو ہواؤں میں لے اڑی۔

''محبت اللہ کا عطا کردہ بہترین تحفہ ہے' محبت بہاروں کی آمد' بارش کی رم جھم' ستاروں کی چمک سے مشابہہ ہے' یہ جب کسی دل میں قدم رکھتی ہے تو اس دل کو لافانی خوشی سے سرشار کردیتی ہے' محبت کے بغیر انسان کا وجود کھنڈر جیسا ویران ہے۔'' نمرہ ایک جذب سے بول رہی تھی۔

''بہت منفرد انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے نمرہ آپ نے جتنی حسین آپ کی سوچ ہے میں دعویٰ سے کہتا ہوں اتنا گداز آپ کا دل ہوگا اور اتنی خوب صورت آپ کی شخصیت ہوگی۔'' فہد پُرجوش طریقے سے بولا تو نمرہ ایک دم خوش ہوگئی۔

''ہاں تو بتایئے' کیا واقعی میرا دعویٰ سچ ہے محبتوں سے گندھی پیاری سی لڑکی ہو تم۔'' فہد کا طرزِ تخاطب اچانک بدلا۔ نمرہ شرما سی گئی اسے سمجھ نہیں آیا کہ اپنی خوب صورتی کو کیسے بیان کرے۔

''جی اللہ کا شکر ہے اچھی ہوں۔''

''اچھا...... مطلب چاند جیسا چہرہ' کالی گھٹا جیسی زلفیں' جھیل جیسی آنکھیں' ہرنی جیسی چال......'' فہد گمبھیر آواز میں بول رہا تھا۔ ''ایسی ہی ہوناں پیاری لڑکی۔'' نمرہ خاموش دل کی دھڑکنیں سنتی رہی۔ کال کٹ گئی شاید۔ فہد نے اندازہ لگایا پھر کال کاٹ دی نمرہ تڑپ سی گئی۔

''اف اللہ یہ مجھے کیا ہوگیا اچھی بھلی گفتگو ہورہی تھی

اب تو دوبارہ نمبر بھی نہیں ملے گا۔'' وہ روہانسی ہوکر خود کو سرزش کرنے لگی۔ رہ رہ کر ادھوری رہ جانے والی باتوں کا افسوس دل میں سر اٹھاتا رہا اس نے بے دلی سے ہیڈ فون کانوں سے اتارے۔ پھر ساری رات فہد کی باتیں' اس کی آواز من کو گدگداتی رہی۔

☆☆☆......☆☆☆

اگلی صبح وہ دیر تک سوتی رہی چونکہ چھٹی کا دن تھا اسی لیے کسی نے جگایا بھی نہیں وہ ایک بھرپور انگڑائی لے کر بیدار ہوئی سویا ذہن جیسے ہی جاگا تو رات فہد سے کی گئی باتیں آپ ہی آپ لبوں پر مسکان بکھیر گئیں وہ گنگناتی ہوئی واش روم میں گئی پھر واش بیسن پر لگے آئینے میں اپنے چہرے کو غور سے دیکھا' دھلا دھلایا میک اپ سے عاری چہرہ دمک رہا تھا' کالی سیاہ آنکھیں' شنگرفی لب وہ فہد کی پیشن گوئیوں پر پورا اترتی تھی یہ سوچ کر وہ بے طرح خوش ہوئی یکا یک بھوک کا احساس جاگا تو وہ سیدھی کچن میں چلی آئی جہاں اس وقت دوپہر کے کھانے کی تیاری کی جارہی تھی۔

''اٹھ گئی میڈم؟'' سمرہ نے اسے دیکھ کر کہا۔

''جی جناب۔'' وہ بالوں کو لپیٹتی ڈائننگ ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

''سمرہ آپی...... ایک کپ چائے تو دیں پلیز۔'' اس نے ٹیبل پر دھرے ہاٹ پاٹ کا ڈھکن اٹھایا تو آلو کے دو پراٹھے بھاپ اڑاتے نظر آئے جو یقیناً اسی کے لیے رکھے گئے تھے اس کو ناشتے میں آملیٹ پسند نہ تھا۔ سمرہ نے برنر پر چائے کی کیتلی چڑھائی۔

''سوسوئٹ آف یو' بچی آپ کے ہاتھ کی چائے اوسم ہوتی ہے۔'' پراٹھوں کے ساتھ انصاف کرتے وہ سمرہ کو مکھن لگانے لگی جو اسے چائے دے کر پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔

''ہاں ہاں...... خود سے ہل کر پانی نہ پینا اور بس دوسروں سے کام نکلوا کر مکھن لگانا۔'' اتنے میں تبریز کچن میں چلا آیا۔ اس کی بات پر نمرہ نے منہ بنایا۔

''تم سے مطلب۔'' وہ بدمزہ ہوئی۔

''جی ہم سے ہی تو مطلب ہے۔'' وہ کرسی پر ٹک گیا۔

''اب بی اے کا آخری سال ختم ہو تو سنجیدگی سے گھر داری سنبھالو' مزید ارقسم کی ڈشز پکانا سیکھو مجھے باہر کا کھانا بالکل پسند نہیں۔'' وہ بارعب انداز میں بولا تو نمرہ کو پتنگے لگ گئے۔

''کیوں گھر داری سنبھالوں خوامخواہ اور تمہیں باہر کا کھانا پسند نہیں تو یہ میرا دردسر نہیں۔'' وہ چیخ کر بولی تو سمرہ بے اختیار مسکرانے لگی۔

''اب آپ کو کیوں ہنسی آرہی ہے۔'' نمرہ غصہ ہوئی تو

اس نے منہ پھیر لیا۔

''تمہارا درد اور سر دونوں کا اس بات سے لنک ہے۔''

وہ اطمینان سے بولا تو نمرہ مزید سلگ اٹھی۔

''مسٹر تبریز میرا کوئی لنک نہیں تمہاری کسی بھی چیز سے۔'' وہ اونچی آواز میں بولی تو اندر آتی خدیجہ بیگم نے ناگواری سے ٹوکا۔

''نمرہ...... یہ کیا بدتمیزی ہے کیوں چیخ رہی ہو؟''

''دیکھیے ناچچی آپ کی لاڈلی مجھ معصوم پر خوامخواہ چلا رہی ہے۔'' تبریز نے مظلوم سی شکل بنا کر ان کو دیکھا۔

''نمرہ میں دیکھ رہی ہوں تم دن بدن بدتمیز ہوتی جا رہی ہو۔'' خدیجہ بیگم نے فوراً ایکشن لیا۔

''امی...... یہ تبریز کا بچہ مجھے......''

''ارے میرا بچہ...... میرا لخت جگر کہاں ہے؟ مجھے دکھائی کیوں نہیں دیتا۔'' تبریز نے اس کی بات اچک لی اور کرسی سے اٹھ کر متلاشی نظریں چاروں طرف گھمائیں۔ سمرہ کی ہنسی چھوٹ گئی جبکہ نمرہ غصے سے پیر پٹختی کچن سے واک آؤٹ کر گئی۔

☆☆☆......☆☆☆

حیات ولا میں دو بھائیوں کی فیملیز رہائش پذیر تھیں عابد حیات کی ایک بیٹی سمرہ اور دو بیٹے تبریز اور اویس تھے اور حامد حیات کی اکلوتی بیٹی نمرہ تھی دونوں دیورانیاں چونکہ آپس میں سگی بہنیں تھیں اسی لیے سلوک اور محبت سے ایک گھر میں رہ رہی تھیں' جب خدیجہ بیگم شادی ہو کر آئیں تو سمرہ چار سال کی اور تبریز ایک سال کا تھا سال بھر بعد خدیجہ کی گود بھی ایک بیٹی نمرہ سے بھر گئی مدیحہ کے ہاں اویس ہوا جبکہ خدیجہ دوبارہ ماں نہ بن سکیں اسی لیے نمرہ سب کی لاڈلی تھی خاص کر حامد صاحب تو اس کو خصوصی اہمیت دیتے تھے' نمرہ شروع سے کچھ الگ مزاج اور نخریلی واقع ہوئی تھی گھر کے کاموں سے دور بھاگتی جس پر خدیجہ بیگم خفا ہوتی تھیں' مدیحہ بیگم نے نمرہ کو تبریز کے لیے مانگ رکھا تھا اس بات کا علم سب کو تھا لیکن نمرہ اس رشتے اور تبریز دونوں سے چڑتی تھی اس کو رومانس سے عاری اور ہر وقت رعب جمانے والا یہ کزن بالکل پسند نہ تھا حالانکہ تبریز اچھی شخصیت کا مالک تھا لیکن نمرہ کو چکنی چپڑی باتیں پسند تھیں اور وہ سادہ بندہ چرب زبانی سے ناواقف تھا' نمرہ منگیتر کے لحاظ سے دیکھتی تو ایک بھی خوبی منگتروں والی اس میں دکھائی نہ دیتی تھی نہ رومانٹک باتیں نہ لطیف اشارے نہ کسی قسم کا جوش وخروش سو وہ آئیڈیل پرست لڑکی تبریز سے ناخوش رہنے لگی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

نمرہ نے فیس بک پر آر جے فہد کا گروپ ڈھونڈ لیا تھا اس کی پروفائل تو نئے دوست قبول ہی نہیں کر رہی تھی سو نمرہ مایوس ہو کر گروپ میں ایڈ ہو گئی یہاں سے کافی معلومات حاصل ہو جاتی تھیں فہد کے متعلق۔ فہد کی تصویریں بھی دیکھنے کو مل جاتیں وہ پُرکشش شخصیت کا حامل تھا تیس بتیس کے قریب عمر تھی۔ نمرہ کو تو وہ اپنی چاشنی بھری باتوں اور ادب پر عبور رکھنے کی وجہ سے بے حد پسند تھا وہ شعروں کی دیوانی تھی ناول' ڈائجسٹ کی دلدادہ گھر میں تو دوسرا کوئی اس طبیعت کا حامل نہ تھا۔ خدیجہ بیگم نمرہ پر روک ٹوک کرتی کہ پڑھائی پر توجہ دو اسی لیے وہ حتی الامکان امی سے چھپ کر اپنے شوق کی تسکین کرتی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

اس دن بھی وہ فہد کا گروپ دیکھ رہی تھی کہ ایک پوسٹ پر نظریں جم گئیں جس میں بتایا گیا تھا کہ جلد ہی مقامی ہوٹل میں ریڈیو کی طرف سے ایک میوزیکل شو منعقد کروایا جا رہا ہے جس میں مشہور سنگرز کے ساتھ ساتھ ایف ایم کے ہر دل عزیز آر جیز سے ملنے اور ان سے آٹوگراف لینے کا سنہری موقع بھی ہاتھ آئے گا۔ نمرہ تو یہ خبر پڑھ کر اچھل پڑی فہد سے روبرو ملاقات کی خواہش جلد پوری ہوتی نظر آنے لگی تھی وہ دوڑتی ہوئی سمرہ کے پاس آئی جو حسب عادت کچن

میں مصروف تھی۔

''سمرہ آپی میری پیاری بہنا۔'' نمرہ اس کے پیچھے سے آکر لپٹ گئی اوراپنی ٹھوڑی اس کے کندھے پرٹکادی۔

''کیا ہوا چندا کچھ چاہیے کھانے کو؟'' سمرہ کو بخوبی علم تھا وہ ایسا تب کرتی جب کوئی خاص فرمائش کرنی ہوتی تھی۔

''لو میں کیا اتنی پیٹو ہوں کہ بس کھانے کے لیے ہی کچن میں آؤں گی۔'' نمرہ ٹھنکی۔

''نہیں میں نے کب کہا میری بہن تو نازک سی گڑیا ہے پیٹو نہیں۔'' سمرہ ہر وقت ہی مسکراتی رہتی تھی تبھی نمرہ اس سے بے تکلف ہوکر بات کرلیتی تھی۔

''پتہ ہے سمرہ آپی ہمارے شہر کے مشہور ہوٹل میں بڑا زبردست فنکشن ہونے جارہا ہے ایف ایم کی طرف سے۔'' نمرہ نے خوش ہوکر اطلاع دی۔

''اچھا......'' سمرہ نے خاص توجہ نہ دی۔

''ارے اس میں میوزیکل شو اور دوسری ایکٹیویٹیز بھی ہیں کیا خیال ہیں چلیں بڑا مزہ آئے گا۔'' نمرہ اس سے اکسانے لگی۔

''میوزک تو ٹی وی پر چلا کر دیکھ سکتے ہیں گڑیا۔'' سمرہ کی بات پر نمرہ نے سر پیٹ لیا وہ بالکل سادہ طبیعت کی حامل لڑکی تھی۔

''سمرہ آپی، آپ اپنی چھوٹی بہن کی خاطر نہیں چل سکتی پھر تو نجانے کب ایسا موقع ملے آپ تو دو مہینے بعد شادی کر کے اسلام آباد چلی جاؤ گی آپ کے جانے کے بعد میں کتنی اکیلی رہ جاؤں گی۔'' وہ اداس لہجے میں بولی تو سمرہ تڑپ اٹھی۔

''چندا میں آتی جاتی رہوں گی۔''

''کوئی نہیں روز کا اٹھنا بیٹھنا تو نہیں ہوگا ناں پھر تو آپ کو حمزہ بھائی ہی عزیز ہوں گے۔'' نمرہ نے مزید اداسی سے کہا۔

''اچھا چلتے ہیں مگر ہم اکیلے تو نہیں جاسکتے ناں

دونوں۔"

"تبریز کو کہتی ہوں وہ خود ہی انتظام کرے گا اب خوش۔" سمرہ نے پیار سے اسے دیکھا تو نمرہ نے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ اس کے کہنے پر تبریز نے صرف تنگ ہی کرنا تھا رعب جما کر احسان جتا کر نجانے راضی ہوتا بھی کہ نہیں نمرہ کو خدشہ تھا لیکن اب ہر حال میں لے کر جائے گا یہ اسے یقین تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

پھر وہ دن آ پہنچا جس کے لیے نمرہ کئی روز سے انتظار میں تھی۔ اس نے بے حد خوبصورت جدید تراش خراش کا پنک اور بلیک کنٹراسٹ کا سوٹ زیب تن کیا بالوں کو کھلا چھوڑ دیا تھا' ہلکے پھلکے میک اپ میں بھی وہ غضب ڈھا رہی تھی اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ کر وہ مسکرا اٹھی۔

وہ جیسے ہی پورچ میں آئی تبریز گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا غالباً اسی کے انتظار میں تھا نمرہ کو دیکھ کر اس کی کی چین گھماتی انگلیاں تھم سی گئی ایک واضح ستائش اس کی آنکھوں میں ٹھہر گئی پھر دفعتاً اس کے نقوش تن سے گئے۔

"بال باندھو فوراً اور سر پر دوپٹہ اڑھوں۔" تبریز کے حکم پر نمرہ جی بھر کر بدمزہ ہوئی لیکن ناچار بال لپیٹ کر کیچر میں قید کیے اور دوپٹہ سر پر ٹکایا پھر ہزار صلواتیں دل میں تبریز کو سناتی پچھلی سیٹ پر آ بیٹھی جہاں سمرہ سلیقے سے سر پر دوپٹہ جمائے بیٹھی تھی۔

"بس اب موڈ ٹھیک کرلو تم خوامخواہ ہر بات دل پر نہ لیا کرو۔" سمرہ نے ٹوکا تو نمرہ نے سر جھٹکا پھر جلد ہی اس کا موڈ خوشگوار ہوگیا فہد کو دیکھنے کی خوشی سے سرشار کرنے لگی۔

☆☆☆......☆☆☆

فنکشن میں ہر طرف گہما گہمی تھی ابھی میوزیکل شو تو شروع نہیں ہوا تھا لیکن جانی پہچانی آوازوں اور چہروں والے آرٹیز کو لوگوں نے گھیر رکھا تھا۔ نمرہ متلاشی نظروں سے فہد کو ڈھونڈنے لگی۔

"ارے وہ رہے آر جے فہد چلو جلدی ریما افشاں۔" برابر کھڑی لڑکیوں میں سے کسی نے مسرت آمیز انداز میں کہا اور قدم بڑھائے تو نمرہ بھی بے قرار ہوگئی۔ پھر سمرہ کا ہاتھ پکڑ کر ان کے پیچھے چل دی۔

اپنے کسی جاننے والے سے مصافحہ کرتا تبریز کچھ دور کھڑا اچھنبے سے نمرہ کو جاتے دیکھنے لگا۔ ایک طرف لڑکیوں کا اچھا خاصہ ہجوم تھا جہاں وہ لڑکیاں اندر بڑھتی جا رہی تھیں نمرہ نے بھی ان کی تقلید کی فہد کے گرد گھیرا اتنا تنگ تھا کہ نمرہ کا ہاتھ سمرہ کے ہاتھ سے کب چھوٹا پتہ ہی نہ چلا ابھی بھی فہد تک رسائی دور تھی وہ اچک اچک کر دیکھنے لگی موبائل اور کیمرہ کے فلیش ہی چمک رہے تھے۔ آخر آگے بڑھتے ہوئے کسی نے دھکا دیا کہ نمرہ بھی لڑکھڑاتی ہوئی عین فہد کے سامنے پہنچ ہی گئی۔

فہد دو ماڈرن لڑکیوں کے درمیان کھڑا تھا اس کے دونوں بازو ان لڑکیوں کی کمر کے گرد لپٹے ہوئے تھے اور دونوں دائیں بائیں اپنے گال فہد کے گال سے ملا کر سیلفیز لینے میں مصروف تھیں نمرہ نے بے یقینی سے یہ منظر دیکھا تھا۔

"اف آٹو گراف بک تو ہے نہیں میرے پاس۔" سیلفی سے فراغت حاصل ہوئی تو ایک لڑکی نے افسوس سے اطلاع دی۔

"اوکے یہیں اپنا نام لکھ دیں۔" پھر اپنا ہاتھ فہد کے آگے کیا تو فہد نے گرم جوشی سے اس کی کلائی تھام کر اس کی ہتھیلی پر ایک دل بنایا پھر اس کے نیچے سائن کیا اور ایک شعر لکھ دیا تھا۔

"یہ آپ کے حسین سراپے کے نام۔" فہد اپنی مخصوص گمبھیر آواز میں اس لڑکی کو پیار سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"او مائی گاڈ۔" لڑکی چہکی پھر اس نے اپنی ہتھیلی چوم کر وہی ہاتھ لہرا لہرا کر باقیوں کو دکھایا۔

"یاہو۔" اس کی دوستیں یوں چلائیں جیسے خزانہ ہاتھ

آ گیا ہو پھر وہ اٹھلاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔
فہد اب نمرہ کی طرف متوجہ ہوا چاند چہرہ کالی گھٹاؤں سے بال جو دھکم پیل میں کیچر سے آزاد ہوئے تھے گھبرایا شرمایا سا حسن۔ وہ بے باک نظروں سے نمرہ کا جائزہ لے رہا تھا۔
نمرہ جواب تک ہونقوں کی طرح یہ مناظر دیکھ رہی تھی اچانک جیسے ہوش میں آئی فہد کی نگاہیں جسم کے آر پار ہوتی محسوس ہوئی تھیں اس نے جھٹ اپنا بڑا سا دوپٹہ اپنے سر پر رکھا اور ایک غصیلی نظر فہد پر ڈالی۔
''ارے ہٹو ہمیں بھی موقع دو۔'' پیچھے والی لڑکیوں سے برداشت نہ ہوا تو نمرہ کو ایک طرف کر کے آگے آ گئیں اور وہ صدمے سے چور دل کو سنبھالتی ہجوم کو چیرتی باہر نکل آئی۔
''نمرہ چندا' کہاں رہ گئی تم؟'' سامنے ہی سمرہ پریشان کھڑی تھی پاس ہی تبریز بھی فکرمند نظر آ رہا تھا۔
''کیا ضرورت تھی اتنے ہجوم میں گھسنے کی حالت دیکھو اپنی ہونق بن کر نکلی ہو۔'' تبریز نے ماتھے پر بل ڈال کر غصہ دکھایا۔
''سوری تبریز غلطی ہوگئی آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' نمرہ نے بھیگی آواز میں سر جھکا کر کہا۔
تبریز نے حیران ہو کر اسے دیکھا جو زندگی میں پہلی بار اس سے معافی مانگ رہی تھی اور وہ بھی ایک معمولی سی بات کے لیے۔
''چلو اب وہاں چل کر بیٹھتے ہیں شو شروع ہونے والا ہے۔'' سمرہ نے اسٹیج کے سامنے رکھی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا
''نہیں سمرہ آپی مجھے گھر جانا ہے۔'' وہ لب کاٹتی آنسو ضبط کرتی بولی۔
''چندا میں کہتی ہوں ناں تبریز کی باتیں دل پر مت لیا کرو اور تبریز تم بھی بات بات پر نمرہ کو ڈانٹنا بند کر دو۔''
سمرہ نے تبریز کو آڑے ہاتھوں لیا۔
''نہیں سمرہ آپی یہ بات نہیں میرے سر میں درد ہو رہا ہے پلیز تبریز اب گھر چلیں......'' وہ تبریز کا بازو پکڑ کر منت آمیز لہجے میں بولی تو تبریز نے تعجب سے اس سے دیکھا۔
''اوکے چلتے ہیں نمرہ۔'' وہ نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر بولا اور قدم آگے بڑھا دیئے۔
اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے قدم سے قدم ملا کر چلتے نمرہ اپنی بے وقوفیوں پر جی بھر کر شرمندہ ہو رہی تھی سمندر پاس تھا اور وہ اپنی پیاس سراب سے بجھانا چاہتی تھی تبریز کے رعب جمانے غصہ کرنے میں اس کے لیے کتنا پیار چھپا تھا وہ اس کو اپنی عزت سمجھ کر ایک کانچ کی طرح اس کی حفاظت کرتا تھا اور وہ نادان اس بات کو سمجھتی ہی نہ تھی اس کو خالی لفاظی پسند تھی' سطحی باتیں جو صرف لڑکیوں کو چارہ ڈالنے کے لیے کی جاتی ہیں تاکہ اپنا وقت رنگین بنایا جاسکے۔
نمرہ دل ہی دل میں اللہ کی شکر گزار ہوئی کہ جس نے بروقت اس کو فہد کی اصلیت دکھادی اور وہ گرنے سے پہلے سنبھل گئی تھی۔

نئے برس کی پہلی بارش

حیاء بخاری

''محبت کتنی عجیب شے ہے ناں...... وجد کی طرح دل پر طاری ہوتی ہے اور روح تک کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے پھر چاہے ہجر ہو یا وصال...... انسان بخوشی اپنا آپ اس کے حصار میں قید کرلیتا ہے۔ کبھی اس کی قربت میں سانس لیتا ہے تو کبھی اس کے ہجر کی آگ میں جھلتا اُف تک نہیں کرتا۔''

کچھ ایسا ہی حصار باندھا تھا محبت نے منشا زیدی کے گرد...... وہ منشا زیدی جو کبھی محبت پر یقین ہی نہیں کرتی تھی، جو محبت کے وجود سے ہی انکاری تھی۔ محبت کی بے خودی، بے غرضی، بے قراری کو قطعی طور پر رد کرتی آئی تھی، وہی منشا زیدی بے [illegible] بے غرض ہونے کے ساتھ بے قراری سے لپٹتی چلی گئی تھی۔ جب امان مصطفیٰ اس کی زندگی میں آیا تھا تب اس [illegible] چپ چاپ محبت کے آگے سرتسلیم کردیا اور پورے دل سے محبت کے وجود کو تسلیم کرلیا تھا۔

❀......❀......❀
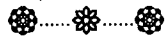
ان دونوں کی ملاقات پہلی بار پشاور کے ایک سنسان روڈ پر ہوئی تھی، اس کے بابا کی کال آرہی تھی، وہ بات کرنے لگی مگر آواز صحیح نہ آنے پر وہ گاڑی سے نیچے اتر آئی۔ بے خیالی میں گاڑی کی چابی اگنیشن میں ہی بھول گئی، آٹومیٹک لاک نہ جانے کیسے بند ہوگیا تھا، سنسان راستے میں یوں گاڑی بند ہونے اور اکیلے کھڑے ہونے کے خیال نے اس کے رونگٹے کھڑے کردیئے تھے۔ صرف چند لمحوں بعد ہی اس نے دور سے آتی بائیک کا شور سنا تھا، اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

''نہ جانے وہ کون تھا، اللہ کرے اسے دیکھے بغیر ہی گزر جائے۔'' اس نے دل ہی دل میں دعا کی لیکن دعا رد ہوئی تھی، وہ بالکل اس کے سامنے آکے رکا تھا۔ چوڑے وجود کو بھاری جیکٹ نے مزید چوڑا کردیا تھا، اس کی کالی سیاہ آنکھیں منشا کو حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

''یہ راستہ تو کافی سنسان ہے، کیا آپ کے ساتھ کوئی ہے؟'' اس نے اردگرد متلاشی نگاہ دوڑائی۔

''نہیں، میں اکیلی ہوں۔'' وہ چاہ کر بھی جھوٹ نہ بول سکی، نہ جانے کیوں دل اس کو دیکھ کر مطمئن سا ہوا تھا۔

''شہر کے حالات کافی خراب ہیں اور خاص کر اس طرف کے، آپ کو اکیلے یوں نہیں گھومنا چاہیے۔'' وہ بائیک کھڑی کرتا اتر کر اس کے پاس آیا۔

''پھر نئے سال کا آغاز ہے، آج رات تو ویسے بھی منچلے اس طرف مستی کرنے آتے ہیں ایسے میں آپ کا اکیلا......'' وہ چپ ہوگیا۔

''اوہ...... تو مطلب آپ بھی یہاں......'' نہ جانے کیوں اس کا لہجہ تلخ ہوا، اس کے لہجے پر اس نے حیرت سے منشا کی طرف بغور دیکھا۔ گلابی فراک پر بلیک سوئٹر پہنے سادہ سی وہ لڑکی اسے بے حد اپنی اپنی سی لگی۔ وہ مسکرادیا۔

''نہیں، میں ایسی مستیاں افورڈ نہیں کرسکتا، ایک بیوہ بہن اور پانچ یتیم بھانجیوں کا اکلوتا کفیل ہوں۔'' جیکٹ میں ہاتھ ڈال کر اس نے اپنا تعارف کرایا۔

''نام کیا ہے تمہارا؟'' منشا کو اسے جاننا اچھا لگا۔

''امان...... امان مصطفیٰ۔'' اس نے مسکراتے ہوئے بتایا، نگاہیں البتہ دور خزاں رسیدہ درختوں پر جمی تھیں۔ منشا نے دیکھا سرخ و سپید رنگت پر ہلکی بڑھی شیو اس کے گھریلو حالات اس کی شکل سے ہی ظاہر کرنے لگے تھے، اسے تاسف نے آگھیرا۔

''ویسے مسئلہ کیا ہے؟'' وہ بڑھ کر گاڑی کو دیکھنے لگا، منشا نے تمام صورت حال اسے بتائی۔

''گھر میں کسی کو فون کرلو کوئی ڈپلیکیٹ کی تو ہوگی۔'' اس نے مشورہ دیا۔

''لیکن ان کو یہاں پہنچتے پہنچتے رات ہوجائے گی، ہمارا گاؤں شہر سے بہت دور ہے اور میں تو یہاں ایک فلیٹ میں اپنی ملازموں کے ساتھ رہتی ہوں۔'' اس نے اداسی سے بتایا۔

''پڑھتی ہو؟'' امان نے پوچھا' وہ سر ہلا گئی۔
''تم فون کرلو' میں تمہارے ساتھ یہاں ٹھہر سکتا ہوں۔'' اس نے منشا کو دیکھتے ہوئے کہا' وہ حیران ہوئی۔
''کیا واقعی؟''
''ہاں' ہم ذرا آگے جا کر ایک چھپر ہے اس میں بیٹھ کر انتظار کریں گے۔ گاڑی بھی ہمارے سامنے رہے گی اور اگر لڑکے اس طرف آئے بھی تو ہم ان کی نگاہوں میں نہیں آئیں گے۔'' وہ دل سے راضی تھا' منشا نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے فون کر کے گھر اطلاع دی اور پھر نہ جانے کیوں اس کے پیچھے قدم بڑھاتے ہوئے وہ اس کے نقش پا ڈھونڈ ڈھونڈ کے قدم رکھتی رہی۔
کچھ دور درختوں میں چھپر نما جگہ پر بنے سنگی بنچ تک آتے ہوئے امان مصطفیٰ جیسے اس کے دل تک سفر کر چکا تھا اور شاید بے خبر بھی نہیں تھا۔

❀......❀......❀

اور پھر کتنے گھنٹے وہ ایک دوسرے کو اپنے بارے میں بتاتے رہے تھے' ایک دوسرے کو جانتے رہے تھے۔ لڑکے ہیوی بائیکس پر چلاتے' گاتے' ویلنگ کرتے گزرتے اور وہ دونوں مل کر دور سے ہی یہ سب ساتھ انجوائے کرتے۔ نیا سال شروع ہونے والا تھا' جب اچانک سے رم جھم شروع ہوئی تھی۔ دور کسی بڑی گاڑی کی ہیڈ لائٹس چمکی تھیں' پھر منشا کی گاڑی کے قریب ہی وہ گاڑی رکی تھی وہ دونوں باہر نکل آئے۔ اماں نے گلے میں لٹکا بڑا سا مفلر منشا کے سر پر ڈال دیا تھا۔
''پتا تو بتادو' پھر کہاں ملو گے؟'' امان نے وہیں کھڑے کھڑے اسے جانے کو کہا تو وہ پوچھ بیٹھی۔
''مسافت لمبی ہے' مجھے خود پتا نہیں۔'' وہ اداسی سے مسکرایا۔
''پھر بھی کوئی تو دیا ہو جو راہ آسان کردے۔'' وہ ملتجی ہوئی۔
''اپنی منزل سے میں خود ابھی ناآشنا ہوں لیکن امید رکھنا اس نئے سال کی پہلی بارش میں بھی بھیگ رہے ہیں ناں' کیا پتا کسی اور نئے سال یونہی کوئی پہلی بارش ہمیں ایک بار پھر ساتھ بھگو دے۔'' اس نے چپکے سے امید کے جگنو اس کے ہاتھ میں تھمائے تھے' وہ شاید اسی پر خوش تھی تبھی خاموشی سے مڑ گئی تھی امان مصطفیٰ دیر تک وہیں کھڑا بھیگتا رہا تھا۔

❀......❀......❀

وقت نے خود کو پر لگا لیے تھے یا شاید اس نے خود کو اتنا مصروف کرلیا تھا کہ وقت کا احساس ہی نہ ہوتا تھا۔ آپا اس کی سوتیلی بہن تھیں' وہ ابا کی دوسری بیوی کی اولاد تھی تبھی ان دونوں کی عمروں میں اس قدر فرق تھا کہ آپا کی پہلی دو بیٹیاں اس کی ہم عمر لگتی تھیں۔ آپا کو بھی وہ بیٹے کی طرح ہی عزیز تھا' امی ابا کے بعد انہوں نے بیٹے کی طرح اس کو رکھا تھا لیکن پھر اچانک آپا کے شوہر کی ہارٹ اٹیک سے موت نے یوں منظر بدلا کہ خود آپا اور اس کی بیٹیاں امان کی

حفاظت میں سمٹ آئیں۔ وہ سمجھ دار تھا' اچھی جاب پر تھا تبھی اس نے ذمہ داری سے یہ بوجھ قبول کرلیا تھا۔ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی آپا اوران کی بیٹیوں کی زندگی کسی بھی طرح مکمل کردے لیکن جب وہ منشا سے ملا تو اسے پتا ہی نہ چلا کب وہ اس کے ساتھ ساتھ بسنے لگی اس کی مسکراہٹ' اس کی آنکھوں میں صاف دکھنے لگی۔ آپا نے بھی یہ رنگ بہت واضح دیکھ لیے تھے تبھی بار بار پوچھتیں اور وہ ہر بار ٹالتا' خود کو سمجھاتا اور پھر مصروف کرلیتا۔

''کبھی چند لمحوں کی ملاقات بھی کسی کے لیے کوئی معنی رکھ سکتی ہے؟'' وہ خود کو سمجھاتا۔

''تمہارے لیے تو زندگی کا حاصل بن گئی ہے یہ چند لمحوں کی رفاقت۔'' دل پکارتا اور وہ دم بخود رہ جاتا۔ کئی بار دل مچلتا کہ اسی راہ پر سفر کیا جائے شاید کہ وہ پھر راہ بھٹکتی اس کی منتظر ہو اور وہ ایک بار پھر خود کو سمجھاتا۔

❁......❁......❁

اور وہ خود کو کتنی بھی مصروف کرلیتی' وہ اس کے ذہن سے چمٹا رہتا' دل تھا کہ اس کے نام کی مالا جپنے لگا تھا۔ وہ لاکھ خود کو سمجھاتی لیکن اتنی ہی بے قرار رہتی اور اس دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر کتنے نیو ائر کی شاموں میں وہ اس راہ گزر پر گاڑی لے آتی شاید کہ کہیں وہ اس راہ پر نظر آجائے' اسے ڈھونڈتا اسے پکارتا اور وہ ہمیشہ کے لیے اس کی راہ پر چل دے لیکن گاڑی کے شیشے سے لمبی سڑک کو دور تک تکتے' اوس میں بھیگتے شیشے بھی اس کی کوشش کو ناکام کرنے لگتے تو وہ مایوس سی واپس پلٹ آتی۔

''صرف ایک بار...... ایک بار اپنا پتا تو دے دیا ہوتا امان' میں تمہارے سارے بوجھ بانٹ لیتی' تم نے تو اپنا بنا کر دور کردیا' بے حد دور......'' سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتی وہ بے آواز رو دیتی۔

❁......❁......❁

دس سال پر لگا کر زندگی کی راہ سے جدا ہوئے تھے' دل نے اسی راہ کی طرف جانے کے لیے مچلنا بہرحال ابھی نہیں چھوڑا تھا۔ زندگی کے امتحان دیتے دیتے آپا آخرت کے سفر پر روانہ ہو چلی تھیں' اس نے تمام بھانجیوں کی شادی اچھے گھرانوں میں کردی تھیں۔ ان دس سالوں میں عمر کی پختگی نے اس کی خوب صورت شخصیت کو مزید جلا بخشی تھی۔ کنپٹیوں سے جھلکتے سفید بالوں نے اسے مزید سوبر بنا دیا تھا' بھانجیاں اس کی شادی کے لیے زور دے دے کر تھک گئیں مگر وہ ہمیشہ مسکرا کر ٹالتا رہا۔

آج اکتیس دسمبر تھی' جب اس کے دل پر محبت نے قدم دھرا تھا۔ موسم سرد تھا پھر بھی نہ جانے کیوں اداس تھا' وہ گاڑی لیے سر شام گھر سے نکل پڑا' دل نے ایک مرتبہ پھر ضد پکڑی تھی اس نے اس بار دل کی مان ہی لی تھی۔

''ساتھ سے زیادہ قیمتی یادیں ہوتی ہیں' ساتھ تو چھوٹ جاتے ہیں' یادیں ہمیشہ ساتھ رہتی ہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے آج پہلی بار دل کی دلیل پر سر تسلیم خم کیا۔

دھیمی رفتار سے سفر کرتا اسی سڑک کی جانب رواں اس کا ہر قدم بے قرار ہوا جارہا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی وہ بالکل اسی مقام پر موجود تھا' جہاں وہ لوگ پہلی بار ملے تھے جہاں پہلی بار اس نے وہ من موہنی صورت دیکھی تھی' جو آج بھی اس کے دل پر اسی طرح قابض تھی جیسے اس دن......

❁......❁......❁
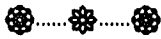
دسمبر جانے والا تھا اور جاتے جاتے ایک نئے سال کا انتظار' ایک نئی امید اس کے ہاتھ میں تھمارہا تھا۔ شام' رات کی چادر اوڑھ رہی تھی۔ اندھیرا بڑھنے لگا تھا اور اس کے وجود میں ٹھنڈک بھی۔

''تو کیا ایک اور سال بھی تمہارے بغیر......'' وہ سسکی۔

''اور اس سال کی پہلی بارش بھی مجھے بھگوئے بغیر ہی چلی جائے گی۔'' اس نے اپنے گال رگڑے۔

''کیونکہ تمہارے بغیر تو یہ کبھی بھی مجھے نہ بھگو سکے گی۔'' اس نے خود سے کیا وعدہ دہرایا اور تبھی دور اس نے اپنی گاڑی کی ونڈ اسکرین سے کافی دور کسی گاڑی کی لائٹس چمکتی دیکھیں اس کا دل اسی لے پر دھڑکا جیسے دس سال قبل اس بائیک کو دیکھ کے دھڑکا تھا۔

''امان......'' دل نے گواہی ہی دے دی تھی' اس نے

اپنی گاڑی کی ہیڈ لائٹس آن کردیں۔ سامنے سے آتی گاڑی کے ٹائر زور سے چرچرائے تھے‘ وہ تیزی سے نیچے اتر آئی۔ ہرخوف‘ ہروسوسہ دم توڑ گیا تھا باقی رہا تھا تو صرف یقین۔ وہ صرف امان ہی تھا‘ امان ہی ہوسکتا ہے‘ وہ گہرے میرون کلر کا کوٹ پہنے سر پر امان کا ہی مفلر لیے اس کی گاڑی کے سامنے کھڑی تھی۔ امان مصطفیٰ کو معجزوں پر یقین آیا تھا۔

محبت معجزہ ہے...... وہ گواہ ہوا تھا۔

گاڑی سے اتر کر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا وہ اس کے سامنے آٹھہرا تھا‘ دونوں گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس ان پر پڑ رہی تھیں۔

’’کاش میں دل پر اعتبار کرلیتا کہ لمحوں کی ملاقات واقعی کبھی کبھی پوری زندگی پر حاوی ہوتی ہے۔‘‘ امان مصطفیٰ شرمندہ تھا۔

’’اور شکر میرے مالک کا جس نے میرے یقین کا بھرم رکھ لیا۔ میں جانتی تھی تم نے اور میں نے نئے سال کی پہلی بارش میں ایک ساتھ بھیگنا ہے جیسے دس سال پہلے دسمبر کی آخری بارش نے ہمیں محبت کی بارش میں بھگویا تھا۔‘‘ اس نے کس قدر خوب صورتی سے اعتراف کیا‘ امان مصطفیٰ نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھایا اور منشا زیدی نے وہ ہاتھ بلاتامل تھام لیا تھا کہ وہ مان گئی تھی۔ محبتوں کی بارشوں میں بھیگنا بھی نصیب والوں کو نصیب ہوتا ہے وہ بھی ہجر کی سختیوں کے بعد......

''شادی سے پہلے ہی باراتی لوٹ گئے' نکاح سے پہلے ہی طلاق ہوگئی۔'' ایک مشہور ٹی وی چینل پر بڑے ہی ڈرامائی انداز میں دومشہور سیاسی جماعتوں کے الحاق اور پھر علیحدگی سے متعلق خبر نشر کی گئی تھی' سیرت محض مسکرا کے ہی رہ گئی تھی۔

''اُف یہ ٹی وی والے بھی ناں خبر کو کس انداز میں دکھانا ہے خوب سمجھتے ہیں۔ ابھی کچھ ہی دن پہلے شہر میں اس چھرا مار کی دہشت پھیلائی ہوئی تھی بے چاری لڑکیاں گھر سے باہر نکلنے سے کترا رہی تھی اب سیاست میں ہلچل مچ گئی کل کو یہ معاملہ ٹھنڈا ہوگا تو کوئی اور معاملہ شروع ہوجائے گا اس ملک کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔ پانی وبجلی کا بحران' پیٹرول کی قیمتیں سونے کی قیمتوں کی طرح آسمان پر جا پہنچی ہیں۔ اُف میرے اللہ کیا ہوگا ہمارا' دنیا آگے جارہی ہے اور ہم ہیں کہ مزید پیچھے کی طرف خود کو دھکیلے جارہے ہیں۔'' سیرت ٹی وی کا والیوم کم کرتے ہوئے کافی اونچا بڑبڑائی۔

''تو کس نے کہا ہے مائی ڈیئر اس ملک میں رہنے کو میری مانو تو میرے ساتھ ہی لندن چلو تمہارے لیے بہترین آفرز موجود ہیں وہاں پر۔'' شیراز مصطفیٰ نے ہمیشہ کی طرح اچانک انٹری دی۔

''اُف میرے اللہ شیراز تمہیں کلینک سے اتنی فرصت مل جاتی ہے کہ تم دن میں کوئی دس بار یہاں کے چکر لگاؤ۔'' سیرت نے تپ کے کہا' شیراز مصطفیٰ ہنستا چلا گیا۔

''تم اتنی ناسمجھ ہو سیرت یا پھر ناسمجھی کا مظاہرہ کرتی ہو خود کو ایک گولڈ میڈلسٹ اسٹوڈنٹ' شہر کی سب سے مصروف ومعروف ڈاکٹر مس سیرت احمد کیا اتنا بھی نہیں سمجھتیں کہ میں اپنا سارا کام کاج چھوڑ کے تمہارے آگے پیچھے چکر کیوں لگاتا ہوں؟'' شیراز مصطفیٰ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے سیرت کی گہری کالی آنکھوں میں جھانکا تھا نجانے کیوں وہ آج تک سیرت کے دل کی بات سمجھنے سے قاصر تھا یا پھر وہ لڑکی ہی ایسی تھی اپنی آنکھوں پر پردے ڈالے رکھتی تھی۔

''چائے پیو گے یا کافی؟ ورنہ ماما بولیں گی کہ ان کے اکلوتے بھانجے کو میں نے چائے پانی کا بھی نہیں پوچھا۔'' سیرت نے فوراً موضوع بدلا' شیراز کے سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا اور سچ تو یہ تھا کہ وہ خود اس سوال سے کوسوں دور ہی رہنا چاہتی تھی۔

''پھر بات بدل دی ناں تم سے کوئی نہیں جیت سکتا سیرت......کوئی نہیں۔ میں چاہتا تو ماما سے بات کرتا لیکن میں سب کچھ تمہاری مرضی سے کرنا چاہتا ہوں مگر اب مجھے لگتا ہے کہ مجھے ماما سے ہی بات کرنی پڑے گی۔'' وہ بس اتنا کہہ کے چلا گیا تھا یہ دیکھے بنا کے سیرت کی آنکھیں پانی سے بھر گئی تھیں۔

''ہم کبھی خوش نہیں رہ سکیں گے شیراز مصطفیٰ کبھی نہیں' تم اپنی ضد چھوڑو گے نہ میں اپنی۔'' وہ سوچتی رہ گئی۔

❀......❀......❀
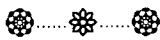
سال نو کی آمد آمد تھی ہر سو سال نو میں ہونے والے الیکشن سے متعلق گہما گہمی چھائی ہوئی تھی' ڈاکٹر سیرت احمد نہ صرف ایک مشہور وقابل ڈاکٹر تھیں بلکہ ایک بہت اچھی کالم نگار بھی تھیں تو سیاست وملک سے متعلق ہر خبر پر اس کی نظر تھی اور نظر ہوتی بھی کیوں ناں بچپن سے ہی اسے اس ملک سے اور یہاں کے لوگوں سے بڑی محبت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے انسانی خدمت کے لیے ڈاکٹری کے پیشے کو چنا اور صحافت کو بھی اس نے کالم نگاری کے ذریعے زندہ رکھا۔

''شیراز مصطفیٰ......'' سیرت احمد کی اکلوتی خالہ کا اکلوتا بیٹا تھا' وہ بچپن سے ہی سیرت کی محبت کا اسیر تھا' سیرت بھی خوب اس کی نظروں کے مفہوم سے آشنا تھی جہاں سیرت

ہوتی وہیں شیراز ہوتا۔ سیرت کو ڈاکٹر بننا تھا تو شیراز کو بھی ڈاکٹر بننا تھا' فرق تھا تو صرف اتنا کہ سیرت اس ملک کے لیے' یہاں کے لوگوں کے بارے میں سوچتی تھی اور شیراز صرف اپنے اور سیرت کے بارے میں۔ شیراز کو تو اس ملک سے ہی نفرت تھی دونوں نے ہی میڈیکل کی اعلیٰ تعلیم لندن سے حاصل کی تھی شیراز کو باہر کی دنیا میں اپنا کیریئر نظر آتا تھا' تو سیرت کو دن بدن ملک میں ڈاکٹرز کی غفلت' ڈاکٹروں کی کمی کے باعث مرتے لوگ...... یہی وجہ تھی کہ اس نے وطن واپس آتے ہی ایک سرکاری ہسپتال میں نوکری کرنے کو ترجیح دی تھی اور ساتھ ہی اپنا پرائیوٹ کلینک بھی کھول رکھا تھا جہاں وہ خدمت خلق کے تحت لوگوں کو طبی امداد فراہم کرتی تھی۔

سیرت کے پاپا کو اس پر فخر و غرور تھا جبکہ شیراز کو اس کی بےوقوفی پر ہنسی آتی تھی وہ بس سیرت کے جواب بلکہ مثبت جواب کا منتظر تھا اور یہ جواب اسے نجانے کب ملنا تھا۔

❁......❁......❁
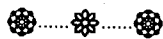
آج صبح سے ہی اس کا دل بہت اداس تھا دوپہر دو بجے شیراز کی لندن کی فلائٹ تھی اسے جانے کی جلدی تھی اور اسے جانا ہی تھا۔ شیراز نے ماما پاپا سے بات کر کے سارا معاملہ سیرت پر چھوڑنے کے بعد اسے منانے کی پوری کوشش کی تھی۔

''تم چاہو تو میں یہاں رک سکتا ہوں سیرت...... ہم دونوں شادی کے بعد ایک ساتھ جاسکتے ہیں پلیز سیرت' کچھ تو بولو کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو۔'' شیراز مصطفیٰ اس کے سامنے دوزانو بیٹھا ہوا تھا۔

''اور اگر میں کہوں کہ کیا ہم یہاں نہیں رہ سکتے تو تمہارا جواب کیا ہوگا؟'' سیرت نے اس کی ملتجی آنکھوں میں جھانکا۔

''میں یہاں رک کر کیا کروں گا یہاں تم محفوظ ہو نہ میں' میرے لیے یہاں کچھ ہے نہ ہمارے بچوں کے لیے یہاں کچھ ہوگا۔ میں اپنی فیملی کو ایک خوف زدہ مستقبل نہیں دے سکتا سیرت۔'' شیراز کا فیصلہ اٹل تھا اسے دو دن بعد لندن کے مشہور ہسپتال میں اپنی پوسٹ سنبھالنی تھی' اس کے پاس بےشمار جواز تھے یہاں سے جانے کے یا شاید وہ اس ملک سے اتنا بےزار ہو چکا تھا کہ سیرت کو بھی چھوڑ سکتا تھا۔

''تم جاؤ شیراز...... جب باہر کی دنیا سے تھک جاؤ تو لوٹ آنا' میں تمہیں یہیں اپنے ملک میں ملوں گی۔'' سیرت کہہ کر چلی گئی اور شیراز وہ بھی اپنا فیصلہ سنا کے جا رہا تھا۔

''کیا میں اتنی بھی ضروری نہیں کہ تم میرے لیے یہاں رک سکتے۔'' سیرت نے کرب سے سوچا اور اپنے دل پر پتھر رکھ لیا' اس کے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ شیراز کو رخصت کرسکتی سو اس نے اپنے آنسو صاف کیے اور کلینک

ثروت عزیز نوشی

السلام علیکم! ہمارا نام ثروت عزیز نوشی ہے پیار سے سبھی نوشی کہتے ہیں لیکن میرے بھائی مجھے ودیا دیدی کہتے ہیں' کیم جنوری کو اس دنیا میں ہم نے اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ قدم رکھا۔ کنگن پور کے نواحی گاؤں کوٹھا کلاں میں میرا میکہ ہے' مجھے اپنے تعارف کے ساتھ اپنے میکے کے گاؤں کا نام لگانا اچھا لگا ویسے سسرال لدھا سنگھ موکل میں ہے جب سے ہوش سنبھالا ہے آنچل کو اپنے قریب پایا' آنچل سے ایک دلی وابستگی ہے۔ ماشاء اللہ سے میرے دو بچے ہیں بیٹا احمد حسن اور بیٹی مکشف ہے' ہم دس بہن بھائی تھے' بڑی آپی عابدہ فردوس اب اس دنیا میں نہیں ہیں' ان کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے۔ موسموں میں سردیاں اچھی لگتی ہیں' کلرز میں بلیو بلیک اینڈ میرون پسند ہے۔ کھانے میں بریانی' کھیر اور کسٹرڈ پسند ہے' ویجی ٹیبل میں اروی اور بھنڈی پسند ہے' زیادہ فیشن اس لیے نہیں کرتی کہ ہمارے گھر میں بچوں کو قرآن پاک پڑھایا جاتا ہے۔ رائٹرز میں سبھی پسند ہیں۔ ڈائجسٹوں میں آنچل' ڈر اور شعاع پسند ہے' تعلیم صرف مڈل تک ہی ہے' فیورٹ سنگرز جواد احمد' فاخر' حدیقہ کیانی' حمیرا ارشد' فریحہ پرویز اور نور جہاں پسند ہیں۔ ناولز میں ''یہ چاہتیں یہ شدتیں' ٹوٹا ہوا تارا'' پسند ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ کبھی بھی کسی سے نفرت نہیں کرتی' پیٹ پیچھے کسی کی برائی نہیں کرتی اور نہ ہی کبھی جھوٹ بولتی ہوں خاصی اُف '' خامیاں تو بہت ہیں مجھ میں بقول اپنی باجی کے بہت زیادہ منہ پھٹ ہوں' زبان قینچی کی طرح چلتی ہے ویسے اچنبھے کی بات بتاؤں۔ ہم اپنی ماں کو باجی کہتے ہیں' سہیلیاں تو بہت ہیں' فرزانہ اینڈ شہناز' نسرین اینڈ نعیم مصباح مجید میری کزن' آپی ماشتہ آف کیلن پٹھار' حافظہ چندا میری بڑی سسٹر' ماریہ سلیم بھٹی اینڈ نورین مشتاق بھٹی۔ فیورٹ کتاب قرآن مجید اور پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' تعارف کیسا لگا ضرور بتایئے گا اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ آنچل ہمیشہ ترقی کرتا رہے' رب راکھا۔

جانے کی تیاری کرنے لگی۔

❁......❁......❁

اونچی نیچی تنگ گلیوں سے گزر کر سیرت احمد کا کلینک آتا تھا جو بظاہر تو ایک پرائیوٹ کلینک تھا مگر یہاں فیسوں کا انبار نہیں تھا' علاج انتہائی معقول قیمت پر کیا جاتا تھا اور کچھ بے بس لوگوں سے تو کوئی فیس وصول نہ کی جاتی تھی۔ چھوٹے سے اس کلینک میں آپریشن وغیرہ کی سہولیات بھی میسر تھیں۔

''ایک خواب تھا کہ تم بھی اس کلینک کے ذریعے لوگوں کی مدد میں میرے ساتھ کھڑے ہوتے شیراز مصطفیٰ مگر یہ محض خواب ہی رہا۔'' کلینک کے سامنے گاڑی روک کے سیرت نے انتہائی کرب سے سوچا۔ اس سے پہلے کہ سیرت گاڑی سے اترتی کچھ نقاب پوش بائیک سوار کار کے اوپر گولیاں برساتے ہوئے چلے گئے تھے اس سے پہلے کہ سیرت کو کچھ سمجھ آتا اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاتا چلا گیا۔

❁......❁......❁
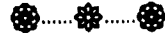
''تو یہ تھا ایک ڈاکٹر ایک مشہور صحافی کا انجام یا یوں کہوں کہ سچ لکھنے کی قیمت یہ تھی مس سیرت احمد...... یہی ہوتا ہے ناں یہاں اس ملک میں جو اچھا ہو' جو سچا ہو اس کا نام مٹا دو۔'' اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ہسپتال کے کمرے میں پایا اور یہ آواز بلاشبہ شیراز مصطفیٰ کی تھی۔

''اس کا مطلب وہ گیا نہیں یہیں تھا اس کے پاس۔''

وہ فوراً اٹھنا چاہتی تھی لیکن شدت درد سے اٹھ نہیں پائی تھی۔

''لیٹی رہو' شکر کرو گولی تمہارے بازو کو صرف چھو کر گزری ہے لگی نہیں۔ میں نے اور پاپا نے ایف آئی آر کٹوا دی ہے' بہت جلد مجرم پکڑے جائیں گے۔'' شیراز نے اسے جوس کا گلاس تھمایا۔

ملائکہ

السلام علیکم! میں ہوں ملائکہ سب مجھے پیار سے ماہی بلاتے ہیں' میں اپنا تعارف کرواتے ہوئے اپنے پورے گروپ کے نام بتانا چاہوں گی۔ مومنہ زنیرہ' شانزہ' عدن' عشاء اور مافیہ میری بہت اچھی فرینڈز ہیں۔ ہم سب آنچل کو بہت پسند کرتے ہیں' آنچل تفریح کا بہت ہی اچھا ذریعہ ہے۔ ہم دو بہنیں ہیں اور دونوں کو آنچل پڑھنے کا بے حد شوق ہے' ہماری بیسٹ رائٹرز میں عمیرہ احمد' سمیرا شریف طور اور سباس گل ہیں۔ کھانے میں مٹر قیمہ اور شوارما بہت پسند ہے۔ کلر رائل بلیو' بلیک اور ریڈ بہت اچھے لگتے ہیں۔ ہم آنچل میں بہت پہلے کچھ لکھنا چاہتے ہیں مگر آج یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ دل سے دعا ہے کہ آنچل دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ میں دسویں کلاس میں پڑھتی ہوں اور سلیبس بکس سے زیادہ آنچل کو پڑھتی ہوں۔ ہماری اکیڈمی ٹیچر کو شاعری لکھنے اور ناول لکھنے کا بہت شوق ہے انہوں نے بہت سی غزلیں اور ایک دو ناول لکھے ہیں' ان کو آنچل میں جگہ دی جائے' اچھا اب جازت چاہتی ہوں اللہ حافظ' آنچل کے لیے دعا گو۔

''آج سے تم کلینک اکیلے نہیں جاؤ گی میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔'' وہ معنی خیزی سے ہنسا۔

''لیکن تم تو لندن......''

''جا رہا تھا لیکن یہ دل ہے ناں اس نے جانے نہیں دیا۔ جانتی ہو سیرت...... میں چاہ کر بھی نہیں جا پایا' میرے قدموں میں تمہاری محبت کی زنجیر تھی تمہارے الفاظ تھے کہ تم میرا انتظار کرو گی تو پھر میں تمہیں کیسے انتظار کرواتا۔ کاش تم پہلے ہی کہہ دیتیں۔'' سیرت کی بات اس نے کاٹی تھی' وہ آج اسے حیران کرنے کے درپے تھا۔

''لیکن تمہارے لیے تو اس ملک میں کچھ نہیں۔'' سیرت خود کو کہنے سے روک نہیں پائی۔

''شش...... چپ' تم تو ہو ناں' تمہارے خواب ہیں' تمہاری محبت ہے۔ میں تمہارے لیے تمہارے خوابوں کے لیے یہاں رکوں گا' تمہیں اس ملک کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کرنا ہے ناں میں تمہارا ہمسفر بنوں گا۔ تمہارے ہم قدم چلوں گا' کیا پتا ہمارے ایک اچھے عمل سے نجانے کتنے لوگ اس ملک کے لیے کھڑے ہو جائیں' شاید آنے والا سال تو کوئی مثبت تبدیلی لے آئے۔'' شیراز نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔

''سچ......!'' سیرت حیران ہوئی۔

''سچ...... میری جان حیات۔'' اس کی ساری حسرتیں شیراز نے اپنی محبت سے ختم کردی تھیں۔

''تو اب شادی کی تیاری پکی۔'' گھر والوں نے اندر اچانک انٹری دی۔ سب کا جاندار قہقہہ کمرے میں گونجا تھا۔ آنے والا سال تو سیرت اور شیراز کے لیے ملن کا سال تھا۔ سیرت کی مخلصی نے شیراز کے دل میں بھی اس ملک کی لیے محبت جگادی تھی' بے زاریت ختم کردی تھی اس کے لیے جو کچھ تھا یہ ملک ہی تھا اور اسی کی بقاء میں سب کی بقاء تھی ایک نئی سحر تو سب کی منتظر تھی۔

کارساز

سنبل خان بٹ

''اللہ بہت بڑا کارساز ہے۔ وہ اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے۔'' بلقیس بانو بستر مرگ پر تھی اپنی بیٹی کو سمجھا رہی تھیں۔ ماں کی حالت پر ذکیہ مایوسی کی انتہاؤں تک جا پہنچی تھی، ایک سرد آہ لبوں تک آ کر دم توڑ گئی تھی۔

''انسان کی زندگی میں ہونے والی ہر تبدیلی، ہر اتار چڑھاؤ، ہر سکھ دکھ کا ایک وقت مقرر ہے، میرا مالک کبھی اپنے بندوں کو اس کی برداشت سے بڑھ کر نہیں آزماتا، یہ تو ہم انسان نافرمان ہیں، اپنی خوشیوں میں اسے یاد نہیں کرتے اور جیسے ہی کوئی دکھ ہماری طرف اپنا قدم بڑھاتا ہے تو ہم تلملا اٹھتے ہیں اور بنا سوچے اسے مورد الزام ٹھہراتے، گلے شکوے کرنے لگ جاتے ہیں۔'' بلقیس بانو نے دل میں اٹھتی اذیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

ذکیہ ایک دم بلک اٹھی۔ اس کی نیلی گہری آنکھیں، جھیل کا منظر پیش کررہی تھی۔ وہ کبھی اماں کی اکھڑتی سانسوں کو دیکھتی تو کبھی جھریوں زدہ نحیف ہاتھوں کو چھوتی۔ جو سرد ہوتے جارہے تھے۔

''اماں میں دنیا کا ہر غم سہہ سکتی ہوں، بڑی سے بڑی چوٹ برداشت کرسکتی ہوں، پر آپ کی جدائی کا غم ناقابل برداشت ہے میں آپ کے بناء کیسے جی سکتی ہوں؟'' وہ سسکتے ہوئے بولی۔

''ذکیہ میری بچی۔'' اماں نے اپنا لرزتا ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔

''جی......اماں۔'' وہ ماں کے سینے سے لپٹ کر ہچکیاں لینے لگی۔

''دکھ تین قسم کے ہوتے ہیں، کچھ دکھ اللہ اپنے بندوں کا امتحان لینے کے لیے دیتا ہے، جو انسان کو اس کے نزدیک لے جاتے ہیں، کچھ انسان کو اپنے پرائے کا فرق دکھانے اور صحیح وغلط کی پہچان کروانے کے لیے ہوتے ہیں اور کچھ دکھ انسان کے اپنے اعمال کے نتیجے میں ملتے ہیں، مگر بیٹی میری یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ اللہ بہت بڑا کارساز ہے۔ اس کائنات کا ہر ذرہ اس کی مرضی کا تابع ہے، انسان کو ہر رنج والم سے نجات دلانے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔'' بلقیس بانو بات کرتے ہوئے اس دارفانی سے کوچ کرگئیں تھیں۔

اماں کو اس دنیا سے گئے آج دوسرا دن تھا، ذکیہ جس اذیت سے دوچار تھی، اس کا اندازہ صرف وہ ہی کرسکتی تھی۔ وہ اس کی زندگی کا واحد سہارا تھیں اپنی تنہائی اور لاچاری کا سوچ کر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوگیا تھا، جس کے ساتھ وہ بہتی چلی گئی۔ اسے آج اندازہ ہوا کہ اپنوں کی جدائی انسان کو نہ تو جینے دیتی ہے اور نہ ہی مرنے۔ دروازے پر ہونے والی دستک نے اس کے خیالات کی ڈور توڑ یا اور وہ بے اختیار چونکی تھی۔

''کون ہے؟'' دروازے تک پہنچ کر پوچھا۔

''میں ہوں رابعہ پلیز...... دروازہ کھولو۔'' ذکیہ نے آواز سنتے ہی جھٹ سے دروازہ کھولا۔

''کہاں تھی؟ قسم سے دورازہ بجاتے بجاتے ہاتھ درد کرنے لگے۔'' وہ اس کے برابر میں بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''میں نے کہاں جانا ہے؟'' اس کا نم لہجہ اور سرخ ہوتی آنکھیں چغلی کھا گئیں۔

''اوہ......تو رونے کا شغل جاری تھی۔'' اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

''تم تو سب کچھ جانتی ہو، کچھ بھی تو نہیں چھپا، گھر میں کھانے کے لالے پڑئے ہیں۔ اناج کا ایک دانہ بھی نہیں۔ سمجھ نہیں آتا کیا کروں' کہاں جاؤں' کس سے مانگوں' کہاں سے لاؤں' کیسے اپنے بھوکے بچوں کا پیٹ بھروں؟'' ذکیہ کی ہمت جواب دے گئی۔ بولتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر سے رودی کہیں کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا آئے روز کے فاقوں سے وہ اور اس کے دونوں بچے کملا کے رہ گئے تھے۔

''ذکیہ اگر میرے بس میں ہوتا تو کوئی دکھ بھی تمہارے پاس بھٹکنے نہ دیتی۔ پر میں کیا کروں میرے تو اپنے ہاتھ خالی ہیں، میں تو خود دوسروں کے برتن دھوتی ہوں چاہ کر بھی تمہاری مدد نہیں کرسکتی پر......''

''پر کیا؟'' ذکیہ اس کے آخری لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔

''نہیں...... رہنے دو تم برا مان جاؤ گی۔'' رابعہ کے لہجے میں جھجک تھی۔

''دیکھو رابعہ شادی کے بعد تم میری اچھی دوست ہو۔ تم میرے ہر سکھ دکھ کی ساتھی ہو اس لیے کوئی بھی بات دل میں مت رکھو جو کہنا ہے کھل کے کہو۔'' ذکیہ کا لہجہ سنجیدہ تھا وہ آنسو پونچھتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''ذکیہ میں جہاں کام کرتی ہوں ناں، اس بنگلے کا مالک بالکل اکیلا رہتا ہے چھ سال پہلے اس کی بیوی ایک حادثے میں گزر گئی تھی تو وہ......!'' اس نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''تو وہ...... کیا؟'' ذکیہ اس کے چہرے کی اڑتی رنگت کو دیکھ کر تیوری چڑھا کر بولی۔

''دیکھو...... ذکیہ تم ایک شادی شدہ زندگی گزار چکی ہو اس لیے بن کہے میری بات سمجھ سکتی ہو میں نے تمہاری مشکل دیکھ کر یہ بات کہی۔ برا مت ماننا اس میں میرا کوئی لالچ شامل نہیں۔'' رابعہ اس کے چہرے کے تاثرات بھانپ چکی تھی تب ہی تھوڑا جھجک کر سمجھانے لگی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ باتوں میں الجھاؤ مت جو بھی کہنا ہے صاف صاف کہو۔'' ذکیہ اسے گھورتے ہوئے کڑک لہجے میں بولی۔

''میری بات سننے میں بہت بری لگے گی مگر اس میں تمہارا ہی بھلا ہے۔ صاحب کے پاس بہت پیسے ہیں۔ انہوں نے ایک دو بار تمہیں میرے ساتھ دیکھا تو تمہارے حسن پر فریفتہ ہوگئے، کئی بار بہانے بہانے سے تمہارے بارے میں معلومات لے چکے ہیں میں کوئی بچی نہیں ہوں، جوان کی باتوں کی تہہ تک نہ پہنچ سکوں۔'' وہ بولتے ہوئے ایک منٹ کے لیے ٹھہری ذکیہ کی حسین آنکھیں اس پر جم گئیں۔

''اگر تم چاہو وہ بدلے میں تمہاری ہر ضرورت کو پورا کریں گے، روٹی، کپڑا یہاں تک کے تمہارے بچوں کی تعلیم تک کا خرچ اٹھانے کو تیار ہیں۔'' اس نے جلدی سے بات مکمل کی۔ آخر مالک کو بے وقوف بنا کر اس نے ذکیہ کے نام پر خوب لوٹا جو تھا۔ اب ان کے تقاضے اسے پریشان کررہے تھے۔

''بس...... تو اتنا گر سکتی ہے میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔'' ذکیہ نے زوردار تھپڑ اپنی سہیلی کے منہ پر مارا۔

''تم...... تم چاہتی ہو کے میں اپنی عزت کا سودا کر دوں' صرف چند روپوں کی خاطر میں اپنا مان' غرور سب بیچ ڈالوں......'' وہ چیخ اٹھی۔

''م...... میں......''

''تف ہے تیری دوستی پر اور لعنت ہے تجھ پر میں اپنی ماں کی پرورش کو یوں بے مول کردوں...... ایسا تم نے سوچا بھی کیسے۔'' وہ ایک دم سر پر ہاتھ مارتے ہوئے رو دی۔

''ذکیہ...... میں نے تو......'' سب کچھ اس کی سوچ کے برخلاف ہوا، سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیسے قابو کرے۔

''یہ...... بتا...... تو نے میرے کردار میں کہاں جھول دیکھا...... جو تو نے آج ایسی بات کی...... اگر کوئی اور یہ بات کرتا تو میں اس کی جان لے لیتی۔'' ذکیہ نے دانت کچکچائے۔ اس کی آنکھوں سے سیل رواں جاری تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ زمین شق ہو اور وہ اس میں سما جائے۔

''تم نے آج مجھے دو کوڑی کا کردیا رابعہ...... مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا۔'' ذکیہ کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا۔

''میں تو اپنے مالک سے تمہارے کام کے سلسلے میں بات کرنے گئی تھی لیکن انہوں نے مجھ سے یہ سب کہا۔ میرا اپنا کوئی مفاد نہیں اس میں۔'' رابعہ نے بہانہ بنایا۔

''اس نے کہا اور تم نے مان لیا، بڑی اچھی دوستی نبھائی...... تم چاہتی ہو کہ میں تمہارے مالک کی ہوس کا شکار بن کر اس کی راتوں کو رنگین کردوں تم سب پر لعنت ہو۔'' ذکیہ گرجنے لگی۔

''مجھے آج بھی یاد ہے جب تم پانچ سال پہلے ظفر کے ساتھ بیاہ کر آئی تو ایک موم کی گڑیا تھی مجھے تمہاری بھولی سی صورت اور آنکھوں کی حیا ہمیشہ بہت اچھی لگتی تھی، مگر برا ہو اس غربت کا جو تمہارے بوڑھے ماں باپ نے تمہیں اس نشئی آوارہ اور بد دماغ ظفر کے پلے باندھ دیا اور اس کے بعد تمہاری زندگی دوزخ بن گئی، جلد ہی ظفر نے اپنی اوقات دکھانی شروع کردی وہ تمہیں جانوروں کی طرح مارتا، کئی کئی دن تم کو بھوکا رکھتا اور جب نشہ کے لیے پیسے نہ ہوتے تو گھر کا سامان بیچ ڈالتا۔ تم نے اس کی خاطر سب کچھ جھیلا' سب کچھ ختم کرنے کے بعد ایک دن خود بھی کتے کی موت مرگیا، نشہ نہ ملنے کی وجہ سے سردی میں اکڑا ہوا میونسپلٹی والوں کو فٹ پاتھ پر پڑا ملا اور یہی صدمہ اماں برداشت نہ کر پائی اور جہان فانی سے کوچ کر گئیں۔ میرا دل تمہارے لیے ہمیشہ کڑھتا رہا تم تو کسی محل کی رانی بننے کے لائق تھی، تمہارا حسن تو گاڑیوں میں گھومنے والی بیگم صاحبہ جیسا ہے۔ بس یہ ہی سوچ کر......'' مسلسل بولنے سے اس کا گلا خشک ہوگیا۔ ذکیہ تو بس اپنی جگہ گم صم سی ہوگئی۔ کتنے ہی آنسو آنکھوں سے ٹوٹ کر اس کے رخسار پہ بہتے ہوئے اس کے دامن میں جذب ہوگئے تھے۔

''بہت اچھی دوستی نبھائی ہے تم نے۔'' اس نے تلخی سے کہا۔

''یہ غربت اور یہ صبر مجھے وارثت میں ملا ہے۔'' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ قدرے سنبھل کر بولی۔

''میں سولہ سال کی تھی جب باپ کی شفقت سے محروم ہوگئی، تب سے اب تک میں نے غربت کو اپنے سنگ پایا ہے۔ فاقہ کرنے کی عادت تو بہت پہلے ہی پڑ گئی تھی، جب کبھی بھوکے رہتے ہوئے کئی پہر گزر جاتے تو میں روتی ہوئی اماں کے پاس ان کی بانہوں میں ان کے سینے پہ سر رکھ دیتی اور اماں میرے آنسو صاف کرتی ہوئی مجھ سے کہتی کہ...... ذکیہ میری بیٹی جب دکھ برداشت سے بڑھ جائے تو اپنے اللہ کو پکارو مجھے نہیں، کیونکہ میں تو انسان ہوں اور انسان کبھی بھی کسی دوسرے انسان کا دکھ ختم نہیں کرسکتا' دکھ تو صرف اللہ رب العزت ہی ختم کرسکتا ہے' ہم انسان تو صرف ایک ذریعہ بنتے ہیں اور پھر میں اللہ رب العزت کو یاد کرتے ہوئے سو جاتی تھی اور اگلی صبح میرا رب کسی نہ کسی کو وسیلہ بنا کر ہماری مدد کو بھیج دیتا۔ اماں بے شک اس دنیا سے جاچکی ہے مگر اس کے یاد کرائے سبق آج بھی مجھے ازبر ہیں۔''

''تو مطلب تم زندگی کو اسی طرح خود پر تنگ رکھو گی؟'' رابعہ بے یقینی کے عالم میں ڈوبی اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں اب کوئی تناؤ نہیں تھا۔

''میں نے یہ طے کیا ہے کہ میں اپنے بچوں کو حرام کا ایک لقمہ نہیں کھلاؤں گی' کیونکہ میں جانتی ہوں کہ ان کے پیٹ میں آج تک ایک بھی اناج کا ایسا دانہ نہیں گیا جس پر

حرام کی مہر لگی ہو۔ اسی لیے ان میں وفا شناسی قائم ہے۔'' وہ بڑی مشکلوں سے مسکرائی۔

''اس لیے آج کے بعد یہ بات تمہاری زبان پہ نہ آئے، ورنہ مجھے مجبوراً دوستی کو بھولنا پڑے گا۔'' ذکیہ نے کرخت لہجے میں کہا۔

''میں تو تمہیں اس تکلیف بھری زندگی سے آزاد کرانے آئی تھی پر انجانے میں تمہاری تکلیفوں کو مزید بڑھا دیا ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔'' ذکیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

حریم اور احمر کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ روتے ہوئے بیڈ پر ذکیہ کے سامنے آ کر بیٹھ گئے۔

''اماں ہمیں بھوک لگی ہے، ہمیں کھانا دو۔'' وہ دونوں ایک ساتھ روتے ہوئے بولے۔ ذکیہ کی آنکھوں میں پھر سے نمی اتر آئی۔ وہ ماں تھی اپنے ننھے بچوں کی ایسی حالت دیکھ کر اس کا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔ بچوں کی معصوم سی شکلیں اور آنکھوں میں موٹے موٹے آنسوؤں نے اس کا دل لرزا دیا۔ اس نے جھپٹ کر اپنے بچوں کو سینے سے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھی۔ ایک بار پھر سچے دل سے اللہ رب العزت کو پکارا تھا۔

''اے اللہ تو بڑا کارساز ہے تو عطا کرنے والا ہے تیرے در سے کوئی خالی نہیں جاتا۔ یہ ساری کائنات تیرے ٹکڑوں پر پلتی ہے سب تیرا ہی صدقہ کھاتے ہیں آج اس ماں کا دامن بھی بھر دے اپنی نعمتوں سے اپنی رحمتوں سے۔'' ابھی دعا جاری تھی کہ پھر سے دروازے پر دستک ہونے لگی۔ وہ آنسو پونچھتے ہوئے دروازے پر پہنچی۔

''السلام علیکم۔'' دروازے پر مسجد کے امام صاحب ہاتھوں میں بڑی سی ٹرے اٹھائے کھڑے تھے۔

''وعلیکم السلام......امام صاحب آپ یہاں؟'' بڑے مودب انداز میں پوچھا، نگاہیں ڈھکی ہوئی ٹرے پر جھک گئیں۔

''ہاں بیٹی، میں یہ کھانا لایا تھا بچوں کے لیے۔'' امام صاحب نے ٹرے آگے بڑھائی۔

''کس سلسلے میں؟'' وہ تھوڑا گھبرائی ابھی ایک سوراخ سے ڈسی جو گئی تھی۔

''بیٹی، برا مت ماننا دیکھو ہم مسلمان ہیں، اس لیے انسانیت کے ناطے ایک دوسرے کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہر جمعرات کو مسجد میں بہت سا کھانا جمع ہو جاتا ہے۔ میرے گھر والے تو گاؤں میں رہتے ہیں۔ مجھ اکیلی جان کے لیے یہ بہت زیادہ ہے۔ اس لیے کافی مقدار میں کھانا بچ کر خراب ہو جاتا۔ اس لیے میں یہ کھانا تم لوگوں کے لیے لایا ہوں۔ اگر برا نہ مانو تو......'' انہوں نے جھجکتے ہوئے تفصیل کے ساتھ بات مکمل کی۔

''ارے نہیں امام صاحب مجھے بھلا کیوں برا لگے گا۔ آپ کو تو میرے اللہ نے بھیجا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھری۔ وہ اب پُرسکون تھی۔

''امام صاحب اب جا چکے تھے ذکیہ بھی ٹرے اٹھائے کمرے میں آ گئی جہاں حریم اور احمر بھوک سے تڑپ رہے تھے۔

''چلو بچوں اب رونا بند کرو کیونکہ اللہ پاک نے آپ کے لیے کھانا بھیج دیا ہے۔'' اس نے کھانے کی ٹرے کو بیڈ پر ان کے سامنے رکھ دیا۔ ٹرے میں قورمے کے ساتھ روٹیاں اور سوجی کا حلوہ بھی تھا۔ بچے کھانا دیکھ کے بہت خوش ہوئے اور اپنے آنسو صاف کرتے ہی کھانے پہ جھک گئے۔ وہ بہت خوش دلی سے کھانا کھا رہے تھے۔ ذکیہ کی آنکھیں خوشی سے چھلک پڑی تھی۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے میرے یقین کو قائم رکھا۔ میرے منہ سے ابھی نکلا ہی تھا اور تو نے اسے پورا کر دیا، یا اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے عطا کیا، تو بڑا رحیم ہے آج تو نے میری عزت کو محفوظ کیا اور مجھ گناہ گار کو کھانا بھی عطا کیا۔'' وہ دل ہی دل میں اللہ کی شکر گزار ہو رہی تھی۔

دلِ آشنا

یمنیٰ اختر

کرے جب تذکرہ کوئی
کرے جب تبصرہ کوئی
تمہاری ذات کو سوچے
تمہاری بات کو کھوجے
مجھے اچھا نہیں لگتا
سنو! اچھا نہیں لگتا
تمہاری ایک آہٹ پر
ہزاروں لوگ مرتے ہیں
تمہاری مسکراہٹ پر
ہزاروں دل دھڑکتے ہیں
کسی کا تم پہ یوں مرنا
مجھے اچھا نہیں لگتا
سنو! اچھا نہیں لگتا
مجھے اچھا نہیں لگتا۔

سبز پتوں کے پرنٹ پہ چھوٹے چھوٹے خوب صورت پھولوں سے مزین یہ ہینڈ میڈ کارڈ بے حد حسین تھا اور کارڈ سے زیادہ حسین اُس پہ سیاہ روشنائی سے لکھے یہ اشعار جو اپنے ایک ایک حروف سے اپنی سچائی بیان کر رہے تھے' ہر ہر لفظ سے جذبوں کا اظہار انتہائی دلکش تھا۔ وہ لبوں پہ حسین مسکراہٹ سجائے نرماہٹ اور آہستگی سے دھیرے دھیرے تحریر پر ہاتھ پھیر رہا تھا' جیسے اسے محسوس کر رہا ہو وہ انگلیوں کی پوروں سے تحریر کو ایسے چھو رہا تھا جیسے کسی ان دیکھے وجود کو چھو رہا ہو۔ ان لفظوں کو عقیدت سے دیکھتا اُن میں پوشیدہ جذبوں کی تاثیر اپنے اندر اُتار رہا تھا۔ ایک خوب صورت مسکراہٹ اُس کے لبوں پہ ٹھہری ہوئی تھی اور نظریں سامنے ٹیبل پہ پڑے بکے پر تھیں جس میں صرف سترہ لیلیز تھے۔ ہمیشہ کی طرح صرف سترہ پھول۔ وہ خوش اور بہت خوش تھا آنکھوں میں شوخی نمایاں تھی' وہ اِس وقت خود کو کسی سلطنت کا بادشاہ تصور کر رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کے پھولوں کو اُٹھایا وہ اُنہیں دیکھنے میں محو تھا اور نہ جانے کتنے ہی پل یوں فرصت کے مزید گزر جاتے اگر دروازے پہ مانوس دستک نہ ہوتی۔

اُس نے نظریں اُٹھا کے سامنے دیکھا گلاس ڈور کے پار وہ سفید رنگ پہ بلیک کڑھائی والے کرتے اور سفید رنگ کے ٹراؤزر میں ملبوس تھی اُس کے لمبے گھنے گولڈن براؤن بال لیئر کٹنگ کے ساتھ اسٹیریٹ ہوئے ایک سائیڈ کندھے پر آ رہے تھے کانوں میں موجود ٹاپس دور سے ہی جگمگ کر رہے تھے براؤن سن گلاسز بالوں میں اڑسے ہوئے تھے اور گولڈن براؤن آنکھوں میں بیزاری تھی۔ وہ تیز قدموں سے چلتی اُس کے سامنے چیئر پہ شانِ بے نیازی سے آ بیٹھی اور نظریں ٹیبل پہ پڑے پھولوں اور کارڈ پر مرکوز کر دی۔

"تایا ابا کو پورٹ گرانڈ جانا تھا...... اِسی لیے اُنہوں نے مجھے یہاں ڈراپ کر دیا۔" اس کے پوچھنے سے پہلے ہی وہ بتا کر ٹیبل پہ پڑا میگزین اُٹھا کے صفحے آگے پیچھے کرنے لگی گویا یہ اِشارہ ہو کے "تم اپنا کام کر سکتے ہو میں نے اپنی مصروفیت ڈھونڈ لی ہے۔"

وہ کارڈ اور بکے ایک طرف رکھ کر اسے دیکھنے لگا تو قدرے توصف کے بعد وہ بولی۔

"یہاں لنچ ٹائم کتنے بجے ہوتا ہے؟"

"میرے خیال میں تمام لوگ قدرت کے قانون کے مطابق دوپہر کے وقت کھانا کھا لیتے ہیں۔" اُس کے کہنے پہ اُس کی بھنویں سمٹی تھیں۔

"اِس وقت ساڑھے چار بج رہے ہیں...... آج میری لیب تھی تو میں یونیورسٹی میں کچھ نہیں کھا سکیں حادثاتی طور پر میری میزبانی کا شرف آپ کو حاصل ہوا لیکن آپ اپنے دل و جان سے زیادہ عزیز متاع کو بار بار سراہنے میں اتنے مصروف تھے کہ آدابِ میزبانی نبھانا ہی بھول گئے۔ لہٰذا ڈھیٹ بنتے ہوئے میں نے خود ہی عرض کر لی کیونکہ مجھے بہت شدید بھوک لگ رہی ہے۔" ساری نرمی بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ نہایت تمیز سے مگر طنزیہ لہجے میں فر فر بولتی گئی چہرے پہ شیطانی معصومیت اب تک برقرار تھی۔

وہ ابھی کوئی زبردست جواب دینے ہی والا تھا کہ اُسی لمحے دروازے پہ دستک ہوئی اُن دونوں نے ہی دیکھا تو دروازے کے باہر اُس کی سیکرٹری کھڑی نظر آئی۔ جسے دیکھ کے دونوں کو ہی شدید غصہ آیا۔

"ہمیشہ ہی غلط وقت پر آتی ہے اسٹوپیڈ۔" وہ بڑبڑایا مگر اِس کی آواز وہ سن چکی تھی۔

"مجھے تو سمجھ یہ نہیں آتی کہ آتی ہی کیوں ہے۔" وہ جل کے
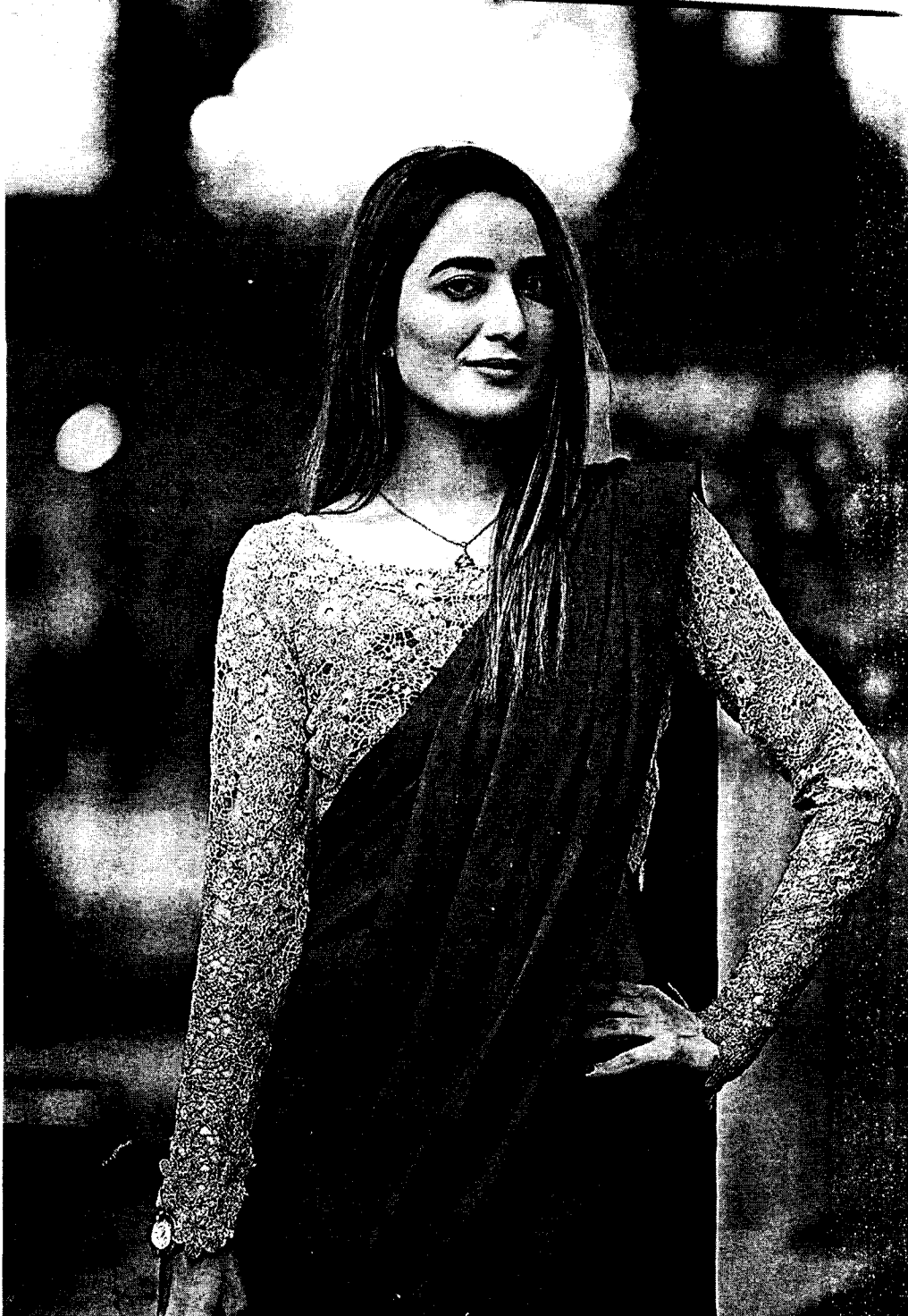
دل میں سوچ گئی۔

"کم ان......" کہہ کر اُس نے اندر آنے کا اِشارہ کیا۔ وہ تیزی سے دروازہ کھولتی اندر آئی اور سیدھا ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور اپنی ڈائری کھول کر اُسے شام کے شیڈول سے آگاہ کرنے لگی۔

"شعاع......گلبہار قلعہ کے اونر کے ساتھ جو میٹنگ تھی اُسے چھوڑ کے باقی تمام میٹنگز کینسل کر دو۔" اُس نے مصروف سے انداز میں حکم دیا اور فائل کی جانب متوجہ ہوا۔

"مس شعاع......ایک بات اور......" وہ جانے کے لیے مڑی تو اس نے مخاطب کیا۔ "کسی اچھے چائنز ریسٹورنٹ سے 'پیکز' کے لیے لنچ آڈر کر دیں۔" شعاع "لیس سر" کہتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

"شکریہ۔" وہ خوشی سے مسکرا کر بولی۔

اُس نے لمحے بھر کو اُسے دیکھا اور پھر ہلکے سے مسکرا کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

☆☆☆......☆☆☆

"جعفریہ مسکن۔" باغیچے میں شام کے وقت کافی چہل پہل تھی۔ مالی پھولوں کو پانی دے رہا تھا اور فائقہ بیگم اس کے سر پہ کھڑی اُسے نصیحت کر رہی تھیں۔ جبکہ لان میں لگی سفید ٹیبل چیئر پہ وہ گوری رنگت پُر کشش نقوش والے تہامی یعقوب جعفری بیٹھے گرم گرم سموسوں پہ ہاتھ صاف کر رہے تھے۔ چہرے پہ موجود ہلکی داڑھی حسن کو مزید نکھار رہی تھی وہ بلیو جینز پہ چیک والی شرٹ پہنے بیٹھا تھا اور اس کے ساتھ بیٹھا وہ تیرہ سال کا دبلا سا مگر نازک نقوش والا بچہ علی یوسف جعفری حسرت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی بڑی آنکھیں بالکل پیکر کی طرح تھیں۔ جب رہا نہ گیا تو بول پڑا۔

"ڈیئر برادر ایک حد ہوتی ہے آپ کا پیٹ نہیں بھرا تین سموسوں سے جواب یہ تین مزید کھا رہے ہو۔" اس کی بات پہ تہامی صاحب نے گھور کے اُسے دیکھا اور پھر قدرے اُونچی آواز میں کہا۔

"علی پہلی بات یہ کے بڑوں کو ٹوکتے نہیں دوسری یہ کے کسی کے کھانے پینے میں نظر نہیں لگاتے اور تیسری یہ کے میں اپنے حصے کا کھا رہا ہوں......چلو بھاگو یہاں سے تمہارے ٹیوٹر کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔" تہامی کی لمبی تقریر سننے کے بعد اس نے شرارتی مگر محتاط انداز میں کہا۔

"پہلی بات یہ برادر کے میں مانتا ہوں کے آپ بزرگ ہیں مگر میں آپ کے کھانے پہ نہیں بلکہ اِتنا زیادہ کھانے پہ ٹوک رہا ہوں اگر آپ کو یاد ہو تو پرسوں بھی آپ نے قیمہ کریلے اس رغبت سے کھائے تھے کے وہ پیٹ پھاڑ کے باہر آنے کو تیار تھے۔ اگر زیبو آپی نے وقت پہ آپ کو دوانہ کھلائی ہوتی تو بڑے برادر آپ کی وہ درگت بناتے کے آپ ساری عمر نہیں بھول پاتے جیسے بائیک ریسنگ پہ بنائی تھی۔ دوسری بات یہ بھائی کے میں نے اُس دن اپنی اِسکول کی ٹیچر سے سنا تھا کہ دُنیا میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ جو جینے کے لیے کھاتے ہیں دوسرے وہ جو کھانے کے لیے جیتے ہیں اور اتفاق سے آپ کا شمار بھی دوسری والی جماعت میں ہوتا ہے لہٰذا آپ کے ساتھ بدنظر والا معاملہ ہی نہیں ہو سکتا ہم تو آپ کی فطرت سے واقف ہیں اور تیسری بات یہ...... کے معذرت کے ساتھ آپ اپنے نصیب کا نہیں بلکہ اپنی محبت کے نصیب کا کھا رہے ہیں مجھے اچھی طرح پتہ ہے یہ سموسے آپ تک کس نے پہنچائے ہیں۔" شرارتی انداز میں کہتے ہوئے وہ اندر کی طرف بھاگا اور تہامی کے تو سر سے لگی اور تلوؤں تک جا بجھی تھی وہ سموسوں کی پلیٹ تقریباً پٹختے ہوئے اس کے پیچھے بھاگا لیکن سامنے ہاتھ میں چائے کی ٹرے لے کے آتی فیہا کو دیکھ کے تھم گیا...... وہ پھولے منہ کے ساتھ اس کے سامنے سے گزر گئی۔

"اب تک ناراض ہو؟" وہ اُس کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور نہایت دھیمی آواز میں مخاطب کیا۔ لیکن اس سے پہلے کے وہ کوئی جواب دیتی فائقہ بیگم وہاں آ چکی تھیں اور انہیں دیکھتے ہی وہ اپنی جگہ پہ آ بیٹھا اور دوبارہ سموسوں کی پلیٹ اُٹھالی البتہ کھایا نہیں تھا۔

"زیبائش کہاں ہے فیہا؟" فائقہ بیگم نے بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"آپی آ رہی ہیں تائی اماں وہ اصل میں تایا ابا نے انہیں چکن پکوڑوں کا بھی آڈر دے دیا ہے بس وہ وہی لے کر آ رہی ہیں۔" فیہا نے تہامی کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے تائی اماں کو جواب دیا ساتھ ہی چائے کی پیالی بھی اُن کی طرف بڑھائی اور ایک تہامی کی طرف رکھ دی۔ وہ چاہے اُس سے کتنی ہی سخت ناراض کیوں نہ ہو لیکن اُس کا خیال رکھتی تھی خاص کر کھانے پینے کے معاملے میں اور تہامی اس کی اِسی عادت کی وجہ سے اس پر جان دیتا تھا۔

"ایک تو میں تمہارے تایا کی ان حرکتوں سے بیزار ہوں عمر دیکھتے نہیں ہیں اور بس جوانوں کی طرح کی چٹورپن کی حرکتیں کرتے ہیں۔" اُن کے چٹورپن کہنے پہ تہامی بُری طرح گڑبڑا گیا...... جبکہ فیہا جی بھر کے محظوظ ہوئی۔ ہلکے فیروزی رنگ کے کُرتے اور وائٹ ٹراوزر میں ملبوس فیہا ہمیشہ کی طرح حسین لگ رہی تھی لمبے سیاہ بالوں کی فش ٹیل بنا رکھی تھی اور وہ اپنی نظروں سے دل میں اُسے قید کر رہا تھا۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے بات چیت نہیں کر رہے تھے کیونکہ کل ہی ان میں ہمیشہ کی طرح زبردست لڑائی ہوئی تھی اور اس دفعہ فیہا روٹھ گئی تھی اور یہ بات تہامی کی سمجھ سے باہر تھی کہ اُسے کیسے منائے۔

"ارے اب تک چائے نہیں پی آپ لوگوں نے اب تک تو ٹھنڈی ہوگئی ہوگی۔" ہاتھ میں چکن پکوڑوں کی پلیٹ تھامے زیبائش انہی کے قریب آرہی تھی۔ فائقہ بیگم نے اُسے غور سے دیکھا۔

"بس تمہارا ہی انتظار تھا۔" اُنہوں نے نرمی سے کہا۔

"میں نے سوچا یہ چکن پکوڑے بھی لے آؤں، باقی سب کو تو دے دیے بس ہم لوگ یوشع اور کِف......" کچھ یاد آنے پہ بات ادھوری چھوڑ کر وہ فوراً ہی فیہا کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کِفل اور پیکر نہیں آئے اب تک؟"

"السلام علیکم۔" کِفل نے لان میں داخل ہوتے ہی بلند آواز میں سب کو سلام کیا اور فیہا کی چھوڑی ہوئی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ جبکہ پیکر زیبائش کی کرسی کے ساتھ ٹک کے کھڑی ہوگئی۔

"بھائی...... آپ کہاں تھے اتنی دیر کیوں ہوگئی آپ کو؟" فیہا نے سلام کا جواب دیے بنا ہی ذرا خفگی سے بھائی سے کہا۔ جس پر کِفل نے حیران نظروں سے اُسے دیکھا پھر تحمل سے کہا۔

"بیٹا میں نے شاید سلام کیا ہے؟" اُس کی اس بات پہ فیہا گڑبڑائی۔

"سوری بھائی، وعلیکم السلام۔" فیہا نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

"ٹریفک تھا باربی۔" پیکر نے تھکے ہوئے مگر بہت نرم انداز میں اُسے جواب دیا۔

"لیکن پھر بھی بیٹا وقت دیکھو تمہاری یونیورسٹی تین بجے ختم ہوتی ہے اور اب سات بج چکے ہیں...... اتنی دیر تک لڑکیوں کا گھر سے باہر رہنا مناسب نہیں...... اگر اتنی دیر ہو رہی تھی تو تہامی یا یوشع میں سے کسی کو فون کر دیتی تمہیں لینے ان میں سے کوئی آجاتا۔"

"تائی امی میں اکیلی تو نہیں تھی ناں، کِفل کے ساتھ تھی میں کہیں سڑک پہ نہیں تھیں آفس میں کِفل کے کیبن میں......"

"ایکسکیوز می...... میں ذرا امی سے مل لوں۔" کِفل سنجیدگی سے معذرت کرتا ہوا وہاں سے اُٹھ گیا اُس کی نظریں زیبائش پہ تھیں تائی امی کو مکمل نظرانداز کرتے ہوئے چلا گیا۔

"پیکر جاؤ تم فریش ہو جاؤ تھک گئی ہوگی میں تمہارے لیے چائے بھجواتی ہوں میں نے چکن پکوڑے بھی فرائی کیے ہیں۔" پیکر جواباً فائقہ بیگم کو کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنے ہی والی تھی زیبائش کے کہنے پہ خاموشی سے اندر کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆......☆☆☆

وہ سیدھا اپنے بیڈ روم میں آیا۔ اُس کے پیچھے فیہا آگئی...... کِفل کے چہرے پہ سختی چھائی ہوئی تھی وہ اپنے بھائی کی حالت سمجھ گئی تھی۔

"بھائی......" فیہا نے اُسے پکارا۔ "بھائی چھوڑیں تائی امی کی باتوں کو دل پہ نہ لیا کریں وہ تو ہیں ہی ایسی یوشع بھائی کے بھی ہر وقت پیچھے پڑی رہتی ہیں۔" فیہا نے سمجھاتے ہوئے اپنا غصہ بھی ظاہر کیا۔

"نہیں باربی...... ایسا نہیں کہتے وہ بڑی ہیں۔ تائی ہیں ہماری، ہاں مزاج اُن کا ایسا ہی ہے اور یہ باتیں...... یہ باتیں تو اب زندگی بھر سنیں گے۔" کِفل نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بات ختم کی۔ فیہا سوچنے لگی کہ اُس کا بھائی کیسے نہ کردہ ظلم کا الزام خاموشی سے سہے جا رہا ہے...... لیکن ایسا وہ صرف سوچ سکتی تھی کیونکہ کِفل کے ساتھ یہ بحث بے سود تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ امی کیا کر رہی ہیں؟" کِفل نے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں ہیں...... میں بتا دیتی ہوں آپ آگئے ہیں۔" وہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

اور وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ وہ فریش ہو کر باہر آیا تو اُسی وقت دروازے پہ دستک ہوئی اُس نے "کم اِن" کہا تو مہناز جعفری اندر داخل ہوئیں ان کے پیچھے ملازمہ ہاتھ میں چائے کی ٹرے لیے کھڑی تھی انہوں نے ملازمہ کو ٹرے ٹیبل پہ رکھ کے جانے کا اشارہ کیا وہ تابعداری سے اپنا کام کر کے چلی گئی وہ صوفے پہ بیٹھ کے اُس کے لیے چائے بنانے لگی وہ گیلے بالوں میں برش کرتا اُن کے سامنے آ بیٹھا انہوں نے نظریں

اُٹھاکے اپنے نوجوان خوبرو بیٹے کی جانب دیکھا۔
''تو آج پھر تم نے خدمتِ خلق کی.....'' اُنہوں نے چھیڑنے والے انداز میں پوچھا اور اُس کی جانب چائے کی پیالی بڑھائی۔
''مما.....'' اُس نے نروٹھے پن سے کہتے ہوئے کپ لیا۔
''اگر تم اُس 'مالن' کی وجہ سے مجھے نہ روکتے تو یقین کرو میں کب کا اُسے یوسف بھائی اور عائشہ سے مانگ چکی ہوتی۔'' اُنہوں نے دلچسپی سے کہتے ہوئے اِسے بغور دیکھا۔
''مما آپ بھی کیا کیا سوچتی ہیں مطلب ساری دنیا میں میرے لیے وہ.....'' لفظ مالن کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے اُس نے چڑ کر اُداسی سے کہا سچ تھا اُس کا موڈ پوری طرح خراب ہوگیا تھا۔
''ارے ارے.....ایسا نہ کہو انسان ہے وہ کزن ہے تمہاری اور اگر اللہ نے ساری دنیا میں اُسے ہی تمہاری پسلی سے پیدا کیا ہو تو.....کیا کرلو گے؟'' اُنہوں نے گھر کتے ہوئے مگر شرارتی انداز میں کہا۔
''اللہ نہ کرے میری پسلی ایسی ہو'' اُس نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگایا۔
''کیوں کیا بُرائی ہے اُس میں بس ذراسی شریر ہے۔'' مہناز اب بیٹے کو چھیڑنے پہ آگئی۔
''شریر نہیں پوری کی پوری شر کی پُڑیا ہے وہ مما' میں نے بچپن سے اُسے جھیلا ہے مجھ سے زیادہ بہتر اُس کو کوئی نہیں جانتا۔'' وہ بھی میدان میں اُتر آیا۔
''یہ ہی تو مسئلہ ہے میری جان تم اُسے جانتے نہیں ہو۔'' مہناز کہہ کر مسکرائیں۔
''کیا مطلب.....!'' وہ نہ سمجھی سے اُن کی جانب دیکھ کے بولا۔
''کچھ نہیں جلدی سے چائے ختم کرو اور نیچے آجاؤ سب نیچے بیٹھے انتظار کررہے ہیں۔'' کہتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆.....☆☆☆

نیچے لیونگ روم میں نیا مقدمہ زیرِ سماعت تھا۔ زیبائش چہرے پہ سنجیدہ تاثرات سجائے آتش کدے کے پاس رکھی کرسی پہ بیٹھی تھی اُس نے اپنے ایک ہاتھ کو گھٹنے پہ جبکہ دوسرے سے تھوڑی کو پکڑ رکھا تھا پکیر کی سفید بلی اُس کے پیروں میں بیٹھی ہوئی تھی اور ایک طرف معصومانہ صورت بنائے کھڑا تہامی بار بار التجائیہ نظروں سے زیبائش کو دیکھ رہا تھا۔
''دیکھو تہامی مسئلہ یہ ہے کہ تمہاری ایک عادت جس کی وجہ سے گھر میں بھی سب ہی پریشان رہتے ہیں اور وہ ہے تمہاری لاپروائی غیر سنجیدہ انداز.....تم اپنے اندر سے اِن دونوں باتوں کو ختم کردو اکثر بڑے ماموں یوشع اور چھوٹے ماموں بھی تمہیں اِسی بات پہ ڈانٹ رہے ہیں اب تم فیہا کے معاملے میں بھی وہی کررہے ہو.....جب اُس نے تمہیں سمجھا دیا تھا کہ شرمین سے تم کوئی میل ملاپ نہیں رکھو تو اُس کے باوجود بھی تمہیں اُسے گھر چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ شرمین کے ساتھ فیہا کے تعلقات اچھے نہیں ہیں اور اب تم خود دیکھ لو نتیجہ تمہارے سامنے ہے اُس نے ڈھونڈ رایپٹا ہے کہ تم اُسے 'ڈیٹ' پہ لے گئے تھے کیا ہوا اُس کے بعد سب ہی تمہارے خلاف باتیں بنا رہے ہیں اور فیہا کے دوست احباب میں بھی اِس بارے میں بہت باتیں ہورہی ہیں فیہا کا غصہ جائز ہے یہ پہلی بار نہیں ہے کہ تم نے ایسی لاپروائی دکھائی تم جانتے ہو تمہارے دوست ہمارے خاندانی رشتہ دار بھی ہیں اور بہت سے ماموں کے دوست کے بچے ہیں جن سے ہماری فیملی ٹرمز بھی ہیں فیہا کی تم سے منسوبیت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے اگر اس طرح کے حادثات ہوئے تو تمہارا کیا امپریشن پڑے گا سب پر اور اگر یہ باتیں گھر تک آئیں تو ماموؤں تک پہنچنا تو دور اگر صرف یوشع کو پتہ چلا تو.....تم جانتے ہو ناں اُنہیں.....وہ اپنے اِن چار کزنز کو اپنے سگے بہن بھائی سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور فیہا میں تو ویسے ہی اُن کی جان ہے.....لہٰذا وعدہ کرو اُس سے کے اب آئندہ کبھی ایسی کوئی بے وقوفی نہیں کرو گے۔'' اپنے نرم اور متاثر کن لہجے میں رسانیت سے سمجھاتے ہوئے آخر میں اُنہوں نے تہامی کو آنکھیں دکھائیں اور پھر مسکرا کے فیہا سے کہا۔
''فیہا بیٹا ایک بات یاد رکھو لڑنا محبت کے لیے چاہیے..... محبت سے نہیں ورنہ محبت تمہارہ جاتی ہے۔'' جانے کیوں یہ کہتے ہوئے اُن کا لہجہ تھوڑا اُداس اور دھیما ہوا تھا اُن سب نے ہی چونک کے اُنہیں دیکھا تھا جب کے کمرے میں داخل ہوتے یوشع وہیں رُک گئے ایک عجیب گھٹن کے احساس نے اُنہیں آن گھیرا تھا۔ اِن پہ ابھی کسی کی نظر نہیں گئی تھی کیونکہ سب ہی زیبائش کی طرف متوجہ تھے جو بولنے کے بعد شاید اپنے ہی

لفظوں میں کھوئی ہوئیں تھیں۔ کمرے میں ایک پل کو اچانک گمبھیر خاموشی چھا گئی تھی۔ یوشع بجائے اندر آنے کے وہیں سے پلٹ گئے تھے۔

"آپی کیا ہوا؟" پیچھے کھڑے علی نے آہستگی سے پوچھا۔

"ہاں کچھ نہیں۔" وہ چونکی۔

"فیہا تہامی کا ارادہ اور نیت دونوں تم جانتی ہو اس نے صرف شیر مین کی مدد کی تھی وہ اکیلی وہاں رات کے وقت کھڑی تھی جو کے خطرناک تھا...... لیکن خیر اب جو ہوا سو ہوا دونوں اس معاملے کو ختم کرو۔" دھیمے اور شائستہ لہجے میں اُسے سمجھاتے ہوئے انہوں نے چند لمحوں پہلے اپنی کہی بات کا اثر زائل کیا۔

"چلو اب دوستی کرو۔" اب کی بار انہوں نے سابقہ ڈرامائی انداز میں دونوں کو کہا اور تہامی جھٹ سے آگے بڑھ کے فوراً اُس کے ساتھ آ کر صوفے پہ بیٹھ گیا اور ہاتھ آگے بڑھا کے بولا "سوری۔" جب کے وہ ہاتھ بڑھانے میں اب بھی ہچکچا رہی تھی کہ پیکر نے فوراً اُس کا ہاتھ پکڑ کر تہامی کے ہاتھ میں رکھ دیا اور گھور کے ذرا آہستہ سے بولی۔

"اب بس بھی کر دو اپنے ڈرامے ناراضگی کے باوجود اپنے حصے کے چکن کباب کل تم نے اِس چٹورے کو بھجوائے تھے بلاوجہ انڈین سیریل کی روتی دھوتی ہیروئن بنی ہوئی ہو۔" زیبائش سمیت سب ہی بے ساختہ ہنس دیے تھے۔ تب ہی کمرے میں کِفل داخل ہوا۔

"کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں، یہ بتاؤ آج کون سے پھول آئے اور شعر کون سا تھا؟" زیبائش نے فوراً ہی کِفل پہ چوٹ کی اور اُس نے گھور کے پیکر کو دیکھا جو بے نیاز سی بنی ٹیبلیٹ پہ مصروف تھی۔

"ایک بھی بات اِس کے پیٹ میں ٹکتی نہیں۔" وہ سوچ گیا۔

"ہیلو۔ کہاں کھو گئے؟" زیبا نے اُس کے سامنے چٹکی بجائی۔

"کہیں نہیں...... بس یہ ہی سوچ رہا تھا کہ میں نے آپ کی لاڈلی کا نام 'بلی' صحیح رکھا ہے۔" چبا چبا کے کہتے ہوئے اُس نے پیکر پہ سیدھا وار کیا تھا وہ اِسے ایرانی بلی بلاتا تھا جس کی پہلی وجہ اِس کی دودھیا رنگت روئی جیسی نرم اور شیشے جیسی شفاف جلد اور گولڈن براؤن آنکھیں دوسرے یہ کے وہ آج تک کبھی اس کی وفاداروں میں شامل نہیں رہی حالانکہ سب سے زیادہ مراعات وہ اِسی سے لیتی تھی۔ پیکر مسکراتے ہوئے وہاں سے اُٹھی اور کِفل کے سامنے آ کر دونوں ہاتھوں کو باندھ کے شہزادیوں والے ناز اور انداز سے کھڑی ہوئی اور چہرے پہ وہی شیطانی معصومیت سجائے گویا ہوئی۔

"اگر آپ مجھ پہ یہ طنز اِس لیے کر رہے ہیں کہ آج میری وجہ سے آپ کے پورے دس ہزار تین سو ستر روپے خرچ ہوئے اور اُس کے بعد بھی آپ کی مالن کی کہانی منظرِ عام پہ آ گئی تو آپ کی اِطلاع کے لیے عرض ہے تو میں واضح کر دوں کہ میں نے اِن میں سے کسی سے کوئی ذکر نہیں کیا آپ کی اس باربی ڈول نے مجھ سے پوچھا تھا کہ آج کون سے پھول آئے اور میں نے بس اِتنا کہا کے 'وائٹ لیلیز' اور پھر اس نے پوچھا تھا کہ کیا کارڈ بھی تھا تو میں نے صرف ہاں میں سر ہلایا اور پھر مجھ سے پوچھا گیا کہ کیا آج بھی ویسی ہی خوشی اور مسکرا کے کارڈ پڑھ رہا تھا تو میں نے صرف اِس کی تصحیح کی تھی کہ پڑھ نہیں رہا تھا بلکہ ہاتھ پھیر رہا تھا۔" وہ بہت ہی شائستہ لہجے میں بول رہی تھی اور کِفل کا چہرہ لال بھبھوکا ہوتا جا رہا تھا اُس نے ایک ایک کی طرف کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ "اور یہ آپ کی اِزابیلا (زیبائش) انہوں نے پوچھا تھا کہ تمہارا منہ بند رکھنے کے لیے اُس نے کیا کیا تو میں نے آپ کی ساری سرمایہ کاری تمام تفصیلات کے ساتھ بتا دی تھیں۔" اب کے اُس نے گھوم کے ہنستی ہوئی زیبائش کو کہا جو ایک دم بوکھلا گئی کیونکہ پیکر کی نشاندہی پہ کِفل نے اِسے بے بسی سے دیکھا تھا۔ ماحول ایک دم ہی اداس ہو گیا تھا۔ تب وہ وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆......☆☆☆

یعقوب جعفری، یحییٰ جعفری اور یوسف جعفری کا شمار لیڈنگ بزنس ٹائیکونز میں ہوتا تھا۔ یامین جعفری ان کے والد تھے جنہوں نے جعفر اینڈ سنز کی بنیاد رکھی اور اِن تینوں بھائیوں نے مل کے اِس بزنس کو نہ صرف ترقی اور وسعت دی بلکہ اِس کا شمار ملک کی لیڈنگ انڈسٹریز میں کروا دیا اور آج اِن کا بزنس پاکستان بھر میں پھیلا ہوا تھا۔ تینوں بھائیوں کی محبت بھی مثالی تھی اور خاندان بھر میں ان کے خاندان کی مثال دی جاتی تھی۔ یعقوب جعفری بھائیوں میں پہلے نمبر پہ تھے ان کی شادی والدین کی پسند سے فائقہ بیگم سے ہوئی تھی جو کے ان کی فرسٹ کزن تھیں۔ یوشع، تہامی اور دینا ان کے بچے تھے۔ جبکہ اِن سے چھوٹے یحییٰ جعفری نے اپنی پسند سے اپنے والد کے

پرانے دوست جو کے ایرانی بزنس مین تھے اُن کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ ان کے دو بچے کِفل اور فیہا تھے۔ فیہا کی منسوبیت لڑکپن میں ہی تہامی کے ساتھ کردی گئی تھی تہامی کِفل کا ہم عمر تھا۔ یوسف جعفری نے سب کی مخالفت مول لے کے اپنے دوست کی بہن عائشہ سے شادی کی تھی عائشہ ان کی ذات اور برادری سے باہر کی لڑکی تھیں لیکن کچھ ہی عرصے میں عائشہ اپنی اچھی عادتوں کی وجہ سے بہت جلد ہی سب کے دلوں میں بس گئیں' پیکر ان کی بیٹی تھی دِینا کی ہم عمر جبکہ علی صرف تیرہ سال کا تھا اور پیکر ایم ایم بی ایس کے دوسرے سال میں تھی۔ مہناز اور یحییٰ کی شادی میں اُن کے بڑے بھائی شبیر نے یامین جعفری کی سب سے چھوٹی اور حسین سی بیٹی تہمینہ کو پسند کرلیا تھا اور اِن سے شادی کر کے ایران واپس چلے گئے تھے جبکہ تہمینہ سے بڑی تابندہ جعفری اپنے چچازاد کے ساتھ منسوب تھیں البتہ ان کی شادی تہمینہ کے جانے کے دو سال بعد ہوئی وہ اپنی فیملی کے ساتھ اسلام آباد میں شفٹ تھیں اور یعقوب جعفری کی بیٹی دِینا کو پیدائش کے وقت ہی انہوں نے اپنے بیٹے کے نام سے منسوب کردیا تھا۔ زیبائش تین برس کی تھی جب تہمینہ اور شبیر کی حادثاتی موت کے بعد مہناز اِسے اپنے ساتھ کراچی لے آئیں۔ انہوں نے ہی اِس کی پرورش کی' زیبائش یوشع سے ساڑھے تین سال چھوٹی تھی۔ بنیادی طور پہ یہ دونوں گھر کے بڑے بچے تھے لہٰذا سب کے لاڈلے بھی تھے۔ لیکن تین سال پہلے آنے والے ایک طوفان نے اِن سب کی زندگیوں کو تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

مسکن میں صبح ابھی آدھی ادھوری اتری تھی کیونکہ گھر میں موجود کچھ لوگ تو جاگ گئے تھے مگر کچھ لوگ اب بھی خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ یوشع لان کے سبزہ زار میں سوئمنگ پول کے کنارے رکھی بینچ پہ لیٹا۔ کچھ سوچ رہا تھا۔ اُس کی بادامی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی ہوئی تھیں ہلکی داڑھی بڑھی ہوئی تھی لیکن اُس کے گندمی رنگ پہ سیاہ داڑھی جچ رہی تھی وہ سفید رنگ کے کرتے اور بلیک ٹراؤزر میں ملبوس بہت ہی رف سے حلیے میں تھا۔ یحییٰ جعفری اُسے دیکھ کے رُک گئے پھر کچھ سوچ کے اُس کی طرف بڑھے۔

''میرا اِرادہ گولف کھیلنے کا ہے پارٹنر۔'' کہتے ہوئے وہ اِس کے سامنے آبیٹھے۔ وہ ہمیشہ اُسے ایسے ہی مخاطب کرتے تھے دوستوں کی طرح۔

''اچھا لیکن مجھے تو لگ رہا ہے جیسے آپ مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ بھی اُنہی کے انداز میں بولتے ہوئے اُٹھ بیٹھا اور یحییٰ جعفری اُسے بغور دیکھنے لگے وہ آج بھی اِنہیں ویسے ہی پڑھ لیتا تھا۔ اُنہیں اپنا یہ بڑا بھتیجا اپنے سگے بیٹے سے بھی زیادہ عزیز تھا۔

''مجھے یہ سمجھ نہیں آتی چاچو کے آپ کے اور میرے درمیان اِتنا فاصلہ کیسے آگیا کہ آپ کو مجھ سے بات کرنے کے لیے کسی بہانے کی ضرورت پڑے؟'' اُنہیں خاموش دیکھ کے یوشع نے خود ہی سوال کیا۔

''فاصلہ نہیں آیا میری جان وقفہ اور خاموشی تھوڑی زیادہ طویل ہوگئی تھی غالباً۔'' اُنہوں نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں تھوڑی زیادہ......بس یہ ہی کوئی تین سال...... ہے ناں۔'' یوشع جتاتے ہوئے بولا۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے......تم تو ایسے بول رہے ہو جیسے میں نے تم سے تین سال سے بات ہی نہیں کی۔'' یحییٰ نے یوشع کو گھر کتے ہوئے کہا۔ وہ سچ مچ اِس بات سے دکھی ہوئے تھے وہ کیا کہنا چاہتا تھا وہ سمجھتے تھے مگر حقیقت تسلیم کرنے میں اُنہیں تکلیف ہوتی تھی۔ اِسی لیے موضوع بدلنا چاہا۔

''آپ جانتے ہیں میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں۔ ایسے تو بات مجھ سے امی بھی کرتی ہیں۔......لیکن میں جس حوالے سے بات کررہا ہوں وہ یہ نہیں ہے خیر چھوڑیئے......میں جانتا ہوں آپ خود کو الزام دیتے ہیں۔'' یوشع نے گہری سانس بھر کر کہا۔

''کب تک یوں سب سے اجنبی بن کے رہو گے یوش......یہ سب تمہارے اپنے ہیں بھابی کی حالت دیکھو بھائی کا سوچو پلیز یار ہم سب پہ کچھ تو رحم کھاؤ یوں یہ عجیب سی خاموشی یہ تنہائی یوں گم رہنا کیا ہے یہ سب۔'' اُس نے ایک نظر اُنہیں دیکھا اُس کی آنکھوں میں کرب صاف ظاہر تھا' اُس نے اپنا سر آگے بڑھ کے اِن کے کندھوں پہ رکھ دیا اور بہت عرصے بعد یہ ہوا تھا وہ بچپن سے ہی ہر ٹینشن اور پریشانی میں' کبھی پاپا سے مار کھا کے یا امی سے ڈانٹ کھا کے اپنے چاچو کے پاس ہی آجایا کرتا تھا اور اُن کے کندھے پہ سر رکھ دیا کرتا تھا۔ آج بہت عرصے بعد اُس نے ایسا کیا تھا۔ اُن کی آنکھیں بھر آئیں تھیں آج کتنے برسوں بعد اُن کا جوان بھتیجا اُن کے پاس اِس طرح

بیٹھا تھا۔ اندر کہیں سکون بھی اُترا اور دل میں شرمندگی بھی ہوئی کے اپنے اِس چھوٹے سے دوست کو اُنہوں نے کتنے عرصے سے اکیلا چھوڑا ہوا تھا۔ وہ بھی اُس وقت جب اُسے اِن کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔

"یہ سب کیا میری وجہ سے ہو رہا ہے' کیا ذمہ دار میں ہوں اِس کا..... دل پہ ہاتھ رکھ کے بتلایئے؟" اُس نے کہتے ہوئے کندھے سے سر اُٹھایا اور اُن کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"وہ مجھے کہتے ہیں کہ تم خود نارمل نہیں ہو رہے۔ وہ مجھے کہتے ہیں کہ میں پوچھوں کہ تم اُن سے کیا چاہتے ہو مجھے الزام دیتے ہیں کہ میں تمہیں نہیں سمجھا تا جب کے میں جانتا ہوں کہ صرف وقت ہر مرہم کی دوا ہے لیکن ایک بات بتاؤ کتنا وقت؟ تین سال کیا کم ہوتے ہیں؟"

"اُن کا تو کام ہی یہ ہے الزام دینا بُرا میرے ساتھ ہوا اور ذمہ دار بھی میں' تنہائی میں جھیل رہا ہوں چاچو تین سال سے میری ماں نے مجھے اپنے گلے نہیں لگایا کیونکہ اُنہیں لگتا ہے کہ میں نے اپنی سگی بہن سے دشمنی کی اور اُن کے بھائی کا دل دکھایا' تین سال سے میرے باپ نے مجھ سے صرف رسمی تعلق رکھا ہوا ہے کیونکہ اُنہیں گلہ ہے کہ میں نے اُن کی بہن کا دل دکھایا میں اپنی ماں کے پاس گیا' اپنے باپ کے پاس گیا لیکن اُن میں سے ایک نے بھی میری نہیں سنی..... تو میں کیا کرتا کتنا بولتا میں نے بولنا ہی چھوڑ دیا اور اِس میں بھی ذمہ دار میں۔" وہ کرب سے بول رہا تھا اُس کی نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پہ ٹکی ہوئی تھیں اور ماضی کے تکلیف دہ منظر اُس کی نگاہوں کے سامنے گھوم رہے تھے۔

"بیٹا ماں باپ ہیں تمہارے وہ کر بھی کیا سکتے ہیں دنیا بھی تو اُنہیں ہی باتیں سناتی ہیں ناں بھائی کے تعلقات ختم ہو گئے بھائی بھاوج سے..... آپا کتنی باتیں سناتی رہی بھائی کو دینا....." وہ کہتے کہتے رُکے۔ "دینا نے بھی تو دکھ جھیلا ناں..... ٹھکرائے جانے کی اذیت سے گزری۔" دینا کے ذکر پہ یوشع کی بھوری آنکھوں میں سرخی آئی تھی۔ یحییٰ دوبارہ بولے۔

"میں تو کفیل کی وجہ سے بھی شرمندہ ہوں بھائی بھابی سے..... ایک قربانی وہ نہیں دے سکا۔"

"آپ لوگوں نے قسمت کو الزام بنا کے ہر ایک کے نام کے ساتھ منسوب کر دیا ہے۔" وہ تلخی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"کفیل نے وہی کیا جو صحیح تھا ورنہ آج آپ لوگ جو اُسے صرف الزام دیتے ہیں ناں..... اُس کی جگہ بددعائیں دیتے اور اُس سے نفرت کرتے..... اُس نے وہی کیا جو میں نے کیا۔ اِسی لیے آج وہ بھی کم و بیش مجھ جیسے حالات دیکھ رہا ہے لیکن ایک بات اچھی رہی اُس کے ساتھ..... چاچی نے اُسے اکیلا نہیں چھوڑا۔" اُس نے رسانیت سے کہا۔ پھر یحییٰ کی طرف دیکھ کے بولا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں چاہتا ہوں' سب پہلے جیسا نارمل ہو جائے' ہم سب کی زندگیاں' ہم کب تک یوں ابنارمل زندگی گزاریں گے۔" اُنہوں نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"اور سب ٹھیک کرنے کے لیے میں کیا کر سکتا ہوں؟" وہ بیزاری سے بولا۔ اُنہوں نے نظریں اُٹھا کے اُس بھرپور مردانہ وجاہت والے خوب صورت سے نوجوان کو دیکھا۔

"ہنسو' بولو' جیسے پہلے رہتے تھے ویسے رہو..... زیبائش کو دیکھو..... لڑکی ہو کر اُس نے کتنی جلدی سروائیو کر لیا..... چاہتی تو روگ لگا کے بیٹھی رہتی..... مگر وہ بالکل نارمل رہتی ہے..... ہنستی' بولتی' کھیلتی....."

"دھوکا دیتی ہے وہ۔" وہ درمیان میں اُن کی بات کاٹتے ہوئے بولا..... لہجے میں ایک عجیب سی چبھن تھی اور نظروں میں طنز وہ حیران ہو کر اُسے دیکھنے لگے جواب اُن ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا مطلب.....؟" یحییٰ نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"چاچو سمندر شور اِسی لیے مچاتا ہے کیونکہ اُس کے اندر طوفان بھرا ہوتا ہے۔" طنزیہ انداز میں کہتا ہوا وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ یحییٰ اُس کی بات پہ چونکے اور حیران بھی ہوئے۔

"چاچو میرا..... ٹینس کھیلنے کا موڈ ہے۔" اُس نے مسکرا کے دوستانہ انداز میں کہا۔

اور وہ مسکراتے ہوئے اُٹھ گئے' لیکن ایک تسلی تھی اُنہیں اب اِن کے بھتیجے میں اور اِن میں وہ فاصلہ ختم ہو گیا تھا۔

☆☆☆.....☆☆☆

"بی بی جی۔" یونیفارم میں ملبوس گارڈ نے اُسے پکارا۔ اُس نے نظریں اُٹھا کے دیکھا' گارڈ کے ہاتھ میں ٹیولپ کے پھولوں کا بکے تھا اور ساتھ میں ایک ہلکا جامنی کارڈ بھی۔

"بی بی جی وہ کوئی بچہ آیا تھا اور..... چھوٹے صاحب کے

لیے دے گیا۔" گارڈ نے احترام سے کہا۔
"کہاں گیا وہ بچہ...... کیا وہ وہی تھا جو دو دن پہلے آیا تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے مگر مضطرب لہجے میں بولی۔
"نہیں بی بی کوئی نیا بچہ تھا...... چیزیں دیں اور کہا کے اس لڑکی نے دی ہے مگر جس طرف اِشارہ کیا وہاں کوئی نہیں تھا کہہ کر بھاگ گیا۔" گارڈ نے خود ہی تفصیل بتائی۔
"تو تم جا کے دیکھتے ناں شاید کوئی نظر آ جاتا......" وہ نرم مگر پُر شکوہ لہجے میں بولی اور اُس کے ہاتھوں سے سامان لے لیا۔
"آج کون سے پھول آئے ہیں؟" قریب آتے یوشع نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔ اُس نے نظر اُٹھا کے دیکھا وہ جم جانے کے لیے تیار تھا۔
"ٹیولپس۔" اُس نے ہلکے سے شانے اُچکا کے کہا۔
"وہ سچ مچ ایسی دیوانگی ڈیزرو کرتا ہے۔" یوشع نے پھولوں کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔ زیبائش نے اثبات میں سر ہلایا۔
"لیکن مجھے لگتا ہے کہ وہ ایسی دیوانگی سے زیادہ اُس دیوانی کو ڈیزرو کرتا ہے۔" زیبائش نے جواباً کہا۔
تب ہی دروازے سے ٹریک سوٹ میں ملبوس پیکر گھر میں داخل ہوئی اور اُس کے پیچھے تہامی پھر علی اور سب سے آخر میں فیہا...... سب ہی اِن دونوں کی طرف آئے۔ تہامی کے چہرے پہ ایک الگ ہی مسکراہٹ تھی۔ فیہا آتے ہی سیدھا "گڈ مارننگ۔" کہتے ہوئے یوشع کے گلے لگی جبکہ تہامی چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ سجائے بولا۔
"سو بھائی کون ہارنے جارہا ہے آپ یا الیگزینڈر (کفل)۔"
"چاچو۔" یوشع نے اُسی کے انداز میں جواب دیا۔ تہامی بھائی کے اِس بدلاؤ سے خوش ہوا تھا۔ پیکر خاموشی سے کھڑی پھولوں کو دیکھ رہی تھی اور زیبائش اُسے۔
"ریونزل پھولوں کو ایسے مت دیکھو...... یہ نازک ہیں ڈر جائیں گے۔" یوشع نے چھیڑتے ہوئے کہا۔ یوشع اِسے اِس کے لمبے بالوں کی وجہ سے ریونزل بلاتا تھا۔
"بھائی۔" اُس نے چڑتے ہوئے کہا اور زیبائش کے برابر بیٹھ گئی، تب ہی پیچھے سے یحییٰ جعفری آئے وہ بھی یوشع کی طرح تیار لگ رہے تھے۔
"کاش میں بھی اپنی اِس غائبانہ بہو سے مل سکتا۔" حسرت سے کہتے ہوئے اُنہوں نے پھولوں کو دیکھا۔ جبکہ پیکر کا رنگ ایک پل کے لیے سرخ ہوا لیکن اُس نے بڑی مہارت سے خود کو سنبھال لیا۔ لیکن اب وہ خاصی سنجیدہ اور چپ نظر آ رہی تھی اور زیبائش اُس کی رنگ بدلتی کیفیت بغور دیکھ رہی تھیں۔ جبکہ یحییٰ چاچو کے اِس جملے پہ تقریباً سب ہی ہنس دیے تھے۔
"تو آج پیزہ آنے والا ہے یا مجھے کھیر پکانی پڑے گی۔" زیبائش نے دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"پیزہ آئے گا نہیں...... کھیر یہ تیار رکھنا۔" یوشع آڈر کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ سب نے آنکھیں پھاڑ کے چاچو کو دیکھا کیونکہ یہ بہت بڑی تبدیلی تھی۔
"میں آج کھیر پکوا کے رہوں گا۔" وہ بھی اُسی کے انداز میں بولتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔
"آج یہ دونوں موڈ میں ہیں۔" تہامی نے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا۔
"بٹ آئی ہوپ کے پیزہ آ جائے۔" علی نے جلدی سے کہا۔
"میں چاہتی ہوں دونوں۔" فیہا نے جلدی سے کہا۔
"میں سوچ رہی ہوں کک کو دونوں کا کہہ دوں۔" زیبائش نے کہا۔
"بڑے بھائی آپ کو کہہ کر گئے ہیں...... کک کو نہیں انہیں پتہ چلا تو وہ پیزہ چکھیں گے بھی نہیں۔" تہامی نے جلدی سے بھائی کی بات کی وضاحت کی۔
"میں تو ہرگز نہیں تیار کروں گی...... میں نے کل ہی مینی کیور کروایا ہے۔" زیبائش نے نخریلے انداز میں کہا۔ جب کے وہ جانتی تھی کہ پیزہ اُسی کو بنانا پڑے گا...... ورنہ یوشع صاحب چکھنے کے بھی روادار نہ ہوں گے اِس کے ہاتھ کی بنی ایک یہ ہی چیز تو اُسے بہت پسند تھی۔ پہلے جب سب صحیح تھا تو یوشع اِس سے فرمائش کر کے ہر ہفتے بنواتا تھا۔ اب یہ سلسلہ کم ہو گیا تھا اب وہ کہتا نہیں تھا لیکن کبھی کبھی زیبائش خود سے اور کبھی عائشہ ممانی کے کہنے پہ بنا دیتی تھی۔
"دیکھتا ہوں۔" تہامی چھیڑتے ہوئے بولا۔
"ویسے یہ تم سب کہاں نکل گئے تھے جاگنگ میں اِتنی دیر۔" زیبائش نے خاموش پیکر کو دیکھتے ہوئے تہامی سے پوچھا جبکہ پیکر گھبرا گئی۔
"وہ یہ بی بی ہیں ناں۔" فیہا نے پیکر کی طرف اِشارہ

کرتے ہوئے کہا۔
"نہیں شوق ہوا تھا...... کچی بستی کے بچوں کو حلوہ پوری کھلانے کا بس۔" فیہا نے کہا اُس کی شکل سے لگ رہا تھا کہ وہ بہت خوار ہو کر آئی تھی۔
"تو تم لوگ سارا ٹائم حلوہ پوری کھلانے میں لگے رہے؟" زیبائش نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا وہ بس خاموش نظروں سے دیکھ کے رہ گئی۔
"جی نہیں آدھا ٹائم تو ایک دوسرے کو ڈھونڈنے میں ضائع ہوا تھا۔" علی نے چڑ کے کہا اور وہ تینوں ہی گھبرائے۔
"علی بیٹا اِسے لے جا کے کفل بھائی کے روم میں رکھ دو۔" زیبائش اُسے پھول اور کارڈ پکڑاتے ہوئے بولی اور اُٹھ گئی...... اُس کا رُخ باہر کی جانب تھا وہ گارڈ کے پاس گئی۔
"شیر خان یہ بتاؤ جو بچہ پھول لے کے آیا تھا اُس کا حلیہ کیسا تھا۔" اُس نے پوچھا۔
"بی بی وہ...... کچی بستی کا بچہ لگ رہا تھا...... وہ پرانی آبادی ہے ناں پیچھے وہاں جو جھونپڑ پٹی والی بستی ہے ناں وہیں کا لگ رہا تھا حلیے سے۔" گارڈ نے تفصیل سے بتایا۔
اور بس ایک پل کے لیے زیبائش کا رنگ اُڑا تھا...... مگر اگلے ہی پل اُس نے خود کو سنبھالا تھا اور ایک عجیب سی چمک آنکھوں میں در آئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

اُفق کے نیلے دامن میں سنہری شام دھیرے دھیرے اتر رہی تھی اور اُس کی نیلی آنکھوں میں محبت کا سنہرا رنگ۔ راہداری سے منسلک ٹیرس پہ بیٹھا کفل آج پھر سے اُسی سرشاری کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں وہ ہلکے جامنی رنگ والا کارڈ تھا جس پر گلابی رنگ کا خوب صورت سا ٹیولپ بنا ہوا تھا اور اُس کی باؤنڈری سلور کلر کی تھی۔ یہ کارڈ اور پھول وہ صبح سے اب تک نویں بار دیکھ چکا تھا۔ پچھلے آٹھ سالوں سے ملنے والے اِن کارڈز اور پھولوں کو ایک دو نہیں دن میں کئی بار دیکھتا تھا۔ آٹھ سالوں سے آنے والے یہ کارڈ اور اِن میں لکھی عبارت اِسے اب تک یاد تھے۔
اُسے اِن لفظوں سے اِس احساس سے بے اِنتہا محبت تھی وہ سوچتا تھا کہ وہ پاگل لڑکی اِس سے کس درجہ دیوانگی سے محبت کرتی ہے اُس کے جذبوں میں چھپی باتوں کو سوچتا تھا۔ وہ اِسے کتنی محبت کرتی ہے کتنی عزت دیتی ہے اُسے کتنا معتبر قرار دیتی ہے۔ اُس کی محبت محض محبت نہیں بلکہ عقیدت تھی وہ اِسے معتبر مان کے چاہتی تھی۔ اُس کی محبت میں ایک مان تھا ایک شان تھی پُروقار انداز تھا اُس کی محبت کا۔ اُس کی محبت میں ایک بات ایسی تھی جو اِسے سب سے زیادہ پسند تھی وہ حسد تھی وہ اِس کی محبت میں حاسد بھی ہو جاتی تھی جیسے وہ جانتی ہو کہ اِس پہ صرف اُسی کا حق ہے اور وہ صحیح سوچتی تھی۔ اُسے یاد تھا جب اُسے پہلی دفعہ کارڈ اور پھول ملے تھے۔ تقریباً کوئی آٹھ سال پہلے اگست کے مہینے میں اُس کی اٹھارویں سالگرہ پہ۔
صبح دس بجے جب وہ سو کے اُٹھا تو مما نے اُسے کہا کہ اُس کے لیے ایک گفٹ آیا ہے۔ جب اُس نے لاؤنج میں آ کر دیکھا تو وہاں ایک پھولوں کا بکے تھا اور ساتھ میں ایک کارڈ۔ یہ ایک ہینڈ میڈ بکٹ تھا اُس کی پیکنگ سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ کسی اناڑی شخص نے پیک کیا ہے۔ پھولوں کو خوب صورت سے سفید رنگ کے راپنگ پیپر میں ریپ کیا گیا تھا جس پر ننھے سے پھول اِمبوس ہوئے تھے اور نیچے بہت خوب صورت سی ربن بندھی تھی۔ یعنی کے پھولوں کو کسی دکان سے نہیں خریدا گیا تھا بلکہ خود پیک کیا گیا تھا۔ اُس نے بکے اُٹھایا تو اُس میں بہت سارے پھولوں کے ساتھ ایک خوب صورت کارڈ بھی تھا...... یہ کارڈ بھی ہینڈ میڈ تھا جیسے کمپیوٹر سے ڈیزائن کیا گیا تھا۔ سفید رنگ کی خوب صورت سطح پہ پیلے رنگ کا خوب صورت ڈافوڈل کا پھول دائیں جانب بنا ہوا تھا۔ اُس نے آہستہ سے کارڈ کو کھولا تو اندر سے ایک مسحور کن خوشبو اُٹھی ساتھ ہی اندر سیاہ روشنائی سے ایک شعر لکھا تھا۔
اُسے حیرت بھی ہوئی ساتھ ہی ہنسی بھی آئی کہ ایسا گفٹ اُسے کون بھیج سکتا تھا۔ اُس کا کوئی دوست نہیں...... ہاں اُس کی دو گرل فرینڈز تھیں ایک سے تو بریک اپ ہو چکا تھا البتہ دوسری موجود تھی...... لیکن وہ اُن دونوں سے اِس کی امید نہیں کر سکتا تھا...... یہ تو کچھ عجیب سا تھا اور اشعار...... یہ زیادہ عجیب بات تھی اُردو اُس کی ویسی ہی بُری تھی اور شاعری میں اُس کی کوئی دلچسپی نہیں تھی اُسے ہنسی آ گئی ایک اٹھارہ سال کا لڑکا ایسی چیز پہ ہنس ہی سکتا تھا۔ اُسے لگا یا تو کسی نے اُس کے ساتھ مذاق کیا ہے یا پھر یہ کسی اور کا تھا غلطی سے اُس کے پاس آ گیا اُس نے شعر پڑھا بھی نہیں اور دونوں چیزوں کو ٹیبل پہ چھوڑ کے جانے لگا تھا کہ زیبائش آ گئیں۔
"لڑکے ایک بات بتاؤ...... تمہارے لیے ایسے ایسے

"گفٹ آرہے ہیں اِس کا مطلب کیا ہے؟" زیبائش نے شرارت بھرے انداز میں ایسے پر زور دیتے ہوئے کہا تو وہ بالکل بوکھلا گیا۔

"پتہ نہیں زیبو یہ...... کہاں سے آئے۔ مجھے سچ مچ نہیں پتہ۔" وہ ڈرسا گیا...... جیسے کوئی چوری پکڑی گئی ہو اور زیبو کا اُس کی معصومیت پہ وہ جی بھر کے محظوظ ہوئی تھی۔ وہ اِس سے پانچ سال بڑی تھی۔ کبھی دوستوں کی طرح اسے تنگ کرتی اور کبھی آپا والا خاص رعب جماتی۔ وہ بچپن سے ہی اس کی چہیتی بہن رہی تھی وہ اسے پیار سے اِزابیلا بلاتا تھا۔ لیکن اِس وقت اِسے زیبو پہ بہت غصہ آرہا تھا۔ وہ اِس کی حالت سے لطف اُٹھا رہی تھی جبکہ حقیقت میں زیبو وہ واحد اِنسان تھیں جس سے وہ اپنی ہر بات شیئر کرتا تھا جو وہ کسی سے نہیں کرپاتا تھا۔

"زیبو...... میں پریشان ہوں اور آپ ہنس رہی ہیں......" وہ خجل سا ہوا۔

"تو ہنسوں نہیں تو کیا کروں اٹھارہ سال کی عمر میں ہی پھول آرہے ہیں ستائیس میں تو لڑکی خود اُٹھ کے آجائے گی شہر کی لڑکیاں تو پاگل ہوجائیں گی الیگزینڈر کے پیچھے۔" زیبائش نے آگے بڑھ کے اُس کے بازوؤں میں اپنا ہاتھ ڈالا اور ساتھ لے کر چلنے لگی۔ وہ دونوں لاؤنج سے منسلک بالکونی میں آگئے کرسی پہ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے۔

"زیبو...... کہیں یہ آپ کی حرکت تو نہیں؟" اُس نے شرارتی انداز میں پوچھا۔

"مجھے ایسی چیزوں کے سہارے کی ضرورت نہیں ویسے بھی یہ برتھ ڈے وِش نہیں...... یہ تو بہت اسپیشل سا کچھ ہے۔" زیبو نے شروع میں مضحکہ اور پھر محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے زیبو یہ کسی نے مذاق کیا ہے میرے ساتھ یا پھر یہ کسی اور کا ہے اور غلطی سے میرے پاس آگیا۔" اب کہ کِفل نے سنجیدگی سے کہا۔

"کِفل ہمارے گھر کی بیل بجا کے چوکیدار کو یہ کہہ کر دیا گیا ہے کہ یہ کِفل جعفری کے لیے ہے، محلے کی کام والی لائی تھی۔" زیبو نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"کیا...... ایک ماسی میرے لیے پھول لائی تھی۔" کِفل کا تو دل سچ مچ ٹوٹ گیا تھا اُس نے معصومانہ صورت بنائی اور اُداسی سے پھولوں کی طرف دیکھا۔ یہ سچ تھا کہ اِس نے اِس تحفے کی اُمید اگر اپنے دوستوں اور گرل فرینڈ سے نہیں کی تھی تو کم از کم ایک ماسی سے بھی ہرگز نہیں کی تھی۔ لیکن زیبو نے اِس کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا اور زیبائش دل کھول کے ہنسی تھی۔

"اِسٹیوپڈ...... میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ماسی نے دیے ہیں...... یہ ماسی کے ذریعے بھجوائے گئے تھے۔" زیبائش نے ہنسی بمشکل روکتے ہوئے اُسے کہا۔

"لیکن پھر بھی...... زیبو یہ عجیب بات ہے...... اِس کارڈ کو دیکھیں یہ نظم لکھی ہے...... مجھے تو اس کی الف بے بھی سمجھ نہیں آتی میری سابقہ اور موجود فرینڈ دونوں ہی اتنی باذوق نہیں اور پھر یہ کریٹو کارڈ ہے...... وہ لوگ بھی نہیں بنا سکتیں۔" اُس نے کارڈ زیبو کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہینڈ میڈ کارڈ ہے...... کمپیوٹر سے ڈائزین کیا گیا ہے۔" اُس نے دوبارہ کہا۔ زیبو اُس سے کارڈ لے کے پڑھنے لگی تھی۔ زیبو کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ بہت متاثر ہوئی ہے اس سے۔

"ویسے ایک بات تو ہے، کِفل یہ سچ ہے سو فیصد سچ کہ تمہارے حلقہء احباب کا اِس سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں...... کیونکہ اس طرح تمہیں ہر کوئی نہیں سوچ سکتا۔" زیبو نے بڑے متاثر کن انداز میں کہا تو وہ چونکا۔

"یہ صرف کارڈ نہیں ہے یہ صرف شعر نہیں ہے کسی نے تمہیں سوچا ہے...... اپنے احساسات تمہیں دیے ہیں...... تمہیں اپنے جذبوں میں شامل کیا ہے اور اِن پھولوں کے ذریعے تمہیں تمہاری اہمیت بتائی ہے...... پتہ ہے پھول بہت خاص ہوتے ہیں یہ انمول ہوتے ہیں اللہ کی تخلیقات میں پھول سب سے زیادہ نازک اور حساس ہوتے ہیں...... اِن کے ذریعے بہت خاص جذبوں کا اظہار ہوتا ہے...... یہ اِنسان کی دسترس میں بہت آسانی سے آجاتے ہیں...... وہ جو ہمارے لیے بہت اہم انمول اور خاص ہوں جن کے معیار پہ ہمیں کوئی تحفہ سمجھ نہیں آئے تو ہم پھول کا اِنتخاب کرتے ہیں...... اللہ نے دنیا کی سجاوٹ میں جو چیزیں تخلیق کی ہیں اُس میں سب سے خوب صورت پھول ہیں۔" وہ اپنی دھن میں کھوئی سی کہہ رہی تھی۔

"اور شاعری جذبات کے اظہار کا سب سے بہترین ذریعہ مگر سب سے حساس...... جب انسان اپنے جذبات میں شدتوں کو پہنچ جاتا ہے ناں تب وہ اپنے جذبوں کے اظہار کے لیے خوب صورت طرزِ کلام کا انتخاب کرلیتا ہے اور وہ شاعری

ہے۔" کفل خاموشی سے سنتا رہا تھا اُسے حیرت بھی ہوئی تھی کہ زیبو بھی ایسی باتیں کرتی ہیں...... جبکہ زیبائش ایسے بول رہی تھی جیسے اُس کی تشریح کررہی ہو۔

"اور جانتے ہو...... تمہیں کسی نے اِتنا ہی اہم اور خاص سمجھا ہے یہ صرف برتھ ڈے وِش نہیں یہ تو کچھ اور ہی ہے۔" اور کفل زیبو کی بات کو سوچنے لگا۔

"زیبو نے کہا یہ مذاق ہے......؟ مجھے پتہ ہے یہ کوئی پاگل ہے اور یہ صرف ایک مذاق ہے۔" کفل کہہ کے کھڑا ہوگیا اب وہ جان بچا کے بھاگنا چاہتا تھا۔

"لکھ کے رکھ لو...... یہ مذاق تو ہرگز نہیں ہے ہاں پاگل ضرور ہے کوئی تمہارے پیچھے۔" زیبو نے بھی حتمی انداز میں کہا اور وہ ہنستا ہوا کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے میں آکر اُس نے پھولوں کو دیکھا بھی نہیں اور کارڈ اور پھول ویسے ہی میز پہ دھر دیے...... اُس نے اپنا بھرپور دن گزارا دوستوں کے ساتھ انجوائے کیا پھر گھر میں برتھ ڈے سیلیبریٹ کیا' زبردست سی پارٹی گھر پہ ارینج کی گئی۔ اُس کے تمام گھر والوں نے اُسے بیش قیمت تحائف دیے وہ اپنے کمرے میں رکھے ڈافوڈلز کے پھولوں کو بھول ہی گیا تھا......

کمرے میں آنے کے بعد اُس کی نظر پھولوں پہ پڑی تو وہ یک دم سارے دن کی مصروفیات کے بعد کی تھکان فراموش کرگیا تھا۔ ذہن میں اب صرف زیبو کی باتیں گونج رہی تھیں۔

"خاص اہم...... جذبات انمول...... قیمتی۔" اور یہ کہ برتھ ڈے وِش نہیں کچھ اور ہے...... بار بار اُس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔

اُس نے پھولوں تلے دبے کارڈ کو اُٹھایا اور کھولا اُس میں سیاہ روشنائی سے ایک شعر لکھا ہوا تھا...... اُس نے دھیان سے دیکھا مگر پھر بھی کسی حتمی نتیجے پہ نہیں پہنچ پایا کہ لکھائی شناسا ہے یا غیر شناسا مگر پتہ نہیں کیوں اُسے کچھ جانی پہچانی تحریر لگی...... کارڈ میں سے ایک مَسحور کن خوشبو اُٹھ رہی تھی۔ اُس نے کارڈ پہ لکھی تحریر کو پڑھنا شروع کیا۔

"جب آنکھ میں شام اُترے
پلکوں پہ شفق پھوٹے......
کاجل کی طرح میری آنکھوں کو دھنک چھولے......
اُس وقت کوئی اُس کو آنکھوں سے میری دیکھے......
پلکوں سے میری چومے۔"

اُس نے پڑھا اور پھر پڑھتا ہی چلا گیا تھا۔

ہلکی سی مسکراہٹ نے اُس کے لبوں کو چھوا تھا...... اُس نے پھولوں پہ پُرشوق نظر ڈالی تھی...... پھر اُنہیں دیکھتے ہوئے نیند کی وادی میں اُتر گیا تھا۔

دوسرے دن جب وہ کالج گیا تو کالج کے چوکیدار نے اُسے چنبیلی کے پھول اور کارڈ دیا تھا...... دونوں چیزیں ویسی ہی ہینڈ میڈ تھیں...... اُس میں بھی اُسی طرح ایک شعر لکھا ہوا تھا...... اُسے سمجھ نہیں آیا کہ آج کیوں؟ وہ بہت حیران ہوا تھا...... تیسرے دن اُسے کالج جاتے ہوئے راستے میں پھول اور کارڈ ملے تھے اور پھر یہ سلسلہ شروع ہوگیا تھا...... اُسے روزانہ کسی بھی وقت کسی بھی جگہ پہ کسی بھی طرح یہ پھول اور کارڈ مل جاتے البتہ کبھی کوئیریر سروس وغیرہ کے ذریعے یہ سب نہیں آئے بس یہ اچانک حادثاتی طور پہ ہی ملتے تھے اور ہر پھول کے ساتھ کارڈ ہوتا جس پہ وہی پھول بنا ہوتا اور ہمیشہ ہی سیاہ رنگ کی روشنائی سے اُس پہ تحریر لکھی ہوتی تھی۔

ابتداً میں چند دن اُسے بہت ہی عجیب سی کیفیت کا سامنا ہوا سب ہی اُس کا مذاق بنانے لگے تھے۔ اُس کے دوست' گھر والے...... شروع میں اُسے اِن سب پہ غصہ آتا تھا ساتھ ساتھ پھول بھیجنے والی پر بھی مگر پھولوں کی خوشبو اور کارڈ میں لکھے لفظوں کی تاثیر اُسے سب کچھ بھولا دینے پہ مجبور کردیتی تھی...... وہ جب کارڈ کو پڑھتا اُسی کے سحر میں کھو جاتا ہر بات ہر مذاق پہ چاہے جانے کا احساس غالب آجاتا...... وہ گھنٹوں اُنہیں چھوتا رہتا...... آہستہ آہستہ وہ اِن کا عادی ہوگیا تھا پھر اُس نے ایک اور عجیب بات نوٹ کی اُسے ہمیشہ ہی سترہ پھول ملتے تھے...... اُس نے پہلے روز آنے والے پھولوں سے لے کر اب تک کا حساب رکھا ہوا تھا اور ہمیشہ ہی اُسے صرف سترہ پھول ملتے تھے نہ کم نہ زیادہ اور سچ تو یہ تھا وہ خود بھی اُس کی محبت میں آہستہ آہستہ مبتلا ہوتا جارہا تھا...... وہ روزانہ ہی اُن پھولوں اور کارڈ کا انتظار کرتا تھا کسی دن اگر آنے میں دیر ہوجائے تو وہ پریشان ہوجاتا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

وہ راہداری سے گزر کر اپنے کمرے کی طرف جارہا تھا...... سامنے سے پیکر آرہی تھی دونوں کی نظریں بیک وقت ایک دوسرے پر ملیں...... دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کے محظوظ ہوئے تھے کفل کے ہاتھ میں پھول اور کارڈ تھے پیکر کے چہرے پہ وہی

شیطانی مسکراہٹ در آئی تھی۔ کفل کے چہرے پہ مصنوعی معصومیت سجی تھی...... دونوں چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتے ایک دوسرے کی جانب بڑھے...... پیکر کو شرارت سوجھی۔

"آنکھوں کے جھروکوں سے میں نے دیکھا جو سانورے۔" اُس کی سُریلی آواز نے فضا میں ساز گھولا اور کفل سچ مچ دل سے مسکرایا تھا یہ تو سچ تھا اُس کی آواز تھی ہی ایسی کہ دل پر سرور ہوجائے۔

"تم دور نظر آئے...... بڑی دور نظر آئے۔" پیکر کا گنگنانا ہنوز برقرار تھا...... جیسے ہی دونوں ایک دوسرے کے مقابل پہنچے کفل نے شاطرانہ مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ میں پکڑے ہوئے کارڈ کو اُٹھا کے پیکر کے سر پہ دے مارا وہ جو اس اُفتاد کے لیے ہرگز تیار نہیں تھی ایک دم بوکھلا گئی...... وہ رُک کے جاتے ہوئے کفل کو دیکھنے لگی دل کیا کہ جا کر ایک زوردار پنچ اُس کی ناک پہ دے مارے...... مگر پھر...... ناک کا خیال آتے ہی سب کچھ بھول گئی۔

"تم دور نظر آئے بڑی دور نظر آئے۔" وہ گنگناتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆......☆☆☆

"چلیں تو کٹ ہی جائے گا سفر آہستہ آہستہ......" مسرت نظیر کی پُرسوز آواز نے فضاء کو سحر خند کردیا تھا...... کھڑکی پہ لگے سفید ریشمی پردوں سے چاندنی چھن کے اندر آرہی تھی...... ہوا کے شریر جھونکے اُس کی کھلی زلفوں کو چھیڑ رہے تھے...... وہ سلک کے وائٹ نائٹ گاؤن میں ملبوس غزل سے لطف اندوز ہورہی تھی...... آنکھیں بند کیے کسی ان دیکھے وجود کو محسوس کررہی تھی...... اُس کے لبوں پر مدھم مگر دلفریب مسکراہٹ تھی۔

"ملے گی اُس کے چہرے کی سحر آہستہ آہستہ۔" اِس مصرعے پہ اُس نے آنکھیں کھولیں تھیں بڑی بڑی غلافی آنکھوں میں عجب سا خمار تھا۔

"سچ مچ کتنا نرم پُرسکون سا احساس پنہاں ہے اُس کی دید میں، اُسے دیکھ لینا صرف ایک نظر ہی دیکھ لینا زندگی کی نوید لگتا ہے۔" وہ بادلوں میں چھپے چاند کو دیکھتے ہوئے سوچتی رہی......

اچانک اُس کی نشیلی آنکھوں میں سنہری شام کا منظر اُترا جب وہ ٹیرس پہ بیٹھا محویت سے پھولوں اور کارڈ کو دیکھنے میں مگن تھا۔

کتنا پیارا لگ رہا تھا وہ آج بھی...... وہ کتنی ہی دیر تک اُسے اِسٹڈی سے منسلک ٹیرس جو کے راہداری سے بھی ملتا تھا میں بیٹھی کتب بینی کے بہانے اُسے دیکھتی رہی وہ کتنی محویت سے اُس کارڈ کو پڑھ رہا تھا اُس کی نظروں میں اُس تحریر کے لیے کتنی محبت تھی، کتنا پیار کتنی نرمی تھی...... اُسے لگا وہ کارڈ کو نہیں بلکہ اُس کو دیکھ رہا ہے وہ اپنے آپ ہی آپ شرما سی گئی تھی اور جب اُس کی نظریں اُس پہ پڑیں تھیں...... "اُف کتنی بیزاری سے دیکھا تھا اُس نے۔" وہ سوچ کے ہنس پڑی تھی بلیک کلر کے ٹراؤزر کے ساتھ ہلکے سرمئی رنگ کی شرٹ میں ملبوس تھا جس کے اوپری بٹن کھلے ہوئے تھے اور آستین کہنی تک موڑ رکھی تھی وہ رف سے حلیے میں بیٹھا بہت ہی مگن سا تھا اپنے پھولوں اور کارڈ میں...... نیلی آنکھیں کارڈ پہ جمی تھیں اور لبوں پہ بڑی حسین سی مسکراہٹ سجی تھی...... اُس کی شہابی مائل سفید رنگت میں بلا کی چمک تھی...... شام کے سنہرے رنگ میں وہ بھی شام کا ہی ایک حصہ لگ رہا تھا۔

وہ کارڈ میں لکھی تحریر کو لمسِ انگشت بخش رہا تھا۔ اتنا محتاط تھا کہ اُس کے ہاتھوں کی گرمی سے پھول مرجھا نے نہ پائے......

بلاشبہ اس وقت وہ سچ مچ کوئی یونانی دیوتا لگ رہا تھا۔ عموماً طور پہ اُس کا سراپا ایک خوب صورت، ہینڈسم اور پُرکشش مرد کا تھا جو کسی کو بھی پاگل بنا سکتا تھا...... اُس کی شخصیت بہت پُروقار تھی۔

پیکر کسی بت کی مانند بنا پلکیں جھپکائیں اُسے دیکھتی رہی...... وہ اُس کی دید سے اپنی پیاسی آنکھوں کو سیراب کررہی تھی اُس نے خود کو ڈانٹا بھی تھا اور اُس پہ نظریں بد سے بچنے کی دعائیں بھی پڑھ کے پھونکی تھیں...... تب ہی پیکر وہاں سے بہانے سے اُٹھ گئی تھی۔

اور آ کر کمرے کی لائٹ بند کر کے بیڈ پر لیٹ گئی...... اب پیکر جعفری کو بہت پُرسکون نیند آنے والی تھی...... کیونکہ کفل جعفری نے خواب بن کے اُس کی آنکھوں میں اُترنا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

فیہا اور تہامی ریستوران میں بیٹھے گزشتہ روز ہونے والی سرد جنگ کے بعد آج کافی دنوں بعد وہ دونوں ساتھ باہر آئے تھے...... فیہا نے کرتے پہ سفید اورال پہن رکھا تھا وہ کالج سے سیدھا یہیں آئی تھی...... جبکہ وہ تھری پیس میں ملبوس تھا لگ رہا تھا آفس سے سیدھا یہیں آیا ہے آڈر دینے کے بعد فیہا نے ذرا دھیمے مگر محتاط لہجے میں پوچھا۔

"تہامی تمہیں کیا لگتا ہے سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا ناں پہلے جیسا؟"

''کیوں نہیں ہوسکے گا' سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا بلکہ پہلے سے بھی بہتر۔'' تہامی پُراعتماد لہجے میں بولا۔
''اور ہماری شادی ہوجائے گی کیا؟'' اُس نے ڈرتے ہوئے پوچھا اور تہامی کا دل سکڑ کر پھیلا۔
''تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہیں چھوڑ دوں گا؟'' تہامی نے اب کے پیار بھرے انداز میں پوچھا۔
''لیکن تائی امی وہ دوبارہ کبھی راضی نہیں ہوں گی۔'' فیہا نے روہانسے لہجے میں کہا اور تہامی سچ مچ دکھی ہوا تھا۔ اُسے روتا دیکھ کے ایک تکلیف سی دل میں محسوس ہوئی تھی۔
''روتو مت پلیز...... ایسا کچھ نہیں ہوگا...... اگر مما نہیں مانیں تو میں بھی اُنہی کا بیٹا ہوں...... منا کے دم لوں گا۔'' وہ مان بھرے انداز میں بولا' اُس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کے یقین دلایا۔
''تہامی میں تائی اماں کی خوشی کے بغیر کبھی تمہاری زندگی میں شامل نہیں ہوں گی۔'' فیہا نے حتمی لہجے میں کہا۔
''نہیں تم اُن کی مرضی سے میری زندگی میں شامل ہوگی...... ایک بات یاد رکھو تم میری ہو بس......'' تہامی نے بھی اسی انداز میں کہہ کر آنکھ ماری اور وہ ہنس دی یہ ہنسی دیکھنے کے لیے وہ کچھ بھی کرسکتا تھا۔
وہ چار سال کا تھا جب اُسے پتہ چلا تھا کہ اُس کے گھر ایک چھوٹی سی پری آئی ہے۔ جب اُس نے دیکھا تھا تو وہ سچ مچ اُسے پری لگی تھی۔ شہابی رنگت سرمئی آنکھیں سنہرے بالوں والی پری نرم ملائم سی وہ اِسے بہت اچھی لگی تھی...... عائشہ چچی نے کہا تھا پیکر بھی پری ہے مگر وہ اِسے اچھی نہیں لگی لیکن یہ پری جو مہناز چچی کے پاس تھی یہ واقعی بہت اچھی تھی...... مگر وہ اِس کے ساتھ ابھی کھیل نہیں سکتی تھی مما کہتی تھیں وہ بہت چھوٹی ہے اور ابھی تمہارے ساتھ نہیں کھیل سکتی' اِسی لیے صرف کِفل اور دینا کے ساتھ ہی کھیلنا پڑتا تھا پیکر زبردستی کھیلنے آتی تھی لیکن وہ کِفل کے ساتھ مل کے اُسے بھگا دیتا تھا۔ وہ گھنٹوں اِس پری کے پاس بیٹھا رہتا تھا اِسے پتہ چلا کے اُس کا نام فیہا ہے۔ کچھ عرصے بعد فیہا تھوڑی بڑی ہوگئی تو اِس کے ساتھ کھیلنے لگی لیکن چاچی نے کہہ دیا تھا کہ وہ پیکر کی بہن ہے اور اِسی لیے پیکر اُسے کسی کے ساتھ نہیں کھیلنے دیتی تھی اِسی لیے اُس کی تھوڑی بہت دوستی پیکر سے بھی ہوگئی۔ اُسے یاد تھا جب وہ پہلی بار اِسکول گئی تھی اُس دن اسے سخت بخار تھا لیکن پھر بھی وہ گیا تھا۔ وہ اپنی کلاس میں نہیں بیٹھا تھا بلکہ اِس کی کلاس کے باہر کھڑا تھا۔ مما نے کئی بار چچی کو کہا تھا کہ جب فیہا بڑی ہوجائے تو اِسے تہامی کو دیں دے اور وہ خوش ہوجاتا تھا۔ کئی دفعہ وہ خود یحییٰ چاچو اور مہناز چچی سے کہہ چکا تھا کہ فیہا میری ہے جب بڑی ہوجائے تو اِسے مجھے دیجیے گا۔ ایک دفعہ فیہا گر گئی تھی اُسے شدید چوٹ آئی تھی وہ بہت رویا تھا اُس وقت وہ پندرہ سال کا تھا اُس نے تین دن تک کھانا نہیں کھایا تھا۔ جب وہ ٹھیک ہوگئی تو اُسی کے ہاتھ سے کھایا تھا۔ بچپن سے ہی وہ اِس سے بہت پیار کرتا تھا۔ پیکر کہتی تھی تہامی تمہارا سب سے اچھا دوست ہے۔ مما نے اِسے بتایا تھا پیکر اِس کی بہن ہے اور اِسے ہمیشہ اُس کی ہر بات ماننی ہے وہ اِس سے ڈھائی سال بڑی تھی اور ہر بات اِسے سمجھاتی تھی اُسی نے اِسے بتایا تھا کہ تہامی نے تین دن سے کھانا نہیں کھایا وہ دونوں بہت چھوٹے تھے تب ہی دادی کے کہنے پہ سب نے گھر ہی میں ایک دوسرے کو مٹھائی کھلا کے اُن کی نسبت طے کردی تھی۔ فیہا نے یہ ہی سوچا کیا سب کچھ اتنی ہی آسانی سے مل جاتا وہ بہت خوش رہا کرتی تھی ہاں تہامی کی ایک عادت بہت بری تھی وہ بہت لاپروا تھا اور سب کو اپنی طرح دل کا صاف سمجھتا تھا۔
تین سال پہلے آنے والے طوفان نے اِن کی زندگی میں بھی ہلچل مچادی تھی۔ تب اُنہیں احساس ہوا تھا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ فائقہ بیگم نے کِفل کے دینا کو انکار کیے جانے کا بدلہ اِن سے لیا تھا اور فیہا اور تہامی کی شادی سے انکار کردیا تھا جس پہ یعقوب جعفری بھی خاموش تھے لیکن یوشع نے بروقت مداخلت کر کے سب کچھ نارمل کردیا تھا۔ مگر فائقہ بیگم آج بھی اپنی ضد پہ قائم تھیں اور یہ ہی بات اِن دونوں ہی کے لیے سوہانِ روح بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

سب نیچے لاؤنج میں جمع تھے۔ بہت عرصے بعد دینا آئی تھی۔ سب اُسے گھیرے بیٹھے تھے فائقہ بیگم تو بیٹی کے پاس سے اُٹھ ہی نہیں رہی تھیں ساری خاطر مدارت عائشہ اور فیہا کے ذمے تھی۔ پیکر بھی دینا کے پاس بیٹھی تھی۔ مہناز اور زیبائش دونوں ذرا تھکی تھکی سی لگ رہی تھیں آج اِن کی این جی او کے زیرِ اہتمام ایک اہم سیمینار تھا دونوں پچھلے سات ماہ سے اِس کے پیچھے خوار تھیں اور آج دوپہر فائنل ایونٹ تھا جو کامیاب رہا تھا اور دینا آئی بھی اچانک ہی تھی ورنہ یہ سب ضرور اپنے اہم کام ملتوی

کر دیتے کیونکہ وہ آتی بھی کم تھی۔ فیہا نے اُسی وقت سب کو مطلع کر کے گھر پہ جمع کرلیا تھا حالانکہ یوسف جعفری کی بہت اہم میٹنگ تھی مگر وہ فوراً آ گئے تھے۔ سب ہی جمع تھے سوائے کِفل کے' دِینا نے ہر ایک کی خیر و عافیت دریافت کی سوائے کِفل کے' اُس نے تو جیسے اُسے اپنی فیملی کی لسٹ سے ہی نکال دیا تھا۔

''دِینا تم خوش تو ہو ناں؟'' پیکر نے آہستہ سے پوچھا اور دِینا نے اُسے نظریں اُٹھا کے ایسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو' پچھلے ڈھائی سالوں سے اِس سوال کا جواب جانتی ہو پھر بھی پوچھ رہی ہو۔''

''ہاں...... میں مطمئن ہوں' ایک آسودہ زندگی گزار رہی ہوں اور کیا چاہیے۔'' اُس نے طنزیہ انداز میں ہمیشہ والا جواب دیا اور پیکر کو دکھ ہوا۔

''تم دیکھنا' تم بہت خوش رہو گی ویسے بھی زین بھائی تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔'' پیکر نے بات کا رخ موڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں بس یہ ہی ایک بات تو ہے میری زندگی میں زین مجھ سے سچ مچ محبت کرتے ہیں۔'' اُس نے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا تو پیکر کے چہرے پہ بھی مسکراہٹ بکھر گئی اور دل کے ایک گوشے میں سکون بھی اُترا' ایک اُمید بھی بندھی کہ ایک نہ ایک دن زین بھائی کے بارے میں یہ کہہ رہی ہوگی۔

وہ سب ڈائننگ روم میں موجود تھے۔ کِفل ابھی آفس سے آیا تھا۔ اُسے فیہا نے دِینا کی آمد کا بتا دیا تھا اسی لیے وہ آفس سے دیر سے نکلا تاکہ کم سے کم وقت کی ملاقات رہے۔ وہ زین سے مل رہا تھا۔ تب دِینا نے اُسے بس ایک نظر دیکھا' پیکر اور دِینا ڈائننگ ٹیبل پہ ساتھ بیٹھی تھیں' کِفل زین سے ملنے کے بعد پیکر کے برابر آ بیٹھا جبکہ پیکر اور دِینا کے سامنے بھی تین کرسیاں خالی تھیں مگر وہ دِینا کے سامنے بیٹھ کے اِسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''السلام علیکم! دینا کیسی ہو۔'' کِفل نے دِینا کی طرف دیکھے بغیر سرسری سا پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' دِینا نے بھی اُس کی طرف بنا دیکھے سرد سے لہجے میں کہا' اِتنا مختصر سا جواب بھی غالباً اُس نے شوہر کی موجودگی کی وجہ سے دے دیا تھا ورنہ اس کی بھی روادار نہ ہوتی۔

''دِینا یہ بتاؤ بینش کی شادی کب ہے؟'' عائشہ نے موضوع تبدیل کر کے ماحول کا تناؤ کچھ کم کرنے کی کوشش کی۔ یوسف جعفری نے بھی زین کو کھانے کی طرف متوجہ کیا۔

''مجھے تھوڑے سے چاول دو گی۔'' کِفل نے کہنی سے پیکر کو ہلا کے کہا وہ جو گم سم سی ہو گئی تھی چونکی' تو دیکھا' کِفل اِسے ہی دیکھ رہا تھا اور اُس کی پلیٹ خالی تھی۔

''تمہیں پلاؤ دوں؟'' پیکر نے فکرمندی سے پوچھا' اُسے اپنے کھوئے ہونے کا احساس بھی بھول گیا تھا۔ کِفل نے اُسے صرف ایک نظر دیکھا تھا۔

''ہاں دو۔'' وہ آہستہ سے بولا اور پیکر کھوئے ہوئے سے انداز میں اُس کی پلیٹ میں کھانا نکالنے لگی۔

یہ منظر بہت سی نظروں نے دیکھا زیبؔ' تہامی اور فیہا نے شرارت سے جبکہ یوشع نے سپاٹ نظروں سے البتہ مہناز نے خوشی سے دیکھا تھا اور فائقہ بیگم نے نفرت سے بس ایک ہی دل ایسا تھا جسے یہ دیکھ کے چبھن ہوئی تھی اور وہ تھی دِینا۔

☆☆☆......☆☆☆

''پلیز ڈیڈ۔ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں میں یہ نہیں کرسکتا مام آپ سمجھائیں ناں ڈیڈ کو۔'' کِفل نے بہت اضطرابی انداز میں کہا اور دروازے کے باہر کھڑی دینا کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ایک لڑی بہہ نکلی تھی۔

''کِفل اُسے مدد کی ضرورت ہے۔ بھابی نے بہت التجائیہ کہا ہے مجھ سے۔'' مہناز نے کمزور سے لہجے میں کہا۔

''مما پلیز آپ جانتی ہیں۔ میں کسی اور کو......''

''بس کرو کِفل۔'' یحییٰ جعفری نے درمیان میں ہی اُس کی بات کاٹتے ہوئے برہمی سے کہا۔

''تم بالکل ہی احمقانہ بات کر رہے ہو۔ ایک تو پتہ نہیں کون سی خرافات ہے یہ کہاں سے آئی ہے...... کیسی لڑکی ہے کہ کسی اجنبی کو اِس طرح پھول اور کارڈ بھیجتی ہے پتہ نہیں کس خاندان سے ہے۔''

''ڈیڈ پلیز......'' یحییٰ جعفری جو اُس پر بُری طرح گرج رہے تھے اور غصے میں بول رہے تھے ایک دم ٹھہر گئے۔ کِفل نے اُنہیں ٹوکا۔ بدتمیزی سے نہیں مگر اُس کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا جو وہ سناٹے میں آ گئے تھے۔

''ڈیڈ پلیز...... اُسے کچھ مت کہیں' ایسا کچھ اپنے منہ سے مت نکالیں...... کہ اپنے کہے پہ آپ کو بعد میں پچھتانا پڑے ڈیڈ وہ بُری نہیں ہے...... آپ کچھ نہیں جانتے...... اُسے کچھ

مت کہیں..... میں یہ شادی نہیں کرسکتا ٹرسٹ می ڈیڈ..... میں دِینا کو کبھی خوش نہیں رکھ پاؤں گا..... کیونکہ میں اُس سے کبھی محبت ہی نہیں کر پاؤں گا میں اُس لڑکی کو سچ مچ نہیں بھول سکتا۔‘‘ وہ بہت آرام سے اپنے والدین کو قائل کر رہا تھا باہر کھڑی دِینا کے آنسو متواتر بہہ رہے تھے۔

’’بیٹا پلیز ایک بار اور سوچ لو..... دِینا کی خاطر۔‘‘ مہناز نے جیسے ہار مانتے ہوئے کہا۔

’’مما میں دِینا کا ہی سوچ کے کہہ رہا ہوں پلیز میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں میں اُس سے محبت نہیں کر پاؤں گا۔‘‘ یہ الفاظ دِینا کو سنگسار کر رہے تھے۔ وہ بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں آئی اور بیڈ پہ اوندھے منہ لیٹ کے رونے لگی تھی۔ پیکر وہیں موجود تھی اِسے دیکھتے ہی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

’’دِینو کیا ہوا ایسے کیوں رو رہی ہو؟‘‘ پیکر نے پریشان ہوکر پوچھا تھا۔

’’پیکر، کفل کتنا خودغرض ہے..... چاچی چاچو اُسے مجبور کر رہے ہیں کہ وہ مجھ سے شادی کرلے مگر وہ نہیں مان رہا کہتا ہے اُسی پھول والی لڑکی سے محبت کرتا ہے اُسے نہیں بھول سکتا۔‘‘ وہ روتے ہوئے ہچکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی اور پیکر کا رنگ اِس بات پہ فق ہوا تھا۔ وہ ایک دم چپ سی ہوگئی تھی۔

’’جانتی ہو پیکر ہر کوئی مجھے ٹھکرا دیتا ہے کسی دوسرے کی وجہ سے پہلے شاہ میر وہ بھی کسی اور کی وجہ سے مجھے چھوڑ گیا اور اب کفل بھی.....‘‘ وہ کرب سے کہہ رہی تھی آج پہلی بار وہ اپنا آپ اپنی دوست پہ ظاہر کر رہی تھی اور پیکر کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

’’کتنا خودغرض ہے وہ مغرور گھمنڈی کہیں کا۔ وہ لڑکی جو اُسے پھول بھیجتی ہے جس سے وہ ملا تک نہیں۔ جس کو جانتا نہیں ہے اُس سے محبت کر رہا ہے اُس کی محبت کی اتنی اہمیت ہے کہ وہ اُس کی خاطر اپنی کزن کو ٹھکرا رہا ہے۔‘‘ وہ روتے ہوئے بول رہی تھی اور پیکر بالکل ساکت کھڑی تھی۔

’’مجھے نفرت ہے اُس سے مجھے نفرت ہے اُس لڑکی سے۔ میں چاہتی ہوں وہ دونوں کبھی نہ ملیں۔‘‘ دِینا نے بددعا دی تھی پیکر دہل کے رہ گئی تھی وہ رو پڑی تھی وہ ایسی ہی تھی اُسے کسی کا دکھ برداشت نہیں ہوتا تھا۔

’’نہیں پلیز ایسا مت کہو۔‘‘ پیکر نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔ دِینا بالکل چپ ہوگئی تھی اُس نے پیکر کو دیکھا تھا اور وہ جانتی تھی اس کے آنسوؤں کا مطلب۔

’’میرا مطلب ہے۔ دِینا وہ کوئی غیر تو نہیں ہے ناں..... اُس کو بددعا مت دو پلیز۔‘‘ پیکر نے روتے ہوئے کہا تھا دِینا نے ایک سرد نگاہ اُس پہ ڈالی تھی دونوں ایک دوسرے کی نظروں کا مفہوم سمجھ گئی تھیں کیا ہوا جو دونوں بچپن کی دوستیں تھیں مگر ہمراز نہیں۔ لیکن پھر بھی دونوں کو ایک دوسرے کے دل کا حال پتہ تھا جس طرح پیکر کو پتہ چل گیا تھا کہ دِینا کے دل میں کفل آبسا ہے اِسی طرح دِینا بھی جانتی تھی کہ پیکر کے دل میں بھی کفل ہی بستا ہے۔ اُسے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ کفل سے وہ اِن دونوں کا ہی خطاوار تھا وہ جو دِینا کو ٹھکرا سکتا ہے تو یہ عام سی معصوم سی پیکر جس سے اُس کی بنتی بھی نہیں اِس کو کیا اہمیت دے گا وہ اِسے بھی ایسے ہی رد کردے گا۔

’’وہ میرا کچھ بھی نہیں ہے..... جو شخص اتنا خودغرض ہوکر اپنی خوشیوں کی خاطر دوسروں کے احساسات اور جذبات کی پروا نہ کرے وہ میرا کچھ نہیں ہے کچھ بھی نہیں ایک بات اور پیکر..... وہ صرف اندھیرا ہے اور اندھیروں کے پیچھے بھاگنا لاحاصل ہوتا ہے۔‘‘ دِینا نے بہت بے رحمی سے تلخ سچائی اُس کے سامنے رکھی تھی اور ساتھ ہی زور سے اُس کے بازو کو جھٹکا بھی تھا۔

درد والم کے ایک نئے دور سے اِس کی شناسائی ہوئی اور وہ یہ تھی کہ وہ اُسے نہیں کسی اور کو چاہتا ہے۔ کس قدر اذیت تھی..... کتنی تکلیف تھی..... یعنی اب تک وہ ایک غلط فہمی میں جی رہی تھی..... ہاں وہ اُسے الزام نہیں دے رہی تھی..... وہ اُسے الزام دے ہی نہیں سکتی تھی..... وہ خود کو موردِالزام ٹھہرا رہی تھی..... اُسے الزام دینے کے لیے کوئی وجہ بھی تو ہو..... آج تک کبھی اُس نے ایسا کوئی اظہار کوئی اُمید کوئی احساس اِس کی جھولی میں نہیں ڈالا تھا..... تو وہ کیسے اُسے کوئی الزام دے..... بچپن میں وہ کفل کا اُس کے ساتھ رویہ سچ مچ دلبرانہ تھا..... مگر..... وہ بچپن تھا اور اب تو وہ پیکر کے ساتھ بھی اچھے رویے سے پیش آتا تھا..... بلکہ اب تو پیکر کو ہر وقت چھیڑتا تنگ کرتا تھا۔ پیکر کا جب ایکسیڈینٹ ہوا تھا تو اُسے بلڈ بھی کفل نے دیا تھا۔ اب تو وہ اکیلی نہیں تھی جس کے ساتھ اُس کا ایسا رویہ ہو تو پھر کیسے وہ کفل کے اچھے رویے کو محبت جانے گی..... نہیں یہ محبت نہیں تھی..... ہرگز نہیں تھی..... محبت تو وہ تھی جو آج اُس کے لفظوں سے بیاں ہو رہی تھی اُس کے ایک ایک انداز سے ظاہر ہو رہی تھی وہ کس شدت سے اُس لڑکی سے محبت

کرنے لگا ہے، جس کو اُس نے کبھی دیکھا بھی نہیں۔ اُسے اُس پل اُس ان دیکھے وجود سے نفرت بھی ہوئی اور اُس پہ رشک بھی آیا اور رونا بھی...... اپنی نادانی اور نا سمجھی پر۔

اور پھر روشنیوں سے بھری ایک شاندار شام اِن کے گھر کے لان میں اُتری' ہنسی مسکراہٹ سے بھرپور گونجتے ہوئے قہقہوں سے مزین خوشبوؤں پُر کیف فضا تھی' اُس نے دیکھا آج...... کِفل بہت خوش تھا...... ہاں شاید اُسے اپنی جان کے بچ جانے کی خوشی تھی...... لیکن پہلی بار اُس نے اعتراف کیا تھا کہ واقعی وہ لڑکی خوش قسمت ہے جو اِس کے دل میں بستی ہے، جس کی خاطر اِس نے اتنا کچھ کیا' گھر والوں کی ناراضگی مول لی اُس دن پہلی بار اِس کا دل کیا کہ وہ ایک بار اُس لڑکی سے ملے...... اُسے دیکھ لے اُس نے دیکھا تھا وہ زین کے ساتھ کسی بات پہ ہنس رہا تھا...... بے ساختہ اِس کے دل سے دعا نکلی تھی کہ وہ ہمیشہ خوش رہے یونہی ہنستا رہے...... اُسے خود پہ حیرت بھی ہوئی اور یہ پتہ چل گیا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے دِینا جعفری کبھی بھی کِفل سے نفرت نہیں کرسکتی۔

مما پاپا نے بہت خوشی اور مان سے اِس کا ہاتھ زین مجتبیٰ کے ہاتھ میں دے دیا اور اُس نے یوں تھاما جیسے کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اِتنا کچھ ہو گیا' اُس کی پوری زندگی بدل گئی لیکن وہ بے حس تھی۔ نہ خوشی نہ غم...... کوئی احساس نہیں تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

''آؤچ۔'' اُس کا سر پورے جھٹکے سے گاڑی کی ڈیش بورڈ سے ٹکرایا تھا۔ آنکھوں کے سامنے پل بھر کو اندھیرا چھایا تھا ابھی وہ اپنے حواس میں واپس آئی تھی کہ اُسے شور سنائی دیا مگر لمحے بھر میں سب کچھ دھندلا سا گیا تھا...... پھر ایک دم گہری خاموشی اور سکوت چھا گیا۔ ایسا لگا جیسے زندگی تھم سی گئی ہو۔ دور سے کانوں میں ایک مانوس سی آواز محسوس ہوئی۔

''دِینا...... دِینا آر یو او کے؟'' کوئی اِسے پکار رہا تھا کسی نے اِس کو تھاما تھا پھر دھکا دے ایک طرف کو گھما دیا۔ وہ بالکل نڈھال سی ہو گئی اور ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ اندھیرا چھا گیا ایک مکمل اور جامد سکوت غالب آ گیا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

عائشہ باورچی خانے میں کھڑی اپنے اور یوسف کے لیے کافی بنا رہی تھیں تب ہی فائقہ بیگم اندر داخل ہوئیں۔

''عاشی خود کیوں بنا رہی ہو...... کسی ملازم سے کہہ دیتی ناں۔'' اُنہوں نے بہت شفیق لہجے میں کہا' آج کل اُن کا موڈ دیورانی کے ساتھ کافی اچھا تھا۔

''بھابی۔ بس یونہی یوسف کا دل چاہ رہا تھا تو......'' عائشہ نے کہا۔

''کئی دِنوں سے تم سے کچھ بات کرنا چاہ رہی تھیں میں۔'' فائقہ بیگم نے تمہید باندھی اور عائشہ نے اچھنبے سے اِنہیں دیکھا' اُن کے التفات کئی دنوں سے اُنہیں کھٹک رہے تھے۔

''دراصل میں چاہ رہی تھیں تم اور یوسف آپس میں طے کر کے مجھے جواب دے دو میں جانتی ہوں کہ تم دونوں کے لیے مشکل ہوگا مگر میں تم دونوں پہ کوئی زور نہیں ڈال رہیں ہوں۔'' فائقہ بیگم نے لچھے دار انداز میں کہا۔

''دراصل میں تہامی کے لیے پیکر کا رشتہ چاہ رہی میں جانتی ہوں کے فیہا کا منسوب ہونا مسئلہ ہے مگر وہ تو بچپن کی بات تھی اور ویسے بھی میں کِفل کے رویے کے بعد میں ہرگز فیہا کا ہاتھ اپنے بیٹے کے ہاتھ میں نہیں دوں گی میرا ظرف اِتنا بڑا نہیں ہے کہ جو لڑکا میری بیٹی کو ٹھکرائے میں اُس کی بہن کو اپنے گھر کی بہو بناؤں...... یوشع کے معاملے میں نے خاموشی اِس لیے اختیار کی کیونکہ وہاں یوشع صحیح تھا غلطی میرے بھانجے کی تھی لیکن کِفل نے تو حد کر دی...... میں ہرگز فیہا کو اپنے تہامی کے لیے نہیں چنوں گی...... تم سے اِس لیے کہہ رہی ہوں تاکہ گھر کی کوئی لڑکی آئے تم سوچ سمجھ کے جواب دینا ورنہ میں نے اپنے خاندان میں بھی بات کی ہے۔'' اپنے مخصوص حاکمانہ انداز میں کہہ کے وہ نکل گئیں جیسے ہمیشہ کرتی تھیں۔ اور اِدھر عائشہ کی حالت ایسی تھی کاٹو تو جسم میں لہو نہ نکلے۔

☆☆☆......☆☆☆

اُس کی آنکھ کھلی تو سب کچھ دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ آنکھیں روشنی سے مانوس ہوئیں تو پتہ چلا کے وہ اسپتال میں تھی اُس نے بائیں جانب دیکھا تو زین مجتبیٰ پریشان کھڑا تھا اور ساتھ ہی ڈاکٹر بھی کھڑے اُس سے بات کر رہے تھے۔

''بہت ہلکی سی چوٹ آئی ہے آپ کی وائف گھبراہٹ سے بے ہوش ہو گئی ہیں۔ دو تین دن میں ٹھیک ہو جائیں گی...... ڈونٹ وری۔'' اُس کی سماعتوں سے ڈاکٹر کی آواز ٹکرائی تھی جو زین سے کہہ رہے تھے اور اِس نے زین کے چہرے پہ پھیلتے ہوئے سکون کو دیکھا۔ ڈاکٹر اب جا چکا تھا۔

''کیسی ہو دِینا۔'' زین نے اِس کے پاس بیٹھتے ہوئے اِس

کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔ دینا نے پلکیں اُٹھا کے اُسے دیکھا۔ وہ ایک دم سے چونکا۔ پھر فوراً اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھوں پر سے ہٹالیا۔

''آئی ایم سوری...... وہ اصل میں...... میں تھوڑا گھبرا گیا تھا...... تمہارے سر پہ ہلکی سی چوٹ آئی تھی۔'' وہ جیسے صفائی پیش کرتے ہوئے بولا...... اُس کے کہنے پہ دینا کو کچھ ہوا تھا......

''وہ صفائی کیوں پیش کر رہا ہے؟'' وہ بے اختیار سوچ گئی۔

''کیا ہوا تھا؟'' دینا نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

''ہمارا مائنر ایکسیڈینٹ ہوا تھا...... کچھ لڑکے بائیک پر تھے کہ اچانک اوورٹیک کر کے سامنے آ گئے اور ٹکر ہو گئی...... لیکن اللہ کا شکر ہے کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا۔'' زین نے تفصیل سے ساری بات بتائی...... جبکہ وہ ایکسیڈینٹ سن کے گھبرا گئی تھی اِتنا کچھ ہوا اور اُس کا دھیان ہی نہیں گیا۔ وہ ماضی میں ایسے کھوئی ہوئی تھی کہ کب چوٹ لگی کب خون نکلا کب وہ بے ہوش ہوئی کچھ سمجھ نہیں آیا۔

''دینا کہاں کھو گئی۔'' زین نے دینا کے چہرے کے سامنے ہاتھ لہرایا وہ چونکی۔

''نہیں کچھ بھی نہیں۔''

''تم ٹھیک ہو؟'' اُس نے گہری سانس بھرتے ہوئے پوچھا۔

''جی۔'' دینا نے آہستہ سے کہا۔

''گھر چلیں۔'' زین نے پوچھا۔

''جی۔'' دینا نے سابقہ انداز میں جواب دیا۔ وہ دونوں اُٹھنے لگے تھے کہ اُسے اچانک یاد آیا۔

''زین آپ تو ٹھیک ہیں ناں؟ کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟'' اُس نے فکرمندی سے پوچھا اپنی حیرانی اور پریشانی میں وہ زین کا حال پوچھنا ہی بھول گئی تھی۔ زین نے چونک کے اُسے دیکھا۔ اُس کے آنکھوں میں چمک آئی تھی اور چہرے پہ بے اختیار مسکراہٹ۔ وہ دل سے خوش ہوا تھا۔ اُس کا چہرہ دیکھ کے دینا کو شرمندگی بھی ہوئی تھی۔

''ہاں میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔''

☆☆☆......☆☆☆

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی زیبائش بالوں کو برش کر رہی تھی۔ اُس نے وائٹ شیفون کی ساڑھی پہن رکھی تھی اُس کی بارڈر اور آنچل پہ سفید دھاگوں والی باریک سی کڑھائی تھی۔ یہ ساڑھی اُس کے لیے یوشع لایا تھا کافی سال پہلے جب وہ اپنے ایک دوست کی شادی میں انڈیا گیا تھا۔ یہ ساڑھی اُسے بہت پسند تھی اور آج اُس نے پہلی بار اِسے زیب تن کیا تھا۔ آج وہ تیار بھی بہت دل سے ہوئی تھی اُس نے سافٹ لک کا نیچرل میک اپ کیا آنکھوں میں گہرا کاجل سجایا اور ہونٹوں پہ ریڈ کلر کی لپ اِسٹک لگا کر بالوں کو اِسٹیریٹ کر کے تھوڑے سے کندھے پہ ڈالے اور باقی پیچھے چھوڑ دیے تھے۔ آج وہ جی بھر کے سنوری تھی۔ آخر بہت عرصے بعد وہ اور یوشع کہیں جا رہے تھے یوشع اور اِس کے قریبی دوست کی ولیمہ کی تقریب تھی لہٰذا دونوں کا ہی جانا لازمی تھا وہ اپنی تیاری کو فائنل ٹچ دے رہی تھی تب ہی کمرے کا دروازہ کھول کے یوشع کلائی پہ گھڑی باندھتا اُس کی طرف دیکھے بناء مصروف سے انداز میں بولا۔

''زیبا......'' یوشع کی عادتیں بھی عجیب تھیں پہلے تو وہ اِس کے کمرے میں دستک دے کے آتا تھا لیکن اب اوّل تو آتا ہی نہیں تھا اور اگر آتا تو دستک نہیں دیتا تھا۔

''جی۔''

''تیار ہو؟''

''چلیں؟'' سرسری سا کہہ کر اُس نے نظریں اُٹھا کے زیبائش کو دیکھا اور پھر وہ پلکیں جھپکانا بھول گیا۔ وہ سامنے کھڑی مسکراتے ہوئے پرفیوم اِسپرے کر رہی تھی وہ اُس کا ہوش رُبا سراپا دیکھتا رہ گیا۔ وہ اِس گھر کی سب سے حسین لڑکی تھی وہ جانتا تھا لیکن دیکھا آج تھا۔ وہ آسمان سے اُتری کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔ وہ سچ مچ سراہے جانے اور چاہے جانے لائق تھی اُسے پہلی دفعہ اِس حوالے سے اپنی قسمت پہ ناز ہوا تھا۔

''چلیں میں تیار ہوں۔'' زیبائش نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ کافی عرصے بعد دونوں کی نظریں ملی تھیں۔ بہت کچھ تھا نظروں میں۔

''دوبارہ کبھی یہ ساڑھی مت پہننا۔'' مدھم لہجے میں کہتا وہ آگے بڑھ گیا اور زیبائش کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا...... ساری محنت وصول ہوئی...... وہ جس کے لیے اِتنا سجی تھی اُسے بھا گئی تھی۔

''اور آپ آئندہ شیو نہیں کریں گے۔'' زیبائش کے کہنے پہ یوشع نے چونک کے اُس کی طرف دیکھا۔ اُس کے لبوں پہ موہنی سی مسکراہٹ تھی وہ سمجھ گیا۔ وہ دونوں ایک ہی احساسات سے گزر رہے تھے سچ ہی تو تھا وہ آج اِتنا تیار اِسی لیے ہوا تھا کہ ایک

لمبے عرصے بعد دونوں پہلے کی طرح دوبارہ کہیں ساتھ جارہے تھے۔ وہ کوئی اِمیچور کپل تو تھے نہیں جنہیں تعریف کے باضابطہ اِظہار کی ضرورت ہوتی...... وہ نظروں کی زبان جانتے تھے۔

☆☆☆......☆☆☆

یوسف جعفری نے اپنے کمرے کی گیلری سے یوشع اور زیبائش کو ساتھ جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

"آج بہت عرصے بعد یہ دونوں پہلے کی طرح کہیں ساتھ جارہے ہیں اللہ پاک اِنہیں ڈھیروں خوشیاں نصیب کرے۔" یوسف نے پُرسکون مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا عائشہ جو کہیں کھوئی ہوئی تھیں...... اِس بات پہ چونک کے اُن کی جانب دیکھا۔

"یوسف ایک بات کہنی تھی آپ سے۔" عائشہ نے سنجیدگی سے اُن کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج بڑی بھابی آئیں تھی میرے پاس...... وہ پیکر کا رشتہ مانگنے آئیں تھیں...... تہامی کے لیے۔" عائشہ نے ہمت کرکے تمام بات اِنہیں بتائی اور یوسف صاحب کا رنگ برف کی مانند سفید ہوا تھا۔ اندازہ تو اِنہیں تھا کہ بھابی فیہا اور تہامی کی شادی میں ضرور روڑے اٹکائیں گی مگر اِس درجہ سفاکی کی اُمید نہ تھی اُن سے غصے اور نفرت میں وہ اِتنا آگے بڑھ جائیں گی کہ رشتوں کی پاسداری اور بچوں کی خوشیاں بھی داؤ پہ لگادیں گی۔

"تم نے کیا جواب دیا اُنہیں۔" اُنہوں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"وہ دوسروں کو کہنے کا موقع ہی کب دیتی ہیں۔" اُنہوں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے تم کچھ مت کہنا اگر دوبارہ کہیں تو ٹال دینا...... میں خود بات کرلوں گا۔" اُنہوں نے کہا اور عائشہ کو حیرت ہوئی مگر وہ کریدنے والی خاتون نہیں تھیں۔

"یوسف ایک اور بات کہنی تھی...... کئی دِنوں سے مسز رضا اپنے بیٹے شہروز کے لیے کہہ رہی تھیں...... میں نے پیکر کی پڑھائی کی وجہ سے ٹال دیا تھا اب تو اُس کا لاسٹ ائیر ہے...... اگر آپ کہیں تو...... اُنہیں گھر بلوالوں۔" عائشہ نے ہچکچاتے ہوئے ایک اور اہم بات گوش گزار کی۔

"نہیں...... ابھی نہیں...... پریشان مت ہو اللہ ہے...... جلد بازی میں اُس کے لیے کوئی فیصلہ نہیں کرنا' میں ہر فیصلے میں پہلی ترجیح پیکر کے فیصلے کو دوں گا۔" یوسف نے اٹل لہجے میں کہا اور عائشہ خاموشی سے سراثبات میں ہلا کر رہ گئی تھیں۔

☆☆☆......☆☆☆

پنڈال میں داخل ہوتے ہی کئی نظریں اُن کی جانب اُٹھی تھیں...... ولیمے کی تقریب ساحل کے قریب واقع ہوٹل کے لان میں رکھی گئی تھی...... وہ سیدھا دلہا دلہن کی طرف آئے تھے یسار اور سامیہ اِن کے بہت پرانے دوست تھے یسار یوشع کا دوست تھا جب کہ سامیہ زیبائش کی دوست تھی زیبائش اور یوشع چونکہ ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے تھے اور یوشع جب بھی زیبائش کے پاس آتا تو اکثر اِس کے ساتھ یسار ہوتا جبکہ زیبائش کے ساتھ سامیہ لہٰذا اِن کی وجہ سے یسار اور سامیہ بھی قریب آگئے تھے۔ لیکن اِن کی یہ پسندیدگی زیادہ عرصے چھپی نہ رہ سکی تھی اور اب بالآخر دونوں ایک مقدس رشتے میں بندھ گئے تھے۔

"سچ یار بہت عرصے بعد ہم چاروں اکٹھے ہوئے ہیں۔" فوٹوسیشن کے دوران یسار نے مسکراتے ہوئے کہا' جواباً وہ مسکرایا تھا۔ فوٹوسیشن کے بعد وہ نیچے اُتر آئے تھے یوشع کا اِرادہ یہاں زیادہ دیر رکنے کا نہیں تھا یہاں اُن کے کئی پرانے واقف کار موجود تھے مگر کچھ کے ساتھ متنازعہ حوالے جڑے تھے...... پھر اُسے پورا یقین تھا کہ یہاں وہ لوگ بھی موجود ہوں گے جو ہر بات کے ذمے دار ہیں اِن کی نارمل زندگیوں کو ابنارمل بنانے کے ذمہ دار۔

"یوش......" وہ نیچے آئے ہی تھے کے یوشع کو اُس کے دوست نے پکارا۔

"کیسا ہے یار" گرم جوشی سے کہتے ہوئے دونوں بغلگیر ہوئے۔

"میں ٹھیک ہوں تو سناؤ" یوشع نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ عثمان تھا یوشع کا دوست۔ زیبائش کی اِس سے بس جان پہچان تھی۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ بھابی......؟" عثمان نے اب کے زیبائش کو مخاطب کیا...... زیبائش چونک گئی تھی پر اِسے اچھا لگا تھا یوشع کے حوالے سے یہ پہلا شخص تھا جس نے اِسے اِس حوالے سے مخاطب کیا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں...... آپ کیسے ہیں؟" زیبائش نے بھی خوشدلی سے پوچھا۔ اُس کی آواز اور انداز ہی یوشع کو سمجھا گیا کہ وہ اپنے اصل حوالے پہ کتنا خوش ہوئی تھی۔ وہ تینوں

اکھٹے ہی اُس طرف آئے تھے جہاں اِن کے سارے دوست موجود تھے۔ وہ سب سے مل رہے تھے کہ اچانک یوشع کے سامنے ایک مضبوط ہاتھ مصافحہ کے لیے آیا۔

''ہائے یوش...... کیسے ہو؟'' بھاری مردانہ آواز نے اُسے مخاطب کیا اور اس کی نظر یوشع پہ سے گزرتے ہوئے زیبائش تک گئیں تھیں۔ یہ لہجہ انداز اور آواز تو وہ ہزاروں میں بھی پہچان سکتا تھا۔ عمار ہمدانی۔ یوشع کب سے اِس شخص کی تلاش میں تھا...... وہ آج اِسی کے لیے آیا تھا...... وہ اِس شخص کو کچھ دکھانا چاہتا تھا اور اِسے دیکھنا بھی۔

''میں بہت خوش اور مطمئن ہوں۔'' اُس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھامتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں طنز لیے وہ دھیمے مگر مضبوط لہجے میں جتاتے ہوئے بولا اور ساتھ ہی ہاتھ پہ اپنی گرفت غیر محسوس طریقے سے سخت بھی کی تھی۔ جس پہ عمار بے اختیار چونکا اور یوشع کی طرف دیکھا' اُس کی نظروں میں تنبیہہ تھی گویا زیبائش کو دیکھنے کا بدلہ لیا تھا۔ وہ سمجھ کر مسکرا گیا تھا۔

''کیسی ہو زیبو۔'' عمار نے اُس کی تنبیہہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے نارمل سے انداز میں پوچھا۔ لیکن پھر بھی زیبائش کو اُس کی نظریں چبھی تھیں لیکن وہ مطمئن تھی وہ اکیلی نہیں تھی...... یوشع اُس کا سائبان تھا۔

''میں...... بہت خوش اور مطمئن ہوں۔'' اُس نے پُراعتماد لہجے میں یوشع کے مزید قریب ہوتے ہوئے کہا۔ عمار کی مسکراہٹ اب ختم ہوگئی تھی اور آنکھوں میں سختی در آئی تھی گویا وہ بدمزہ ہوا ہو۔

''ہائے یوش...... او مائی گاڈ...... اِٹس یو زیبو آئی کانٹ بلیو دِس یو لکنگ سو پریٹی۔'' تب ہی عمار کے برابر میں نورعین آکر کھڑی ہوئی...... جسے دیکھ کے زیبائش سکتے میں آگئی۔

''ہائے......'' زیبائش نے دھیمے لہجے میں کہا اور کنکھیوں سے یوشع کو دیکھا جو کمال کی لاپروائی برت رہا تھا۔

''یوش زیبو بیٹھو یار۔'' وہ دونوں سب کے ساتھ بیٹھے اور ان کے عین سامنے عمار اور نورعین بیٹھے تھے۔ زیبائش نے دیکھا نورعین آج بھی روئی کی گڑیا لگتی تھی معصوم نازک پیاری سی۔

''سوزیب...... کیسی چل رہی ہے تمہاری لائف اور این جی او؟'' سویرا نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''پرفیکٹ۔'' زیبائش نے مختصر جواب دیا۔

''ویسے زیبا آپ دونوں کب ہمیں اپنی ریسپشن پہ اِنوائٹ کررہے ہیں۔'' اب کے ماریہ نے پوچھا۔ جس پہ زیبائش کے چہرے کا رنگ بدلا تھا اور سامنے موجود لوگوں کی نظروں کا۔

''ایکسکیوزمی...... اُسے زیبا صرف میں بلاسکتا ہوں یہ میرا حق ہے۔'' جتاتے ہوئے انداز مگر مان کے ساتھ مضبوط لہجے میں یوشع پہلی بار درمیان میں بولا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ماریہ عمار کی دوست ہے اور یہ سوال اُس کی ہی خوشنودی کے لیے آیا تھا...... جبکہ زیبائش اِس جواب کے بعد جتنی پُرسکون ہوئی تھی وہ اُس کے چہرے سے واضح ہوگیا تھا۔

''ویسے مجھے پہلے ہی شک تھا...... کہیں یہ پرنس چارمنگ تم ہی نہ لے اُڑو......'' سویرا نے پھر مستی کی۔

''لازمی سی بات ہے...... ایک پرنس کو ایک پرنسز ہی ڈیزرو کرتی ہے۔'' یوشع نے چھیڑنے والے انداز میں زیبائش کو دیکھتے ہوئے کہا...... زیبائش کے ہونٹوں پہ ایک نرم سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی البتہ سامنے بیٹھے نفوس بہت غیر آرام دہ ہوئے تھے۔

''ویسے یہ تم لوگوں نے اچھا کیا کہ پارٹنرز تبدیل کرلیے تم لوگ اب ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سوٹ کرتے ہو...... ہو بھی ایک جیسے اور ایک ساتھ بھی۔'' سویرا نے اب کی بار دونوں کپلز کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا انداز محظوظ ہونے والا تھا...... لیکن سوائے یوشع کے باقی لوگ کے چہرے ذرا پھیکے پڑے تھے۔

''شادی اُسی سے کرنی چاہیے جو آپ سے محبت کرتا ہو۔'' عمار نے فخریہ انداز میں کہتے ہوئے بہت محبت سے نورعین کا ہاتھ تھام کے اُسے لبوں سے لگایا تھا۔

''مگر میرے خیال میں ہماری شادی اُس سے ہوتی ہے جسے ہم ڈیزرو کرتے ہیں۔'' یوشع جو کہیں اور متوجہ تھا فوراً ہی پلٹ کے عمار اور سویرا کی جانب دیکھتے ہوئے بولا اور اُس کے جملے پہ عمار کی مسکراہٹ تھمی تھی اور نورعین کا چہرہ بھی بجھا تھا' زیبائش نے گہری سانس لی تھی وہ یوشع کا طنز سمجھ گئی تھی۔

''بالکل۔'' نورعین بڑی اعتماد کے ساتھ میدان میں اُتری تھی۔

''بیشک اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے اور بہتری کے لیے کرتا ہے اور میں شکر گزار ہوں اپنے اللہ کی جس نے میرے لیے بہترین چنا...... ہمارے پیرنٹس نے جنہیں چنا وہ اُن کی نظر

میں بہتر تھے ’ہمارے لیے‘ نہیں لیکن اللہ نے جسے چنا وہ ’ہمارے لیے بہتر‘ ہے وہ ہمارا خیال رکھنے کے ساتھ ہمیں ہر تکلیف سے محفوظ رکھتا ہے وہ ہمارے لیے اِسٹینڈ لیتا ہے ہم سے محبت کرتا ہے مگر کبھی اپنی محبت کو ہمارے لیے تہمت نہیں بناتا وہ ساتھ نبھاتا ہے ساتھ چھوڑتا نہیں دنیا کے سامنے وہ ہمیں عزت دیتا ہے بدنام نہیں کرتا...... تم نے ٹھیک کہا سویرا ہم ایک جیسے تھے ہمیں ساتھ ہی ہونا چاہیے تھا اور دیکھو اللہ نے ہمیں ایک ساتھ کردیا۔‘‘

’’اور نکاح کے بول تو جیسے کوئی طلسماتی کلمات ہوں...... عجیب سے سحر میں جکڑ لیتے ہیں...... وہ ایک شخص جس کے نام پہ آپ کو لکھ دیا جائے وہ دنیا کا سب سے اہم شخص ہوجاتا ہے اور بدقسمتی سے اگر دنیا والوں کی وجہ سے کچھ عرصے کے لیے اگر کسی غلط فیصلے میں ہمیں پابند کر بھی دیا جائے اور وقتی تقاضوں کے تحت اگر ہمارے اُس جانب التفات ہوں بھی جائیں تو بھی نکاح کے بعد وہ سب ختم ہوجاتا ہے پھر اگر کبھی فرصت کے لحات میں کوئی ذکر چلے تو قصۂ پارینہ کی طرح بس لمحے بھر کو یاد آتے ہیں اُن کی یاد بھی بالکل بے تاثر اور بے حس ہوتی ہے دنیا کا کوئی رشتہ لافانی نہیں سوائے میاں بیوی کے۔‘‘ وہ اپنے خیالوں سے باہر نکلی اور سب کی رُکی ہوئی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔

’’میرے لیے اللہ نے بہترین کا انتخاب کیا...... میں ہمیشہ چاہتی تھی کہ میرا شوہر ایک مضبوط اور باکردار مرد ہو اُس کے ارادے مصمم اور نیت صاف ہو...... وہ سہارا دینا جانتا ہو مجھ پر اعتبار کرنے والا ہو اور اللہ نے میرے لیے ایسا ہی ساتھی چنا...... ایک ایسا شہزادہ جس کے ہزاروں طلب گار تھے مگر اللہ کے نزدیک میں اتنی اہم تھی کہ اس کی حق دار ٹھہرائی گئیں۔‘‘ وہ اب کے مسکراتے ہوئے بااعتماد لہجے میں بولی تھی سب ساکت سے اُسے سن رہے تھے۔

’’پھر رخصتی کب ہے یوش۔‘‘ ایک پل کے لیے چھائے اِس سکوت کو سویرا نے ہی توڑا۔

’’بس...... کچھ ضروری کام کرنے تھے...... اِس لیے انتظار میں تھا...... وہ ہوگئے اب بہت جلد انویٹیشن آئے گا۔‘‘ اب کی بار یوشع نے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ باقاعدہ آنکھ مارتے ہوئے جواب دیا تھا اِتنے خوب صورت اِظہار کے بعد یہ خوشی بجتی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

’’یحییٰ۔‘‘ مہناز نے سپاٹ لہجے میں پکارا...... اُنہوں نے چونک کے دیکھا تو وہ چہرے پہ سخت تاثرات لیے ہاتھوں کو سینے پہ لپیٹے کھڑی تھیں۔

’’کیا ہوا؟‘‘ وہ فکرمندی سے بولے۔

’’بہت ہوچکا ہے یحییٰ میں اب اور برداشت نہیں کروں گی ایک حد ہوتی ہے آپ کی بھاوج نے میرے بچوں کو کیا سمجھ رکھا ہے...... تین سال پہلے زبردستی میری بھتیجی کی منگنی اپنے آوارہ مزاج بھانجے سے کردی آئے دن میرے بیٹے کی اِنسلٹ کرتی رہتی ہیں اب فیہا کو تکلیف دینا چاہتی ہیں...... یحییٰ میں نے ایک بار سب کچھ بھلا کے اپنا دل صاف کرلیا تھا کیونکہ میں خود بھی ایک بیٹی کی ماں ہوں دینا کا دکھ سمجھتی ہوں...... میری بچی کوئی کھلونا نہیں ہے کہ وہ جب چاہیں گی رشتہ جوڑیں گی اور جب چاہیں گی توڑیں گی...... وہ پچھلے تین سالوں سے اپنے دل میں میرے بچوں کے لیے نفرت پالے بیٹھی ہیں اب اور برداشت نہیں کروں گی میں...... آپ اپنے بھائی سے کہہ دیں کے ہماری طرف سے رشتہ ختم......‘‘ سپاٹ لہجے میں اُنہوں نے اپنی بات مکمل کی۔

☆☆☆......☆☆☆

رات دس بجے عام طور پہ ساحل پہ لوگوں کا رش کم ہوجاتا ہے وہ دونوں پتھروں پہ آکر بیٹھ گئے ساحل سے ذرا دور جگہ پہ جہاں لوگوں کا ہجوم کم تھا۔

’’میں کبھی نہیں چاہتا تھا کہ تمہاری شادی عمار سے ہو۔‘‘ یوشع نے مدھم آواز میں سمندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

’’میں بھی۔‘‘ زیبائش نے بھی اُسی طرح کہا اُس کی نظریں بھی سمندر پہ جمی تھیں۔

’’وہ دونوں کتنے بُرے ہیں...... کتنے مکروہ چہرے ہیں اُن کے...... وہ سامنے کچھ اور ہیں اور پیچھے کچھ اور۔‘‘ زیبائش کو اب تک نورعین کے اُوپر حیرت تھی...... وہ تو ہمیشہ شلوار قمیص میں ملبوس معصوم سی دکھائی دیتی تھی...... یہ اچانک کیسی ہوگئی...... وہ اب تک شاک میں تھی۔

’’وہ ایسے ہی تھے ہمیشہ سے...... خودغرض...... دوسروں کی زندگیوں کو جہنم بنا کر اپنی زیست میں مطمئن رہنے والے۔‘‘ یوشع نے سپاٹ انداز میں کہا۔

’’میں نور کو لے کر اب تک حیران ہوں...... کیا تابندہ خالہ

کو پتہ ہے نور کیسی ہے؟" زیبائش کو اچانک خیال آیا۔ نور عین اس کی سگی خالہ زاد تھی۔
"پھوپو سب کچھ جانتی ہیں...... وہ بھی جو تم میں سے کوئی نہیں جانتا۔" یوشع کے کہنے پہ وہ صدمے سے حیران رہ گئی۔ کافی دیر تک پھر سے خاموشی کا ایک لمبا وقفہ درمیان میں رہا۔
"عفت آپی بتا رہی تھیں...... عمار اور نور کے دو بیٹے ہیں۔" یہ بات اُس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہی تھی یہ جان کے وہ سچ مچ خوش ہوئی تھی کچھ عرصے پہلے ہی ایک رشتے دار خاتون نے اِسے اِس خبر سے مطلع کیا تھا۔
"میں بھی یہ ہی سوچ رہا تھا اگر میں نے بھی صحیح وقت پہ رُخصتی لی ہوتی تو...... آج میں بھی صاحب اولاد ہوتا۔" یوشع نے بہت ہی نارمل طریقے سے ایسے کہا جیسے کسی اور کے متعلق بات اِس سے شیئر کر رہا ہو اور زیبائش کی آنکھیں پھٹ گئیں اُس نے گھوم کر اُس کی طرف دیکھا تو وہ اِسے ہی دیکھتا مسکرا رہا تھا۔ وہ شرما گئی...... یوشع ایسی باتیں اِس سے کبھی نہیں کرتا تھا کہ شادی کے بعد بھی نہیں...... مگر آج...... آج وہ کر رہا تھا کیونکہ آج وہ خوش تھا...... اُسے اطمینان ہو گیا تھا کہ بھلے قدرت نے اُنہیں بہت ہی عجیب حالات میں ایک دوسرے کا بنایا...... مگر وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش ہیں اور یہ بھی سچ تھا کہ وہ عمار اور نور عین کو دیکھنا چاہتا تھا کہ اِن سب کے زندگیوں سے کھیلنے کے بعد اُن کے دلوں کو ملامت یا پچھتاوہ ہے یا نہیں اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ کو کتنا ڈیزرو کرتے تھے اُنہیں یہ دکھانا چاہتا تھا کہ وہ اور زیبا ایک ساتھ کتنے خوش ہیں...... اور اُس کا تیر بالکل صحیح نشانے پہ لگا تھا۔
"میں سوچ رہا ہوں اسی مہینے رُخصتی لے لوں۔" یوشع نے پھر سے مدھم آواز مگر مسرور لہجے میں کہتے ہوئے اُس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور زیبائش نے خاموشی سے سر اُس کے کندھے پہ رکھ دیا' ہلکی سی مسکان اُس کے لبوں پہ آ ٹھہری تھی' ایک سکون سا دل کے نہاں خانوں میں اُترا تھا۔ تین سال بعد اُسے وہ پرانا یوشع مل گیا تھا جو کہیں گم ہو گیا تھا' لیکن اب اُس نے خود سے عہد کر لیا تھا کہ وہ اِسے کبھی گم نہیں ہونے دے گی۔ وہ ہمیشہ ہی بخوشی اِس کے کیے فیصلوں پہ سر جھکائے گی۔
"مجھے چائے دے دینا۔" گھر پہنچتے ہی گاڑی پورچ میں کھڑی کرتے ہوئے اُس نے زیبائش کو کہا اور خود اپنے کمرے میں آ گیا اور محض پندرہ منٹ بعد ہی زیبائش اِسے چائے دے گئی تھی۔ وہ بستر پہ نیم دراز چائے پی رہا تھا اور موبائل پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔
"تھینکس سویرا فار یور فیور......" ٹیکسٹ لکھ کے اُس نے سویرا کو سینڈ کیا۔ چند لمحے بعد ہی جواب موصول ہوا۔
"نو نیڈ ڈیئر......" پڑھ کے یوشع کے چہرے پہ مسکراہٹ آئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

یوشع اور زیبائش دونوں اپنے گھر کے بڑے بچے تھے...... اِن دونوں نے بچپن ایک ساتھ ایک جیسا گزارا تھا۔ وہ دونوں سب کے لاڈلے سب کے چہیتے تھے اور دونوں کے ہی اذہان میں ایک بات بٹھا دی گئی تھی کہ وہ دونوں گھر کے بڑے ہیں اور سب کو اُن سے بہت محبت بھی ہے اور بہت امیدیں بھی اور بڑوں پہ چھوٹوں کی ذمہ داری ہوتی ہے...... خاص کر یوشع کو ہر ایک نے سمجھایا تھا۔
"یوش...... ایک بات یاد رکھنا بیٹا...... زیبو بہت چھوٹی ہے...... وہ تم سے تین سال چھوٹی ہے اُس کا کوئی بہن بھائی نہیں ہے...... نا ماں باپ ہیں...... وہ اکیلی ہے بیٹا...... تم اُس کے کزن' دوست' بھائی سب ہو...... تم ہمیشہ اُس کا خیال رکھنا...... اُسے پریشان مت ہونے دینا اُس کے کام کرنا...... مشکل وقت میں اُس کا ساتھ دینا...... اُس کی حفاظت کرنا اُسے کوئی تکلیف مت پہنچنے دینا اُس کا کوئی دوست نہیں ہے صرف تم ہو۔" وہ محض چھ سال کا بچہ تھا یہ جملے اُسے تب سے حفظ کروا دیے گئے تھے۔ پاپا' مما' چاچا' چاچیاں سب ہی اُسے ہر وقت یہ سمجھاتے رہتے تھے اور وہ سب اُس زیبائش بلاتے تھے اِس سے سخت چڑتا تھا وجہ اُس کا ہر وقت کا رونا وہ گولڈن براؤن بالوں اور سرمئی آنکھوں والی بچی جب سے اِس کے گھر آئی تھی ہر وقت بس روتی رہتی تھی...... وہ اِس سے بہت چڑتا تھا اور سب اِسے سمجھاتے تھے۔ لیکن پھر مہناز چاچی نے اِسے سمجھایا کہ وہ اکیلی ہے اُس کے پاس مما بابا بھی نہیں ہیں...... اسی لیے وہ روتی ہے اِس کے مما بابا کے نہ ہونے کا سن کے اِسے بہت دکھ ہوا وہ بہت رویا بھی پھر اِس سے چڑنا چھوڑ دیا اُس سے دوستی ہو گئی...... وہ اِس سے تین سال چھوٹی تھی وہ اپنی مرضی کے بچوں والے گیمز کھیلتی جو اِسے بالکل پسند نہیں تھے مگر اِس کی وجہ سے تو وہ کھیلتا تھا۔
زیبائش نے بھی ہمیشہ اپنے اردگرد ایک ہی انسان کو دیکھا

وہ یوشع جعفری تھا۔ وہ پہلے اِس سے لڑتا تھا مگر بعد میں وہ اِس کا دوست بن گیا وہ اپنے حصے کی ٹافیاں چاکلیٹ اور اپنے کھلونے بھی اِسے دے دیتا تھا۔ اِسے مہناز پھوپو نے کہا تھا یوشع تمہارا کزن ہے دوست ہے بھائی ہے ہمیشہ اُس پہ اعتبار کرنا وہ تم سے بڑا ہے جو کہے ماننا...... وہ یوشع کی ہر بات ماننے لگی وہ جو کہتا وہ کرتی...... وہ صرف اُسی کے ساتھ کھیلتی تھی' وہ اسکول میں بھی اِس کے ساتھ رہتا اپنے ساتھ لنچ کرواتا۔ بڑے ہونے کے بعد بھی...... وہ ہر طرح سے اِس کا خیال رکھتا تھا۔ وہ زیبو کو کبھی روتے نہیں دیکھ سکتا تھا اُن دونوں کو ایک دوسرے کی عادت ہوگئی تھی۔

جب زیبائش میٹرک میں تھی تب تک وہ اسکول سے فارغ ہوچکا تھا زیبائش ایک دن اِس کے پاس آئی تو وہ بہت پریشان اور روئی روئی سی لگ رہی تھی اِس نے پوچھا تو وہ روتے ہوئے کہنے لگی۔

''ایک نیو ایڈمیشن لڑکا مجھے بہت تنگ کرتا ہے...... میں نے مس سے کمپلین کی ہے مگر وہ باز نہیں آتا۔'' کہہ کر وہ رُکی تھی۔

''نام کیا ہے اُس کا؟'' یوشع نے سپاٹ تاثرات سے پوچھا تھا۔

''امین...... امین سرحدی۔'' زیبائش نے ڈرتے ہوئے جواب دیا پھر ذرا توقف سے بولی۔

''آپ پرنسپل سے اُس کی شکایت کردیں۔''

''تم پریشان مت ہو...... کل اسکول مت جانا میں خود بات کرلوں گا...... اور ہاں کوئی اور مسئلہ تو نہیں ہے ناں۔'' یوشع نے نارمل انداز میں پوچھا تھا۔

''نہیں۔'' اُس نے پُرسکون ہوتے ہوئے کہا تھا دوسرے دن یوشع نے اسکول پہنچ کر اُس لڑکے کو انٹرویل کے وقت دریافت کرلیا وہ اپنے بہت خاص دوستوں کے ساتھ اُس کے پاس گیا تھا اُن سب نے مل کر اُس لڑکے کو بہت ''آرام'' سے سمجھایا تھا کہ ''میری کزن سے دور رہنا۔''

اور اگلے دن جب زیبائش اسکول گئی تو وہ لڑکا اِس کے پاس آیا اِس سے سوری بھی کی اور وعدہ بھی کہ آئندہ تنگ نہیں کرے گا وہ حیران بھی ہوئی اور خوش بھی اُس نے ہر ڈر اپنے اندر سے ختم کرلیا تھا۔ جب وہ تھا تو ڈر کیسا؟

زیبائش کے لیے کالج بھی اِسی نے منتخب کیا تھا اور سبجیکٹ بھی...... جہاں اِس کے دوستوں کی بہنیں وغیرہ پڑھتی تھیں وہ بہت خوب صورت اور معصوم تھی اِسی لیے اُس نے ایسی جگہوں کا انتخاب کیا جہاں وہ بالکل محفوظ رہ سکے جانے کیوں اب وہ اِس کی طرف سے بہت غیر محفوظ سا ہوگیا تھا وہ روز خود صبح اِسے اپنے ساتھ کالج لے کر جاتا تھا باقی بچوں کو ڈرائیور یا کوئی بھی بڑا لے جاتا مگر زیبائش کو وہ خود لے کے جاتا اور لاتا تھا۔ کالج میں بھی اجنبیوں سے بات چیت سے یوشع نے منع کیا تھا سو وہ نہیں کرتی تھی...... حتیٰ کہ یوشع کے اپنے کزنز اُس کی خالہ اور ماموں کے بچے بھی آجائیں تو بھی وہ زیادہ اُن سے بات چیت نہیں کرنے دیتا تھا۔ کالج کے بعد اِس نے زیبو کا ایڈمیشن اپنی ہی یونیورسٹی میں اپنے ہی ڈیپارٹمنٹ میں کروایا تھا وہ دونوں اب بھی ساتھ آتے جاتے تھے۔ انہیں ساتھ دیکھ کر کچھ دوستوں نے اسکینڈل بھی بنایا تھا۔ لیکن اس نے دوستوں اور واقف کاروں کو سمجھا دیا تھا کہ ''زیبا میری کزن ہے' میری پھوپی کی بیٹی ہے' میرے گھر میں رہتی ہے اور میری ذمہ داری ہے۔'' زیبو کے یہاں آنے کے بعد وہ کافی پُرسکون ہوگیا تھا مگر زیبائش پریشان ہوگئی تھی جس کی پہلی وجہ کلاس میں ہونے والی باتیں تھیں کہ وہ اور یوشع ایک دوسرے میں انوالوڈ ہیں حالانکہ یوشع کی وضاحت کے بعد یہ سب ذرا کم ہوگیا تھا مگر پھر بھی اور دوسری وجہ عمار ہمدانی وہ یوشع کے سگے ماموں کا بیٹا تھا۔ وہ کبھی کبھی اِن کے گھر آتا تھا وہ بہت خوب صورت اور دلکش شخصیت کا مالک تھا مگر زیبائش ہمیشہ اِس سے گھبراتی تھی وجہ اُس کی بے باک نظریں تھیں جن سے اِسے شدید وحشت ہوتی تھی وہ یوشع سے اِس بارے میں بات کرتے ہوئے بھی کتراتی تھی کہ وہ اُس کا کزن ہے اسی لیے وہ خود ہی اِس کا کم سے کم سامنا کرتی تھی لیکن یونیورسٹی میں وہ میڈیکل ڈیپارٹمنٹ میں تھا جو اِن کے ڈیپارٹ کے برابر میں تھا لہٰذا آئے دن یوشع کے بہانے وہ آجاتا تھا حالانکہ یوشع کی اُس سے کوئی خاص دوستی نہیں تھی......

یوشع فطری طور پہ ویسے بھی کم گو تھا اُس کے دوست بھی بہت کم تھے اور کزنز وغیرہ سے بھی تعلقات رکھی تھے...... یہ بات یوشع بھی نوٹ کرتا تھا کہ عمار زیبائش کو کن نظروں سے دیکھتا ہے...... لیکن جانے کیوں اُسے اِس بات پہ اعتبار تھا کہ عمار کبھی دھوکا نہیں دے گا اور زیبو خود ہی اس سے اجتناب برتتی ہے یہ بات اِسے اور مطمئن کردیتی تھی۔ لیکن زندگی میں ہر چیز عارضی ہوتی ہے چاہے وہ سکون ہی کیوں نہ ہو۔

زیبائش کا سکینڈ ائیر تھا۔ جب عمار کے گھر والے یعنی فائقہ بیگم کے بھائی بھاوج اِسے عمار کے لیے مانگنے آگئے اور حیرت اُسے اِس بات پہ ہوئی کہ اُس سے پوچھے بغیر ہی اِس رشتے کے لیے ہامی بھر لی گئی..... مگر اِس سے بھی زیادہ حیرت اِسے یوشع پہ ہوئی کہ وہ اِس کا رشتہ ہوجانے پہ خاموش ہے..... وہ تو اُس کی ذمہ داری تھی وہ چپ کیوں ہے..... وہ جانتا بھی ہے کہ عمار اُسے نہیں پسند مگر پھر بھی چپ ہے وہ بار بار سوچتی اور سوچ سوچ کے ہاری آخر میں اُس نے ہار مانتے ہوئے فیصلہ کرلیا سر جھکانے کا فیصلہ اُس نے بڑوں کی مرضی ومنشاء کے آگے سر جھکادیا..... مگر اِس دفعہ وہ سر جھکا کے خوش نہیں تھی۔

اور خوش تو یوشع بھی نہیں تھا..... اُسے یقین تک نہیں آیا کہ بچپن سے جو گھر والے اُسے یہ بتاتے رہے کہ زیبا اُس کی ذمہ داری ہے اور آج اِسے بتائے بغیر ہی اُسے کسی اور کو سونپ دینے کا فیصلہ کردیا..... وہ عمار کو کبھی زیبا کے لیے مناسب نہیں سمجھتا تھا..... عمار کیا وہ کسی کو بھی زیبا کے لیے مناسب نہیں سمجھتا۔ زیبا ئش اور عمار کے رشتے کے بعد عمار کی نظروں کے ساتھ ساتھ قدم بھی آزاد ہوگئے تھے..... وہ زیبائش کو زبردستی اپنے ساتھ لنچ کروانے لے جاتا یوشع روکنا چاہتا مگر..... اب اُس کے پاس حق ہی نہیں رہا تھا اور زیبائش یوشع کے انتظار میں رہتی کے وہ منع کردے..... مگر یوشع کی خاموشی نے اُسے بہت دکھی کیا تھا..... وہ عمار کے ساتھ چلی تو جاتی مگر بے دلی سے..... اُس کے فائنل ٹرمز سر پہ آگئے تھے تب ہی اُن دِنوں ایک عجیب سی بات ہوئی تھی عمار نے اُس کے پیچھے بھاگنا اچانک بند کردیا تھا یہ بات اِس کے لیے باعثِ مسرت تھی..... مگر اب وہ یوشع سے بھی دور ہوگئی تھی..... لیکن اب ایگزامز میں یہ بات پریشانی بن سکتی تھی..... کیونکہ اس کی نوے فیصد تیاری تو یوشع ہی کرواتا تھا۔

"پرسوں سے تمہارے پیپرز ہیں..... ایڈمٹ کارڈ....." وہ کلاس سے نکل رہی تھی تب ہی اس نے پوچھا۔

"اب تک اپنی ذمہ داری نبھاتا ہے۔" زیبائش بس دل میں سوچ کے رہ گئی..... وہ سمجھ گئی تھی کہ یوشع اِس سے ناراض ہے اور وہ سچ مچ اِس سے ناراض تھا بہت ناراض..... لیکن وہ اِسے چھوڑ نہیں سکتا تھا..... اِسی لیے خود ہی آگیا۔

"کل شرافت سے شام کو نوٹس لے کر آجانا۔ کوئی بہانہ نہیں چاہیے مجھے۔" اُس نے وہی پرانے انداز میں حکم صادر کیا اور بہت عرصے بعد ایسا ہوا تھا۔ وہ انکار نہیں کرپائی اور حسبِ عادت سر جھکا گئی تھی۔

"اور ہاں کلاس ختم ہوگی تو خاموشی سے گھر میرے ساتھ چلنا۔" وہ کہہ کر مسکراتا ہوا چلا گیا..... وہ اُسے جاتا دیکھتی رہی چاہے کچھ بھی ہوجائے پھوپو سچ کہتی ہیں ایک یہ ہی تو ہے اپنا وہ سوچتی رہ گی۔

ایگزمز کے بعد ہی گھر میں نیا ہنگامہ شروع ہوگیا..... عمار کے والدین آئے اور شادی کی تاریخ طے کر کے چلے گئے بقول اُن کے عمار کو کچھ عرصے کے لیے امریکہ جانا ہے تو نکاح جلدی کرلیں اسی لیے شادی سے ایک ماہ پہلے نکاح رکھا گیا زیبائش کو اب عجیب سی وحشتوں نے آن گھیرا تھا۔

وہ دن اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ مسکن پہ اُترا تھا..... مغرب کے بعد نکاح تھا..... پروگرام باغیچے میں رکھا گیا تھا صرف رشتے داروں کو ہی مدعو کیا گیا تھا..... نکاح کے سارے انتظامات یوشع نے خود کروائے تھے۔ وہ صبح سے ہی انجانے وسوسوں میں مبتلا تھی۔ عمار کے مام ڈیڈ کو دوپہر میں اِن کے گھر آنا تھا نکاح کا جوڑا لے کے..... پچھلے ہفتے سے اُس کی ملاقات یوشع سے بھی نہیں ہوئی تھی وہ بھی کمرے سے بلاضرورت باہر نہیں آرہی تھی اور یوشع بھی اُس کے سامنے نہیں آرہا تھا..... وہ دل سے خوش بھی نہیں تھی اُسے اپنے مماباباکی بار بار یاد آرہی تھی مگر وہ خود کو مضبوط ثابت کرنے پہ تلی تھی ہاں عائشہ چچی کو جب خود پہ اختیار نہ رہا تو وہ بھی اُن کے گلے لگ کے رو پڑی وہ سب دوپہر سے عمار کے والدین کے انتظار میں تھے لیکن وہ لوگ نہیں آئے اُنہیں لگا کے شاید تھوڑی دیر سے آئیں آخر کو شادی والا گھر تھا..... یوشع نے بھی تمام انتظامات سہ پہر تک مکمل کروالیے تھے..... شام تک جب اُن کی طرف سے کوئی نہیں آیا تو یوسف جعفری نے وہاں فون کیا لیکن کوئی جواب نہ پا کر اُن سب کی تشویش بڑھ گئی تھی کیونکہ گھر کا ایک فرد بھی فون ریسیو نہیں کررہا تھا..... تب یعقوب جعفری کے کہنے پہ یوشع اور یوسف جعفری نے اُن کے گھر جانے کا ارادہ کیا جیسے ہی دروازے سے اُن کی گاڑی اندر داخل ہوئی تھی..... وہ لوگ لان میں ہی کھڑے تھے..... جب ہی انصر ماموں اور سیمی ممانی ان کی طرف آئے دونوں کے چہرے لٹکے ہوئے تھے..... وہ خالی ہاتھ تھے..... اُنہیں دیکھ کے سب ہی گھبرا گئے تھے تھوڑی دیر بعد وجہ بھی سامنے آگئی تھی..... ماموں ممانی بہت شرمندہ سے تھے ممانی رو رہی تھیں اور اپنے بیٹے کی وجہ سے ہاتھ جوڑ کے

مہناز کے سامنے معافیاں مانگ رہیں تھیں اور وہاں موجود تمام افراد ساکت مجسموں میں ڈھل سے گئے تھے...... یوشع انتہائی لاپروائی سے کھڑا تھا جیسے وہ پہلے ہی اِس سب کے لیے تیار ہو۔
عمار نے شادی سے انکار کر دیا تھا...... انکار اُس نے بہت ہی پہلے کر دیا تھا لیکن اُس کے والدین نے زبردستی اُس کو مجبور کر کے شادی کی تاریخ رکھ لی تھی لیکن عین وقت پہ وہ امریکہ چلا گیا تھا اور وجہ اُس نے یہ دی تھی کہ اُس میں اور زیبو میں بہت فرق تھا اُن کے خیالات نہیں ملتے تھے' اُس نے جذبات میں آ کر بہت جلدی فیصلہ کر لیا تھا اور سب سے بڑھ کے زیبو اُسے پسند نہیں کرتی بلکہ اُس کے دل میں یوشع ہے۔
یہ آخری بات وہ تھی جس نے خاموشی سے سب کچھ برداشت کرتے یوشع کو مشتعل کر دیا تھا...... وہ بُری طرح چڑا تھا۔
''ماموں اپنے بیٹے سے کہیے کہ زیبا کا نام بھی غلط معنوں میں زبان پہ نہیں لائے...... وہ خود ایک اِنتہائی گراہوا گھٹیا اِنسان ہے اور ہمارے گھر کی لڑکی پہ اُنگلی اُٹھا رہا ہے کیا آپ اُس کی کوئی حرکت نہیں جانتے وہ جیسا ہے اُسے زیبا کیا دنیا کی کوئی لڑکی پسند نہیں کرے گی۔'' یوشع نے نہایت سخت لہجے میں کہا تھا...... کفل اور تہامی نے اُسے روکنے کی کوشش کی تھی۔
''انصر صاحب آپ کا بیٹا شادی توڑ کر گیا ہے۔ اِس قسم کے گھٹیا الزامات ہمارے بچوں پہ نہ لگائیں ہمیں اُن کے کردار پہ پورا اعتبار ہے۔'' پہلی بار خاموش کھڑے یعقوب جعفری نے کہا تھا۔
''آپ لوگ ہمیں کچھ بھی کہنے سے پہلے اپنے بچوں سے پوچھیں...... اِن کے متعلق تو یہ بات آپ کے تمام سوشل سرکل میں مشہور ہے اور یونیورسٹی میں بھی اُس دن بھی آپ کا بیٹا زیبائش کو پارٹی سے ہاتھ پکڑ کر لے آیا تھا اور زیبائش اُس کے سر پہ بھی ہر وقت یوشع کا بھوت سوار رہتا ہے......''
''بس کیجیے انصر صاحب۔'' وہ نہ جانے اور کیا کچھ بولنے والے تھے جب یحییٰ جعفری نے درمیان میں مداخلت کی۔
''آپ لوگ اپنے بیٹے کی غلطیوں کو چھپانے کے لیے ہمارے بچوں پہ الزام مت لگائیں۔''
''اُس نے میری پاک دامن بچی پہ بہتان لگایا ہے اللہ اُسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔'' بہت ہی کرب سے مہناز نے روتے ہوئے کہا تھا اُن کی طبیعت یہ سنتے ہی خراب ہوگئی تھی۔
فائقہ بیگم بے حد مضطرب سی کھڑی تھیں بھائی کے گھر سے اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رشتہ ٹوٹ گیا تھا۔
''ایک بات اور ماموں عمار سے کہیے گا اب جس لڑکی کا ہاتھ تھامنے وہ جا رہا ہے وہ اُسے ڈیزرو کرتا ہے۔'' یہ ایک انتہائی عجیب سی بات یوشع نے کہی تھی جس پہ سب نے چونک کر اُسے دیکھا تھا اور مہناز کے ساتھ کھڑی نورعین نے بمشکل تھوک نگلا تھا۔
زیبائش کمرے میں تھی عائشہ چچی اور دینا' پیکر' فیہا بھی اِس کے پاس تھیں' اُسے باہر کے اِس سرگوشیوں والے ماحول سے بڑی وحشت سی ہو رہی تھی اور باہر یوشع کے سامنے فائقہ بیگم کھڑی اِستفسار کر رہی تھیں اُن کے جانے کے بعد تابندہ پھوپو نے اپنا منہ کھولا تھا جس میں اپنی سگی بھانجی اور بھتیجے کی ذات پہ الزامات کی فہرست تھی اور نورعین صاحبہ شرافت کا مجسمہ بنے ماں کے سوال کرنے پہ زیبا کے متعلق بکواس کر رہی تھی کہ ''زیبا بھی ہر وقت یوشع کے ساتھ رہتی ہے وہ واقعی اِنہیں چھوڑنا نہیں چاہتی وغیرہ۔'' یوشع اِس صورت حال کے لیے ہرگز تیار نہیں تھا۔ وہ حیرت سے تکے جا رہا تھا اِسے اب کچھ عرصے قبل زیبا کا گریز سمجھ آیا تھا۔ وہ مسلسل خود سے زیادہ زیبا کا دفاع کر رہا تھا' اس کا دل چاہا کہ نورعین کی حقیقت بھی سب کے سامنے عیاں کر دے لیکن پھوپو اور خاندان والوں کا سوچ کے خاموش رہا اور فائقہ بیگم اب جلتی پہ تیل کا کام کر رہیں تھیں حالانکہ کسی نے بھی اُس سے کوئی شکوہ نہیں کیا تھا سب کو اُس پہ اِعتبار تھا مگر اُس نے اچانک ہی ایک ایسا فیصلہ کیا جس نے سب کی نظروں میں اُس کے لیے شک پیدا کر دیا تھا اور مخالفوں کے الزامات کو یقین کی مہر لگا دی۔
''میں زیبا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' یوشع نے اِس طرح سہولت سے کہا جیسے کوئی بہت ہی عام بات ہو اور چند ساعتوں کے لیے وہاں موجود لوگوں کا سانس گھٹ گیا...... سناٹا سا چھا گیا تھا۔
یوشع نے یہ سب محض ضد میں کیا تھا...... وہ زیبا کے کردار کو اپنے حوالے سے کبھی مشکوک نہیں بننے دیتا...... لیکن تابندہ پھوپو کے الزامات اور نورعین کی بکواس نے اُسے ضد دلا دی تھی۔ اُسے اِس قدر شدید غصہ نورعین پہ تھا کہ دل چاہتا اُسے جان سے مار دے مگر اُس نے اُس کے لیے اُس سے بھی بہتر سزا مقرر کی بے عزتی کی...... جو اُس کی وجہ سے میری زیبا کے

ساتھ ہوا ہے اُسے ادا بھی وہ کرے گی...... وہ سوچتا رہا۔ آج ان کے دو خاندان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تعلقات ختم ہو چکے تھے۔ تابندہ جعفری چلی گئیں تھیں...... لیکن ساتھ ساتھ ایک اور رسوائی ان کے حصے میں آ گئی تھی شاہ میر نے دینا کے ساتھ رشتہ ختم کر دیا تھا۔ اور یہ وہ بات تھی جس نے یوشع کے قدموں تلے زمین نکال دی تھی۔

اور اندر موجود زیبائش ہر بات سے بے خبر فائقہ ممانی کے لائے ہوئے لباس میں بہنوں کے درمیان بیٹھی بیوٹیشن سے تیار ہو رہی تھی...... دینا اپنے آنسوؤں کو چھپائے اُس کے ساتھ تھی۔ سب کچھ نارمل تھا مگر نہ جانے کیوں اِسے سب کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ سب کے لبوں پہ دھیمی مسکراہٹیں تھیں مگر آنکھوں میں نمی تھی اور ہر طرف لوگوں کی موجودگی میں بھی ایک خاموشی محسوس ہو رہی تھی۔ اُس نے بارہا تابندہ خالہ کا پوچھا تھا...... خالہ ماں کا پرتو ہوتی ہے لیکن...... وہ نہ آئیں اُسے کچھ سمجھ نہیں آیا...... لیکن جو سمجھ آیا وہ گنگ کرنے کے لیے کافی تھا...... وہ نہ جانے کتنی دیر تک پھٹی آنکھوں سے مولوی کو دیکھتی رہی جو سرخ باریک ڈوپٹے سے جھلکتے اِس کے چہرے کے ردِ عمل پہ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اُس کا دھیان مہناز کی آواز پہ ٹوٹا۔ اُس نے مہناز کی طرف دیکھا۔

"یہ یوشع کا فیصلہ ہے۔" یحییٰ جعفری نے اُس کی نظروں کا مفہوم جانتے ہوئے دھیرے سے کہا اور وہ ہمیشہ یوشع کا فیصلہ تو مانتی تھی سو مان گئی۔

نکاح ہو گیا اُس کا نام یوشع کے ساتھ جڑ گیا تھا۔

یہ وہ بات تھی جس کی اِس نے شدت سے خواہش کی تھی...... لیکن ابھی وہ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی اُسے خوش ہونا چاہیے یا دکھی۔

☆☆☆......☆☆☆

وہ ایک سنہری صبح تھی...... کفل بلیک اور گرے کلر کے ٹریک سوٹ میں ملبوس پارک میں واک کر رہا تھا۔ تب ہی پارک کا سکیورٹی گارڈ اُس کی طرف آیا۔

"سر...... یہ آپ کے لیے۔" اُس نے کسی معمول کی طرح پھول اور کارڈ اِسے دیئے۔ سترہ کنول کے گلابی پھولوں کو باسکٹ میں ترتیب سے سجایا گیا تھا اور ہلکے فیروزی کارڈ پہ گلابی کنول کے دو پھول بنے ہوئے تھے اور اندر سیاہ روشنائی سے خوب صورت سا شعر لکھا ہوا تھا۔

"کفل یہ سب کب تک چلتا رہے گا۔" تہامی نے سنجیدگی سے روزانہ کا سوال دہرایا۔

"ساری زندگی۔" کفل نے کھوئے ہوئے سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"آٹھ سال ہو گئے ہیں اب تم نے اُس لڑکی کو ڈھونڈنا بھی چھوڑ دیا ہے...... پچیس سال کے ہو گئے ہو تم اور اب...... چاچی اُٹھتے بیٹھتے یاد دلا رہی ہیں کہ تمہاری شادی ہو جانی چاہیے اور تم اِس چیز کو لے کر سریس نہیں ہوتے۔" تہامی نے پھر اسے احساس دلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے شادی اِسی سے کرنی ہے میں نے کہا ناں اب میں اِسے نہیں ڈھونڈ رہا وہ خود سامنے آئے گی اور مما کی پروہ مت کرو وہ بس مجھے ڈرانے کے لیے کہتی ہیں۔" کفل نے سنجیدگی سے کہا۔

"اور اگر وہ خود سامنے نہ آئی تو۔" تہامی نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"اُسے سامنے لانا میرے دائیں ہاتھ کا کھیل ہے...... میں چاہتا ہوں وہ خود سامنے آئے...... لیکن وہ بہت ضدی ہے اگر خود نہیں آئی تو میرے پاس آخری آپشن ہے اُسے خود سامنے لانے کا۔" وہ جیسے ساری پلاننگ کیے بیٹھا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

مسکن میں صبح کا رنگ رات کے بالکل برعکس اُترا تھا...... ایک عجیب خوشی قہقہوں کا ماحول گھر میں رقصاں تھا...... یوشع نے صبح یعقوب جعفری اور فائقہ بیگم سے کہا تھا کہ وہ جا کر چاچی چاچو سے رخصتی کی بات کر لیں جب یہ بات سب کو پتہ چلی تو سارے گھر میں ایک ہڑبونگ مچ گئی تہامی اور کفل بھائی کو گھیرے مشکوک انداز میں اِس تبدیلی کی وجہ پوچھ رہے تھے جبکہ پیکر دینا کو فون ملائے بیٹھی تھی فیہا بہت زیادہ خوش دکھائی دے رہی تھی لیکن آنکھوں میں عجیب سا حزن چھایا ہوا تھا مہناز اور یحییٰ جو رشتہ توڑنے کا سوچے بیٹھے تھے اِس بات پہ اب تک حیران اور پریشان تھے۔ وہ رخصتی پہ تو تیار تھے مگر اب تہامی اور فیہا کا رشتہ اِن کے لیے ایک ایسا کانٹا بنا ہوا تھا جو نہ وہ نگل پا رہے تھے اور نہ ہی اُگل سکتے تھے...... لیکن ان کا یہ مسئلہ فیہا نے خود ہی حل کر دیا۔

"تائی اماں۔" اُس نے پکارا وہ جو کمرے میں بیٹھی زیورات نکالے بوکھلائی سی تھیں چونک کر اِس کی طرف دیکھا...... یوشع کے اچانک فیصلے نے انہیں بوکھلا دیا تھا وقتی طور

پہ فیہا اور تہامی والا معاملہ بھی بھول گئیں تھیں۔
"کیا ہوا؟" انہوں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
"تائی اماں آپ پریشان مت ہوں..... میری اور تہامی کی شادی نہیں ہوگی۔" وہ کہہ کر رُکی تھی اور فائقہ بیگم نے حیران نظروں سے اُسے دیکھا تھا وہ اِس بات کی اُمید نہیں کر رہی تھیں۔
"آپ کی خواہش کے بغیر میں کبھی تہامی کی زندگی میں شامل نہیں ہوں گی..... آپ جہاں چاہتی ہیں وہاں اُس کی شادی کروادیں۔" فائقہ بیگم حیرت زدہ سی اُسے دیکھ رہی تھیں اور وہ بول کر رُکی نہیں پلٹ گئی فائقہ بیگم کو لگا جیسے فیہا نیند میں ہو لیکن اب وہ جا چکی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

لیونگ روم میں ایک گمبھیر خاموشی چھائی ہوئی تھی..... سربراہی صوفے پہ سر جھکائے یعقوب جعفری اور اُن کے برابر میں یوسف جعفری بیٹھے تھے اُن کی نظریں تہامی پر تھیں جس کی اِن سب کی طرف پشت تھی وہ اِتنا بے نیاز تھا جیسے یہاں موجود ہی نہ ہو اور یحییٰ جعفری سنگل صوفے پہ بیٹھے تھے۔ اُن کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا..... آتش دان کے پاس یوشع سخت تاثرات کے ساتھ کھڑا تھا..... کفل جانے کب سے باہر نکلا ہوا تھا اُس نے کسی کو ایک لفظ نہیں کہا تھا بس خاموشی سے گاڑی کی چابیاں اُٹھائیں اور چلا گیا تھا' زیبائش اور پیکر اُسے فون کر کر کے تھک چکی تھیں۔
"میں معافی مانگتا ہوں تم سے یحییٰ اور یوسف تم سے بھی....." یعقوب جعفری نے دونوں بھائیوں سے دھیمے مگر مضبوط لہجے میں کہا اور یوشع نے کرب سے آنکھیں میچیں تھیں۔
"بھائی پلیز....." یوسف جعفری نے فوراً اُن کے ہاتھ پکڑے۔
"بھائی معافی میں آپ سے مانگتا ہوں..... مہناز کی باتوں اور فیہا کی بے وقوفی کے لیے....." یحییٰ جعفری نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔
"نہیں یحییٰ نہ مہناز نے کچھ غلط کہا اور نہ فیہا نے کچھ غلط کیا' فائقہ سچ مچ بار بار اِس رشتے کو توڑنے پہ بضد تھی تمہیں تو مان ہونا چاہیے اپنی بیٹی پہ اُس نے تو تمہیں تکلیف سے بچالیا ہے۔" یعقوب جعفری نے روندھے ہوئے لہجے میں کہا اور گھور کے سامنے بیٹھی بیوی کو دیکھا جو آج اُنہیں زہر سے بھی زیادہ بری لگ رہی تھیں وہ بھتیجی کی حالت پہ بہت افسردہ ہوئے تھے۔
"مما آپ پریشان مت ہوں..... میں نے آپ کی پاپا کی پریشانی دور کردی اِس دنیا میں مجھے میرے مما بابا سے زیادہ کوئی عزیز نہیں..... تہامی بھی نہیں میں نے اُسے چھوڑ دیا۔" فیہا نے ماں کے گلے لگ کے کہا' وہ فائقہ بیگم کے کمرے سے بے جان بت کی مانند نکلی تھی لیکن ماں کے کمرے میں بجلی کی رفتار سے بھاگتی ہوئی آئی تھی جہاں عائشہ اور زیبائش بھی موجود تھیں اور بلک بلک کے ماں سے کہہ رہی تھی اور اِسے دیکھ کر کمرے میں موجود خواتین جیسے ساکت ہوگئیں تھیں۔
"مما تائی اماں کے سامنے آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے نہ بابا کو..... نہ بھائی کو..... میری وجہ سے کسی کے سامنے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں..... میں نے تائی اماں کو اِنکار کردیا ہے..... میں تہامی سے....." کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کے رودی تھی۔
اُس کے انکشاف پہ گھر میں ایک طوفان برپا ہوگیا تھا اور ابھی یہاں اُسی کی عدالت لگی تھی جس میں فائقہ بیگم بطور مجرم پیش ہوئی تھیں۔
"پتہ ہے مما کل میری ملاقات کس سے ہوئی۔" یوشع جو کب سے ضبط کیے سب کی سن رہا تھا اچانک سے سپاٹ لہجے میں بولا اور سامنے سیٹی پہ بیٹھی فائقہ بیگم کو مخاطب کیا۔
"عمار اور نورعین سے۔" کہہ کر وہ پلٹا تھا' چہرے پہ ہنوز وہی تاثرات تھے۔
"میں کل گیا ہی اِسی لیے تھا میں جانتا تھا وہ ضرور آئیں گے..... آپ نے ہمیشہ مجھے ہی الزام دیا ناں کہ میری وجہ سے آپ اپنے بھائی سے دور ہوگئیں' بابا اپنی بہن سے دور ہوگئے اور دینا کا رشتہ بھی میری وجہ سے ٹوٹا....." کہہ کر وہ چند لمحے رکا پھر گویا ہوا۔
"پتہ ہے مما وہ جو بھی الزامات اُس وقت اُس نے زیبا اور مجھ پہ عائد کیے تھے' سچ تھے یہ سچ تھا مما نہ زیبا عمار کو پسند کرتی تھی نہ میں نورعین کو ہم نے صرف اپنے بڑوں کے فیصلے پہ سر جھکایا تھا اور یہ میری سب سے بڑی غلطی تھی مجھے بھی آپ لوگوں کو زیبا کے لیے عمار کو منتخب کرنے ہی نہیں دینا چاہیے تھا۔ ہاں میں چڑتا تھا اِس رشتے سے میں سچ مچ زیبا کے لیے عمار کو بہتر نہیں سمجھتا تھا میں واقعی زیبا کو اکیلا نہیں چھوڑتا مما کیونکہ

مجھے عمار پہ اعتبار نہیں تھا آپ کو یاد ہے آپ لوگوں نے زیبا کو عمار کے دوست کی پارٹی میں بھیج دیا تھا اور اُس نے زیبا کو وہاں اپنے آوارہ دوستوں کی محفل میں بٹھا دیا تھا لیکن میں زیبا کو لے آیا تھا ظاہری بات ہے اُس کی اپنے دوستوں میں بے عزتی ہوئی تھی میں اِس رشتے کو اُسی وقت ختم کرواتا لیکن آپ نے بناء پوری بات جانے خود ہی زیبا کو حکم دیا کہ اُسے معاف کردے ایک دفعہ جان تو لیتی کے وہ ناراض کیوں ہوئی تھی نورعین کے معاملے میں، میں آخری وقت تک اِس رشتے کے خلاف تھا لیکن وہاں بھی آپ لوگوں نے زبردستی کی، آپ کو یاد ہے آمنہ اور بسیم کی شادی میں زیبا نہیں گئی تھی ایگزمز کی وجہ سے لیکن میں نے دیکھا تھا مما تب ہی دیکھا تھا کے عمار نورعین کے ساتھ ضرورت سے زیادہ ہی باتیں کررہا تھا اور اس کے بعد بھی مما مجھے اُن دونوں کی خفیہ ملاقاتوں کی اطلاعات ملتی رہیں اور کئی دفعہ میں نے خود دیکھا اُنہیں اور جب میں نے اِس بارے میں نورعین سے پوچھا تو ازلی ڈھٹائی کے ساتھ بولی کے وہ مجھ سے شادی نہیں کرے گی لیکن جب میں نے پھوپو سے استفسار کیا تو پتہ چلا کے وہ بیٹی کے ہر کرم سے باخبر ہیں اور رورو کے مجھے کہنے لگیں کہ اِسے چھوڑ نامت یہ بہت بگڑ گئی ہے تم سے شادی کرکے ٹھیک ہوجائے گی گویا وہ اپنا دردِ سر مجھ پہ لادنا چاہتیں تھیں۔ میں خاموش رہا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اب یہ دونوں رشتے بہت جلد ختم ہوجائیں گے، مجھے حیرانی ہوئی تھی اُس وقت جب ماموں ممانی اچانک تاریخ طے کرگئے تھے لیکن نکاح والے دن ہی مجھے دوپہر میں پتہ چل گیا تھا کہ عمار صاحب امریکہ جاچکے ہیں ہاں جو تماشا اُن لوگوں نے لگایا تھا وہ میرے لیے سچ مچ سرپرائز تھا اگر میں نورعین سے رشتہ نہیں بھی ختم کرتا ناں تو بھی وہ کچھ دنوں میں خود ہی رشتہ توڑ دیتی۔ کل میں اُن لوگوں سے یہ ہی دیکھنے کے لیے ملا تھا کہ کیا میری سوچ ٹھیک تھی؟ کیا واقعی وہ دونوں ایک دوسرے کو ڈیزرو کرتے ہیں؟ اور کیا اُنہیں ذرا بھی ملال ہے اپنے کیے پہ کیسے اُن لوگوں نے اپنی ذات کی وجہ سے دوسروں کی نارمل زندگیوں کو خراب کیا؟'' وہ کہہ کر چند لمحے رکا اور تمام لوگ اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

''آپ کو پتہ ہے مما...... وہ دونوں ایک ساتھ بہت خوش ہیں۔ اُن کے دو بیٹے ہیں وہ بھری محفلوں میں اپنے رشتے کو بہت ہی ظاہر کرتے ہیں جانتی ہیں مما کیوں؟ کیونکہ وہ دونوں ایک جیسے تھے اور ایک دوسرے کو ڈیزرو کرتے تھے آپ کو پتہ ہی ہوگا مما کے ہماری کلاس کے اکثر مرد اپنی سیکریٹریز کو لے کے بیس بائیس دن کے ایک لمبے بزنس ٹور پہ نکل جاتے ہیں ابھی ایک ماہ پہلے ہی عمار بھی ایک ایسی ہی میٹنگ بھگتا کے آرہا ہے۔ آپ جانتی ہیں کہ ہماری کلاس کی کتنی ہی خواتین ایسی ہیں جو سوشل ورک میں اور کیٹی پارٹیز میں اتنی مصروف ہوتی ہیں کہ شام کی نکلی دوسرے دن سحر میں اپنے گھر پہنچتی ہیں وہ نیم برہنہ لباسوں میں خواتین کے ساتھ ہوتی زیادتیوں کے لیے آوازیں اُٹھاتی ہیں، اپنی اولاد سے بھی ایسے والدین کی ملاقات ہفتے میں دو دفعہ ہوتی ہے ایسی ہی زندگی وہ دونوں جی رہے ہیں کل میں دل سے بہت خوش ہوا تھا مما کے میں نے وقت پہ اپنے لیے صحیح فیصلہ کرلیا تھا۔ آپ کو یاد ہے نورعین کی حمایت میں آپ نے مجھے کہا تھا کہ وہ تھوڑی آزاد خیال ہے سو مما وہ آزاد خیال نہیں وہ بے باک خیال ہے عمار کو ایسی ہی عورتیں پسند تھیں وہ زیبا کو بھی ایسی ہی بنانا چاہتا تھا، سچ یہ ہے مما کے وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش نہیں ہیں، وہ ایک دوسرے کو صرف جھیل رہے ہیں، اُنہیں ایک دوسرے سے کوئی غرض نہیں ہے وہ بس دنیا دکھاوا کررہے ہیں بہت خوش ہونے کا۔'' اُس نے اپنی بات ختم کی اور کمرے میں بیٹھے نفوس کو دیکھا وہاں ایسا ماحول تھا جیسے ابھی کوئی طوفان آکر گزر گیا ہو کھڑکی کے پاس کھڑا تہامی بھی اب پلٹ کے بھائی کی طرف متوجہ تھا دروازے کی چوکھٹ پہ کھڑی زیبائش سکتے کے عالم میں یوشع کو دیکھ رہی تھی۔ یوشع نے ایک نظر اُسے دیکھا اور تھم گیا تھا وہاں کئی گلے شکوے نظر آئے تھے۔ وہ پھر سے فائقہ بیگم کی جانب دیکھ کے بولا۔

''مما یہ سب اِنتقام تھا بدلہ تھا۔ عمار نے مجھ سے بدلہ لیا اور اپنی کی گئی بے عزتی کا اور زیبا سے اُسے نظرانداز کرنے کا۔ میں نے بھی بدلہ لیا مما زیبا کو ٹھکرانے کا اُس نے جس کی خاطر زیبا کو ٹھکرایا میں نے زیبا کی خاطر اُسے ٹھکرا دیا اسی لیے شاہ میر نے بھی دینا کو ٹھکرا دیا اور مما اب آپ کفل سے بدلہ لینا چاہتی ہیں فیہا کو ٹھکرا کر۔'' وہ دھیمے لہجے میں اُنہیں اُن کی غلطی بتا رہا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

''بی بی جی آپ کے کزن آئے ہیں۔'' نوکرانی نے ادب سے کہا۔ وہ جو گلے میں سچے موتیوں اور پنا کا جڑاؤں گلوبند سجائے ڈریسنگ ٹیبل کے پاس کھڑی چونک کے پلٹی۔

''میرے کون سے کزن آئے ہیں اور اِس وقت سب

خیرت تو ہے ناں؟'' وہ حیرت زدہ سی پوچھتی گلے سے ہار اُتارنے لگی اور پلنگ پہ پڑا ڈوپٹہ اُٹھا کر شانوں پہ پھیلایا۔

''کفل صاحب آئے ہیں بی بی۔'' نوکرانی نے بتایا اور دینا کو لگا اُس نے شاید غلط سنا ہے تب ہی تصیح چاہی مگر جواب ہنوز وہی تھا اُسے ایسا لگا جیسے اُس نے نیم کے پتے چبا لیے ہوں۔

''چائے ناشتے کا انتظام کرو۔'' نوکرانی کو حکم دے کے وہ ڈرائنگ روم کی جانب بڑھی چہرے پہ انتہائی سخت تاثرات تھے۔ وہ اندر داخل ہوئی تو وہ مرکزی دیوار پہ لگی پینٹنگ کو دیکھ رہا تھا جس میں رومی حکومت کے عدالتی منظر کو پیش کیا گیا تھا۔

''زین گھر پہ نہیں ہیں۔ آنے میں دیر ہوگی تب تک آپ بیٹھیں رضیہ چائے لے کر آتی ہوگی کسی چیز کی ضرورت ہو تو رضیہ کو ہی بتا دیجیے گا۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بنا مروت بول کر پلٹنے لگی' نہ آنے کا مقصد دریافت کیا نا ہی حیرت کا اظہار حالانکہ وہ پہلی بار اس کے گھر آیا تھا۔

''تم خودغرض بھی دینا بالکل تائی اماں کی طرح۔ تم خود پسند اور مغرور بھی تھیں' تمہیں صرف اپنی جیت کی پڑی رہی' تم بھی کسی اور کو خود سے جیتتے نہیں دیکھ سکتی تھی کیونکہ تم نے خود کو فاتح سمجھ لیا تھا جو کبھی مات نہیں کھا سکتی جسے کوئی ٹھکرا نہیں سکتا۔'' کفل نے بے رحمی سے کہا مگر آواز اب بھی دھیمی تھی۔

''مجھے تمہاری اس بکواس میں کوئی دلچسپی نہیں...... ابھی اسی وقت میرے گھر سے نکل جاؤ۔'' اُس نے درشتی سے کہا۔

''میں چلا جاؤں گا مگر جو کہنے آیا ہوں وہ کہہ کر ہی جاؤں گا اب بھی وقت ہے دینا سچ سننا سیکھ لو۔'' کفل نے پُر سکون لہجے میں کہا۔

''تم مجھ سے محبت کرتی تھی دینا میں جانتا تھا۔ لیکن میں نہیں کرتا تھا اور یہ میرا قصور نہیں' تم میری دوست اور کزن تھی لیکن محبت نہیں' میں کیسے تم سے شادی کر لیتا جب تم سے محبت ہی نہیں کرتا تھا تو تمہارے ساتھ خوش کیسے رہ سکتا تھا ہاں میں نے اپنا سوچا لیکن تم...... تم نے بھی تو اپنا ہی سوچا ناں' تم نے سوچا تم مجھ سے محبت کرتی ہو میرا تمہاری خاطر قربانی دینے والا تائی اماں کا فلسفہ درست ہے لیکن اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کے بتاؤ اگر یہی حادثہ تمہارے بجائے کسی اور کے ساتھ پیش آیا ہوتا تو کیا تب بھی تم اتنی ہی سخی ہوتی' اگر یہ تمہارے بجائے پیکر کے ساتھ ہوتا کیا تب بھی تم مجھ پہ زبردستی کرتی کہ میں پیکر سے شادی کر لوں وہ بھی اپنی محبت کو چھوڑ کر۔'' اُس نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ دینا ساکت کھڑی تھی چہرے پہ جو تاثرات موجود تھے اُس میں صرف کرب اذیت اور تکلیف شامل تھی وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ اُسے دیکھ رہی تھی۔

''نہیں تم ایسا نہیں کرتی۔''

''اوہ تو اب تم اپنی صفائی دینے آئے ہو۔'' دینا نے خود پہ قابو پاتے ہوئے چبا چبا کے کہا تو وہ تلخی سے مسکرایا۔

''اگر صفائی دینی ہوتی تو کوئی اور بات کہتا (ذہن میں ماضی کا وہ لمحہ لہرایا تھا جب زین اِس کا ہاتھ مانگا تھا) اپنا 'عیب' تم پہ ظاہر نہ کرتا بلکہ دفاع کرتا دنیا میں سب سے محبت کرو مگر اُس سے زیادہ کرو جس کے دل میں تمہارے لیے محبت ہے اور میں نے وہی کیا لیکن تم یہ نہیں سمجھو گی تم آج تک اپنی اصل اور سچی محبت کو نہیں سمجھ سکی' اپنی خوش بختی کو نہیں سمجھ سکی تو دوسروں کے جذبات کو کیا سمجھو گی۔'' وہ بولا اور دینا کے چہرے پہ مزید تناؤ در آیا وہ کچھ کہنے کے لیے منہ کھول رہی تھی کہ کفل پھر بولا۔

''زین تم سے محبت کرتا تھا۔ وہ تمہیں سچے دل سے چاہتا تھا اُس نے مجھ سے کہا کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر تمہاری شاہ میر سے نسبت سن کر وہ خاموشی سے تمہارے راستے سے ہٹ گیا...... مگر جب شاہ میر نے تمہیں ٹھکرایا تب تمہیں صرف محبت کی ضرورت تھی دینا دوستی یا ہمدردی کی نہیں میرے دل میں تمہارے لیے صرف یہ ہی تھا محبت نہیں۔ اِسی لیے میں نے زین کو بتایا تھا کہ تمہارا رشتہ ٹوٹ گیا'' اب کے وہ دو قدم نزدیک آ کر بولا۔

☆☆☆......☆☆☆

''جانتی ہیں مما' کفل نے دینا کو نہیں ٹھکرایا تھا۔ اُس نے شادی سے انکار اِس لیے کیا تھا کیونکہ زین مجتبیٰ دینا کو پسند کرتا تھا۔ وہ' کفل کا دوست تھا لیکن دینا کی بچپن کی منگنی سن کر خاموش ہو گیا تھا مگر جب اُسے پتہ چلا کہ دینا کی منگنی ختم ہو گئی ہے تو اُس نے فوراً ہی اپنے گھر والوں کو بھیج دیا یہ بات' کفل نے صرف مجھے بتائی تھی...... ہاں یہ سچ ہے وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے اور وہ حالات کے پیش نظر وہ غالباً اپنی محبت قربان کر دیتا اور زین مجتبیٰ نہ ہوتا تو دینا کو کسی اور کی خاطر ٹھکرایا گیا لیکن دنیا میں کوئی ایسا تھا جو اُسے چاہتا تھا اور اِسی لیے' کفل نے میرے ہی کہنے پہ یہ فیصلہ کیا اور کیا مما کسی کی محبت سے زیادہ قیمتی کچھ ہو سکتا تھا اور دیکھیں مما آج آپ کی دینا کتنی خوش ہے۔'' وہ

دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا اور فائقہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور باقی لوگ اب تک حیرت میں ڈوبے اپنے بچوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ ماں کے پاس آ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"مما آپ اپنے غصے اور نفرت میں صرف اور صرف اپنی ہی اولاد کا نقصان کر رہی ہیں' مما ایک بار تو سوچیں آپ نے اب تک جتنے بھی فیصلے کیے کیا وہ صحیح ثابت ہوئے؟ کیا نورعین میرے لیے اچھی بیوی ثابت ہوتی؟ کیا کفل دینا کے لیے اچھا شوہر ثابت ہوتا اور اب آپ خود بتائیں مما کیا پیکر یا دنیا کی کوئی بھی لڑکی تہامی کے لیے صحیح ہے؟ ایک بار اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کے بتائیں..... آپ کو آپ کے بیٹے کی تکلیف کیوں نہیں دکھائی دے رہی' آپ تو ماں ہیں ناں پھر۔" وہ اُن کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھے مدھم آواز میں کہہ رہا تھا اور فائقہ بیگم اب زار و قطار رو رہی تھیں۔ فائقہ بیگم نے شرمندہ نظروں سے بیٹے کو دیکھا اور تہامی بڑے بڑے قدم اٹھاتا کمرے کی چوکھٹ عبور کر گیا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

"تم محبتوں کے لیے بنی تھی دینا مگر تم اپنی سچی محبت کو پہچان نہیں پائیں' تم خود غرض ہو دینا' تم مغرور ہو' جو تم خود نہیں کر سکتی دوسروں سے اُس کی اُمید رکھتی ہو' تمہیں لگا کہ تم مجھے چاہتی ہو تو میرا قربانی دینا جائز ہے..... تم اندھی گونگی بہری ہو دینا۔" اِسے مسلسل کفل کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھی تھی' پورا کمرہ بکھرا ہوا تھا اِس نے سارا غصہ کمرے پہ نکالا تھا ڈریسنگ ٹیبل کا آئینہ بھی کرچیوں کی صورت پیروں میں بکھرا تھا جس کے کچھ ٹکڑے اِس کے پیروں میں چبھ بھی گئے تھے مگر اِسے احساس نہ تھا..... ضمیر کے آئینے میں اپنی شکل اتنی کریہہ نظر آئی تھی کہ وہ برداشت نہیں کر سکی تھی..... اُس نے خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا جب سے کفل گیا تھا وہ یونہی بند تھی اُس کے سارے ملازمین اُس کی حالت پہ گھبرا گئے تھے اور اُنہوں نے زین کو فون کر دیا تھا۔ جب کے وہ کمرے میں بند مسلسل خود احتسابی کے عمل سے گزر رہی تھی۔

"ہاں وہ سچ تو کہہ کر گیا ہے میں ہوں خود غرض میں ہمیشہ سے خود غرض ہی رہی ہوں..... واقعی میں صرف اِس بات پہ افسردہ تھیں کہ شاہ میر نے کسی اور کی خاطر مجھے ٹھکرایا..... واقعی میں صرف اِس لیے کفل سے قربانی چاہتی تھی کیونکہ وہ میری محبت تھا میں سچ مچ کتنی بے حس ہوں خود آج تک اُسے دل سے نہیں نکال سکی کسی اور کی ہو جانے کے باوجود اور اُس سے اُسے مانگ رہی تھی محض اِس لیے کیونکہ وہ مجھے پیارا تھا..... اُس نے سچ کہا تھا اگر یہ سب کسی اور کے ساتھ ہوتا اگر میری جگہ پیکر ہوتی تو میں کبھی اُس کا ساتھ نہیں دیتی میں کفل کا ساتھ دیتی۔" وہ سوچتے ہوئے ہار گئی تھی۔

"میں نے صرف اپنا سوچا..... میں نے اپنی خود غرضی کے آگے اپنے چاہنے والے شوہر کو بھی نہ چھوڑا..... میں نے اُس شخص کی محبت کو بھی نہیں دیکھا اُس کی محبت کا جواب بھی اپنی سنگ دلی اور بیزاری سے دیا ہمیشہ اُسے یہ ہی باور کروایا جیسے میں اُس کی ذات سے' اُس سے اِس رشتے سے بیزار ہوں..... جب کے وہ تو مجھ سے بے غرض محبت کرتا ہے مجھ سے محبت کے بدلے میں محبت بھی نہیں مانگتا..... میں نے آج تک اُسے خود کے نزدیک نہیں آنے دیا اور وہ کتنے صبر سے میرا ساتھ دے رہا ہے اُس نے کتنی سہولت سے مجھے شادی والی رات کہہ دیا تھا کہ جب تک میں نہ چاہوں ہمارے درمیان سوائے دوستی کے کوئی رشتہ نہیں ہوگا اور میں نے اُس سے دوستی بھی نہیں نبھائی پچھلے تین سالوں سے وہ صرف میری سرد مہری برداشت کر رہا ہے کیونکہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے' میری عزت کرتا ہے' ورنہ کوئی اور شخص میرے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرتا لیکن وہ اُس نے تو مجھے اپنے گھر میں ملکہ بنا کر رکھا ہے..... کفل ٹھیک کہتا ہے میں اپنی اصل محبت کو نہیں پہچان سکی..... میں اُسے نہیں پہچان سکیں..... اللہ پاک مجھے معاف کر دے..... میں نے اِتنے لوگوں کے ساتھ زیادتی کی..... اپنے شوہر کے ساتھ زیادتی کی۔" اِس سے آگے وہ کچھ سوچ ہی نہ پائی..... وہ بچوں کی طرح بلک بلک کے رو رہی تھی اِسے لگ رہا تھا جیسے ہر سمت اندھیرا ہو اور وہ کسی تہہ خانے میں قید جہاں سے باہر جانے کا کوئی روزن نہیں..... وہاں حبس اور گھٹن ہے وہاں کوئی نہیں ہے کوئی اپنا نہیں ہے اور اللہ نے دینا کے لیے نجات کا راستہ کھول دیا تھا۔

"دینا دروازہ کھولو۔" باہر زین مجتبیٰ پریشان کھڑا آوازیں لگا رہا تھا۔ اُس نے بھاگتے ہوئے کمرے کا دروازہ کھولا..... سامنے زین مجتبیٰ پریشان سا کھڑا تھا..... اُس کے چہرے پہ فکر اور آنکھوں میں ڈر تھا اور آواز میں گھبراہٹ..... وہ اِس کے لیے پریشان تھا "زین مجتبیٰ تم سے محبت کرتا دینا' وہ تمہارا ہے دینا۔" دور کہیں سے کفل کی آواز گونجی..... وہ کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ سن نہیں سکی وہ سنتی بھی کیسے سامنے وہ کھڑا تھا جو اِس کا تھا وہ برق

رفتاری سے اِس کے سینے سے جالگی...... وہ جو پریشان سا اُس سے پوچھ رہا تھا کہ وہ ٹھیک ہے اچانک چپ ہوگیا چند لمحوں کے لیے وقت ٹھہر سا گیا‘ پیچھے اُس کے سارے ملازمین کھڑے تھے مگر دینا نے اُنہیں دیکھنا چاہا نہ ہی زین نے توجہ دی وہ خود ہی چلے گئے تھے اور زین مجتبیٰ جو اِس کرشمے پہ اب تک سانس روکے ساکت وجامد کھڑا تھا۔ ایک دم سے چونکا اور ہوا میں معلق ہاتھ اُس نے دینا کی پشت پہ رکھ کر بازوؤں کا مضبوط حصار کیا۔ ایک سکون سا دل میں اُترا تھا گویا وہ اپنی محبت جیت گیا تھا اُس کی محبت‘ اُس کی محبت سے آشنا ہوگئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

زندگی کو جامد رہنے کا فن نہیں آتا وہ چاہے کتنے ہی بڑے طوفان جھیلے مگر پھر سے رواں ہوجاتی ہے یہ ہی مسکن میں بھی ہوا تھا شادی کے ہنگامے یک دم سے عود آئے تھے...... یوشع کے دل میں جانے کیا سمائی اگلے مہینے کے شروع کی تاریخیں ہی دے ڈالیں سارا گھر تیاری میں اُلجھ گیا...... یوشع صاحب سب کو کام پہ لگا کر خود ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد کسی ضروری میٹنگ میں شرکت کرنے چلے گئے جو بھی تو اُن کے بابا کی مگر اُن کی بگڑی طبیعت کے باعث یوشع کو جانا پڑا حالانکہ جانے سے پہلے پیکر نے لاکھ ڈرایا تھا کہ زیبو ناراض ہیں اُنہیں منا کر جائیں...... لیکن وہ یوشع جعفری تھے اُن کا اپنا ہی انداز تھا۔

"تمہاری بھابی ناراض ہے...... بدگمان نہیں۔ اُسے بہت سے شکوے ہیں بیویوں کے شکوے کم ہی سننا چاہیے کان ٹھیک رہتے ہیں۔" ٹکا سا جواب دے کے نکل گئے اور پیچھے زیبا تش پُرسکون سی بیٹھی تھیں بقول اُن کے۔

"شوہر سے بدلہ لینا سب سے زیادہ آسان کام ہے‘ شادی کے بعد تمہارے بھائی کو بتاتی ہوں۔"

"فیہا یہ لو...... بھائی کہہ رہا ہے اُس کا دل نہیں چاہ رہا کھانے کا۔" علی نے چکن رول کی پلیٹ اُسے واپس کرتے ہوئے کہا‘ فیہا کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے اُس نے اپنے ہاتھوں سے تہامی کے لیے چکن رول بنائے تھے کہ شاید ناراضگی کچھ کم ہو لیکن تہامی کا خشک رویہ اب تک ویسا ہی تھا علی اُسے روتے دیکھ کے پریشان ہوا۔

"تم خود دے آؤ شاید کھالے۔" وہ گھبرا کے اُس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولا...... اُس نے بغور اپنے پانچ سال چھوٹے بھائی کو دیکھا جو اُسے روتا دیکھ کے پریشان ہوگیا تھا۔

"تم کھالو۔" اُس نے دونوں ہاتھوں سے آنسو پونچھے اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم روؤ مت پلیز۔"

"میں نہیں رو رہی دادا ابو۔" فیہا نے شرارت سے اُس کے بال کھینچے...... خلافِ عادت وہ بجائے غصہ ہونے کے مسکرا کے رہ گیا۔

فیہا کی طبیعت اب پہلے سے بہتر تھی اُس کے سمسٹر بھی سر پہ سوار تھے اور ساتھ ساتھ تہامی کو منانے کی مہم بھی چل رہی تھی جس میں علی کی خدمات سب سے زیادہ تھیں...... فیہا کو بھی پتہ ہی نہیں تھا کہ تہامی اگر ناراض ہوجائے تو کیا کرے کیونکہ وہ کبھی اُس سے ناراض ہوا ہی نہیں تھا مگر اب وہ اُس سے ناراض تھا...... وہ اُس کے تمام کام کر رہا تھا ہر ذمہ داری نبھا رہا تھا لیکن اُس سے بات نہیں کر رہا تھا...... وہ ہمیشہ اُسے کہتا تھا کہ ’فیہا مجھ پہ اعتبار کرنا‘ لیکن اُس کی جلد بازی نے اُسے ناراض کردیا تھا...... اُس کی ناراضی ایک جان لیوا عمل تھی وہ کبھی مایوسی سے یہ سوچنے لگتی تھی کہ اُس نے تہامی کو کھودیا...... ہاں زیبو اُسے بارہا اُمید دلاتی تھیں کہ اُسے دکھ ہوا ہے اور اِس دکھ کے پیچھے کئی وجوہات ہیں تم بڑی ممانی‘ پھوپو خود وہ کئی ایسی وجوہات ہیں...... اُسے سنبھلنے کا وقت دو...... وہ اُن کی باتوں پہ عمل کرتی لیکن پھر بھی ایک اضطراب تھا جو دل میں ہمہ وقت رہتا تھا...... پیکر ہمیشہ اُسے ایک ہی بات کہتی فیہا وہ تمہارا ہے تمہارے پاس ہی لوٹے گا‘ اور وہ یہ ہی سوچ کے جی رہی تھی بیشک وہ میرا ہے اور میرے پاس ہی لوٹے گا۔

☆☆☆......☆☆☆

کفل حسبِ عادت لان میں بیٹھا پھول اور کارڈز کی جانب متوجہ تھا...... اِس بات سے بے خبر کہ وہیں رات کی رانی کے پودوں کے پاس کھڑی دو سنہری آنکھیں اِسے چھپ کے دیکھ رہی تھیں وہ اکثر اسے چھپ کے دیکھا کرتی تھی...... اُس کی محویت‘ خوشی‘ جذبات سب کچھ بہت ہی دلکش تھا وہ کتنی چاہت کتنی لگاوٹ سے اِن چیزوں کو دیکھتا اُسے اپنا آپ اچانک ہی بہت معتبر لگنے لگتا تھا لیکن اچانک ہی ایک عجب سے احساس نے اُسے آن گھیرا تھا...... وہ بے دلی سے اپنے کمرے میں آگئی اور دروازہ بند کرلیا تھا۔ وہ جانے کتنی ہی دیر یونہی دروازے کے ساتھ لگی کھڑی رہی‘ اُس کی نظریں کسی غیر مرئی نقطے پہ مرکوز تھیں وہ کچھ سوچ رہی تھی لیکن پھر جیسے ڈر سی گئی

ہو.....اُس نے فوراً بھاگ کے کمرے کی تمام کھڑکیاں بند کیں اور سب کے پردے گرادیے کمرے میں اندھیرا ہو گیا تھا.....وہ تھکے ہوئے قدموں سے پلنگ تک آئی اور تکیے میں منہ چھپا کے رونے لگی.....ایک کربناک احساس اُس کے حواسوں پہ سوار ہو گیا تھا اور ایسا اکثر ہی ہوتا تھا کہ وہ اس کے حوالے سے سوچتی ہوئی اپنے جذبات پر قابو نہ پاتے ہوئے رو دیتی تھی۔

اُس کا دماغ آج پھر اُس سے مخاطب تھا۔

وہ کفل سے محبت کرتی ہے اُسے پھول اور کارڈ بھیجتی ہے اُسے اپنی محبت کا احساس دلاتی ہے.....کفل بھی چاہتا ہے محبت کرتا ہے خوش ہوتا ہے اُس کے بھیجنے والے پھول کارڈ لیے گھنٹوں بیٹھا رہتا ہے کفل کی محبت اُس کی آنکھوں سے عیاں ہوتی ہے اُس نے دینا کو صرف اسی کی خاطر ٹھکرایا تھا' وہ ہمیشہ سے یہ ہی چاہتی تھی کہ کفل اُسے چاہے اُسے سوچے اُس سے محبت کرے اُس کے لیے سب سے لڑ جائے' وہ اپنے خواب کو پورا کرنا چاہتی تھی کفل کے دل میں اپنی محبت جگا کے اُسے خود سے محبت کرنے پہ مجبور کر کے اُس نے محض اپنے خواب کو ہی پورا کیا تھا اور خواب میں ہی جی رہی تھی.....وہ خواب جس کی کوئی تعبیر ہی نہیں تھی.....اُس کی حقیقت انتہائی تلخ تھی..... ہاں کفل محبت کرتا تھا مگر کس سے؟ وہ پیکر یوسف جعفری سے تو محبت نہیں کرتا تھا.....وہ تو صرف اُس پھول بھیجنے والی لڑکی سے محبت کرتا ہے وہ پیکر سے محبت نہیں کرتا.....اُسے نہیں پتہ کے وہ پیکر ہی ہے.....وہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں ہے وہ تو اِسے محض کزن مانتا ہے.....وہ اُس کے جذبوں سے بے خبر ہے وہ کیسی محبت کر رہی ہے' اُس کی محبت ایک مسافر کی طرح ہے جو چلتا جا رہا ہے لیکن اُس کی کوئی منزل نہیں.....وہ اِسے کتنی مستقل مزاجی سے چاہ رہا تھا.....لیکن کیا مستقبل تھا اِس کی محبت کا.....اس کی محبت کفل کو کیا دے سکتی تھی.....وہ تو اُسے سچ بھی نہیں بتا سکتی تھی کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے اور اِسے پھول اور کارڈ بھیجتی ہے.....نہیں وہ کبھی نہیں بتا سکتی.....اُس نے اپنی ضد اپنی انا میں آ کر کفل کے دل میں اپنی محبت تو پیدا کر دی تھی لیکن اِس محبت کا کوئی انجام نہیں تھا.....وہ خود کو کفل کی گناہ گار مانتی تھی.....سب کہتے تھے جانے کون ہے کب سامنے آئے گی اور یہ حقیقت تو اِسے بھی نہیں پتہ تھی کہ یہ کب تک چلتا رہے گا وہ سامنے آئے اپنی دانست میں تو یہ ممکن ہی ہونے دیتی لیکن کفل کا سوچ کے ڈر جاتی تھی.....وہ تو اِس سے محبت کرتا ہے تو کیا کفل کی محبت نارسائی کا عذاب جھیلے گی.....وہ محتسب تھی اپنے کیے ہر عمل کی محتسب۔

اور اگر جو کبھی کفل کو غلطی سے پتہ چل گیا کہ حقیقت کیا ہے.....اِس سے محبت کرنے والی وہ لڑکی جسے وہ اپنی زندگی کی سچائی قرار دیتا ہے.....وہ پیکر کا جھوٹ ہے.....تو کیا ہوگا؟ اِس سے آگے وہ سوچ ہی نہ پاتی تھی.....کفل کبھی اِسے نہیں اپنائے گا.....وہ اِس سے نفرت کرے گا.....دھوکے باز فریبی کہے گا..... وہ جب دینا جیسی لڑکی کو ٹھکرا سکتا ہے تو اُسے کیسے.....وہ تو ویسے بھی کفل کے آگے کچھ نہیں.....وہ خوب صورت نہیں.....وہ کفل کے لائق نہیں.....وہ کچھ بھی نہیں ہے.....تو وہ بھلا کیوں اِس کے بارے میں سوچے گا۔

وہ محبت سے کھیل رہی تھی وہ یہ جانتی تھی کہ اِس کھیل کا انجام صرف ہار ہے.....صرف ہار.....اُس کا دماغ اب خاموش ہو چکا تھا وہ بھی.....کتنی ہی دیر وہاں ساکت بیٹھنے رہنے کے بعد اس نے خود کو حوصلہ دیا تھا۔

''کیا ہوا اگر کفل کچھ نہیں جانتا.....وہ تو جانتی ہے ناں.....وہ کفل کو جانتی ہے.....کفل محبت کرتا ہے اور نبھانے والا ہے.....وہ کبھی اپنی محبت کو نہیں چھوڑے گا..... چاہے کچھ بھی ہو جائے.....اُسے اپنی محبت پہ مان تھا اعتبار تھا.....اُسے یقین تھا کہ وہ جیت جائے گی اُس کی محبت جیت جائے گی.....کیونکہ محبت کی قسمت میں ہار نہیں ہوتی.....محبت دل سے کی جاتی ہے اور دل اللہ کا گھر ہوتا ہے اللہ خود محبت کرتا ہے اور محبت کو ہارنے نہیں دیتا.....وہ کبھی محبت کا ساتھ نہیں چھوڑتا.....اُسے یقین تھا کہ ایک دن کفل اُسے پہچان لے گا.....اُس کی محبت کو پہچان لے گا.....کیونکہ محبت محبت کو پہچان لیتی ہے.....اور وہ اُس دن کے انتظار میں تھی۔

''وہ پیکر ہے.....وہ کبھی ٹوٹے گی نہیں.....اُسے اپنے اللہ پہ اعتبار تھا۔''

☆☆☆.....☆☆☆

''میڈم یہ کفل سر کا سامان۔'' ملازمہ نے پھول اور کارڈ ٹیبل پہ رکھے تھے۔ وہ سب لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے کے تبھی ملازمہ نے آ کر پھول اور کارڈ اِن کے سامنے رکھے چوکیدار کو ایک بنجارن دے گئی تھی۔

''جانے کب یہ راز کھلے گا۔'' زیبائش نے کہتے ہوئے پیکر کو دیکھا جو لاپرواہی بنی خود کو مصروف ظاہر کر رہی تھی۔

"کفل تو ایسے آرام سے بیٹھا ہے جیسے اُسے پتہ چل گیا ہو کے کون ہے یہ مالن۔" مہناز نے بیزار ہوتے ہوئے تبصرہ کیا اور سامنے بیٹھی روئی جیسی پیکر کو دیکھا جو انہیں اپنے بیٹے کے لیے حد سے زیادہ پسند تھی لیکن وہ بس پسند ہی کر سکتی تھیں۔

"اُس کا تو نہیں پتہ لیکن میں نے شاید ڈھونڈ لیا۔" زیبائش نے مزے لینے والے انداز میں کہا اور بے نیازی پیکر کے ہاتھ سے اُسی وقت ٹیکا چھوٹ کے فرش پہ گرا تھا' آنکھوں میں حیرانی عود آئی تھی۔ جسے زیبائش نے بغور نوٹ کیا تھا۔

"ہائے اللہ...... بھابی یہ کیا بات ہوئی آپ نے اکیلے ڈھونڈ لیا اور بتایا بھی نہیں۔" فیہا جو کب سے خاموش بیٹھی تھی اچانک ہی بولی۔

"تم سب نے ابھی سے بھائی کے کلب کو جوائن کرلیا ہے ہو ہی تم لوگ بھائی کی بہنیں۔" زیبو بھابی پہ کافی دِنوں سے تپی بیٹھی تھی تینوں لڑکیاں بھائی کے حکم کے عین مطابق اسے بھابی بلا رہی تھیں اِسے اچھا تو لگ رہا تھا...... لیکن فی الحال وہ یوشع سے خفا تھی لہٰذا اُس کی ہر بات کا بائیکاٹ کرنا تھا۔ ہاں فیہا کے چہرے پہ بہت خوب صورت مسکراہٹ زیبائش کے چڑنے پہ بکھری تھی جسے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے تہامی نے رک کر دیکھا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

یوشع اور زیبائش کی مہندی کی تقریب گھر کے وسیع وعریض لان میں رکھی گئی تھی...... سارا لان خوب صورت روشنیوں سے مزین تھا...... مہندی کی تھیم سندھی ویڈنگ پہ رکھی گئی تھی زیبائش نے سرخ رنگ کا ٹریڈیشنل سندھی برائیڈل جوڑا پہن رکھا تھا جس پہ چار سوتی دھاگوں اور شیشوں کی دیدہ زیب کڑھائی ہوئی تھی اور ڈوپٹہ چنری کا تھا...... جبکہ یوشع کاٹن کی سفید شلوار قمیص اور سرخ سندھی کوٹی میں ملبوس تھا کاندھوں پہ اجرک ڈال رکھی تھی...... زیبائش اُس سے خفا تھی لیکن اُس نے منانے کی کوشش نہیں کی...... اُسے خود ہی مان جانا تھا اور یہ بات وہ دونوں ہی جانتے تھے لیکن پھر بھی وہ روٹھی رہی جبکہ یوشع کی لاپروائی عروج پہ تھی محفل کو انجوائے کر رہا تھا حالانکہ یہ اُس کا دل ہی جانتا تھا کہ وہ کس قدر بور ہو رہا تھا اس لڑکیوں والے فنکشن سے...... لیکن زیبائش کے لیے بیٹھا تھا مگر فیہا بہت چپ چپ تھی...... جبکہ فائقہ بیگم آج اِسے ساتھ لگائے گھوم رہی تھیں تمام میکے والوں میں اِسے چھوٹی بہو کہہ کے متعارف کروا رہی تھیں اُس نے نیوی بلیو اور پنک کلر کا جوڑا پہن رکھا تھا یہ بالکل زیبائش جیسا تھا بس کلر کا فرق تھا وہ بہت پیاری لگ رہی تھی...... لیکن اُتنی ہی خاموش بھی تہامی کی ناراضگی ہنوز برقرار تھی...... جبکہ فاصلے پہ کھڑے تہامی کی نظریں اسی پہ تھیں۔

تہامی اور علی نے ایک ہی جیسی ڈریسنگ کی تھی وہ دونوں ہی آف وائٹ شلوار قمیص اور میرون سندھی کوٹی میں ملبوس تھے جبکہ کفل نے بلیک شلوار قمیص پر میرون اجرک اُوڑھ رکھی تھی...... وہ آج بھی بہت پیارا لگ رہا تھا...... نظر لگ جانے کی حد تک...... پیکر دور کھڑی خاموشی سے اِسے دیکھ رہی تھی...... دل ہی دل میں اُسے ساری زندگی خوش رہنے کی دعائیں دے رہی تھی...... تب ہی اُس منظر میں دِینا شامل ہوئی تھی وہ کفل کے پاس گئی تھی اب دونوں کے رویے ٹھیک ہو گئے تھے...... پہلے جیسے...... وہ دونوں کسی بات پہ ہنس رہے تھے۔

"پیکر۔" کسی نے اُسے پیچھے سے پکارا...... وہ پلٹی تو دیکھا سامنے تابندہ پھوپو کھڑی تھیں اُن کے ساتھ نور عین بھی تھی۔

"بیٹا کیسی ہو تم کیا کر رہی ہو آج کل؟" وہ بڑی محبت سے اِس سے استفسار کر رہی تھیں ایک وقت تھا جب وہ اِسے عائشہ کی بیٹی ہونے کی وجہ سے سخت ناپسند کرتی تھیں...... یوشع بھائی کے کہنے پہ تائی اماں تایا ابا خود گئے تھے تابندہ پھوپو کے گھر...... کیونکہ جس طرح وہ زیبائش کی اکلوتی خالہ ہیں اِسی طرح اِن لوگوں کی بھی اکلوتی پھوپی' تائی اماں بھی اپنے بھائی کے گھر خود کارڈ لے کر گئی تھیں اور وہ سب بھی سب کچھ بھلا کے اِن کی خوشیوں میں شامل ہوئے تھے۔

"کفل اب تمہارا نمبر ہے کیونکہ چاچی تم سے پہلے فیہا اور تہامی کی سوچیں گی بھی نہیں...... تم کچھ سوچو اور میرے بھائی پہ تھوڑا رحم کھاؤ۔" دِینا نے اُسے چھیڑتے ہوئے کہا اور اُس نے مسکراتے ہوئے سامنے تابندہ پھوپو سے باتیں کرتی ہوئی پیکر کو دیکھا...... وہ بہت پیاری لگ رہی تھی...... اُس نے روز پنک کلر کا چنری کا جوڑا پہنا ہوا تھا جس پہ سندھی کڑھائی ہوئی تھی...... اِس کا ڈریس فیہا اور دِینا سے الگ تھا...... سنہری آنکھیں چمک رہی تھیں اور بالوں کو ہلکا سا کرل کر کے پیچھے ڈال رکھا تھا...... وہ سچ مچ اب سوچنا چاہ رہا تھا۔

"سوچ لیا ہے۔" اُس نے کہا۔ دِینا کی نظریں اُس پہ نہیں تھیں ورنہ لازمی چونکتی۔

"تو کیا مالن کو ڈھونڈ لیا؟"

''وہ تو مجھے چھ سال پہلے ہی مل گئی تھی...... ہاں میں اُس کے انتظار میں ہوں کہ وہ کب سامنے آئے گی۔'' اُس نے انکشاف کیا جس پہ دینا بری طرح حیران ہوئی۔

''کیا تم سچ کہہ رہے ہو......!'' وہ شاک کے عالم میں بولی۔

''ایک دن ملوادوں گا اُس سے۔'' کہہ کر وہ یوشع کے پاس جا بیٹھا اور دینا وہیں حیران کھڑی رہ گئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

فیہا لائبریری میں کھڑی تھی...... اُسے کِفل نے بلوایا تھا شاید کوئی کام تھا...... پیچھے سے دروازہ کھلا اور اُس نے پلٹ کے دیکھا تو سامنے تہامی کھڑا تھا...... ابھی وہ اندر نہیں آیا تھا کہ اُس کے پیچھے کِفل داخل ہوا...... تہامی بھی شاک کی کیفیت میں ہی اُسے دیکھ رہا تھا کیونکہ اُسے اُس ہی نے بلوایا تھا...... وہ ان دونوں کے درمیان آ کر کھڑا ہوا۔

''تم دونوں کے درمیان جو بھی جھگڑا چل رہا ہے...... اُسے فوراً ہی ختم کردو یہ زیبو کا آڈر ہے کیونکہ وہ دلہن بنی بیٹھیں ہیں اور تمہارے مسئلے حل نہیں کرسکتیں...... لہٰذا اُن کا کہنا ہے کہ تم دونوں آپس میں ہی یہ معاملات سلجھا لو اور شادی میں بالکل نارمل نظر آؤ خاص کر تم فیہا۔'' وہ ایک ہی سانس میں رسانیت سے بولا۔

''مجھے نہیں پتہ کہ تم دونوں کے درمیان ایکچوئلی کیا مسئلہ ہے کیونکہ میں ایک بات جانتا ہوں کہ تہامی کبھی تم سے ناراض نہیں ہوسکتا تہامی یہ کبھی مت سوچنا کے تمہاری محبت کمزور ہے۔'' وہ کہہ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

یہ پہلی دفعہ تھا جب وہ اُن کے بیچ ہونے والے کسی بھی معاملے میں بولا تھا ورنہ زیادہ تر اِن کے معاملات زیبائش ہی سنبھالتی تھی وہ اور یوشع دونوں ہی دور رہتے تھے...... لیکن کل کے فنکشن کے بعد جب زیبائش نے فیہا اور تہامی کے اُترے چہروں کا پوچھا تو وہ واقعی پریشان ہوئی تھی اور تب ہی اِس نے کِفل کے ذریعے کام کروایا تھا...... کیونکہ مہناز پھوپو نے اُسے سخت پردے میں بٹھا دیا تھا اور تابندہ خالہ نے بھی کئی پابندیاں لگائی تھیں اور اب وہ دونوں وہاں موجود تھے۔

دونوں کی نظریں بیک وقت ایک دوسرے پہ اٹھی تھیں بہت کچھ تھا اُن نظروں میں...... فیہا زار و قطار رو دی اور اُس وقت تہامی کو احساس ہوا کہ وہ اُسی کو تکلیف دے رہا تھا جس سے محبت کرتا تھا۔

''آئی ایم سوری تہامی۔'' اُس نے روتے ہوئے کہا...... وہ وہی لڑکی تھی جس کی آنکھوں میں وہ آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا...... وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا اُس تک آیا...... انگلیوں کے پوروں سے اُس کے آنسو پونچھے۔

فیہا کے آنسوؤں میں اور شدت آ گئی تھی...... اُس نے مسکراتے ہوئے اُس کے چہرے کو ہاتھوں میں لیا اور انگوٹھے سے آنسوؤں پونچھا اور اپنے سینے سے لگالیا...... بہت عرصے بعد آج سکون ملا تھا اُسے فیہا رو رہی تھی مگر اب آنسو خوشی کے تھے۔

''اور آئندہ خبردار جو اپنی عقل کو زیادہ استعمال کیا تو......''

اُس نے سر پہ دھیرے سے چپت لگائی تو وہ ہنسنے لگی...... وہ لوٹ آیا تھا...... نہ کوئی شکوہ نہ گلہ نہ ہی وضاحت...... محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔

☆☆☆......☆☆☆

کہتے ہیں خوشیوں کا در کھلتا ہے تو ایک ساتھ کئی خوشیاں آجاتی ہیں اور یہی جعفریہ مسکن میں ہوا تھا۔ یوشع اور زیبو کی شادی کے ہنگامے ٹھنڈے ہوئے تھے اور وہ سب اُن کے ہنی مون کے پلاننگ میں لگ گئے تھے...... پیکر نے زیبائش کو یاد دلایا تھا کہ اُسے یوشع سے بدلہ لینا ہے اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے بھائی کے گروپ میں جائے گی لیکن حیرت تب ہوئی جب زیبائش نے پوچھا ''کون سا بدلہ۔'' پیکر کی آنکھیں سچ مچ کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

''وہ جو دل میں بستا ہو اُس کے ساتھ کیسی ناراضی...... میں تو یوشع کے آتے ہی مان گئیں تھی۔'' چہرے پہ آئی لٹ کو انگلیوں میں گھماتے ہوئے وہ شرما کر بولی...... فیہا اور پیکر نے اُس کا خوب ریکارڈ لگایا تھا۔

دینا نے کِفل کے انکشاف کو جنگل میں آگ کی طرح پھیلا دیا تھا...... تقریباً تمام کزنز میں تو خبر پھیل ہی گئی تھی...... فیہا بھائی کے سر پہ چڑھ دوڑی تھی کہ بھائی گھنا میسنا نکلا کچھ بتایا بھی نہیں...... علی صدمے سے باہر نہیں آیا تھا اُسے اب تک یقین نہیں تھا مالن سچی مچی بھی ہے وہ تو اُسے کوہ قاف کی چڑیل قرار دے چکا تھا...... تہامی خاصا مشکوک دکھائی دے رہا تھا زیبو نے دوبارہ عدالت سجالی وہ کِفل سے سخت قسم کی باز پرس کررہی تھی اور اُس نے کہا تھا آپ کے اصل مجرم کو تمام ثبوتوں

کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کروں گا جبکہ یوشع کے تاثرات سپاٹ تھے..... ہاں پیکر منظر سے ایسی غائب ہوئی تھی جیسے گدھے کے سر سے سینگ..... اُس کی رنگت اُسی وقت ہی اُڑ گئی تھی..... اُس نے خود کو کمرے میں بند کرلیا تھا۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے..... کفل کو کیسے پتہ چل سکتا ہے..... کہیں اُس نے مجھے اُس فقیر کو پھول دیتے دیکھ تو نہیں لیا..... نہیں وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا یا پھر..... اُسے کسی نے بتادیا یا وہ مجھے فالو کررہا تھا نہیں لیکن اگر وہ مجھے ڈھونڈ لیتا تو ضرور سب کے سامنے کہتا..... لیکن وہ چپ کیوں ہے کیا سب کے سامنے کہے گا..... اوہ نو..... مما بابا کو پتہ چلا تو..... یوشع بھائی میرا کیا حال کریں گے۔'' ہر زاویے سے سوچ دماغ پہ حملہ آور ہوئی تھی وہ جو اس نے آج تک نہیں سوچا تھا سب یاد آگیا لیکن اب کیا ہوگا وہ پریشان سی سر تھامے بیٹھی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

کبھی کبھی وہ سب کچھ ہوتا ہے جو ہم نہیں چاہتے اور اب پیکر جعفری کی باری تھی..... یوشع اور زیبائش کی شادی کے کچھ دن بعد ہی پھوپو باقاعدہ طور پہ پیکر کے لیے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کا رشتہ دے گئی تھیں..... جس پہ سب ہی حیران تھے خوش بھی مگر پیکر کی حالت ایسی تھی کہ وہ نہ سب کچھ روک سکتی تھی اور نہ ہی کرسکتی تھی..... اُسے اُمید تھی کہ مما بابا اُس کی مرضی کو اہمیت دیں گے لیکن اُنہوں نے تو اِس سے پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا فوراً ہاں کہہ دی..... وہ تو خود کو ختم ہی کرنے پہ تل گئی تھی..... پہلے کفل کی طرف سے دی جانے والی ٹینشن اور اب یہ سب اُسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی..... وہ مما بابا سے بات کرے..... وہ اُن کے کمرے کے باہر کھڑی تھی لیکن وہاں مہناز چچی اور یحییٰ چاچو موجود تھے وہ آپس میں کوئی بات کررہے تھے کافی خوشگوار موڈ میں تھے..... مما بابا خوش تھے..... بہت خوش وہ مسکرا رہے تھے..... وہ اپنے مما بابا کے چہرے سے یہ مسکراہٹ نہیں چھین سکتی تھی وہ واپس پلٹ گئی..... وہ راہداری عبور کررہی تھی..... اُس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ پونچھا تھا۔

''یہ غلطی اُس کی تھی وہ مما بابا کو دکھی کیوں کرے..... لیکن..... کفل۔'' اُسے شدت سے رونا آیا۔

نہیں وہ اتنی آسانی سے ہار نہیں مانے گی..... وہ کفل کو نہیں چھوڑ سکتی..... وہ اُس سے کبھی دستبردار نہیں ہوگی..... اُس نے برسات کی رات میں بیمار ہو کر رو کر اُسے مانگا تھا..... اللہ نے اُسے کفل دیا تھا..... وہ اُسے کبھی نہیں چھوڑے گی..... کبھی نہیں۔'' وہ بھاگتے ہوئے سوچ رہی تھی اور ایسی ہی عالم میں کسی سے بری طرح ٹکرائی تھی۔

''پیکر.....'' یوشع نے اُسے سنبھالتے ہوئے کہا..... وہ حیران و پریشان سی اُسے دیکھ رہی تھی وہ بہت ہی پریشانی سے اُسے دیکھ رہا تھا..... وہ بار بار اِس سے پوچھ رہا تھا اور اُس پل اُسے احساس ہوا تھا..... بڑا بھائی کیا ہوتا ہے..... اُس نے ایک پل میں ہی فیصلہ کرلیا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

سارا کمرا زرد روشنیوں میں نہایا ہوا تھا..... ہر طرف موم بتیاں جل رہی تھیں..... کمرے کی وسعت میں لگا فانوز بھی زرد قمقموں اور بتیوں سے روشن تھا..... آف وائٹ دیواروں والے کمرے میں جہاں ایک طرف سلائیڈ کرسٹل ونڈو بنی تھی وہاں سفید ریشمی پردے گرے ہوئے تھے پورا کمرہ گلابوں سے سجا ہوا تھا..... سرخ' نارنجی' پیلا' گلابی' دیسی سارے گلابوں سے کمرے کو سجایا گیا تھا..... جہازی سائز بیڈ کے چاروں اطراف اِن پھولوں کی لڑیوں سے سجایا گیا تھا درمیان میں موتیا بھی تھے اور سب سے خوب صورت سفید موتیوں کی لڑیاں تھیں جو اِن موتیوں کے بیچ ڈالی گئی تھیں..... سائیڈ ٹیبلو پہ لیمپ کے ساتھ ساتھ بہت سے ڈیکوریشن کینڈلز بھی رکھے گئے تھے..... بیڈ کے عین سامنے ایک خوب صورت سا آرائشی آب دان رکھا تھا جس میں پانی بھرا تھا اور گلاب اور موتیے کی پتیاں اور کینڈلز تیر رہے تھے..... ہر طرف ایک مسحور کن سی خوشبو تھی..... ماحول میں ایک نرم سا تاثر تھا یہ کمرہ زیبائش نے خود اپنی پسند سے سجایا تھا۔

وہ بیڈ پہ سمٹ کے بیٹھی تھی..... سرخ رنگ کی لانگ شرٹ جس پہ کٹ دانہ اور سفید موتیوں کا خوب صورت کام بنا ہوا تھا جبکہ گھیر دار شرارا سرخ بنارسی کا تھا سبز بارڈر کے ساتھ کھلتے نارنجی رنگ کا ڈوپٹہ حسین لگ رہا تھا خوب صورت سا میک اپ اُسے اور حسین بنا چکا تھا بالوں کا اِسٹائل کسی فیری ٹیل دیوا سے متاثر ہو کر بنایا گیا تھا وہ کھلے ہوئے تھے اور جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے نگینے دمک رہے تھے البتہ سنہری آنکھیں بالکل خاموش تھیں..... ذہن بالکل خالی تھا..... آج اُس نے اپنی زندگی پالی تھی..... لیکن کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا..... اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب حقیقت ہے وہ اِسے ایک خواب سمجھ رہی تھی..... جو

آنکھ کھلنے پہ ٹوٹ جائے گا...... ہاں گزرا وقت بار بار آنکھوں میں آرہا تھا...... چند ساعتوں پہلے اللہ و رسول ﷺ کو حاظر و ناظر جانتے ہوئے اُس کا نام پیکر یوسف جعفری سے...... پیکر کِفل جعفری ہوگیا تھا۔

یہ وہ خواب تھا جس کی تعبیر کا اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا...... سب کچھ مل گیا تھا سب کچھ...... دروازہ کھلا اور بند ہوا تھا۔ اور اُس کی پلکیں مزید نیچی ہوگئیں تھیں آج پہلی بار اُس کی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ وہ کِفل کو دیکھے...... حالانکہ دل بہت کیا تھا...... پر نظر خود اُٹھ نہیں پائی تھی۔

''تو تم جیت گئی...... روکسین۔'' اُس نے بھاری آواز میں کہا۔

''نہیں میں تو ہاری ہوں جیتے تو تم ہو۔'' اُس نے نظریں اُٹھا کے اُسے دیکھا...... وہ بے ساختگی میں کہہ گئی تھی۔

''تمہیں یاد ہے میں نے کیا کہا تھا...... اگر کوئی مجھے جیت لے تو میں بخوشی ہار جاؤں گا۔'' وہ جتاتے ہوئے بولا اور اِس کے نزدیک آبیٹھا تھا...... اِسے اب اپنے اور اس کے رشتے کی تبدیلی کا احساس ہوا تھا۔

''اِتنی محبت کرنا تم نے کہاں سے سیکھ لی بلی اور مجھے بھی اپنے جیسے بنالیا۔'' اُس نے بوجھل لہجے میں کہتے ہوئے اُس کی ناک کو ہلکا سا دبایا...... وہ اُسی کو دیکھ رہی تھی...... جانے کیوں اُسے ڈر سا لگا تھا...... فوراً اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے بولی۔

''کِفل یہ خواب تو نہیں ہے ناں...... ایسا تو نہیں ہوگا ناں کہ کوئی آکر مجھے جگا دے گا اور یہ سب ختم ہوجائے گا۔'' اُس نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا...... جس پہ کِفل چونک کے اُسے دیکھنے لگا اور اُس نے اُس وقت اُسے غور سے دیکھا لیکن اِس وقت وہ آسمان سے اُتری کوئی پری لگ رہی تھی...... یا شاید یہ رشتے کی تبدیلی کا تقاضہ تھا کہ وہ اِسے اپنی متاع لگی...... وہ آگے بڑھا اور دھیرے سے اپنے لب اُس کی پلکوں پہ سجا دیے تھے...... ایک سکون سا پیکر کے دل میں اُترا تھا۔

''حقیقت یہی ہے پیکر...... میں اور تم۔'' اُس نے محبت سے کہتے ہوئے اِس کے مہندی اور چوڑیوں سے سجے گداز ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

''چلو اُٹھو...... میرے پاس تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔'' وہ کہہ کر اُٹھا اور ساتھ میں وہ بھی بمشکل اپنا بھاری شرارا سنبھالتی اُٹھی اور اِس کے پیچھے پیچھے چلتی آئی تھی...... اُس نے سفید پردے ہٹائے...... گلاس ونڈو سرکائے...... پھر اِس کا ہاتھ پکڑ کے ٹیرس پہ لے آیا اُس کے قدم نیچے گلاب کی بکھری پتیوں پہ پڑے تھے اور سامنے ہی سفید رنگ کا پھولوں سے سجا صوفہ رکھا ہوا تھا...... وہ یہ سب دیکھ کے مبہوت سی رہ گئی وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی...... یہ اِس دنیا کی وہ واحد لڑکی تھی جس سے اِسے سب سے زیادہ محبت تھی...... جس کے چہرے پہ ہنسی دیکھنے کے لیے وہ کچھ بھی کرسکتا تھا۔

''کِفل یہ سب......!'' وہ پلٹ کے بولی...... کِفل اِسی کی جانب دیکھ رہا تھا...... اُس نے اُس کا ہاتھ تھاما اور صوفے کی طرف لے کر بڑھا اُسے صوفے پہ بٹھا کے خود برابر میں رکھی ہوئی ٹیبل کی طرف گیا جہاں موم بتیوں کے ساتھ پھول اور بے شمار آرائشی سامان رکھا تھا اِس کے علاوہ ایک خوب صورت سا جیولری بکس بھی تھا۔

''تمہاری منہ دکھائی۔'' کہہ کے اُس نے اس کی طرف بڑھایا پیکر نے کھولا تو اندر بے حد خوب صورت ڈائمنڈ کا نیکلیس تھا۔

''یہ بہت پیارا ہے۔'' وہ خوشی سے اُس پہ ہاتھ پھیر کے بولی...... پھر اُس کی طرف دیکھا تو نظروں میں کچھ سوال تھے۔

''کِفل جب پھوپو آئیں تھیں شاہ زمان کا رشتہ لے کر...... تو تم نے اُسی دن سب کو بتادیا تھا؟'' وہ مسکرایا جانتا تھا کہ وہ اب اور کتنے سوالات کرے گی۔

''تم نے کیسے سوچ لیا کہ تمہیں مجھ سے کوئی اور لے جاسکتا ہے۔'' وہ کہہ کر مسکرایا اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔

تین ماہ پہلے...... وہ لیونگ روم میں سب گھر والوں کے درمیان کھڑا تھا۔

''مما آپ کو پتا ہے میں کس سے شادی کرنا چاہتا ہوں...... اِسی لیے میں چاہتا ہوں مما بابا کہ آپ لوگ پلیز چاچی چاچو سے بات کرلیں...... پیکر کی شادی کہیں اور نہیں ہوسکتی۔'' اُس کے اِس جملے پہ سب کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں تھیں...... چند لمحوں بعد جب سکتہ ٹوٹا تو عائشہ نے ہچکچاتے پوچھا تھا۔

''بیٹا کیا پیکر تمہیں؟''

''چاچی مجھے وہ پسند ہے...... میں پچھلے چھ سالوں سے سب کچھ جانتا ہوں کیا یہ کافی نہیں...... '' وہ بولا تھا۔

اُس کا بولنا تھا اور مہناز خوشی خوشی عائشہ کی جانب بڑھیں اور

اِن کی سب سے قیمتی متاع مانگ لی۔
"اور تمہیں چھ سال سے یہ سب پتہ تھا پھر بھی مجھ سے چھپا کے رکھا۔" اب کے مصنوعی خفگی سے بولی تو وہ مسکرایا۔
"تم نے بھی تو چھپایا ہوا تھا..... خیر میں تو تمہارے بولنے کے انتظار میں تھا۔" وہ گہری نظروں سے دیکھ کے بولا۔
"کِفل میری نظروں میں اپنی محبت کی بہت عزت ہے میں کبھی نہیں بولتی' میں نے یوشع بھائی کو بھی یہ کہا تھا کہ میں شاہ زیان سے شادی نہیں کرنا چاہتی لیکن کوئی حقیقت نہیں بتائی تھی۔" وہ اُسے آج سب کچھ بتانا چاہتی تھی..... سب کچھ۔
"لیکن آج میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گی اپنے جذبات احساسات۔"
"چپ....." کِفل نے اُس کے لبوں پہ اُنگلی رکھدی۔
"پچھلے آٹھ سالوں سے تم بول رہی ہو اور اب مجھے اچھی طرح اندازہ ہے جب تک ہم زندہ ہیں تم نے ہی بولنا ہے اور میں نے تمہاری سنی ہے لہٰذا..... آج میں بولوں گا اور تم سنو گی۔" اُس کے لبوں پہ اُنگلی رکھ کے وہ رعب جماتا ہوا تیز گام کی طرح بولا..... پیکر کو اُس کے انداز پہ دل کھول کے ہنسی آئی..... کیا کوئی اِتنا پیارا بھی ہنس سکتا ہے..... اس نے سوچا تھا۔
"جب مجھے پتہ چلا تھا کہ تم میری روکسین ہو..... تب ہی میرا دل کیا تھا کہ جا کر تم سے دو دو ہاتھ کرلوں کہ مجھے اُلو کیوں بنایا لیکن تم تو پہلے ہی بخار چڑھا کے بیٹھی تھی..... پر پھر دل نہیں کیا تم سے لڑنے کا..... پیار آ گیا تھا..... سوچا اپنی محبت سے کیسی لڑائی..... لیکن تم نے جتنا مجھے ستایا تھا..... تھوڑا حق تو تھا میرا..... میں نے بھی سوچا کہ تمہارے سامنے آنے کا انتظار کروں..... لیکن تم تو شاید قیامت تک سامنے نہ آتی....." وہ ٹھوڑی پہ ہاتھ جمائے سن رہی تھی..... اُسے واقعی یہ سب سننا اچھا لگ رہا تھا۔
"پھر کیوں..... تم نے سب گھر والوں کے سامنے کہا میں نے تو تب بھی نہیں کہا تھا کچھ۔" وہ بولی۔
"کیونکہ جو مجھے جاننا تھا وہ میں نے جان لیا تھا اور پھر اگر تمہارے انتظار میں رہتا تو شاید صدیاں گزر جاتیں۔" وہ جھرجھری لے کر بولا۔
"تم نے میرے لیے دِینا کو بھی انکار کیا تھا ناں۔" اب کے وہ جاننے والے انداز میں بولی۔
"میں محبت کے معاملے میں بہت عجیب ہوں خود غرض سا..... میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ تم میرے بغیر کیسے رہوگی..... بلکہ یہ سوچا تھا میں تمہارے بغیر کیسے رہوں گا۔" وہ جذبوں سے بھرپور لہجے میں بولا..... یہ وہ سچائی تھی جس کا اعتراف اِس نے آج تک خود سے بھی نہ کیا تھا۔ پیکر اُسے حیرت سے دیکھے گئی۔
"کیا وہ اِسے اتنا بھی چاہ سکتا ہے؟" یہ حقیقت ہی ایسی تھی کہ اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ایک چھوٹی سی بوند ٹوٹ کے گری۔
"اور ہاں ایک بات اور..... تم اب بھی پہلے کی طرح مجھے روزانہ پھول اور کارڈ بھیجا کروگی سمجھی۔" اُس نے اُنگلی اُٹھا کے تنبیہہ کرنے والے انداز میں کہا۔
"اب کیوں اب تو شادی ہوگئی اب کیا فائدہ۔" وہ چڑ کے بولی۔
"تو کیا شادی کے بعد محبت ختم ہوجاتی ہے مجھے کچھ نہیں پتہ مجھے کارڈ چاہیے۔" وہ حاکمانہ انداز میں بولا۔
"خود نے تو آج تک ایک پھول بھی نہیں دیا؟" وہ نروٹھے پن سے بولی۔
"بس ہوگئی ناں شروع..... بیوی بنتے ہی بیویوں والے طعنے دینے شروع کردیئے صبر تو ہے ہی نہیں تم میں۔" بڑبڑاتا ہوا وہ اُٹھا اور ٹیبل پہ رکھی ہوئی چیزیں اُٹھائیں اور اُس کے ہاتھ میں تھمادیں ایک خوب صورت سا لائٹ پنک فلاور بکس تھا جس پہ ریڈ کلر سے لکھا تھا "فار مائی لو" اندر سے سرخ رنگ کا کارڈ جھانک رہا تھا۔ وہ حیران ہوکر دیکھے گئی۔
"تو مسز پیکر کِفل جعفری میں نے اپنی زندگی میں پہلی اور آخری دفعہ آپ سے آپ کے اِسٹائل میں محبت کا اظہار کیا ہے..... اِس کے بعد میں دوبارہ یہ محنت طلب کام نہیں کرنے والا آئندہ میں اپنے ہی اِسٹائل میں کروں گا۔" وہ جتاتے ہوئے بولا۔
"اور آپ کا اِسٹائل کیا ہے مسٹر کِفل جعفری۔" وہ شرارت سے بولی' اس نے اپنی آنکھیں اُس پہ جمائیں اور پھر شرارتی مسکراہٹ سے بولا۔
"میں پریکٹیکل آدمی ہوں۔" وہ اُس کی طرف ڈرانے والے انداز میں جھکا اور وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی تھی..... دونوں یک دم ہنس پڑے تھے۔ پھر وہ سنجیدگی سے اِس کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ پکڑ کے بہت ہی جذب سے بولا۔

”مجھے نہیں پتہ کے محبت کے اظہار کے لیے خوب صورت الفاظ کیا ہوں گے یا کون سا اِسٹائل ہونا چاہیے ناں میں زیادہ رومانٹک موویز دیکھتا ہوں ناں زیادہ ناولز پڑھتا ہوں میں بالکل بھی رومانٹک نہیں ہوں......لیکن مجھے ایک بات پتہ ہے......

وہ یہ کہ......تم اس دنیا کی وہ واحد لڑکی ہو جس سے میں نے محبت کی ہے......میری پہلی محبت تم ہو......میں تم سے محبت کرتا ہوں......کتنی مجھے خود نہیں پتہ۔“ اُس کے جذبوں کی سچائی اور شدت اُس کے لہجے سے عیاں تھی وہ سوچ گئی......وہ کتنی خوش قسمت ہے......سادہ مگر سچے لفظوں میں کیا گیا اظہار اتنا دلکش تھا کہ اُس کا دل چاہا کے وہ وقت کو یہیں روک لے اور ساری زندگی اِسی لمحے میں گزر جائے......آنسوؤں کی ایک لڑی ٹوٹ کے پلکوں سے نیچے گری تھی اور کِفل کو لگا جیسے کسی نے اُس کا دل مٹھی میں بھینچ لیا ہو۔

”میں نے اِس لیے نہیں کہا کہ تم رونا شروع ہو جاؤ آئندہ ایسا کیا تو کچھ بھی نہیں کہوں گا کبھی۔“ وہ پھر سے رعب جما کے بولا تو وہ ہنس دی تھی۔

”اور ایک بات اور تم بھلے میری پہلی محبت ہو لیکن میری آخری محبت وہ ہوگی۔“ اب کے وہ پُرسکون انداز میں بولا تھا......اور پیکر نے چونک کے اُسے دیکھا۔

”وہ کون؟“

”ہماری بیٹی۔“ وہ شرارت سے اِس کے قریب ہو کر بولا اور وہ کھلکھلا کے ہنس دی اور یہ ہی تو وہ دیکھنا چاہتا۔

”جانتی ہو تمہارے آٹھ سال سے آنے والے دو ہزار نو سو بیس کارڈ پھول اور اشعار کی وجہ سے اپنے اِس معصوم سے ایک کارڈ پھول اور شعر پہ اِتنی محنت کرنی پڑی تھی اور تم۔۔نے اب تک اِسے نہیں دیکھا۔“ وہ مصنوعی خفگی سے بولا اور وہ واقعی شرمندہ ہوئی تھی اُس نے اب تک اِن چیزوں کو نہیں دیکھا تھا......لیکن اُسے حیرت بھی ہوئی تھی کہ کِفل کے پاس ایک ایک چیز کا حساب ہے۔ اُس نے بکس دیکھا اُس میں سفید گلاب تھے......سترہ سفید گلاب۔

”تم نے تو ہر قسم کے پھول دے ڈالے تھے سوائے اِن کے اور سیاہ گلابوں کے......سیاہ گلاب کے لیے تو شاید ہمیں پرستان جانا پڑتا اور اگر میں چلا جاتا......تو کوئی پری مجھے آنے نہیں دیتی......لہٰذا مجھے سفید گلابوں پہ ہی اکتفا کرنا پڑا......اِسی لیے میں آج کے لیے یہ منگوا لیے۔“ وہ بتا رہا تھا اور پیکر کے چہرے پہ بچوں جیسی معصوم سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی......وہ بھی پھولوں پہ ہاتھ پھیر رہی تھی......نرم سی پھولوں کی پتیاں اُنگلی کی پوروں کو سکون بخش رہی تھیں......پھر اُس نے لفافہ کھولا......اُس میں سرخ رنگ کا کارڈ تھا......کارڈ کی سطح پہ سرخ رنگ کے سلکی پروں جیسے پرنٹ تھا جبکہ ایک سائیڈ پہ سفید گلاب بنا ہوا تھا۔

”یہ کارڈ میں سولہ دفع ٹرائی کرنے پہ بھی نہیں بنا پایا تھا......لیکن پھر اچانک ہی بن گیا اور میری سوچ سے زیادہ بہتر۔“ وہ بولا اور اُس نے اب کے نرمی سے کارڈ پہ ہاتھ پھیرا تھا پھر کارڈ کو کھولا تو اُس میں بلیک کلر کے جیل پین سے کچھ یوں لکھا ہوا تھا۔

”سب سے زیادہ پریشان اِس کے لیے ہوا تھا میں......اِتنے سارے اشعار نکالے لیکن کوئی بھی تمہارے جیسا نہیں لگا......لیکن پھر یہ ملا مجھے اور اسے پڑھتے ہی مجھے تم یاد آ گئی......یہ شعر نہیں ہے پیکر میرے احساسات ہیں جو صرف تمہارے لیے ہیں۔“ اُس نے کہہ کے اُس کے کندھے پر سر رکھا تھا......پیکر نے اُس کے سر سے اپنا سر ٹکا دیا اور پھر......کارڈ کو پڑھنا شروع کیا۔

میں نے اِس طور سے اکثر تجھے چاہا جاناں......
جیسے مہتاب کو بے انت سمندر چاہے......
جیسے پتھر کے کلیجے سے کرن پھوٹتی ہے......
جیسے غنچے کھلے موسم سے حنا مانگتے ہیں......
جیسے خوابوں میں خیالوں کی کماں ٹوٹتی ہے......
جیسے بارش کی دعا آبلہ پا مانگتے ہیں......
میرا خواب میرے سچ کی گواہی دے گا......
وسعتِ دید نے تجھ سے تیری خواہش کی ہے......
میری سوچوں میں کبھی دیکھ سراپا اپنا......
میں نے دنیا سے الگ تیری پرستش کی ہے......
جیسے مہتاب کو بے انت سمندر چاہے......
میں نے اِس طور سے اکثر تجھے چاہا جاناں......

اُس نے پڑھا اور بار بار پڑھا جب تک اسے ایک ایک لفظ ازبر نہ ہو گیا۔

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

فروغ فرخ زاد کے لیے ایک نظم

مصاحب شاہ سے کہو کہ
فقیہہ اعظم آج تصدیق کر گئے ہیں
کہ فصل پھر سے گناہ گاروں کی پک گئی ہے
حضور کی جنبش نظر کے
تمام جلاد منتظر ہیں
کہ کون سی حد جناب جاری کریں
تو تعمیل بندگی ہو
کہاں پہ سر اور کہاں پہ دستار اتارنا احسن العمل ہے
کہاں پہ ہاتھوں' کہاں زبانوں کو قطع کیجیے
کہاں پہ دروازہ رزق کا بند کرنا ہوگا
کہاں پہ آسائشوں کی بھوکوں کو مار دیجیے
کہاں بٹے گی لعان کی چھوٹ
اور کہاں پر
رجم کے احکام جاری ہوں گے
کہاں پہ نو سالہ بچیاں' چہل سالہ مردوں کے ساتھ
سنگین میں پرونے کو حکم ہوگا
کہاں پہ اقبالی ملزموں کو
کسی طرح شک کا فائدہ ہو
کہاں پہ معصوم دار پر کھینچنا پڑے گا
حضور احکام جو بھی جاری کریں
فقط التجا یہ ہوگی
کہ اپنے ارشاد عالیہ کو
زبانی رکھیں
وگرنہ
قانونی الجھنیں ہیں

(خود کلامی)

غزل

اک نہ اک روز تو رخصت کرتا
مجھ سے کتنی ہی محبت کرتا
سب رتیں آ کے چلی جاتی ہیں
موسم غم بھی تو ہجرت کرتا
بھیڑیے مجھ کو کہاں پا سکتے
وہ اگر میری حفاظت کرتا
میرے لہجے میں غرور آیا تھا
اس کو حق تھا کہ شکایت کرتا
کچھ تو تھی میری خطا' ورنہ وہ کیوں
اس طرح ترک رفاقت کرتا
اور اس سے نہ رہی کوئی طلب
بس مرے پیار کی عزت کرتا

(خود کلامی)

پچھتاوا

اسے ہمیشہ شادی کا فیصلہ کرنے اور پھر شادی کے ٹوٹ جانے کا پچھتاوا رہتا تھا پہلا فیصلہ بھی جائز تھا کیونکہ مرد کے بغیر اور کوئی رشتہ عورت کو تحفظ فراہم نہیں کر سکتا۔ دوسرا فیصلہ اس لیے بجا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کو یکساں صلاحیتوں کے ہمراہ یکساں احساسات و جذبات کے ساتھ ایک ہی طریقے سے پیدا کیا ہے تو پھر عورت اپنے شوہر کے لیے گالی کیسے ہوگئی' اس کی پراپرٹی کیسے بن گئی' شوہر سے نباہ کی کچھ شرائط ہوتی ہیں' نصیر ان سے بے خبر تھا وہ سمجھنا نہیں چاہتا تھا کہ ایک عورت کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں وہ بھی اخلاقیات کے دائرے میں رہ کر اپنی زندگی اپنی پسند سے گزارنے کا حق رکھتی ہے' یہ سن کر میں نے اسے سمجھانا چاہا تھا تو اس کی حسین آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں' رف میں بھی تو بہت نادان نکلی اس کا نام میرے نام کے ساتھ جڑا ہی رہتا میں طلاق کے خلاف آواز اٹھائی' احتجاج کرتی میں نے اس کا کہنا کیوں مانا؟ بے شک وہ دوسری شادی کرتا مجھ سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا اس کا نام میرے سر کی چادر ہوتا وہ میرا لباس ہوتا۔

تار تار لباس اور چھید چھید چادر کا آپ کو کیا فائدہ ہوتا؟ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا پروین آپا تمہارے ساتھ ہیں میں تم سے دور نہیں کمزور کاغذی بندھن تقدیر میں رقم' تکلیفوں اور اذیتوں کو بڑھا سکتا ہے تحفظ نہیں دے سکتا تم یوں سمجھو کہ جادو کا چراغ رگڑو اور جن حاضر تم میں اور مجھ میں فاصلہ تو صرف فون کال کا ہی ہے اس لیے دل چھوٹا کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں' پانچویں کتاب کی تیاری پکڑو بہت آرام کر لیا۔

رف آپ پر بھی تو بھروسہ نہیں جس دن حاکم وقت کی طرف سے آرڈر آیا آپ مجھے چھوڑ دیں گی وہ ایک دم سے دکھی ہوگئی تھی‘ جب خیال آتا ہے تو لرز جاتی ہوں آپ نے حاکم وقت کو سمجھنے میں بے انصافی سے کام لیا ہے‘ توبہ کریں توبہ سن لیا تو میں ہنسنے لگی اور وہ میرا دل رکھنے کے لیے مسکرادی اسے میری دوستی پر مکمل طور پر یقین تھا لیکن بعض اوقات پریشان بھی ہوجایا کرتی تھی کہ کہیں وقت گزرنے کے ساتھ میں اس سے دور تو نہیں ہوجاؤں گی وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ میں نے اس کی شاعری اور کردار کو ایک جا نہیں کیا ان دونوں کا سفر الگ الگ رستوں پر گامزن تھا مشرق اور مغرب کا حسین امتزاج اس کی ذات میں پوشیدہ تھا یہ جانتے ہوئے مجھے اپنے کانوں پر بھروسہ نہیں تھا مجھے اپنی آنکھوں پر پورا یقین تھا اپنے قلب و ذہن کے فیصلوں پر اعتماد تھا دوستی کے رشتے کو جاری و ساری رکھنے کے لیے یہی اصول کارآمد ثابت ہوتے ہیں کہ آنکھیں کھلی رکھیں سماعتوں میں گونجنے والی صداؤں پر کبھی بھروسہ نہ کریں۔

مشرق کی بیٹی

پروین کو شاعری کی رو سے ہر فرد پہچانتا ہے لیکن اس کی فطرت کو کوئی نہیں جانتا‘ اس کے اندر پنہاں اس عورت سے سبھی ناآشنا ہیں جس کا تعلق مشرق سے تھا جس کی گھٹی میں مشرقی روایات رسومات کی آمیزش تھی جس کا بچپن اور لڑکپن اپنے گھر کے اندر اپنے خونی رشتوں کے ساتھ نہایت عام طریقے سے گزرا تھا‘ جوانی میں اس کے اندر ایک عام عورت جیسی عادات بھی پوشیدہ تھیں جو قریب رہنے والے ہی جانتے تھے آپ سب کو بھی اپنی پسندیدہ شاعرہ کے بارے میں یہ جان کر بہت مسرت و راحت حاصل ہوگی کہ اس کی شخصیت کا ایک روپ آپ اور میرے جیسا بھی تھا اس کی جبلت کا رنگ بھی ہم سے مشابہت رکھتا تھا اس کی باتیں اور حرکتیں‘ اس کی پسند اور ناپسندیدگی‘ محبت اور نفرت بھی ایک عام عورت کی طرح تھی معمولی سی بات پر خوش ہوجانا اور پہاڑ جیسے غم کو سہہ جانا کھل کر ہنسنا اور ساون بھادوں کی مانند برسنا اسے خوب آتا تھا۔

پروین شاکر کو پہلی نظر دیکھتے ہی مشرقی لڑکی کا تصور ذہن میں سما جایا کرتا تھا ڈھیلے اور ہلکے رنگ کے لباس میں ایسے محسوس ہوتا جیسے اس نے خود کو عبایا میں محفوظ کر رکھا ہے آنکھوں میں شرم وحیا کی پاسداری اور زبان پر لحاظ داری کی مہر ثبت رہتی تھی جو ایک مشرق کی بیٹی کی خاصیتوں میں سے ایک خوبی ہے۔

جب والدین نے اس کے رشتے کا فیصلہ کیا تو وہ ایک تابع دار اور ان کے فیصلے کو اولیت دینے والی بیٹی ثابت ہوئی شادی کے بعد سسرال کی خدمت گار اور شوہر سے بے پناہ پیار کرنے والی بیوی کا کردار نہایت خلوص دل سے ادا کیا‘ بیٹے کے لیے بہترین ماں جس کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں طمانیت اور مسرت محسوس کرتی تھی جب تک زندہ رہی نہ اس کا بستر الگ کیا نہ ہی کمرہ الگ کرنے کا تصور کیا تھا اس کی تربیت کرنے میں اسے اپنا قیمتی وقت دیا کرتی تھی ایک ورکنگ مدر ہونے کے جان لیوا احساس سے نکلنے کا یہ بہترین طریقہ اپنایا تھا کہ وہ ایک گھریلو خاتون سے بڑھ کر اپنے بیٹے پر توجہ دے کر خود کو اس احساس سے نکالنے کی کوشش کیا کرتی تھی جو اسے وقتاً فوقتاً مضطرب کیے رکھتا تھا آخر تھی تو مشرقی ماں دوستی اور میزبانی کے رشتوں کو نبھانے کے تمام اصولوں اور تقاضے بھی خالصتاً مشرقی تھے جن میں وہ ایک رومانی شاعرہ کے بجائے ایک عام روپ میں نظر آیا کرتی تھی۔

اس کے پہناوے میں بے پناہ سادگی تھی ہر طرح کے فیشن سے ناآشنا اور موقع کی ضرورت کے مطابق اسے بننا سنورنا اور حد سے تجاوز کر جانا قطعاً پسند نہ تھا بلکہ اس کی ترجیحات میں یہ شامل نہ تھا اپنے ہی فسوں میں کھوئے رہنے کی عادت تھی اس لیے عورتوں کی نوک جھونک فقرے بازی اور نت نئے فیشن پر گفتگو کرنے والی خواتین سے دور بھاگتی تھی ایسے ماحول میں خاموشی اس کا واحد ہتھیار ہوتا تھا جسے غرور تکبر کا نام دیا گیا تھا۔

حدیقہ جاوید......پسرور

اس کی خاموشی سے ڈر لگتا ہے
دور نہ ہو جائے ایسا کیوں لگتا ہے
دنیا سے اسے چھین لینے کا حوصلہ تو ہے مجھ میں
لیکن وہ ساتھ نہ دے گا ایسا کیوں لگتا ہے

دعا ذوالفقار......واہ کینٹ

فضا میں مہکتی شام ہو تم
پیار میں جھلکتا جام ہو تم
سینے میں چھپائے پھرتے ہیں ہم یادیں تمہاری
اس لیے میری زندگی کا دوسرا نام ہو تم

زہرہ احمد......کراچی

ایسے بچھڑوں نہیں سدا کے لیے
مجھ سے روٹھو نہ تم خدا کے لیے
میں نے مانگا ہے بس تمہیں رب سے
ہاتھ جب بھی اٹھائے دعا کے لیے

ماہ رخ......گجرات

اک ٹوٹے ہوئے دل کی آواز مجھے کہیے
سُر جس میں ہیں سب غم کے وہ ساز مجھے کہیے
میں کون ہوں اور کیا ہوں کس کے لیے زندہ ہوں
میں خود بھی نہیں سمجھا وہ راز مجھے کہیے

حنا عزیز......کہروڑ پکا

یہ سہارا جو نہ ہو وہ تو پریشان ہوجائے
مشکل جان ہی لے لے اگر آسان ہوجائے
یہ کچھ لوگ فرشتوں سے بنے پھرتے ہیں
میرے ہاتھ کبھی چڑھ جائے تو انسان ہوجائے

ناہید ندیم......ڈگری

طوفان سے آنکھ ملاؤ ساحلوں پر وار کرو
ملاحوں کا چکر چھوڑو تیر کر دریا پار کرو
پھولوں کی دکانیں کھولو خوشبو کا بیوپار کرو
عشق خطا ہے تو یہ خطا ایک بار نہیں سو بار کرو

حبیبہ ارشد......کوٹ ادو

یاد ستائے کسی کی تو کوئی کیا کرے
دل ملنے کو چاہے کسی سے تو کوئی کیا کرے
سپنوں میں ہوتی ہے ملاقات لوگ کہتے ہیں
پر پیار میں نیند ہی نہ آئے تو کوئی کیا کرے

ثمرین خان......کراچی

وعدے پہ وہ میرا اعتبار نہیں کرتے
ہم ذکر محبت کا سر بازار نہیں کرتے
ڈرتا ہے دل ان کی رسوائی سے
اور وہ سوچتے ہیں کہ ہم ان سے پیار نہیں کرتے

صائمہ نور......لاہور

بارش ہوئی تو پھولوں کے تن چاک ہوگئے
معصوم سے ہاتھ بھیگ کے سفاک ہوگئے
بادل کو کیا خبر ہے کہ بارش کی چاہ میں
کیسے بلند و بالا شجر خاک ہوگئے

مہک ناز......ٹنڈو لہ یار

پھر وہی افسانہ فسانہ سناتی ہو
دل کے پاس ہوں کہہ کر دل جلاتی ہو
بے قرار ہیں آتش نظر سے ملنے کو
تو پھر کیوں نہیں پیار جتاتی ہو

وریشہ ضیاء......ملتان

ہم نے بھی کبھی کسی سے پیار کیا تھا
ہاتھوں میں پھول لے کر انتظار کیا تھا

بینش سحر......بہاولنگر

ہر لمحہ آپ کے ہونٹوں پر مسکان رہے
خدا کرے ہر غم سے آپ انجان رہیں
مہک اٹھے جس سے زندگی آپ کی
ہمیشہ آپ کے پاس وہ انسان رہے

خدیجہ ندیم......حیدرآباد

پیار جب ملتا نہیں تو ہوتا کیوں ہے
اگر خوابوں میں وہ آئے تو انسان سوتا کیوں ہے

مہرین اکبر......کنری

آپ نے نظر سے نظر کب ملا دی
ہماری زندگی جھوم کر مسکرا دی
زبان سے ہم کچھ بھی تو نہ کہہ سکے

پر نگاہوں نے دل کی کہانی سنا دی
ثناء......میر پور خاص

روٹھ جاؤ کتنا بھی منا لیں گے
دور جاؤ کتنا بھی بلا لیں گے
دل آخر دل ہے ساگر کی ریت تو نہیں
کہ نام لکھ کر اسے مٹا دیں گے
نرمین علی......کراچی

وہ جس کی یاد میں خرچ کردی زندگی ہم نے
وہی شخص آج ہمیں غریب کہہ کر چلا گیا
زینب آصف......ڈگری

کوئی تعویذ ایسا دو کہ میں چالاک ہوجاؤں
بہت نقصان دیتی ہے مجھے یہ سادگی میری
نادیہ گل......ناظم آباد، کراچی

اپنی آنکھوں کے سمندر میں اتر جانے دے
تیرا مجرم ہوں مجھے ڈوب جانے دے
زخم کتنے دیے ہیں تیری چاہت نے مجھ کو
سوچتا ہوں تجھ سے کہوں مگر جانے دے
صبا دچاہت......شہدادکوٹ

تکلیف مٹ گئی لیکن احساس رہ گیا
خوش ہوں چلوں کچھ تو میرے پاس رہ گیا
امبرین کوثر......رحیم یار خان

کوشش تو ہوتی ہے کہ ہر خواہش پوری کروں
پر ڈر لگتا ہے تو خواہش میں مجھ سے جدائی نہ مانگ لے
شہانہ میر......دادو

کیوں دل کے قریب آجاتا ہے کوئی
کیوں دل کے احساس کو چھو جاتا ہے کوئی
جب عادت سی ہوجاتی ہے دل کو اس کی
کیوں اتنی دور چلا جاتا ہے کوئی
فرحانہ سعید......لاہور

خیالوں کو کسی کی آس رہتی ہے
نگاہوں کو تیری تلاش رہتی ہے
تیرا بنا کوئی کمی نہیں ہے لیکن
تیرے بغیر طبیعت اداس رہتی ہے
تہمینہ سرفراز......کراچی

اس کے سوا کوئی میرے جذبات میں نہیں
آنکھوں میں جو نمی ہے وہ برسات میں نہیں
پانے کی اسے کوشش بہت کی مگر اے دوستو
وہ ایک لکیر ہے جو میرے ہاتھ میں نہیں
نسرین عالم......ملتان

تیری آرزو میرا خواب ہے
جس کا راستہ بہت خراب ہے
میرے زخم کا اندازہ نہ لگا
دل کا ہر پنہ درد کی کتاب ہے
ہالہ سلیم......کراچی

تیز بارش میں بھی سرد ہواؤں میں رہا
اک تیرا ذکر تھا جو میری صداؤں میں رہا
کتنے لوگوں سے میرے گہرے مراسم ہیں مگر
تیرا چہرہ ہی فقط میری دعاؤں میں رہا
سدرہ شاہین......پیرووال

مانا کہ پر فریب ہے وعدہ تیرا
کرتے ہیں انتظار بڑے پیار سے
ارم صابرہ......تلہ گنگ

آنکھوں کا ہے فریب یا عکس جمال ہے
آتی ہے کیوں نظر تیری صورت جگہ جگہ
عائشہ سلیم......اورنگی ٹاؤن کراچی

اناؤں، نفرتوں خود غرضیوں کے ٹھہرے پانی میں
محبت گھولنے والے بڑے درویش ہوتے ہیں
طیبہ ارشاد......منڈی بہاؤالدین

وہ عجیب لڑکی تھی اس کو راس آتا تھا
سردیوں کے موسم میں کھڑکیاں کھلی رکھنا
رخسانہ اقبال......قائد آباد

نہ رہوں میں، نہ میرا نام، نہ میری ہستی
اتنی شدت سے کہیں خود میں بسا لے مجھ کو
جویریہ ضیاء......ملیر کراچی

ابھی بھی تم نہیں سمجھے ہماری ان کہی باتیں
مگر جب یاد آئیں گی بہت رلائیں گی تم کو

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

زہرہ جبین

مکس سبزیوں کا سوپ

اجزاء:۔

مرغی کی ہڈیاں	دو سو پچاس گرام
پیاز	ایک عدد
لہسن	تین جوے
ٹماٹر	دو عدد
آلو	ایک عدد
مٹر	ایک کپ
گاجر	دو عدد
بند گوبھی	ایک کپ
پھول گوبھی	ایک کپ
نمک	ایک چائے کا چمچ
کالی مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
کالی مرچ ثابت	پانچ عدد
لیموں کا رس	چار چائے کے چمچ
ہرا دھنیا	چار کھانے کے چمچ
تیز پات	ایک عدد
لونگ	ایک عدد
پانی	تین لیٹر
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے

ترکیب:۔

مرغی کی ہڈیوں کو پانی والے برتن میں ڈالیں، لونگ، تیز پات اور ثابت کالی مرچ شامل کریں اور پینتالیس منٹ ابالیں اور اس کے بعد چھان لیں، اب مٹر اور آلو شامل کریں اور پانچ منٹ تک پکائیں لہسن اور گوبھی شامل کریں اور پانچ منٹ تک مزید پکائیں، اب نمک، لیموں کا رس، کالی مرچ پاؤڈر، ٹماٹر، پیاز اور بند گوبھی کو مکس کرلیں اور ایک منٹ پکائیں آخر میں آدھے کپ پانی میں کارن فلور حل کرکے ڈالیں اور کٹا ہوا ہرا دھنیا چھڑکیں پھر پیش کریں۔

نزہت جبین ضیاء.....کراچی

ویجیٹیبل سوپ

اجزاء:۔

پالک کے چھوٹے پتے	آدھا کپ
بند گوبھی (کدوکش کی ہوئی موٹی)	آدھا کپ
آلو (درمیانے سائز کا)	ایک عدد
ٹماٹر (درمیانے سائز کا)	ایک عدد
کالی مرچ (پسی ہوئی)	آدھا چمچ
ہری مرچ (باریک کٹی ہوئی)	آدھا چمچ
سویا ساس	دو کھانے کے چمچ
چلی گارلک ساس	دو کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
لیموں کا رس	ایک چائے کا چمچ
کارن فلور	دو کھانے کے چمچ
چکن کیوب	ایک عدد یا چکن کی یخنی دو کپ
پانی	دو کپ
ادرک (باریک کٹی ہوئی)	ایک چمچ

ترکیب:۔

دو کپ یخنی اور دو کپ پانی میں تمام سبزیاں ڈال دیں اور تقریباً پندرہ سے بیس منٹ تیز آنچ پر ابالیں، چولہا ہلکا کرکے چلی گارلک ساس، کالی مرچ، سویا ساس، لیموں کا رس، نمک ڈال دیں، جب سرو کرنا ہو تو دو منٹ پہلے آدھا کپ پانی میں کارن فلور حل کرکے ڈالیں اور ہلکا گاڑھا ہونے تک پکائیں اور سرونگ باؤل میں نکال کر اوپر ہرے دھنیے یا پودینے کے پتے سجا کر پیش کریں۔

شہزادی فرخندہ.....خانیوال

یخنی سالن

اجزاء:۔

گوشت	آدھا کلو
نمک	حسب پسند
لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
ثابت لہسن	دو پوتھی
پیاز	تین عدد درمیانے
سونف	دو کھانے کے چمچ
ثابت لال مرچ	دس سے بارہ عدد

ٹماٹر	ایک پاؤ
ثابت دھنیا	دو کھانے کے چمچ
کوکنگ آئل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

تیل گرم کریں اور اس میں گوشت ڈال کر چند منٹ بھونیں، پھر کٹے ہوئے ٹماٹر، کٹی مرچ اور نمک ڈال کر مزید بھونیں کہ ٹماٹر کا پانی خشک ہوجائے اب پیاز کے چھلکے اتارلیں اور اسے ثابت ہی رہنے دیں لہسن کو اچھی طرح دھولیں، سونف دھنیا کی پوٹلی بنالیں، جب گوشت کا پانی خشک ہوجائے تو اس میں ثابت پیاز، لہسن اور سونف دھنیا کی پوٹلی اور ثابت اور ثابت لال مرچ شامل کرکے پانی شامل کردیں پھر آنچ ہلکی کرکے گوشت گلنے تک پکائیں حسب ذائقہ شوربا ہوجائے تو چولہا بند کردیں اور اس یخنی سالن کو نان روٹی کے ساتھ پیش کریں، بہت مزیدار ہوگا۔

عائشہ سلیم..... کراچی

مشروم سوپ

اجزاء:۔

چکن کی یخنی	چار کپ
مشروم (کٹے ہوئے)	آدھا کپ
پیاز (کٹی ہوئی)	دو کھانے کے چمچ
لونگ	چار عدد
نمک	حسب ذائقہ
جائفل (پسی ہوئی)	ایک چٹکی
گھی	دو کھانے کے چمچ
دودھ	دو کپ
تیز پتے	دو عدد
کالی مرچ	پانچ سے چھ عدد
میدہ	تین کھانے کے چمچ
سفید مرچ	آدھا چائے کا چمچ
فریش کریم	چار کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

دودھ میں تیز پتا، کالی مرچ، لونگ ڈال کر ابالیں اور چھان لیں ایک دیگچی میں گھی ڈالیں اب کٹی ہوئی پیاز ڈال کر گولڈن فرائی کریں، پھر میدہ ڈال کر بھون لیں، اس میں آہستہ آہستہ مرغی کی یخنی ڈالتے جائیں، ساتھ چمچ چلاتی رہیں، ابال آنے کے بعد اس میں دودھ شامل کریں اور پکالیں پھر اس میں کٹے ہوئے مشروم، سفید مرچ پسی ہوئی جائفل پسی ہوئی اور نمک ڈال کر چمچ چلائیں چولہے سے اتار کر فریش کریم ملالیں، مزیدار سوپ تیار ہے۔

حنا اشرف..... کوٹ ادو

انڈوں کا سوپ

اجزاء:۔

بیف	آدھا کلو بغیر ہڈی کے
ویجی ٹیبل آئل	دو ٹیبل اسپون
یخنی	بارہ کپ
انڈے	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
تلوں کا پاؤڈر	چھ ٹیبل اسپون
سویا ساس	آٹھ ٹیبل اسپون
ہری پیاز صرف سفید حصہ	بارہ عدد
کالی مرچ	حسب ضرورت

ترکیب:۔

ایک تیز چاقو سے گوشت کے باریک باریک پارچے بنالیں اور ان پارچوں کو ایک ایک کرکے ٹکڑوں میں کاٹ لیں اب ایک بڑے برتن میں گوشت کے پارچے تلوں کا پاؤڈر ویجی ٹیبل آئل اور سویا ساس چار ٹیبل اسپون ڈال کر اچھی طرح ملالیں اب اس برتن کو دھیمی آنچ پر رکھ کر پکائیں، اب اس میں سے گوشت نکال کر علیحدہ رکھ دیں، اس کے بعد برتن میں یخنی اور باقی سویا ساس ڈال کر دھیمی آنچ پر رکھ کر پکائیں، اب اس میں سے گوشت نکال کر علیحدہ رکھ دیں اس کے بعد برتن میں یخنی اور باقی سویا ساس ڈال کر دھیمی آنچ پر بیس منٹ تک پکائیں پیاز کو ایک ایک انچ لمبے ٹکڑوں میں کاٹ لیں اور انہیں اسٹوو پر رکھے برتن میں ڈال کر مزید پانچ منٹ تک پکائیں، اب انڈوں کو توڑ کر ایک پیالے میں ڈالیں اور اچھی طرح پھینٹ لیں اور انہیں بھی برتن میں ڈال کر دھیمی آنچ کردیں اور اس دوران مسلسل چمچ ہلاتے جائیں تاکہ انڈے اس میں اچھی طرح حل ہوجائیں، سوپ تیار ہے اس میں نمک اور کالی مرچ حسب ذائقہ ڈال کر ہیں گوشت کے پارچے جو آپ نے نکال لیے تھے انہیں بھی ساتھ کھائیں اور سوپ کا مزہ لیں یہ سوپ آٹھ افراد کے لیے کافی ہے۔

ارم صابرہ.....تلہ گنگ

کشمیری چائے

اجزاء:۔

سبز چائے کی پتی	ایک کھانے کا چمچ
لونگ	چار عدد
دار چینی	ایک ٹکڑا (بڑا)
بادیان کا پھول	ایک عدد
چھوٹی الائچی	4,5 عدد
میٹھا سوڈا	ایک چٹکی
نمک	ایک چٹکی
شکر	حسب ذائقہ
دودھ	ایک کلو
پانی	چار کپ
بادام پستہ	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

ایک بڑے ساس پین میں چار کپ پانی ڈال دیں اب اس میں سبز چائے کی پتی، لونگ، دار چینی، بادیان کے پھول، الائچی، نمک ڈال کر ابال لیں، جب پانی ابلنے لگے تو اس میں سوڈا ڈال کر اچھی طرح پھینٹ لیں یہاں تک کہ پانی کا رنگ سرخ ہو جائے اس کو اتنا پکائیں کہ پانی خشک ہو کر ایک سے ڈیڑھ کپ رہ جائے اب اس میں دودھ اور دار چینی شامل کر کے پکائیں، بادام پستے پیس کر شامل کریں اور گرما گرم پیش کریں۔

انعم خان.....ہری پور

تھائی اسٹائل کارن سوپ

اجزاء۔

بون لیس چکن	آدھا کلو
پانی	3 گلاس
ہری پیاز	2 عدد
سوئٹ کارن	ایک کپ
کارن فلور	چار کھانے کے چمچ
جھینگے	ایک پاؤ
ہری مرچ	دو عدد
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
ہرا دھنیا	حسب ضرورت
تیل	ایک کھانے کا چمچ
لہسن	دو جوئے

ترکیب:۔

پہلے ایک کھانے کا چمچ تیل گرم کر کے اس میں دو عدد ہری مرچ فرائی کر لیں، ساتھ ہی دو جوئے لہسن ڈال دیں، اب اس میں ڈیڑھ کلو بون لیس چکن اور ایک پاؤ جھینگے شامل کر کے اچھی طرح بھون لیں۔ پھر تین گلاس پانی ڈال کر بیس منٹ ہلکی آنچ پر پکائیں۔ اس کے بعد ایک کپ سوئٹ کارن اور چار کھانے کے چمچ کارن فلور گھول کر شامل کریں۔ آخر میں ایک چائے کا چمچ کالی مرچ اور آدھا چائے کا چمچ نمک ڈال کر چولہا بند کر دیں، تھائی اسٹائل سوئٹ کارن سوپ تیار ہے۔

صباء ایشل.....بھاگووال

عرابین سوپ

اجزا:

لوبیا سفید	سوا پیالی (ایک گھنٹہ بھگوئیں)
مغز بادام	ایک پیالی (چھیل کر پیس لیں)
لہسن	پانچ جوئے (پسا ہوا)
زیتون کا تیل	دو کھانے کے چمچ
ڈبل روٹی	دو سلائس
نمک	حسب ذائقہ
پودینہ	چند پتیاں
سفید زیرہ کالی مرچ	ایک ایک چائے کا چمچ

ترکیب:

لوبیا کو ابال لیں جب گل جائے چھلنی میں ڈال کر پانی نکال کر رکھ لیں پسے ہوئے باداموں میں پسا ہوا لہسن اچھی طرح ملا دیں لوبیا کے پانی میں زیتون کا تیل ملائیں لہسن اور بادام والا آمیزہ شامل کر کے خوب پکائیں جب گاڑھا ہونے لگے تو لوبیا، نمک، پسا مصالحہ اور پودینے کے پتے شامل کر کے پیالی میں ڈالیں اور نوش کریں۔

اریبہ منہاج.....کراچی

سیاہ حلقوں کا علاج

آنکھو کی خوب صورتی کو گہن سے بچانے کے لیے آنکھو ں کے نچلے حصے کو ہائیڈریٹ رکھیں اور کسی معیاری و مستند آئی کریم بام یا آئی جیل کے استعمال کو اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ بنالیں۔

میک اپ چاہے کتنی ہی مہارت سے کیوں نہ کیا گیا ہو مگر میک اپ کا یہ نفیس انداز بھی آنکھوں کے نیچے موجود سیاہ حلقوں کی وجہ سے چہرے کو خوبصورتی فراہم کرنے سے قاصر رہتا ہے۔حلقوں کی بنیادی وجہ نیند کی کمی اور پانی کے مناسب استعمال میں کوتاہی ہے بعض خواتین تو پرسکون نیند لے کر حلقوں کی پریشانی سے نجات پالیتی ہیں لیکن کچھ خواتین کئی طرح کے جتن کرنے کے بعد بھی ان سے نجات حاصل کرنے سے قاصر رہتی ہیں آٹھ گھنٹے کی نینداور پانی کا مناسب استعمال ہی یوں تو حلقوں کی عمودی پریشانی کا سادہ ساحل ہے تاہم آنکھوں کے نیچے پڑنے والے حلقوں سے نجات کے کچھ طریقے اس مضمون میں شائع کیے جارہے ہیں۔

علامات: حلقوں کی اصل وجہ ناکافی نیند ہی نہیں بلکہ تھکن اور بوجھ کی وجہ سے جلد پژمردگی و کمزوری کا شکار ہوجاتی ہیں اور حلقے نمایاں ہونے لگتے ہیں آنکھوں کے گرد حلقے نمایاں ہونے کی دیگر اور بہت سی وجوہات بھی ہیں جن میں الرجی آنکھوں کو نہایت سختی سے رگڑنا وٹامنز کی کمی ایک دم سے زیادہ وزن کم ہوجانا ایگزیمیا اور پگمینٹیشن وغیرہ کو بھی شمار کیا جاتا ہے ہماری آنکھوں کے نیچے کی جلد قدرتی طور پر پتلی اور نازک ہوتی ہے اور بعض لوگوں میں تو یہ ضرورت سے زیادہ ہی حساس ہوتی ہیں آنکھ کے نیچے کا حصہ باریک شریانوں سے گھرا ہوتا ہے یہ جلد کا نہایت حساس وہ حصہ ہوتا ہے جہاں جسم میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا ظہور سب سے پہلے ہوا کرتا ہے جیسے کہ جسم میں خون کی کمی اور غذائی اجزا کے فقدان سے لاحق ہونے والی کمزوریوں کا اثر نمایاں طور پر آنکھوں کی زیریں جلد کی شکستگی و پژمردگی اوراس جگہ کی جلدی رنگت کے سیاہ پڑنے یعنی حلقوں کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے۔

وجوہات: آنکھوں کے زیریں حصوں میں نمایاں ہونے والے سیاہ حلقوں کے نمودار ہونے کی وجہ چاہے کوئی بھی ہو لیکن ان کا نظر آنا خوش آئند بات نہیں ہوتی۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی کیا چیز ہوگی جس کے ذریعہ اس سے چھٹکارا پایا جاسکے ہم اپنی زندگی میں تھوڑی بہت صحت مند تبدیلیاں پیدا کرکے سیاہ حلقوں کی پریشانی پر قابو پاسکتے ہیں یعنی نشہ آور ادویات والکحل کے استعمال کو سرے سے ترک کرنے کے ساتھ ساتھ تمباکونوشی کو بالکل ترک کردیا جائے اوراس کی جگہ پانی پرسکون مکمل نیند اور متوازن خوراک کا استعمال شروع کردیا جائے تو اس نسخہ سے چاہے مکمل طور پرنہیں لیکن فرق تو ضرور محسوس ہوگا۔اگر آپ فوراً ہی اس پریشانی سے نجات پانا چاہتی ہیں تو آپ کو اپنے آئی ماسک کے ساتھ کچھ خاص قسم کے میڈیکیٹیڈ کا استعمال بھی کرنا ہوگا لیکن اس کے لیے آپ کو ایک ماہر بیوٹیشن اور ہیلتھ کیئر ایکسپرٹ کی رہنمائی کی ضرورت ہوگی ویسے تو ان کا اثر دس دن تک رہتا ہے لیکن اگر آپ اپنی بیوٹیشن کی رائے کے مطابق لائف اسٹائل اپنائیں تو اس کا دورانیہ مزید بڑھ جائے گا چاہیں تو ped glyco کی جگہ ped gold کا استعمال کریں کیونکہ یہ آپ کی آنکھوں کے نیچے کی جلد میں اچھی طرح جذب ہوکر حلقوں کو چھپانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

میک اپ کی مدد: حلقوں کی پریشانی کو وقتی طور پر چھپانے کے لیے میک اپ کا سہارالیا جاسکتا ہے تاکہ چہرے کے مجموعی تاثر کی ناخوشگواریت کا خاتمہ کیا جاسکے اس مقصد کے لیے کنسیلر آپ کا بہترین دوست ثابت ہوگا اس کو اپنی رنگ فنگر کی مدد سے آنکھوں کے نیچے اور ناک کی لائن پر جو آنکھ سے جاکر ملتی ہیں ہلکے ہلکے ہاتھوں سے لگائیں اور اتنا ہی لگائیں جتنی آپ کو ضرورت ہے کنسیلر کو یلو بیس کے

ساتھ لگانے سے اچھا نتیجہ ملتا ہے اور آپ کے حلقے چھپ جاتے ہیں اگر آپ کے حلقے کالے رنگ کے ہیں تو اپنی نارمل جلد کے رنگ سے ہلکے رنگ کے کنسیلر کا استعمال کریں اور اگر آنکھ کے نیچے کا حصہ پھولا ہوا ہے تو گہرے رنگ کے لکوئڈ اساس کے حامل کنسیلر کا استعمال کریں اس کے علاوہ نیچے کی طرف کی پلکوں پر مسکارے کا استعمال بند کردیں جب گھر سے باہر نکلیں تو سن گلاسز کی مدد سے اپنی آنکھوں کو سورج کی روشنی سے محفوظ رکھیں کسی بھی تقریب سے واپس آکر فوراً ہی آنکھوں کا میک اپ یہاں تک کہ کاجل بھی صاف کردیں ویسے بھی رات کو سونے سے پہلے ہر قسم کا میک اپ صاف کر کے منہ دھو کر سونا چاہیے ورنہ میک اپ مصنوعات میں شامل کیمیکلز اور دیگر مضر اجزاء چہرے کی جلد خاص طور پر آنکھوں اور ہونٹوں وغیرہ کو بہت زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

ڈرمل فلرز: اندر کی طرف دھنسی ہوئی آنکھوں میں حلقوں کا مسئلہ زیادہ ہی نمایاں ہوجاتا ہے کیونکہ اس طرح کی آنکھوں میں ہمارے آنسو چہرے اور آنکھ کو ملانے والے حصے میں جمع ہونا شروع ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے اس جگہ کی کھال مخصوص انداز میں ابھر جاتی ہیں اس کے لیے آپ ڈرمل فلرز کا استعمال کرسکتی ہیں اس کے علاوہ آنکھوں کے نچلے حصے میں نمی واپس لانے کیلئے ہائیڈریشن یعنی جلد کو نمی کی بھرپور مقدار فراہم کرتے ہوئے اسے بہتر انداز میں موئسچرائز رکھنے پر بہت اہم کردار ادا کرتی ہیں اس کے ساتھ ساتھ آنکھوں کے نیچے لگانے والی کسی اچھی کریم بام آئی جیل کے استعمال کو اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ بنالیں ویسے تو 25 سال کی عمر کے بعد فرد کو اس طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اگر آپ احتیاط کریں گی تو زیادہ عرصے تک محفوظ رہ سکیں گی۔

فیٹ گرافٹنگ: اس کو چہرے کے شحمی عناصر کی تشکیل پذیری یا فیشل فیٹ ریجوویریشن بھی کہتے ہیں اس طریقہ کار میں رانوں اور اس کے اوپر ے حصے میں موجود فاضل چکنائی کو وہاں سے نکال کر ہماری آنکھوں کے نیچے والے حصے میں داخل کروایا جاتا ہے تاکہ وہ جگہ اسموتھ ہوجائے اس کے علاوہ اس چکنائی کو چہرے کے دیگر حصوں کو ابھارنے یا بھرنے کے لیے بھی استعمال کرسکتے ہیں مثلاً ناک اور منہ کے گھڑے بھرنے کے لیے یا پھر گال اور ہونٹ وغیرہ کے لیے اس کے علاوہ ایک اور طریقہ کار تمام عمر کی خواتین کے لیے مناسب رہتا ہے خاص طور پر Pigmented اسکن کے مریضوں کے لیے فائدے مند ہے جس میں ایک خاص دوائی کو آنکھوں کے نیچے والے حصے میں دخل کیا جاتا ہے تاکہ وہ چکنائی تک پہنچ سکے جس سے حلقے ختم ہونے لگتے ہیں۔

تھریڈ تھراپی: اس تھراپی میں انتہائی کاسمیٹک تھریڈ کو ہیئر لائن کے اطراف میں داخل کیا جاتا ہے اور پھر ایک دم سے آنکھ کے گرد سے اسے گزارا جاتا ہے یہ عمل جلد کو اس انداز میں حرکت دیتا ہے جس سے آنکھوں کے نیچے کا رنگ ہلکا پڑنے لگتا ہے اور حلقے ماند پڑنے لگتے ہیں۔

گلائکولک ایسڈ لوشن: اسے چونکہ آنکھوں کے نیچے کی جلد پر لگایا جاتا ہے اس لیے اس کو پروفیشنل ڈرمالوجسٹ کی زیر نگرانی ہی استعمال کریں تاکہ وہ آپ کے سیاہ حلقوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کا اندازہ کرسکے کہ اس کی کتنی مقدار آپ کے لیے بہتر رہے گی یہ ان خواتین کے لیے زیادہ موزوں رہتا ہے جن کے حلقے نئے نئے نمودار ہوئے ہوں اور ان کا فوری ازالہ ممکن ہو۔

لیزر تھراپی: یہ کوئی نئی ٹیکنالوجی نہیں ہے لیکن بہت کم لوگ اس کے بارے میں جانتے ہیں اس کے ذریعہ آپ کے حلقوں کی جگہ کو چمکدار کیا جاسکتا ہے اس کے علاوہ جھریوں اور چہرے کے پھولے ہوئے حصوں کو بھی بہتر کیا جاسکتا ہے لیکن اس ٹیکنالوجی کا استعمال بہت کم کیا جاسکتا ہے۔

ماوراطلحہ...... گجرات

چراغ راہ بجھا کیا، کہ رہنما بھی گیا
ہَوا کے ساتھ مسافر کا نقشِ پا بھی گیا
میں پھول چنتی رہی اور مجھے خبر نہ ہُوئی
وہ شخص آکے مرے شہر سے چلا بھی گیا
بہت عزیز سہی اُس کو میری دلداری
مگر یہ ہے کہ کبھی دل مرا دُکھا بھی گیا
اب اُن دریچوں پہ گہرے دبیز پردے ہیں
وہ تاک جھانک کا معصوم سلسلہ بھی گیا
سب آئے میری عیادت کو، وہ بھی آیا
جو سب گئے تو مرا دردِ آشنا بھی گیا
یہ غربتیں مری آنکھوں میں کیسی اُتری ہیں
کہ خواب بھی مرے رُخصت ہیں، رتجگا بھی گیا

شاعرہ: پروین شاکر

انتخاب: ماورا طلحہ...... گجرات

غزل

قرنِ اوّل کی روایت کا نگہدار حسین
بس کہ تھا لختِ دلِ حیدرِ کرار حسین
عرصۂ شام میں سی پارۂ قرآنِ حکیم
وادئ نجد میں اسلام کی للکار حسین
سر کٹانے چلا منشائے خداوند کے تحت
اپنے نانا کی شفاعت کا خریدار حسین
کوئی انساں کسی انساں کا پرستار نہ ہو
اس جہاں تاب حقیقت کا علمدار حسین
ابو سفیان کے پوتے کی جہانبانی میں
عزتِ خواجۂ گیہاں کا نگہدار حسین
کرۂ ارض پہ اسلام کی رحمت کا ظہور
عشق کی راہ میں تاریخ کا معمار حسین
جان اسلام پہ دینے کی بنا ڈال گیا
حق کی آواز، صداقت کا طرفدار حسین
دینِ قیم کے شہیدوں کا امامِ برحق
حشر تک امتِ مرحوم کا سردار حسین
ہر زمانے کے مصائب کو ضرورت اس کی
ہر زمانے کے لیے دعوتِ ایثار حسین
کربلا اب بھی لہو رنگ چلی آتی ہے
دورِ حاضر کے یزیدوں سے دوچار حسین

شاعر: شورش کاشمیری

انتخاب: نادیہ فاطمہ رضوی...... کراچی

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں
دل آشفتگاں خالِ کنجِ دہن کے
سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں
ترے سرو قامت سے اک قدِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
تماشا کہ اے محوِ آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں
سراغِ تفِ نالہ لے داغِ دل سے
کہ شب رو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں
کسو کو زخود رستہ کم دیکھتے ہیں
کہ آہو کو پابند رم دیکھتے ہیں
خط لختِ دل یک قلم دیکھتے ہیں
معہ کو جواہر رقم دیکھتے ہیں

شاعر: غالب

انتخاب: پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

کٹ گئی غم کی رات یاد نہیں
اب ہمیں کوئی بات یاد نہیں
زیست کی مہربانیاں توبہ
آپ کا التفات یاد نہیں
کل کی باتیں تو خیر خواب ہوئیں
آج کے واقعات یاد نہیں
آپ کیوں شرمسار کرتے ہیں
واقعہ ہے کہ بات یاد نہیں
جام گردش میں آ رہا ہے عدم
زیست کے حادثات یاد نہیں

شاعر: عبدالحمید عدم

انتخاب: حنااشرف..... کوٹ ادو

کتنے موسم سرگرداں تھے مجھ سے ہاتھ ملانے میں
میں نے شاید دیر لگا دی خود سے باہر آنے میں
آج اس پھول کی خوشبو مجھ میں، پیہم شور مچاتی ہے
جس نے بیحد عجلت برتی ، کھلنے اور مرجھانے میں
بات بنانے والی باتیں، رنگ نکھارنے والے دن
کن رستوں پر چھوڑ آیا میں، عمر کا ساتھ نبھانے میں
جتنے دکھ تھے، جتنی امیدیں، سب سے برابر کام لیا
میں نے اپنے آئیندہ کی ، اک تصویر بنانے میں
ایک وضاحت کے لمحے میں، مجھ پر یہ حال کھلا
کتنی مشکلیں پیش آتی ہیں ، اپنا حال بتانے میں

شاعر: عزم بہزاد

انتخاب: ارم صابرہ..... تلہ گنگ

محبت

کیا ہے، کیا بولوں
بڑی دلکش، بڑی معصوم
پاگل سی، بڑی پیاری
ہنسانی، گیت گاتی، مسکراتی ہے
محبت زندگانی ہے
نہیں کوئی دوسرا مطلب
محبت تم ہی ہو جاناں
یہی میری محبت ہے
محبت بس
محبت ہے

شاعر: شفیق الرحمٰن

انتخاب: ہالہ سلیم..... کراچی

وہ اداس اداس اک شام تھی
ایک چہرہ تھا اک چراغ تھا
میرا کیا تھا تیرے حساب میں
میرا سانس سانس ادھار تھا
اور کچھ نہیں تھا زمین پر
ایک آسمان کا غبار تھا
تیری آرزو میں اڑے تو تھے
چند خشک پتے چنار کے
جو ہوا کے دوش سے گر پڑا
ان میں ایک یہ خاکسار تھا
جو گزر گیا وہ تو وقت تھا
جو بچا رہا وہ غبار تھا
بڑے صوفیوں سے خیال تھے
اور بیان بھی اُس کا کمال تھا
کہا میں نے کب کہ ولی تھا وہ
ایک شخص تھا بادہ خوار تھا

شاعر: گلزار

انتخاب: سدرہ شاہین..... پیرووال

اشک اپنا کہ تمہارا نہیں دیکھا جاتا
ابر کی زد میں ستارا نہیں دیکھا جاتا
اپنی شہ رگ کا لہو تن میں رواں ہے جب تک
زیر خنجر کوئی پیارا نہیں دیکھا جاتا
موج در موج الجھنے کی ہوس بے معنی
ڈوبتا ہو تو سہارا نہیں دیکھا جاتا
تیرے چہرے کی کشش تھی کہ پلٹ کر دیکھا
ورنہ سورج تو دوبارہ نہیں دیکھا جاتا
آگ کی ضد پہ نہ جا پھر سے بھڑک سکتی ہے
راکھ کی تہہ میں شرارہ نہیں دیکھا جاتا
زخم آنکھوں کے بھی سہتے تھے کبھی دل والے
اب تو ابرو کا اشارا نہیں دیکھا جاتا
کیا قیامت ہے کہ دل جس کا نگر ہے محسن
دل پہ اس کا بھی اجارہ نہیں دیکھا جاتا

شاعر: محسن نقوی

انتخاب: نجم انجم اعوان..... کورنگی کراچی

ہر جُنبشِ نگاہ تری جانِ آرزُو
موجِ خرامِ ناز ہے، ایمانِ آرزُو
جلوے تمام حُسن کے آ کر سما گئے
اللہ رے یہ وُسعتِ دامانِ آرزُو
میں اِک چراغِ کشتہ ہُوں شامِ فِراق کا
تو نو بہارِ صبحِ گلِستانِ آرزُو
اِس میں وہی ہیں، یا مِرا حُسنِ خیال ہے
دیکھُوں اُٹھا کے پردہ ایوانِ آرزُو
اِک راز ہے تبسّمِ غمناک، ہجر میں
ہے اِک طِلسمِ گریِ خندانِ آرزُو

اب طور پر وہ برقِ تجلی نہیں رہی
ٹھہرا رہا ہے شعلہ عُریانِ آرزو
اُس کی نگاہِ ناز نے چھیڑا کچھ اِس طرح
اب تک اُچھل رہی ہے رگِ جانِ آرزو
اُس نوبہار ناز کی صورت کی ہُو بہ ہُو
تصویر ایک ہے تہِ دامانِ آرزو
چاہا جہاں سے، فطرتِ منظر بدل دیا
ہے کُل جہان، تابعِ فرمانِ آرزو
کوثر کی موج تھی، تری ہر جُنبشِ خرام
شاداب ہو گیا چمنستانِ آرزو

شاعر:اصغر گونڈوی

انتخاب:ضوبار یہ ساحر......مظفر گڑھ

یہ کون آج مری آنکھ کے حصار میں ہے
مجھے لگا کہ زمیں میرے اختیار میں ہے
چراغِ رنگِ نوا، اب کہیں سے روشن ہو
سکوتِ شامِ سفر، کب سے انتظار میں ہے
کچھ اِس طرح ہے تری بزم میں یہ دل، جیسے
چراغِ شامِ خزاں، جشنِ نو بہار میں ہے
مری حیات کے سارے سفر پہ بھاری ہے
وہ ایک پل جو تری چشمِ اعتبار میں ہے
جو اُٹھ رہا ہے کسی بے نشان صحرا میں
نشانِ منزلِ ہستی اُسی غبار میں ہے
ہماری کشتیِ دل میں بھی اب نہیں وہ زور
تمہارے حسن کا دریا بھی اب اُتار میں ہے
کبھی ہے دُھوپ کبھی ابر، خوش نما امجد
عجب طرح کا تلوّن مزاجِ یار میں ہے

شاعر:امجد اسلام امجد

انتخاب:سمیہ عثمان

تمہیں مجھ میں کیا نظر آ گیا جو میرا یہ روپ بنا گئے
وہ تمام لوگ جو عشق تھے وہ میرے وجود میں آ گئے
نہ تیرے سوا کوئی لکھ سکے نہ میرے سوا کوئی پڑھ سکے
یہ حروف بے ورق وسبق ہمیں کیا زباں سکھا گئے
نہ کر آج ہم سے یہ گفتگو مجھے کیوں ہوئی تیری جستجو
ارے ہم بھی ایک خیال تھے سو تیرے بھی ذہن میں آ گئے
جو سنا کہ گھر تیرے جائیں گے تیرے صحن و باغ سجائیں گے
میرے اشک اڑ کے ہوا کے ساتھ انہی بادلوں میں سما گئے
دلِ شب میں صبح کی دھڑکنیں ابھی ابتدائے غزل میں تھیں
کہ وہ آئے اور تمام شعر میری ہی دھن میں سنا گئے
جو نہ آپ اس پہ ہوئے عیاں یہ رکھے گا ہم کو بھی سرگراں
کئی بار لے کے شکایتیں میرے دوست ارض و سما گئے
کئی محفلوں میں تو یوں ہوا کہ جب آئے عالی خوش ادا
جو نہ کھل سکے تو چھپے رہے، جو نہ رو سکے وہ رلا گئے

شاعر:جمیل الدین عالی

انتخاب:ندا رضوان......کراچی

صدیاں لگیں انسان کو جس علم کی خاطر
دو وقت کی روٹی نے وہ پھر چھین لیا ہے
اپنی تھی دہائی کہ ہوا گھر میں اندھیرا
ایسی ہوئی شنوائی کہ گھر چھین لیا ہے
صدیوں کی مشقت نے جو سایہ تھا خریدا
اس دور نے ہم سے وہ شجر چھین لیا ہے
کہتے ہیں کہ جینا ہے تو جنگل کو ہی چلئے
انسان سے حیواں نے نگر چھین لیا ہے
تھا حکمِ خدا ظلم میں کر جاؤں میں ہجرت
تہذیب کے زنداں نے سفر چھین لیا ہے
ہر شے میں نظر آتی ہے اب ایک سیاہی
اس رات نے رنگوں کا ہنر چھین لیا ہے
ابرک یہ شکایت نہیں بس رب سے ہے فریاد
کاہے مری دعاؤں سے اثر چھین لیا ہے

شاعر:اتباف ابرک

انتخاب:حنا کامران......چیچہ وطنی

اگر خلاف ہیں، ہونے دو، جان تھوڑی ہے
یہ سب دھواں ہے، کوئی آسمان تھوڑی ہے
لگے گی آگ تو آئیں گے گھر کئی زد میں
یہاں پہ صرف ہمارا مکان تھوڑی ہے
میں جانتا ہوں کہ دشمن بھی کم نہیں لیکن
ہماری طرح ہتھیلی پہ جان تھوڑی ہے
ہمارے منہ سے جو نکلے وہی صداقت ہے
ہمارے منہ میں تمہاری زبان تھوڑی ہے
جو آج صاحبِ مسند ہیں، کل نہیں ہوں گے
کرائے دار ہیں، ذاتی مکان تھوڑی ہے

شاعر:ڈاکٹر راحت اندوری

انتخاب:صباء ایشل......بھاگووال

دل و دماغ کو رو لُوں گا، آہ کر لوں گا
تمہارے عشق میں سب کچھ تباہ کر لوں گا!
اگر مجھے نہ مِلیں تُم، تمہارے سر کی قسم
میں اپنی ساری جوانی تباہ کر لُوں گا
مجھے جو دیر و حرم میں، کہیں جگہ نہ ملی
تیرے خیال ہی کو سجدہ گاہ کر لوں گا
جو تم سے کر دیا محروم، آسماں نے مجھے
میں اپنی زندگی صَرفِ گناہ کر لوں گا
رقیب سے بھی ملوں گا، تمہارے حُکم پہ میں
جو اَب تلک نہ کیا تھا اب آہ کر لوں گا
تمہاری یاد میں، میں کاٹ دوں گا حشر سے دن
تمہارے ہجر میں راتیں سیاہ کر لوں گا
حریمِ حضرتِ سلمیٰ کی طرف جاتا ہوں
ہوا نہ صبر تو چُپکے سے آہ کر لوں گا
یہ نو بہار، یہ ابر و ہوا، یہ رنگِ شراب
چلو جو ہو سو ہو اب تو گُناہ کر لوں گا
کِسی حسینہ کے معصوم عشق میں اختر
جوانی کیا ہے میں سب کچھ تباہ کر لُوں گا

شاعر:محمد داؤد خان اختر شیرانی

انتخاب:لائبہ زبیر......گلشن اقبال، کراچی

اس عہد میں الٰہی محبت کو کیا ہوا
چھوڑا وفا کو ان نے مروت کو کیا ہوا
امیدوار وعدہ دیدار مر چلے
آتے ہی آتے یارو قیامت کو کیا ہوا
کب تک ظلم آہ بھلا مرگ کے تئیں
کچھ پیش آیا واقعہ رحمت کو کیا ہوا
اس کے گئے پر ایسے گئے دل سے ہم نشیں
معلوم بھی ہوا نہ کہ طاقت کو کیا ہوا
بخشش نے مجھ کو ابر کرم کی کیا خجل
اے چشم جوش اشک ندامت کو کیا ہوا
جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف
اے کشتہ ستم تری غیرت کو کیا ہوا
تھی صعب عاشقی کی بدایت ہی میر پر
کیا جانیے کہ حال نہایت کو کیا ہوا

شاعر:میر تقی میر

انتخاب:رمشا مسعود......ناظم آباد، کراچی

شہرِ گُل کے خس وخاشاک سے خوف آتا ہے
جِس کا وارث ہُوں اُسی خاک سے خوف آتا ہے
کبھی افلاک سے نالوں کے جواب آتے تھے
اِن دِنوں عالمِ افلاک سے خوف آتا ہے
صُورت بننے نہیں پاتی کہ بگڑ جاتی ہے
نئی مٹی کو نئے چاک سے خوف آتا ہے
یہ ہی لہجہ تھا کہ معیارِ سخن ٹھہرا تھا
اب اِسی لہجہِ بے باک سے خوف آتا ہے

شاعر:افتخار عارف

انتخاب:عائشہ فیضان......پاپوش نگر، کراچی

غزل

میں جانتا ہوں جو پاؤں پہ چل نہیں سکتا
زیادہ دیر زمین پر اچھل نہیں سکتا
کس طرف سے پرندے کہاں سے آئیں گے
میں ایسا پیڑ ہوں جو پھل پھول نہیں سکتا
مرے وجود نے یوں قید کرلیا ہے مجھے
میں خود کو توڑ کے باہر نکل نہیں سکتا
بلاوا آ ہی گیا ہے ادھر کو جانے کا
یہ ایسا وقت کسی طور ٹل نہیں سکتا
تو آفتاب اگر ہے تو کیا کروں امجد
میں برف برف ہوں لیکن پگھل نہیں سکتا

شاعر:امجد جاوید

انتخاب:نورین مسکان سرور......ڈسکہ، سیالکوٹ

alam@aanchal.com.pk

جنگ اُحد

جنگ احد کے موقع پر حضرت طلحہ حضورﷺ کا دفاع کر رہے تھے وہ آپﷺ کے سامنے سینہ تانے کھڑے تھے تا کہ جو تیر آئے وہ حضورﷺ کے سینے کے بجائے ان کے سینے پر لگے آنحضرتﷺ کا دفاع کرتے ہوئے حضرت طلحہؓ کا ہاتھ شل ہوگیا اور سارا جسم چھلنی ہوگیا ان کے جسم پر تیر وتلوار کے تقریباً ستر زخم تھے ایک دفعہ آپﷺ سفر میں تھے اور حضرت ابوقتادہؓ آپ کا دفاع کررہے تھے وہ ساری رات آپﷺ کی سواری کے ساتھ آپﷺ کی حفاظت کی غرض سے چلتے رہے، آپﷺ نے فرمایا، ''ابوقتادہ اللہ کے نبی کی حفاظت کرنے کے صلہ میں اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے۔''

صحابیات بھی دل و جان سے آپﷺ پر فدا تھیں صحابہ کی طرح وہ بھی آپﷺ کو اپنی جان و مال سے زیادہ عزیز سمجھتی تھیں ایک عورت کا بھائی، بیٹا اور شوہر ایک غزوے میں گئے ہوئے تھے خبر اڑ گئی کہ آپﷺ شہید ہوگئے وہ عورت دوڑتی ہوئی میدان کارزار کی طرف چل پڑی، راستے میں ایک مجاہد ملا اس نے خبر دی کہ تیرا شوہر شہید ہوگیا آگے گئی تو خبر ملی کہ بھائی بھی شہید ہوگیا ہے پھر کسی نے اسے بتایا کہ اس کا بیٹا شہید ہوگیا مگر وہ یہی پوچھتی رہی کہ حضورﷺ کیسے ہیں؟ جب اسے بتایا گیا کہ آپﷺ بخیریت ہیں تو اس نے کلمہ شکر ادا کیا اور کہا اگر حضورﷺ حیات ہیں تو ہر نقصان قابل برداشت ہے۔

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

حدیث رسولﷺ

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور بھائی نہ تو اپنے بھائی پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو ظلم یا تکلیف میں مبتلا دیکھ سکتا ہے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات کا کفیل ہوجاتا ہے اور جو شخص کسی ایک مسلمان کی تکلیف دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکالیف میں سے ایک تکلیف دور فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

(بخاری ۴۶:۳:۶)

مشی خان......

میسج

سنو......

ان سے جا کر کہنا

کہ جس دن تم مجھ سے جدا ہوئے

اسی دن سے......

میرے موبائل پر

میسج بھی آنا

بند ہوگئے جاناں

شاعرہ: نجم انجم اعوان......کورنگی، کراچی

مہکے ہوئے خیالات

○ آدمی کی زندگی پر عقل کی نہیں تقدیر کی حکمرانی ہے۔

○ جس کے پاس مضبوط قوت ارادی ہے دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق بنالیتا ہے۔

○ اللہ تعالیٰ ہمارے مقدر میں اگر پتھریلے راستے لکھتا ہے تو ہمیں مضبوط جوتے بھی بخشتا ہے۔

○ جو شخص وعدہ کرنے سے جتنا زیادہ گریز کرتا ہے وہ وعدے کا اتنا ہی زیادہ پابند ہوتا ہے۔

○ یقین لہجے میں بولتا ہے کردار میں نظر آتا ہے اور اندھیرے کو روشنی میں بدلتا ہے۔

○ ہم چاہے موسموں کے ساتھ بدلتے رہیں لیکن موسم ہمیں نہیں بدل سکتے۔

○ محبتوں کی ضرورت میں کیا جانے والا ضبط بہت کڑا ہوتا ہے۔

○ اگر بازی بااصول طریقے سے جیتی جائے تو ہارنے والا

بھی داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

○ جو اچھے کو اچھا نہ جانے وہ برے کو بھی برا نہیں سمجھتا۔

○ آپ کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ آپ کی شخصیت کو ظاہر کرتا ہے۔

ارم کمال...... فیصل آباد

ماں اور محبت

بوعلی سینا نے کہا "اپنی زندگی میں محبت کی سب سے اعلیٰ مثال میں نے تب دیکھی جب سیب چار تھے اور ہم پانچ تب میری ماں نے کہا مجھے سیب پسند ہی نہیں۔"

شبنم حنیف...... لاہور

انسان

کسی کے چہرے پر مت جاؤ کیونکہ ہر انسان بند کتاب کی مانند ہوتا ہے جس کا سرورق کچھ اور ہوتا ہے اور اندر کچھ اور تحریر ہوتا ہے۔

علیشبہ نور...... بھیر کنڈ

اقتباس

بیٹیاں تو شہزادیاں ہوتی ہیں اور شہزادیاں اپنے وقار میں اچھی لگتی ہیں اپنے وقار سے نیچے نہیں۔

اقتباس: شکست ذات

سمیرا سواتی...... بھیر کنڈ

اچھی بات

کوئی بھی شخص الفاظ کا چناؤ اپنے ظرف کے مطابق کرتا ہے، جیسا ظرف ویسے الفاظ اور ظرف دو چیزوں کا پتا دیتا ہے تربیت کا اور نسب کا۔

شزا بلوچ...... جھنگ صدر

نظم

اے پاک وطن کے بیٹوں
اے پاک وطن کے حکمرانوں
اے پاک وطن کے غازیوں
اے پاک وطن کے رہنماؤں
سب کو سال نو کی مبارکباد
پاک قوم کی ماؤں
پاک قوم کے معماروں
پاک قوم کے ستاروں
پاک قوم کے شیروں
سب کو سال نو کی مبارکباد
پیارے دوستوں
عزیزوں، رہنماؤں
دل نواؤں کو
سب کو سال نو کی مبارکباد
سال نو کی خوشیاں
سال نو کی کامیابیاں
سال نو کی خوشبوئیں
سال نو کی برکتیں
سال نو کی بہاریں
سال نو کی آمد آمد
مبارک ہو
مبارک ہو نئے سال کا سورج
مبارک ہو نئے سال کی بہار
سب کو سال نو مبارک ہو

اقرا جٹ...... مچن آباد

ماں

سمندر نے کہا:
ماں ایک ایسی سلیپ ہے جو اولاد کے لاکھوں راز چھپا لیتی ہے۔

بادل نے کہا:
ماں ایک دھنک ہے جس میں ہر رنگ نمایاں ہے۔

شاعر نے کہا:
ماں ایک ایسی غزل ہے جو ہر سننے والے کے دل میں اترتی ہے۔

ماں نے کہا:
ماں گلشن کا وہ دلکش پھول ہے جس سے خوب صورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔

اولاد نے کہا:

ماں ممتا کی انمول داستان ہے جو ہر دل میں رقم ہے۔
خدا نے فرمایا:
ماں میری طرف سے قیمتی اور نایاب تحفہ ہے ماں ہی تو جنت ہے۔
نادیہ تبسم......ڈسکہ

سیٹ

نو دس لوگ تاش کھیل رہے تھے کہ پولیس کی گاڑی آ گئی پٹھان بھاگ کر پولیس کی گاڑی کی سیٹ پر بیٹھ گیا پولیس والا بولا''ہم تم لوگوں کو پکڑنے آئے اور تم اپنے آپ ہی گاڑی میں کیوں آ کر بیٹھ گئے؟'' پٹھان بولا۔
''لاسٹ ٹائم جب ہم پکڑے گئے تھے تو مجھے گاڑی میں کھڑا ہو کر جانا پڑا تھا۔''
پروین افضل شاہین......بہاولنگر

انمول باتیں

❁ عقل بادام کھانے سے نہیں آتی بلکہ دھوکا کھانے سے آتی ہے۔
❁ زندگی کو خوابوں کے پیچھے ضائع مت کرو بلکہ انہیں حقیقت بنانے کی کوشش میں لگے رہو۔
❁ زندگی مشکل ترین امتحان ہے بہت سے انسان اس لیے ناکام ہو جاتے ہیں کہ وہ سوچتے ہیں کہ وہ نقل سے پاس ہو جائیں گے مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ ہر ایک کا پرچہ مختلف ہوتا ہے۔
❁ زندگی ایک ون وے سڑک کی طرح ہے جہاں تم پیچھے دیکھ تو سکتے ہو مگر پیچھے جا نہیں سکتے۔
❁ ووٹ ڈالنے کے لیے عمر کی حد 18 سال اور شادی کے لیے 21 سال ہونا ضروری ہے یعنی کہ بیوی سنبھالنا ملک سنبھالنے سے زیادہ مشکل ہے۔
صبا زرگر، ذکا زرگر......جوڑہ

افسانچہ

بن ترے میں کتنا اداس ہوں کس قدر تمہیں یاد کرتا ہوں کبھی سوچا ہے کب آؤ گی تم یار؟ تمہیں یاد ہے میں اور تم دھند کو ایک ساتھ انجوائے کرتے تھے اور......اور یاد ہے تم مجھ میں سما کر مجھے اسٹیچو بنا دیتی تھی مجھے کس کس طرح سے تنگ کیا تم نے کبھی بارش بن کر تو کبھی شاعر کی یخ بستہ غزل بن کر ہاہاہاہا......اور کبھی کبھی تو بنا آہٹ کے تم میری رضائی میں گھس آتی تھی اور میری روح تک کانپ جاتی تھی اب سب حرکتوں کی وجہ سے تم مجھے اچھی لگنے لگی ہو تم بھی سوچ رہی ہو گی کہ عجیب شخص ہے، مجھ سے تنگ بھی تھا اور مجھے شدت سے یاد بھی کرتا ہے۔ پتا ہے خاص کر تمہارا دسمبر کا بچپن کا ساتھ جو رہا ہے اچھا میری ایک گزارش ہے کبھی جون، جولائی میں چکر لگاؤ ناں تم ان ماہ میں بہت نکھری نکھری اور حسین لگتی ہو اب تو گھر والے بھی میری تمہاری لیے دیوانگی اور انتظار دیکھ کر تمہارا پورے چھ مہینوں سے انتظار کر رہے تھے میں جانتا ہوں کچھ لوگوں کو تمہارا وجود راس نہیں آتا مگر مجھے ان کی بالکل پروا نہیں بس تم آ جاؤ آ جاؤ ناں پلیز میری پیاری سردی کی رت۔
سحرش مصطفیٰ......میانوالی

دبستان ھنر

❖ وہ شخص جسے خوشی کی تمنا نہیں ہوتی دراصل سب سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔
❖ خوشی پانی کو مٹھی میں پکڑنے کی ایک کوشش ہے کہ جوں جوں ہم مٹھی بھینچتے چلے جاتے ہیں پانی باہر نکلتا جاتا ہے۔
❖ بعض لوگوں سے فیصلے جرم کی طرح سرزد ہوتے ہیں اور پھر تمام عمر اس کی سزا بھگتنے میں گزر جاتی ہے۔
❖ جدائی کا واویلا کرنے والے سمندر کی لہروں کے دکھ سے واقف نہیں ہوتے جو ساحل تک آ کر سر پٹختی ہوئی واپس چلی جاتی ہیں۔
❖ انسانی خواہشیں پیاز کے پرتوں کی طرح ہوتی ہیں ایک کے بعد ایک نکل آتی ہے۔
❖ ہم دوستوں سے دور رہ کر زیادہ اعتماد قائم رکھ سکتے ہیں کہ رنجشوں کا غبار قریب رہنے والوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔
❖ انسانی خیالات اگر روپ دھار سکتے تو بہت خوفناک صورتیں پیدا ہو جاتیں۔
فروا قیصر......شادیوال گجرات

پوائنٹس آف لائف

☆تکلیف دکھ سے نہیں دکھ دینے والے سے ہوتی ہے۔

☆خوابوں کے اندر زندہ مت رہو لیکن اپنے اندر خوابوں کو زندہ رکھو۔

☆ہم کسی کو اپنی مرضی سے چاہ تو سکتے ہیں لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بھی ہمیں چاہے۔

☆محبت اس سے نہیں کی جاتی جو خوب صورت ہو خوب صورت وہ ہوتا ہے جس سے محبت ہوتی ہے۔

☆زندگی تب بہتر ہوتی ہے جب آپ خوش ہوتے ہیں لیکن زندگی تب بہترین ہوتی ہے جب آپ کی وجہ سے کوئی دوسرا خوش ہوتا ہے۔

☆اگر تم ایسی باتیں سنو جو تمہیں ناگوار لگیں تو یہ جاننے کی کوشش کرو کہیں وہ سچی تو نہیں۔

☆گلاب کی ان پتیوں کی طرح بنو جو اپنے مسلنے والے کے ہاتھوں میں بھی خوشبو دیتی ہیں۔

☆جب تمہیں لگے کہ اب تم اور نہیں چل سکتے تو سمجھ لینا کہ تمہارا اگلا قدم تمہیں تمہاری منزل تک پہنچا دے گا۔

☆تم میں اور تمہاری منزل میں صرف اتنا فاصلہ ہے جتنا تم سوچتے ہو کہ میری منزل اتنی دور ہے۔

نادیہ عباس قریشی.....موسیٰ خیل

چلی سوس

انسان کا ضمیر جاگ جائے ناں‘ تو وہ اسے سونے نہیں دیتا شکوے‘ گلے‘ نفرتیں کدورتیں صرف سانس چلنے تک ہی رہتے ہیں بعد میں تو صرف پچھتاوے رہ جاتے ہیں۔

سباس گل.....رحیم یار خان

ٹیکنالوجی کی جنگ

گوگل نے کہا۔ ایک لفظ لکھو ہزاروں رزلٹ دوں گا۔

وکی پیڈیا بولا۔ ایک لفظ لکھو ہزاروں پیجز دوں گا۔

انٹرنیٹ بولا۔ میرے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔

کمپیوٹر بولا۔ تو کون سا میرے بغیر چل سکتا ہے۔ یہ سب سن کے بجلی ہنسی اور بولی لڑتے رہو۔ میں تو چلی۔

راشدہ جمیل راشی.....صادق آباد

اللہ کی محبت و رحمت

بنی اسرائیل میں ایک نوجوان بہت زیادہ ظالم تھا۔ ایک دفعہ وہ بہت زیادہ بیمار ہوگیا لوگ اسے تپتے صحرا میں پھینک آئے۔ اس نوجوان نے بے بسی سے اپنے دائیں طرف دیکھا اور پھر بائیں جانب‘ کوئی نظر نہ آیا‘ دور دور تک کسی بشر کا نام و نشان نہیں تھا۔ پھر اس نے آسمان کی جانب دیکھا اور بے بسی سے بولا۔ یا اللہ مجھے سب چھوڑ کر چلے گئے۔ اگر تو مجھے سزا دے تو میں اس کا مستحق ہوں اور اگر تو مجھے معاف کردے تو یہ تیرے لیے مشکل نہیں بس میں اتنا کہوں گا کہ سب تو مجھے چھوڑ گئے۔ بس تو مجھے نہ چھوڑنا‘ مجھے معاف کردے اللہ مجھے معاف کردے آمین۔ یہی کہتے کہتے وہ نوجوان مر گیا۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا یا موسیٰ فلاں صحرا میں میرا ولی مر گیا ہے۔ لوگوں سے کہو اس کا جنازہ پڑھاؤ جو اس کے جنازے میں شرکت کرے گا۔ میں اس کی بھی بخشش کردوں گا۔ لوگ جب صحرا میں پہنچے تو بولے یہ تو وہی ظالم ہے یہ ولی کیسے ہوسکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے عرض کیا یا اللہ میں بندوں کی سنوں یا آپ کی؟ اللہ نے فرمایا دونوں کی۔ جب یہ شخص زندہ تھا تو ظالم تھا مگر جب مرنے لگا تو اس نے اس قدر صدق دل سے توبہ کی کہ مجھے میری عزت و جلال کی قسم اگر یہ شخص مجھ سے ساری دنیا کی بخشش بھی مانگتا تو میں ساری دنیا کو بخش دیتا۔ یہ تھی اللہ کی بنی اسرائیل سے محبت اور امت محمد ﷺ سے محبت و رحمت کی انتہا تو کوئی ہے ہی نہیں۔ سبحان اللہ۔

نورین مسکان سرور.....سیالکوٹ ڈسکہ

shukhi@aanchal.com.pk

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ابتداء ہے جو وحدہ لاشریک ہے' نیا عیسوی سال تمام بہنوں کو مبارک ہو۔ کوشش تو یہ ہی ہے کہ نئے سال میں حجاب کی تمام تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک ہوں جو آپ کے ذوق پر پورا اتریں لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم اس میں کہاں تک کامیاب ہوتے ہیں یہ تو آپ کے خطوط جو تبصرے کی صورت حسن خیال میں شامل ہوں گے اس سے ہی پتا چلے گا لیکن اس کے ساتھ آپ بہنوں کے لیے بھی ایک خوش خبری ہے کہ نئے سال سے حسن خیال میں ڈاک یا ای میل کے ذریعے شامل ہونے والی بہنوں کے لیے سرپرائز گفٹ ہے اب دیکھتے ہیں کہ کون تبصرے کے ذریعے انعام کا حق دار ٹھہرتا ہے' اب بڑھتے ہیں حسن خیال کی جانب جہاں آپ کے تبصرے مصنفین کی تحریروں کو نکھار بخش رہے ہیں۔

شازیہ ہاشم صیوانی...... السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اھلاً وسہلاً مرحبا رسالۃ التمثال! بہت خوش ہوں مسرور ہوں بے پایاں و بے انتہا سیکنڈ ٹائم تمہارا دیدار خاص کر کے اپنے آفس میں ابھی تو آپ مجھے دیکھ کر مسرت کے ہنڈولے میں جھول رہی ہیں مگر جب مجھے کھول کر الفاظ شاز کو دیکھے گی تو آپ کی آنکھیں خوشی سے اتنی چمک اٹھیں گی کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوجائیں گی اور آپ کے چہرے پر قوس وقزح کے رنگ بکھرتے نظر آئیں گے' ان شاء اللہ الرحمن! آپ بھی سوچ رہی ہوں گی کچھ زیادہ ہی مبالغہ آمیزی پر تلی ہوئی ہوں نہیں ڈیئر مدیرہ اینڈ آنچل اسٹاف آپ ہی تو ہو جنہوں نے ہمیں حوصلہ دیا کہ ہم دوبارہ انٹری دے سکیں۔ اچھا ضرور بتایئے گا کہ کیسی لگی میری انٹری' ابھی آپ دیکھ ہی رہی ہیں پلیز ایک مگ چائے تو لادیں۔ آپ بھی کہہ رہی ہوں گی بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ بھئی' آپ سے قلمی لحاظ سے بہت قریبی رشتہ ہے' کیوں میں صحیح کہہ رہی ہوں۔ اس ماہ رسالہ 14 دسمبر کو ملا' انتظار کی گھڑیاں اتنی طویل ہوئیں کہ طبیعت کے خراب ہونے کے باوجود 8 تاریخ سے چکر لگانے شروع کیے (کیونکہ میں وہاں سے گزرتی ہوں اکثر جب بازار جانا ہوتا ہے) اور جوتیاں گھسائیں کیچڑ کی بنا پر نئے نکور شوز خراب کیے امی کی دو تین باتیں سنیں بہرحال الانتظار راشد من الموت (انتظار کی تکلیف موت سے بھی زیادہ ہوتی ہے) کا مصداق بنتے بنتے بچے اور رسالہ مل ہی گیا حسب معمول سب سے پہلے مجھے بھی بات چیت کرنا ہوتی ہے۔ اپنے رسالے پر تبصرے کی تمہید کے لیے لہٰذا میں پہنچی مدیرہ کی سامنے والی کرسی پر دیکھا مدیرہ کے کرسی کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا کاش کہ میں...... آگے آپ خود سمجھ جائیں (تصوراتی دنیا) اچھا جی آپ تو حوصلہ دے رہی ہیں' سب کو جلدی سے مجھے بھی ایک تھپکی دیں تاکہ میں اپنا سفر آگے شروع کروں آخر ٹکٹ تو آپ سے ہی لینی ہے جزاک اللہ' پیاری مدیرہ! آپ نے اسمائل پاس کردی' میری تصوراتی دنیا میں' ابرار اسیر کی حمد نے اسیر دل کیا اور ماہ دولت کے ذہن نے بھی اکسایا لکھ وہ الفاظ جو تو کمپیئرنگ کے لیے پڑھتی ہے۔

اے عالم نجوم و جواہر کے کردگار
مجھ کو بھی گرہ شام و سحر کھولنا سکھا
کرتا ہوں اس کے نام سے ابتدائے سخن
ضمیر کن سے اُگاتا ہے جو زمین و زمن
شعاع لوح خفی سے تراشتا ہے وجود
غبارِ قاف قلم سے اجالتا ہے وجود
اسی کے حسن پر سوچا تو اپنی آنکھوں میں

تمام رنگ بکھرتے گئے چمن بہ چمن
اسی کا ذکر کریں کہ اہل دل دنیا میں
بڑھے لہو کی روانی مٹے دلوں کی تھکن
وہ عجب سخی ہے کہ اس سے سوال کرکے سدا
نہ ہاتھ شل ہوئے میرے نہ زبان پر تھکن
وہی تو ہے جو بندگی کو ہدایت کا دور دیتا ہے
وہی تو ہے جو آگہی کو سکھاتا ہے مصطفیٰ ﷺ کا چلن
سید صبیح الدین کی نعت مصطفیٰ ﷺ سے چہرے کی صباحت میں اضافہ ہوا دل کی دنیا عجیب انداز عشق کی وادی میں سیر کروانی ہوئی ان جذبات کے ساتھ وارد ہوئی۔
دل میں ہو یاد محمد ﷺ تو ہی حال اچھا ہے
بعد حمد کے ہے اگر تو محمد ﷺ کا خیال اچھا ہے
لوگ تو کہتے ہیں کہ ہے چاند بہت حسین
اور چاند یہ کہتا ہے کہ محمد ﷺ کا جمال اچھا ہے
حسن یوسف بھی شان ابراہیم بھی
سب کی عظمتیں ایک طرف وہ آمنہ کا لعل اچھا ہے
ذکراس پری وش کا اچھا لگا سدرہ آپ کو جان کر بٹ دھیان سے میں آپ کو ریڈ روز بھیج رہی ہوں پاگل نہ ہونا یار۔ پری وش ناں وی سوہنا ایں تے کم وی سوہنی ای ہون گے او ہو۔ پری لگتا ہے تم کچھ زیادہ ہی بے زار نظر آ رہی ہوں' بچ کے رہنا تمہاری آپیوں اور بھابیوں کو کمپلین کرتی ہوں پھر کہنا مچھلی بازار اس کے سامنے۔ ڈیئر مائنڈ نہ کرنا زیادہ بننا سنورنا بھی اچھا نہیں اور میں تو بننا سنورنا صرف شوہر کے لیے اچھا سمجھتی ہوں بس' پلیز ڈونٹ مائنڈ ڈیئر پری! ویسے بھی کافی رحم دل ہو معاف کردینا۔ نادیہ یار! پری کے کھانے والے شوق کے بارے میں پڑھ پڑھ کر بھوک محسوس ہو رہی ہے' پہلے کچھ کھلا پھر ملوں گی آپ سے۔ ارے یہ کیا تم نہیں لا رہی چلو خیر نادی بہت اچھی لگی' تمہاری خوب صورت بات واقعی رشتوں کی قدر ہی انسان کو منزل مقصود تک پہنچاتی ہے۔ رابعہ منظور ''اللہ کرے تیرے اندر رابعہ بصری جیسی روح پیدا ہو جائے' آمین'' آئی ایکسپٹ یور فرینڈ شپ' جان چھوڑ دو اب میری۔ سباس گل کو میٹھا میٹھا غصہ آ رہا ہے' وہ کہہ رہی ہیں اب میری طرف آنے دو تمثال کو لوجی آ گئی۔ زریں قمر صاحبہ کے بارے میں جان کر بے حد خوشی ہوئی' خاص طور پر ان کا شاعرانہ کلام دل کو بھا گیا' جزاک اللہ۔ ڈیئر سباس آپی! کچھ اشعار زریں قمر کے لیے......

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
آیا ہے آسماں سے اڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں

آغوش مادر پڑھ کر دل مجھے اکسا رہا ہے کہ میں فوراً جاؤں اور اپنی جان سی پیاری ماں کو مسکرا کر دیکھ کر آؤں مگر سب سوئے ہوئے ہیں اور میں اپنے کمرے میں ہوں آئی لو یو مائے مدر۔ ''سالگرہ کا دن آیا ہے'' پتا ہی نہیں تھا ورنہ میں بھی کچھ لکھ کر بھیج دیتی مگر پھر بھی حجاب کی سالگرہ کے لیے ایک خصوصی نظم......

ادب کا نشیمن ہے تُو
الفاظ ہیں تیرے گل پاش
در افشاں ہے تو دنیائے ادب میں

رونق بزم گلستان ادب ہے تُو
لکھاریوں کی تحریروں سے سنورتا ہے تُو
زندگی ہے مخفی تیری شوخی تحریر میں
لفظ لفظ میں تیرے چھپا ہے اک سحر
تجھ میں پنہاں ہیں موتی بہت
تھماتا ہے جن کو ہمارے ہاتھوں میں تُو
اے گہوارہ علم و ہنر کے در ضوفشاں
شاز کی دعا ہے رب سے یہ
رہے سدا دیتا آبدار گوہر علم تُو

''ملاقات'' فرح بھٹو سے مل کر اچھا لگا اور دعا نکلی اللہ تمہیں ادب کی دنیا میں عزت و کامرانی عطا فرمائے' آمین۔ جلدی سے بہت بڑا جمپ لگایا صائمہ قریشی کی تحریر ''محبت میری آخری شرارت تھی'' محبت کے مضبوط و مستحکم جذبہ گل میر اور یاہ روش کے کمزور جذبہ نفرت کے ساتھ مزین یہ تحریر کمال کی تھی۔ واقعی ہی محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو ہر جذبے پر غالب ہو کر فاتح ٹھہرتا ہے اور بڑی شان سے اپنا علم گاڑھ لیتا ہے۔ ہر چہرے پر مسکراہٹیں بکھیر دیتا ہے' محبت کی بناء پر تو انسان دولت کے انبار کو پاؤں کی ٹھوکر سے اڑا دیتا ہے۔ مصائب کے طوفانوں سے ٹکرا کر اپنا گوہر الفت پالیتا ہے' اسی جذبے کی بناء پر انسان سمندر کی بھپری موجوں سے لڑ کر اس کی گہرائیوں میں جا کر سچے موتیوں کو حاصل کر کے مالا بنا کر اپنی محبوبہ کے گلے میں پہنا دیتا ہے۔ یہی تو جذبہ ہے کہ جو مجنوں کو صحراؤں کی خاک چھاننے پر مجبور کرتا ہے۔ یہی تو جذبہ ہے جو فرہاد کو پہاڑ کھود کر دودھ کی نہر بہانے پر مجبور کر دیتا ہے یہی تو جذبہ ہے جو سوہنی کو کچے گھڑے میں بیٹھنے پر اکسا دیتی ہے۔ ارے یہی تو جذبہ ہے جو میرے قلم سے احساسات' شاز اور جذبات تمثال کو صائمہ تک پہنچانے پر اتنا اصرار کر رہی ہے کہ میں رکنا چاہ رہی ہوں مگر میرا قلم کہہ رہا ہے' ڈیئر صائمہ! بہت اچھا لکھا زبردست' مبارک ہو پتا نہیں اسٹاف آف حجاب نے کچھ دیا یا نہیں لیکن میں آپ کو دینے لگی ہوں......

آ و نا! کبھی تم ہماری محفل میں
محبتوں کی مالا نہ پہنا دوں پھر کہنا
رنگ الفت کو بکھیر نہ دوں پھر کہنا
ایوارڈ تو بہت ملتے ہیں لوگوں کو
مگر آ ئیں نا تصورات کی دنیا میں

چاہت سے' پیار سے
عقیدت سے' الفاظ الفت سے
جذبات واحساسات شاز کی
خوب صورت کنگ کیپ آپ کو پہنا دوں

یاد رکھنا دعاؤں میں ڈیئر رائٹر! بہت کچھ لکھنا تھا وقت کی قلت بہت ہے۔ ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' نادیہ احمد اس قسط پر آنکھیں غمناک ہوئیں اور بہن بھائی کا ملن والا سین بہت زبردست تھا جبکہ کشمالہ کا تکبر اور غرور اسے لے ڈوبے گا۔ ویسے بھی تکبر ردائے خداوندی ہے اور انسان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ تکبر کرے اور اب علینہ اور سمیر کا کپل بنتا نظر آ رہا ہے' باقی آگے آپ کی مرضی پھر جمپ لگائی ''دل کے دریچے'' کی طرف بہت زبردست اینڈ ہوا۔ عائشہ بیگم تو ایک سائیکو کیس ہے' جو صرف عداوت کے بیج بونا جانتی ہے لیکن سفینہ ایک ایسا کریکٹر ہے جو صرف محبت کے خوشنما پھول اگانا جانتی ہے جہاں شاہ کا حد درجہ اعتماد سفینہ پر اچھا لگا وہیں فائز کی محبت کی استقامت کو سلام کرنا پڑا' دل کر لایا بھی فائز کے لیے جس نے محبت کا روزن خود بند کر کے اپنی محبت کو دل کے نہاں خانوں میں محفوظ کر لیا اور روشنی کی محبت کی میٹھی کسک محسوس کی اور روشنی بھی بہت معصوم اور پیاری لگی

جب سفینہ کو لینے گئی اور بلا اختیار یوں بول اٹھے کہ......

جنون و شوق میں قلب و نظر سے گزرے ہیں
ہم اپنی راہ میں شمس و قمر سے گزرے ہیں
بلند عزم اور ارادوں میں بانکپن لے کر
تیرے جہاں کے شام و سحر سے گزرے ہیں

''میں چاہوں تجھے انتہا'' ماہ رخ کے اوپر سختی اور خود پسندی کا چڑھا خول والدین کی بے توجہی کی بدولت تھا آج بھی معاشرے میں نجانے کتنی ماہ رخ ہوں گی جو انہی جذبات کا شکار ہوں گی۔ جنید اور ماہ رخ دونوں کا اپنی ماؤں کے لیے تڑپنا اچھا لگا لیکن کسی کی اچھائی سے چشم پوشی اختیار نہیں کرنی چاہیے کیونکہ جنید کی مما تو بہت اچھی تھیں بہر حال آخر میں دونوں کی ہیپی لائف کی طرف بڑھتے قدم خوشیوں کی نوید دے رہے تھے۔ ''دسمبر سحر ہے جاناں'' شاہ میر اور شاہ تاج کا کپل ایک بے جوڑ سا لگا نگاہ دنیا میں مگر شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے دیکھا جائے تو یہ کپل ٹھیک ہے مگر شاہ تاج کا اپنی ذات کے لیے اسٹینڈ لینا بھایا اور ویسے بھی اسلام ذات پات کو فوقیت نہیں اور آخر میں شاہ تاج کا شاہ میر کو ٹھینگا دکھانا بہت زیادہ بھایا۔ ''زندگی امتحان لیتی ہے'' پڑھ کر دل دکھ کی گہرائیوں میں ڈوب گیا حمیرا نوشین بہت حساس موضوع پر قلم آزمائی کی اور میرا قلم بھی اشعار لکھنے کی طرف مائل ہو۔

حوصلے چھن نہیں سکتے کبھی تعزیروں سے
خواب ٹوٹے ہیں کبھی ظلم کی تدبیروں سے
سچ تو خوشبو ہے ہواؤں میں بکھر جائے گا
کیسے جکڑو گے اسے آہنی زنجیروں میں

''میرے خواب زندہ ہیں'' سرسری نظر ڈالی' معذرت ڈیئر رائٹر! ''بہاریں'' معاشرتی نکتے پر لکھی گئی تحریر اچھی تھی۔ بیٹی کو اپنا نشیمن صرف سسرال کے گھر کو سمجھنا چاہیے۔ ''کرب زندگی'' ایمل نے خود ہی اپنے تکبر اور فخر کی بنیاد پر تنہائی کو اپنا ساتھی بنالیا۔ ہر بہن کے لیے اس میں پیغام ہے کہ تکبر کی چادر کو مت اوڑھو ورنہ رشتوں سے اپنائیت اور محبت مفقود ہو جائے گی ویسے بھی......

سکوت صحرا میں بسنے والوں ذرا رتوں کا مزاج سمجھو
جو آج کا دن سکوں سے گزرا تو کل کا موسم خراب ہوگا

''کوثر ناز'' ویل ڈن آپ نے اتنا اچھا افسانہ لکھا دل باغ باغ ہوگیا' جہاں لڑکی کی ماں کی نصیحتیں اچھی لگیں وہیں لڑکے کی ماں کی اپنی بہو کے لیے محبت کمال تھی اگر ایسی مائیں دونوں طرف کی ہوں تو کبھی بھی گھر لڑائی جھگڑے کا مسکن نہ بنے۔ ''شب آرزو تیری چاہ میں'' تبصرہ ادھار۔ ''میرے اقبال'' پڑھ کر اس ادبی گھرانے کو سلیوٹ کیا' پھر بڑھے ''یہی بر تھ ڈے حجاب'' یہ ایک اعزازی تحریر لگی۔ ''میرے بابا'' پڑھ کر دل تڑپ گیا اور روح نے قائد کو پکارا تھا' اے قائد پلٹ کر دیکھیے' تیرے چمن میں خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے' تیرے چمن کی کلیوں کو مسلا جارہا ہے' تیرے چمن کی زینت عورت کی مصلحت ردا کو تار تار کیا جارہا ہے' اے قائد دیکھیے تو سہی' آج چمن لہولہو ہے۔ ''میں حجاب ہوں'' نور المثال' ڈیئر اسٹوڈنٹ اچھا لکھا اللہ آپ کو ادب کے میدان کا تابندہ ستارہ بنائے لیکن آپ کی ٹیچر آپ سے ناراض ہے بہت۔ وقت کا کام ہے گزرجانا'' زبردست آرٹیکل تھا۔ ویل ڈن ڈیئر زعیمہ خان' ویسے آپ پٹھان ہو میری دو اسٹوڈنٹس بھی پٹھان ہیں۔ ''جیسا میں نے دیکھا' پروین شاکر کی حادثاتی موت کے بارے میں بہت پہلے پڑھا لیکن اب پڑھ کر بھی دل اسی طرح غمزدہ ہوگیا جیسے پہلے ہوا تھا' اللہ مغفرت فرمائے' درجات بلند فرمائے۔ بزم سخن' کس کی تعریف کروں کس کی نہ کروں' نورین خان' ہالہ سلیم' تہمینہ فردوس' ثمن رحمان' انجم ریحانہ' ماریہ ذکی کے اشعار زیادہ اچھے لگے۔ کچن کارنر کو فتے اچھے لگے بناؤں گی موقع ملا تو' آرائش حسن حدیقہ چلو آپ کا بھی گلہ ختم ہوا اس دفعہ میں نے بھی پڑھا اور بالوں کے لیے کچھ ٹپس لیے' دعا کرنا عمل بھی کرلوں۔ عالم میں انتخاب راؤ رفاقت علی' شمع مسکان

اور ہالہ سلیم کا انتخاب اچھا لگا۔ شوخئ تحریر ہمیشہ کی طرح لاجواب لیکن بشیر احمد' مصطفےٰ' شجاع جعفری' ارم کمال' مہوش اور ابیقہ کے لکھے گئے الفاظ دل میں سما گئے پھر پہنچی حسن خیال پر ارے یہ کیا مجھ ناچیز کا انعامی خط جزاک اللہ یا مدیرہ اور مبارک باد ڈیئر ماورا طلحہ آپ کو۔ کوثر خالد کا تبصرہ بے حد پسند آیا' ویسے بھی آنٹی کوثر آئی لائک یو ویری مچ۔ ہومیو کارنر بھی کبھار پڑھ لیتی ہوں۔ دوست کا پیغام آئے بہت مزہ آتا ہے پڑھنے میں' ٹوٹکے کچھ ایسے تھے جو زیادہ کچن سے متعلق تھے ابھی تو اسکول و مدرسہ کی کشتی میں سوار ہیں جب کچن کی اورنجی ٹرین میں سوار ہوں گے پھر کریں عمل ان شاء اللہ۔ سب ریڈرز اور رائٹرز اینڈ حجاب اسٹاف سب کو سال نو مبارک۔ فائزہ بھٹی' حافظہ ریحانہ' عائشہ ہنسی' چندا مثال' میزاب' ارم کمال' پروین افضل شاہین' نجم انجم' نبیلہ ناز' سعد سحر کو میری طرف سے خصوصی سال نو مبارک اب ان الفاظ کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

زمانے کا سہارا تو بظاہر اک دکھاوا ہے فراز
حقیقت میں مجھے میرا خدا گرنے نہیں دیتا

فی امان اللہ' السلام علیکم!

☆ ڈیئر شازیہ مکمل خوب صورت تبصرے پر اس مرتبہ بھی آپ کے لیے سرپرائز گفٹ ہے، مبارک باد کے ساتھ قبول کیجیے۔

اقراجٹ...... منچن آباد۔ السلام علیکم! نئے سال کی مبارک' اہل پاکستان! خدا کرے یہ نیا سال سب کے لیے خوشیوں' رحمتوں' کامیابیوں اور چاہتوں بھرا ثابت ہو' آمین۔ دسمبر حجاب وآنچل میں ہمیں نہ شامل کرنے کی وجہ؟ کبھی تو شکایت کا موقع نہیں دیا کریں۔ جنوری حجاب وآنچل میں غیر حاضر نہیں رکھیے گا' مدیرہ کی بات چیت سنی دل و روح کو حمد و نعت سے اسیر کیا۔ ذکر اس پری وش کا'' زبردست چاروں پرنسز کا بے حد پسند آیا۔ رخ سخن زریل قمر صاحبہ کا انٹرویو زبردست لگا۔ آغوش مادر بہت اچھا سلسلہ ہے سالگرہ کا دن آیا ہے' سب کے جواب لاجواب تھے' ملاقات خوب رہی فرح بھٹو سے۔ اب آتے ہیں ناولز کی طرف مبارک ہو صدف آصف جی کیا شاندار اینڈنگ ہوئی ہے۔ بہت بہت مبارک ہو ناول اور نئے سال کی پھر سے دھماکہ دار انٹری کے ساتھ آیئے گا ہم منتظر ہیں جی! میں چاہوں تجھے بے انتہا' واہ بشریٰ ماہا زبردست ''دل کی زمین پر پیچ جوڑ الوفصل محبت کی ہی آ گئی ہے' ہمیں کب جگہ دینی ہے آنچل حجاب والو! (دے تو دی ہے جناب) ''میرے خواب زندہ ہیں'' کیا مہر وحورین کی بیٹی؟ نیکسٹ قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ آپی نادیہ فاطمہ زیادہ لکھا کریں' نئے سال کی مبارک باد قبول کریں۔ ''شب آرزو تیری چاہ میں'' نائلہ طارق جی فنٹاسٹک' محبت' محبت ہی ہوتی ہے ہر چیز پر غالب آجاتی ہے اُف اتنی سردی ......میری تو قلفی جم گئی ہے تبصرہ لکھتے لکھتے اب بھی اگر حجاب اسٹاف نہ لگائے تو زیادتی ہے ہے نا بھلا؟ (اور اگر لگائے تو) ہاں جی۔ ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' ویل ڈن نادیہ احمد جی ہیپی نیو ائیر۔ ''محبت میری آخری شرارت تھی'' صائمہ قریشی جی زبردست بہت زبردست تھا آپ کا ناولٹ مبارک ہو جی! بس اسی طرح حجاب وآنچل کی نگری کو رونقیں بخشتی رہیں ی۔ ''دسمبر سحر ہے جاں'' مونا شاہ قریشی جی فنٹاسٹک پوائنٹ اٹھایا ہے' اس نیو ائیر نمرہ احمد، عمیرہ احمد اور نایاب جیلانی سے بھی کچھ لکھوا لیجیے گا خاص طور پر عشنا کوثر سردار جی نئے سال کی مبارک ہو۔ عشنا جی آپ کوئی اچھی سی عشق بھری تحریر کے ہمراہ آنچل وحجاب میں انٹری ماردیں' آپ کی طرح ہم بھی عشق کے عاشق ہیں۔

نئے سال کی
نئی امیدیں
نئی خوشیاں
نئی سوچیں
نئی بہاریں
نئی تعبیریں
مبارک ہو

مبارک ہو
سب کو نئے سال کی......
افسانے تمام زبردست تھے' دسمبر لوٹ آیا ہے' قرۃ العین سکندر ویل ڈن جی' کچے پکے راستے' کوثر ناز جی زبردست۔
''زندگی امتحان لیتی ہے'' حمیرا نوشین جی ونڈرفل' زندگی پہلے امتحان لیتی ہے پھر سبق دیتی ہے' بہاریں عالیہ توصیف جی زبردست ''کرب زندگی'' زینب ملک نائس میرے اقبال' عائشہ تنویر اچھا لکھا ''محبت کی آنکھیں'' شازیہ الطاف جی زبردست۔
محبت کی آنکھیں چھوڑیں بندہ اگر اپنی آنکھوں سے درست دیکھنا شروع کردے تو سب ٹھیک ہی رہے ہیں' برتھ ڈے حجاب۔
گل مینا خان زبردست جی' حجاب والوں ہماری تحریر کیوں کھا گئے ہو؟ آرٹیکل ''میرے بابا'' حرا قریشی زبردست الفاظ نہیں تعریف کے لیے ''میں حجاب ہوں'' نور الشال شہزادی اپنے نام جیسا لکھا (فنٹاسٹک) ''وقت کا کام گزر جانا'' زعیمہ روشن ونڈرفل وقت گزر ہی جاتا ہے جیسا بھی ہو' مستقل سلسلے تمام ہی اچھے ہیں۔ جیسا میں نے دیکھا شوق سے پڑھتی ہوں' بزم سخن' نورین خان' مہک تنویر' عفت نعمان' ہانی تبسم' شہلہ' صوبیہ ناز مہک' عشرت ناز' ہالہ سلیم' نازش خان' ہما اقبال' عائشہ مہک' فضا علی' سعدیہ' حنا' اقرأ اور مارہ ذکی بیسٹ چوائس۔ تہمینہ' طوبیٰ' مہرین' سحرش' کنول' یاسمین' سمیرا نسیم' شازیہ عشرت' انجم' ثمن رحمان' ثمرین' صائمہ' امبرین' حسن شاہد' سلطانہ' مہک زبیر ونڈرفل سب کے اشعار لاجواب تھے بس ایک ہماری کمی تھی فریدہ فری جی آپ کہاں غائب ہیں؟ کچن کارنر پروین آپی ونڈرفل سمیرا حمید سرسوں کا ساگ واہ جی واہ۔ میری مما جانی بناتی ہیں لاجواب' جو کھاتا ہے انگلیاں ہی چاٹتا رہ جاتا ہے۔ آرائش حسن اچھا سلسلہ ہے مگر ہم آل ریڈی الحمدللہ حسن کی دولت سے مالا مال ہیں۔
عالم میں انتخاب' سونیا' آپی پروین (بیسٹ چوائس) مدیحہ' مہرین کنول' زعیمہ' رینا' سمیہ' فہمیدہ' صباء' راؤ رفاقت علی' شمع مسکان' سلمیٰ اور ہالہ سلیم زبردست زبردست انتخاب جی۔ شوخئی تحریر ایقہ لاجواب جی' مہوش آرائیں زبردست شزا بلوچ ونڈرفل۔
سعدیہ' رقیہ' مدیحہ' سیدہ جیا' طیبہ خاور (کیسی ہیں جی) عنبر مجید' مدیحہ نورین' فاخرہ' اقصیٰ (دونوں سسٹر ہو) ارم آنی' پروین آنی' نورین انجم' مسکان اینڈ ریحان' شبنم' مصطفیٰ (زبردست) ماریہ کنول' بشیر احمد' شجاع جعفری اور ماریہ کنول ماہی فنٹاسٹک ہی فنٹاسٹک۔ ہماری کمی ہے جی دیکھ لیں چاہے (ہاہاہا) حسن خیال' ماورا طلحہ اینڈ شازیہ ہاشم مبارک ہو انعام پر۔ نرمین سرھیو ہمارا تبصرہ پسند کرنے کے لیے تھینک یو جی آپ کا تبصرہ ریئلی لاجواب تھا' ویسے جوہی آپی جو لوگ انعام کے حق دار ٹھہریں آپ لوگ پہلے ہی ان کے نمبر پر کام کر کے بتادیا کریں تاکہ وہ اس منتھ کا ڈائجسٹ مت لیا کریں۔ ریما نور ونڈرفل کوثر خالد آنی دوسرے پوتے کی مبارک ہو' صباء ایشل زبردست۔ صباء ایشل جی میں بھی سخت مزاج ہوں (اچھی نبھے گی؟ ہوجائے فرینڈ شپ پھر)۔ دوست کا پیغام آئے سب سیلفش کسی نے بھی یاد نہیں کیا (ہاہاہا) کوئی نہیں یاد کرنے والے ہمیں بھولتے ہی نہیں ہے ناں؟ ہمارا پیغام بھی لگادیں ملیحہ جی' ٹوٹکے مفید ہے۔ لو جی ہو گیا حجاب اینڈ......سب خوش رہو مست رہو جی پاک آرمی کو میری طرف سے نئے سال کی مبارک ہو اور باقی سب لوگوں کو بھی اسی کے ساتھ اجازت دیں' اللہ حافظ۔

کپکپاتی ٹھنڈ کی لہریں
آتا نیا سال قبول ہو
خوشیوں کی دھند میں لپٹا
نیا سال قبول ہو
برسات کی بہاروں میں بہتا
نیا سال قبول ہو
نیا سال 2018ء قبول ہو

☆ ڈیئر اقرأ تبصرہ آپ کا مفصل و دلچسپ انداز میں لکھا تبصرہ انعام کا حقدار ٹھہرا، بے حد مبارکباد۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ پیاری جوہی احمد صاحبہ' السلام علیکم! اس بار حجاب بارہ دسمبر کو ملا ماہ نور کے پیارے سے سرورق نے چار چاند لگادیئے۔ حجاب سے مشرقی حسن جھانک رہا تھا' سرورق دیکھ کر یہ شعر ہونٹوں پر مچلنے لگا۔

اے حسرت دیدار یہ کیا راز ہے آخر
وہ سامنے آتے ہیں تو دیکھا نہیں جاتا

رابعہ منظر نے اپنے تعارف میں ناچیز کو یاد کیا بہت ہی اچھا لگا' محترمہ میں نے آپ کی دوستی کا ہاتھ تھام لیا ہے۔ گل مینا آپ نے ہپی برتھ ڈے حجاب میں ناچیز کا نام نہیں لکھا پھر مجھے خیال آیا کہ میں تو ان اسٹارز میں موتی کی طرح ہوں اب ستاروں کے سامنے موتی کی کیا قیمت رہتی ہے' یہ سوچ کر چپ کرگئی ہوں اس بار سباس گل نے معروف اور خوب صورت رائٹر زریں قمر کا خوب صورت انٹرویو لیا ان کے بارے میں جان کر خوشی ہوئی۔ حجاب میں بھیجی گئی تحریریں آنچل میں اور آنچل میں بھیجی گئی تحریریں حجاب میں شائع ہورہی ہیں۔ چلیں کوئی بات نہیں اور ہاں آپ نے کہا ہے کہ آنچل اور حجاب میں شائع ہوجانے سے رہ جانے والی تحریریں بھی کافی ہوجاتی ہیں اب آپ ایسا کریں ایک اور ڈائجسٹ نکالیں تو اس کا نام پردہ ڈائجسٹ رکھیں' میری طرف سے سب بہنوں کو نیا سال 2018ء مبارک ہو' اللہ حافظ۔

ثناء فرحان...... ملتان۔ تمام قاری بہنوں' دوستوں اور قابل عزت مصنفین کو اسلام علیکم۔ امید ہے کہ سب خوش باش ہوں گے اور میرے تبصرے کا بے چینی سے انتظار کررہے ہوں گے' ارے ارے گھبرائیے مت میں بہت دور سے آئی ہوں اس لیے بس بولتی ہی جارہی ہوں' سانس لوں گی تو آپ سب کہیں اور مصروف ہوجائیں گی۔ جانتی ہوں گھر میں بہت سے کام منتظر ہوں گے اور بچے بھی شرارت کررہے ہوں گے لیکن مجھ بے چاری کی بھی سنیے پھر شکوہ بعد میں کیجیے گا کہ میں کہاں غائب تھی۔ بتاؤ میں کہاں تھی لاہور کی سردی انجوائے کرنے گئی تھی وہاں کی باتیں پھر بھی بتاؤں گی کہ لاہور کی بارش میں بھیگتے حلوہ پوری کھاتے کتنی شرارت کی۔ ابھی تو تبصرہ کرنے آئی ہوں وہ بھی بالکل خاص، بشریٰ ماہا کی تحریر ''میں تجھے چاہوں بے انتہا'' زبردست تحریر تھی' دل کو چھو لینے والی بس ٹائٹل پسند نہیں آیا تحریر کے حساب سے نہیں تھا۔ ماہ رخ کا کردار بہت شاندار لیکن جب وہ اسکول میں بدتمیزی کرتی ہے تو وہ کچھ زیادہ ہوگیا تھا۔ قرۃ العین سکندر کی تحریر ''دسمبر لوٹ آیا ہے'' اچھی تحریر تھی۔ موناشاہ قریشی کی تحریر ''دسمبر سحر ہے جاناں'' بھی شاندار تھی' آج بھی بہت سے خاندانوں میں ایسی کئی رسمیں موجود ہیں یہاں تو صرف عمر کا فرق تھا' اقساط زبردست تھیں۔ ''دل کے دریچے'' کا اختتام بہت ہی کلاسیکل تھا' صدف آپی جلد ہی دوسری تحریر لے کر آئیں' ہم انتظار کررہے ہیں۔ ''میرے خواب زندہ ہیں'' فراز تو نکاح کے بعد ماریہ کو بھول ہی گیا ہے جبکہ یہ اس کی پہلی شادی ہے غالباً مہرو واقعی عجیب مشکل میں پھنس گئی ہے اب اس کو بتادیں کہ وہ گڈو کی بیٹی ہی ہے اس کے باپ نے غصہ میں یہ الفاظ استعمال کیے ہیں خیر یہ تو نادیہ فاطمہ آپی ہی ٹھیک جانتی ہیں کہ مہرو کس کی بیٹی ہے۔ نادیہ احمد کی تحریر ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' شروع میں مجھے پسند نہیں آئی' سوچتی تھی کہ پتا نہیں کیا سوچ کر لکھ رہی ہیں (سوری) لیکن بعد میں دو تین اقساط ایک ساتھ پڑھیں تو اپنی سوچ پر افسوس ہوا واقعی مصنفین کو سمجھنا ان کی تحریروں سے بہت مشکل ہے۔ اعلیٰ تحریر ہے' سچ میں مکھن نہیں لگا رہی' سمیر کا کردار بہت اچھا ہے باقی تمام تحریریں بہت اچھی تھیں۔ ''شب آرزو تیری چاہ میں'' اس میں اب پہلے جیسا مزہ نہیں رہا' آپی اس کا اختتام کردیں جو آپ لکھنا چاہ رہی ہیں ایسا کہیں نہیں ہوتا بلاوجہ کی طوالت شامل کرکے کہانی کا مزہ خراب مت کریں پلیز۔ صباء ایشل اس بار محفل میں شامل نہیں تھیں' ماورا طلحہ کے ایکسیڈنٹ کا فیس بک پر پڑھا' اللہ انہیں اور ان کے بھائی کو صحت کاملہ عطا فرمائے' آمین۔ حجاب میں مدیحہ نورین کی کمی بھی اس بار محسوس ہوئی شاید وہ بھی کوثر خالد کی طرح حجاب کو بھول گئی ہیں۔ اب آہستہ آہستہ آنچل کی طرح حجاب بھی ترقی کی منازل طے کررہا ہے ان شاءاللہ وہ دن دور نہیں جب حجاب افق پر چمکتے ستاروں میں اپنی جگہ بنالے گا۔ حرا جی آپ بھی غائب ہوگئی ہیں' تحریر نا سہی کم سے کم حسن خیال میں تو اپنی جھلک دکھائیں۔ اب تک کے لیے اتنا ہی بہت ہے پھر آئندہ ماہ دوست کے پیغام میں یا حسن خیال میں آؤں گی دعاؤں میں یاد رکھیں خاص کر پروین آپی آپ' اللہ نگہبان۔

عنبر فاطمہ...... کراچی۔ تمام قارئین و مصنفین کو میری یعنی عنبر کی جانب سے پرخلوص سلام' امید ہے سب بخیر ہوں گے اور ماہ دسمبر اور سال 2017ء کو الوداع کہنے کے لیے تیار ہوں گے۔ سرد موسم میں حجاب کا ساتھ بے حد اچھا لگا' سرورق پر موجود پری ماہ نور اپنے نام کے مطابق تھی۔ بات چیت سے آغاز کرتے حمد و نعت سے اپنے قلب ضریں کو منور کیا۔ ذکر اس پری

وش کا اور پھر بیان حجاب کا پسند آیا' سب پری وش اپنی اپنی جگہ کامیاب رہیں' سباس گل کے ذریعے زرین قمر سے ملاقات اور فرح بھٹو سے تعارف بھی اچھا لگا۔ آغوش مادر' اقرا جٹ اور دوسری بہن کا بھی بے حد پسند آیا۔ اس کے بعد آئے سلسلہ وار ناول کی طرف تو ''دل کے دریچے'' صدف آصف مبارک باد قبول کریں' بہت اچھی تحریر کے ساتھ حاضر ہوں' ناول اور ناولٹ بھی ضرور لکھیں۔ ''میرے خواب زندہ ہیں'' نادیہ فاطمہ جلدی جلدی کہانی کو آگے بڑھائیں' آپ کی ساتھی نے بہت اچھا اختتام کیا اب آپ بھی جلدی سے پیپی اینڈنگ پر آجائیں۔ ''شب آرزو کب آئے گی'' بہرحال عرش اور زنائشہ جلد مل جائیں گے اور شب آرزو آ ہی جائے گی۔ بات کی جائے ناولٹ کی تو صائمہ نے بھی اپنے ناولٹ کا خوب صورت اختتام کیا اور محبت نے اپنی جگہ بخوبی بنا ہی لی اور تمام غلط فہمیوں کو دور کر دیا۔ موناشاہ قریشی نے بھی منفرد موضوع پر قلم اٹھایا اینڈ تک دلچسپی ودلکشی برقرار رکھی انداز بھی منفرد تھا' پسند آیا۔ مکمل ناول پہ کیا لکھوں ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' اختتام مراحل کی جانب گامزن ہے' ڈی سی صاحب سمیر اور علینہ کی جوڑی اچھی رہے گی اور وہ نک چڑی کشمالہ دیکھتی رہ جائے گی۔ بہت خوب اب تو کزنز کا رشتہ بھی بن گیا ہے۔ بشریٰ ماہا نے شروع سے آخر تک اپنی گرفت میں رکھا اور کہانی میں سسپنس آخری لمحات تک تھا' دونوں کی بچپن کی دوستی پھر اختلافات اور پھر محبت کا ادراک بے حد اچھا لگا۔ افسانوں کی لمبی قطار دیکھ کر سوچا پہلے کس کو پڑھیں اور نام نکلا عائشہ تنویر کا ''وہ میرے اقبال'' بہت اچھے انداز میں' خوب صورت طنز ومزاح میں لپٹی تحریر۔ آج ہم اپنے اسلاف کے کارنامے بھلائے تنزلی کا شکار ہیں اور اسکول کالج میں ''اقبال ڈے'' منا کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ان کی صلاحیتوں اور خوبیوں کا حق ادا کر دیا' وائے افسوس! ان کے قدردان باقی ہیں لیکن بہت کم' اچھا ٹاپک رہا۔ حمیرا نوشین نے بھی ماں کی ذات پر شک کرنے والے بیٹے کا احوال خوب رقم کیا اور ماں' بیوی' بچوں سے جدائی کا صدمہ بے حد کڑا رہا۔ حساس موضوع تھا جذباتیت سے بھرپور۔ عالیہ توصیف نے اپنی افسانے کے ذریعے اچھا پیغام دیا' اصل بہار تو اپنے گھر میں ہی ہے۔ کوثر ناز' قرۃ العین اور دیگر بہنوں نے بھی افسانوں کے ذریعے خوب متاثر کیا' گل مینا خان نے انوکھے ودلچسپ انداز میں حجاب کی سالگرہ وش کی بے حد پسند آیا۔ آرٹیکل میں حرا قریشی کو دیکھ کر خوشی ہوئی' حرا کو پڑھ کر ہمیشہ ہی اچھا لگتا ہے چاہے آرٹیکل ہو' افسانہ یا پھر ناول' ناولٹ ویسے حرا اب قسط وار پر بھی توجہ دو امید ہے پذرائی یہاں بھی مقدر بنے گی' ایک شعر تمہارے لیے۔

زندگی مضمر ہے تیری شوخی تحریر میں
تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں

اب کسی ناول کے ذریعے لب کشا ہو جاؤ آنچل یا حجاب میں منتظر ہیں۔ نور المثال اور زعیمہ روشن کو پہلی مرتبہ پڑھا اور اچھا لگا۔ مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح سپر سے بھی اوپر رہے۔ حسن خیال میں تبصرے کم تھے لیکن دلچسپ تھے۔ کوثر خالد کہاں گم ہیں' تبصرہ کریں اور انعام حاصل کریں۔ مجھے امید ہے آپ کا تبصرہ بغیر انعام وصول کیے نہیں جائے گا حجاب سے' اس لیے آجائیں۔ اس کے ساتھ ہی اجازت اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور سال نو کی مبارک باد قبول کریں' اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو' آمین۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ اگلے ماہ تک کے لیے اجازت کہ اللہ رب العزت ہم سب کی پریشانیاں دور فرمائے اور ملک پاکستان کو ہر مصیبت سے محفوظ رکھے اور رہتی دنیا تک قائم رکھے آمین۔

husan@aanchal.com.pk

متوازن غذا (Balanced Diet)

مفید خوراکیں جو خاص بیماری کی حالتوں میں استعمال کرنے سے فائدہ پہنچاتی ہیں اور بیماری دور کر کے صحت کو بحال کرنے میں مددگار ہوتی ہے۔ خوراک استعمال کرنے میں مندرجہ ذیل باتوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔

غذا ملی جلی ہونی چاہیے:۔

صرف ایک ہی غذا کھا کر ہمارے جسم کی تمام ضروریات پوری نہیں ہوسکتی اس لیے ہمیں بہت سی چیزیں ملا کر کھانا چاہیے مثلاً یہ خیال عام ہے کہ دودھ ایک مکمل غذا ہے جبکہ دودھ میں آئرن نہیں ہوتا گوشت میں کیلشیم یعنی چونا نہیں ہوتا ڈبل روٹی میں کاربوہائیڈریٹس تو ہوتے ہیں مگر چکنائی اور معدنی نمک نہیں ہوتے اس کے برعکس مکھن میں کاربوہائیڈریٹس اور پروٹین نہیں ہوتے اس لیے ہمیں اپنی تمام غذائی ضروریات یعنی اچھے قسم کے پروٹین مقررہ حرارے لینی نمک اور وٹامن حاصل کرنے کے لیے ایک سے زیادہ چیزوں کو ملا کر کھانا چاہیے۔

ہر روز ایک جیسی غذا نہیں کھانی چاہیے:۔

اگر ہماری خوراک مختلف اور متنوع ہوگی تو اس سے ضروری اجزاء حاصل ہوتے رہیں گے اس لیے ہمیں مختلف چیزیں بدل بدل کر کھانی چاہیں اس کے علاوہ روز روز ایک ہی قسم کی خوراک کچھ ذائقہ بھی نہیں دیتی جو خوراک مزے دار نہ ہو آسانی سے ہضم نہیں ہوتی۔

غذا صاف ستھری ہونی چاہیے:۔

جہاں تک ممکن ہوسکے ہر چیز تازہ استعمال کرنی چاہیے باسی، سڑی گلی چیزوں سے قطعی پرہیز لازم ہے ایسی چیزیں مضر صحت ہیں ان کے کھانے سے بجائے فائدے کے نقصان ہوتا ہے کھانے کی چیزیں صاف ستھرے برتنوں میں ڈھانپ کر رکھنی چاہیں بازاروں میں جو کھانے کی چیزیں پکتی ہیں وہ اکثر کھلی رہتی ہیں اور ان پر گرد وغبار کے علاوہ مکھیاں بھی بیٹھتی ہیں جس کی وجہ سے ان میں غلاظت اور جراثیم شامل ہوجاتے ہیں ایسی چیزوں کو کھانے سے کئی خطرناک بیماریاں پیدا ہوسکتی ہیں۔

غذا مقدار میں کافی ہونی چاہیے:۔

کافی مقدار سے مراد خوراک کا وزن نہیں ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ خوراک سے ہمیں اعلیٰ قسم کے پروٹین، حرارے، معدنی نمک اور وٹامن اس مقدار میں مل سکیں جس مقدار میں ہمارے جسم کو ان کی ضرورت ہے۔

غذا لذیذ ہونی چاہیے:۔

لذیذ خوش رنگ اور خوش بو دار غذا سے طبیعت میں اشتہا پیدا ہوتی ہے اس اشتہا سے معدے میں خوراک کو ہضم کرنے والی رطوبتوں کی مقدار میں اضافہ ہوتا ہے اور خوراک بہت جلد ہضم ہوجاتی ہے۔

غذا زود ہضم ہونی چاہیے:۔

زود ہضم ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ خوراک اس قدر جلد معدے سے گزر کر چھوٹی آنت میں پہنچ جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خوراک آلات ہضم میں کتنے عرصہ میں تحلیل ہوکر جزو بدن بنتی ہے۔

کیمیکل اینڈ منرلز:۔

ہمیں پروٹین اور وٹامن کا پتا ہے کہ کس کس چیز میں یہ موجود ہوتے ہیں لیکن کیمیکلز اور منرلز کے بارے میں بھی آگہی رکھنا انسانی صحت کے لیے بہت ضروری ہے جیسے۔

گندھک یعنی سلفر والی غذائیں:۔

اناس، گاجر، سلاد، پھول گوبھی، سیب، خوبانی، بادام، جو، لیموں، چقندر، گوبھی، پنیر، ناریل، سنگترہ، مٹر، آلو، پالک، مولی، ٹماٹر، شلغم، انڈے، تربوز، کھجور، خشک، انجیر یہ جلدی امراض کو روکتی ہیں بالوں کو مضبوط کرتی ہیں اور آنتوں کے لیے بھی بہترین ہیں۔

فاسفورس والی غذائیں:۔

دودھ، پنیر، انڈے کی زردی، گوشت، مچھلی، مٹر، سنگترہ، مالٹا، جو، گندم، مکھن، گوبھی، کھیرا، سلاد، بند گوبھی،

زیتون، مونگ پھلی، آلو بخارے، ایسی غذائیں ہڈیوں اور دانتوں کومضبوط بناتی ہیں اور دماغ کے لیے بھی فائدہ مند ہیں۔

فولادوالی غذائیں:۔

کلیجی، خوبانی، انڈا، مچھلی، سلاد، پیاز، گاجر، مولی، آلو بخارہ، پنیر، اناس، بندگوبھی، کھیرا، کھجور، سنگترہ، انگور، گندم، چقندر، سیب، ناشپاتی، یہ غذائیں چہرے کی سرخی، ہاتھ پاؤں کی حرارت طاقت اور عمدہ یادداشت کے لیے ضروری ہیں۔

کیلشیئم والی غذائیں:۔

دودھ، پنیر، دہی، سیب، خوبانی، بادام، گوبھی، گاجر، کھیرا، انجیر، انگور، لیموں، سلاد، زیتون، پیاز، سنگترہ، مونگ پھلی، آلو بخارہ، اناس، مولی، پالک، سویا بین، ٹماٹر، شلغم اور انڈا، یہ غذائیں بھی انسان کی ہڈیوں اور دانتوں کے لیے مفید ہیں۔ ریڑھ کی ہڈی کو یہ جھکنے نہیں دیتی بچوں کے لیے بہت ضروری ہیں۔

کلورین والی غذائیں:۔

کریم، پنیر، پالک، بکری کا دودھ، شلغم، انڈے کی سفیدی، مکھن، ٹماٹر یہ غذائیں قبض کشا بھی ہیں اور یہ موٹاپا کم کرنے میں بھی مددگار ہیں۔

آئیوڈین والی غذائیں:۔

مچھلی، جو، گندم، گاجر، گوبھی، کھیرا، چکوترہ، ٹماٹر مولی، یہ بھی جسم کوموٹاپے سے محفوظ رکھتی ہیں۔

میگنیشیم والی غذائیں:۔

لیموں، انجیر، کھیرا، گوبھی، آڑو، انڈے کی زردی، سیب، بادام، گاجر، ناریل، سلاد، پیاز، سنگترہ، چاول، آلو بخارا، مولی، شلغم، پالک، ٹماٹر، گندم یہ غذائیں اعصاب اور شریانوں کومضبوط بناتی ہیں انسان کوجوان رکھتی ہیں۔

خوراک کی کمی کے اسباب (Mal Nutritional Diseases)

Deficeincy Disease سے مراد وہ امراض ہیں جوخوراک کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں متوازن خوراک میں پروٹین کاربوہائیڈریٹ، نمکیات، وٹامن، چکنائی اور پانی کی مناسب مقدار ہوتی ہے متوازن خوراک میں کسی بھی ایک چیز کی کمی سے مختلف امراض پیدا ہوجاتے ہیں۔

پروٹین ہماری صحت کے لیے ہی نہیں بلکہ ہماری زندگی کے لیے بھی بہت ضروری ہیں ایک بالغ آدمی کے روزانہ کی خوراک میں تقریباً 22 گرام پروٹین ہونا لازمی ہے جبکہ بچوں کی خوراک میں اس کی مقدار سے تین گنا زیادہ ہونی چاہیے کیونکہ بچوں کے جسم میں پروٹینز کا ذخیرہ بالکل نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ Protiens کی کمی کی وجہ سے بچوں میں بہت سی بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں بعض حالات میں خوراک کی تو کمی نہیں ہوتی بلکہ چھوٹی آنت میں سوزش کی وجہ سے خوراک صحیح طور پر جذب ہوکر جزوبدن نہیں بن پاتی جس کے نتیجے میں مریض کمزور ہونے لگتا ہے وزن کم ہوجاتا ہے رنگت پیلی پڑ جاتی ہے بچوں کی نشوونما متاثر ہوتی ہے خون کی کمی ہوجاتی ہے وغیرہ جسم میں خوراک کی کمی کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔

کم خوراک کھانا Reduce Intake

ناقص انجذاب Mal-Absorbtion

غذا کی ضرورت کا بڑھ جانا Excessive Demand

Reduced Storage Facilities

جسم میں جگر کی خرابی کے باعث مختلف وٹامنز، آئرن، گلوکوز اسٹور نہیں ہوتا۔

دوست کا پیغام آئے

ملیحہ احمد

مونا شاہ، نورین مسکان اور زیبا مخدوم کے نام

السلام علیکم دوستوں آپ کے گہرے وعمیق مشاہدے کا آپ کی تحریروں سے بخوبی اندازہ ہوگیا اپنی تحریروں سے آپ نے آج کی نسل کو جن حقائق سے آشنا کرایا ہے اس کے لیے آپ قابل تحسین ہیں مونا شاہ قریشی موت کے خوف کی وجہ سے یہاں کی عورتیں اپنے بچوں کو آرمی میں نہیں بھیجتی بے شک آپ کا کہنا بجا ہے کہ ہم اپنے ملک کی حفاظت نہیں کریں گے تو دشمن ہمیں مٹادے گا اپنے ملک کا محافظ ہمیں خود بننا ہے جس طرح آپ نے اپنی تحریروں میں واضح کیا اگر ہر ماں کی سوچ ایسی ہوجائے تو وہ دن دور نہیں جب پاکستان دنیا میں روشن چاند کی طرح چمکے گا اور لوگ اس روشنی کو حیرت سے دیکھیں گے نورین مسکان واقعی ہم اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو نظر انداز کررہے ہیں ہم آزادی کا دن تو بہت جوش وخروش سے مناتے ہیں مگر آہ اس آزادی کی قدر نہیں کرتے ہیں اپنے جذبات، احساسات کو لفظوں کا پیراہن دے کر خوب صورتی سے کہانی کے سانچے میں ڈھالا بہت خوب جی۔ نورین مسکان، زیبا مخدوم آپ کا آرٹیکل ہم آزاد ہیں حجاب میں پڑھا لیکن تبصرہ نہ کرسکی چونکہ میں بھابی کے ساتھ ان کے میکے میں تھی اس لیے افراتفری کے عالم میں جو پڑھا وہی لکھا آپ کے آرٹیکل کے پیچھے جو مقصد کارفرما تھا اس مقصد کو اگر سب پاکستانی بخوبی سمجھ جائیں اور بھارتی مواد کا بائیکاٹ کردیں تو ان شاء اللہ پاکستان دنیا کا ترقی یافتہ ملک کہلائے گا اتنے زبردست آرٹیکل پر ڈھیروں مبارکباد، آپ کا آرٹیکل پڑھ کر بے ساختہ مجھے اپنی وہ تقریر یاد آئی جو اسکول میں 6 ستمبر کے موقع پر کی تھی جس میں میری پیاری ٹیچر مس رفعت نے کیپٹن علی احمد شہید کی ڈائری سے یہ اقتباس ایڈ کیا ہوا تھا جو کہ کچھ آپ کے آرٹیکل کی ترجمانی کرتا ہے آپ سب بہنوں کی نذر کرنا چاہوں گی

کیا ضروری تھا کہ میں فوج میں آتا میری عمر کے بہت سے لڑکے یونیورسٹیز اور کالجز میں پڑھ رہے ہوں گے اور میں بائیس سال کی عمر میں اگلے کچھ دنوں میں اپنے سینے پہ گولی کھاکے اس دنیا سے دور ہوجاؤں گا کس کے لیے؟ ان لوگوں کے لیے جو غازیوں اور شہیدوں کے بجائے سنگرز کو اہمیت دیتے ہیں جو اس ملک کے دشمنوں کی فلمز اور ڈرامے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں جو یہ تک سن نہیں سکتے کہ ہم نے موت کو کہاں جاکر دیکھا صرف اس لیے کہ ان لوگوں کے عیش وآرام پر کوئی حرف نہ آئے۔

اللہ ہمارے ملک کو اپنے حفظ و امان میں رکھے، آمین۔ اللہ حافظ۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

فرینڈز کے نام

السلام علیکم! سجنو تے متروسب نوں۔ نئے سال دی مبارک ہووے دل کھول کے قبول کرو جٹ کھلے دل دے مالک ہوندے تسی سارے دی تھوڑا دل وڈا کرلو۔ طاہر برو واپس آجاؤ اب تو' آفی مائی بیسٹ فرینڈ شپ گریٹ او' منچن آباد والوں تسی سارے بڑے چنگے' او۔ پروین آپی' مدیحہ نورین' نورین انجم' آنی ارم کمال' مبارک ہووے نئے سال دی تہانوں۔ رقیہ ناز' شائستہ جٹ' تمنا بلوچ' گل مینا' آمنہ رحمٰن' حور خان' نرمین سرھیو' ماورا طلحہ' طیبہ خاور' ملالہ اسلم' کوئل مینا جی سلام قبول نال نیو ائیر دی مبارک وی۔ آنچل اسٹاف' پاک آرمی تہانوں وی مبارک ہووے نیو ائیر دی' میرے تمام ریلیٹوز تہانوں وی (غصہ نہ رہو' ہنسو موجیں مارو)۔ نازیہ کنول نازی' عشنا کوثر جی بڑے خاص اوتسی جی۔ صباء ایشل' سحرش فاطمہ' نجم انجم' نورین مسکان' انیلا طالب' فرحت اشرف' عائش کشمالے' ماریہ کنول' فائزہ بھٹی

اینڈ سمیرا سواتی کیسی چل رہی ہو لائف۔ سب آنچل فرینڈ جن کے نام نہیں لکھ سکی او غصے نہ ہوون' اووی مینوں یاد وا۔ پنجابی بھرا خط کھیا لکیا ضرور دسیو جی۔ بس ملیحہ جی تسی لگا ضرور دیجیو (مہربانی) ہور سناؤ فرینڈز؟ آج کل کی ہو ریا اے جے کوئی اقرا جٹ نوں وتی تے قابل سمجھے تاں ست بسم اللہ جی۔ مینوں دعاواں وچ یاد رکھیا کرو جی ایساں بڑے گناہ گار بندے آں جی' تہاڈے صدقے ساڈی بخشش ہو جائے گی' ہن دیو اجازت رب دے حوالے۔

اقرا جٹ......منچن آباد

پیاری بھابی نیلم شاہ کے نام

سیکنڈ فروری کو ہماری بھابی کا برتھ ڈے ہے' منی منی ہیپی برتھ ڈے ٹو یو' ہمیشہ خوش رہو' زندگی میں کبھی بھی کوئی دکھ نہ ملے' آمین۔ پیاری بھابی آپی سمیرا' معظمہ' مریم' ماریہ اینڈ عظمیٰ ایک دن بیٹھی ہوئی تھیں تمہاری برتھ ڈے پلاننگ کرنے میں یہ سب آئیڈیا دیتی رہی میں سنتی رہی سب کو خاموش کرا کے میں نے کہا سارے آئیڈیاز گفٹ ایک طرف آنچل وحجاب میں برتھ ڈے وش کرنے کا گفٹ ایک طرف ہے' ہم اپنی بھابی کو آنچل میں وش کرتے ہیں سب خوشی خوشی مان گئیں' آئی ہوپ اب ہماری بھابی کو ہمارا گفٹ اچھا لگے گا۔ میرے بابا جان اور تمہارے (سسر) کہہ رہے ہیں میری پہلی بہو سالگرہ مبارک ہو' اللہ تمہیں صحت دے' ہماری ماما اور آپ کی (ساس) کہہ رہی ہیں' میری بیٹی ہمیشہ پھولوں کی مہکتی رہو' خوش رہو' آباد رہو اور تمہیں پتا ہے ہماری ماما زیادہ ڈائیلاگ نہیں مارتیں آپ کے چھوٹے دیور صاحب کہہ رہے ہیں بھابی جی جنم دن مبارک ہو' آپ کا گفٹ ڈیو ہے ہمارے بگ بی اور آپ کے سرتاج بلال اجمل کہہ رہے ہیں میری پری سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ آج کے دن یہ ہی کہتا ہوں تمہیں ہمیشہ خوش رکھوں گا' ہر وش پوری کروں گا' زندگی کے ہر سفر میں تمہارا ہی ہمسفر رہوں گا' ان شاء اللہ سارے آنچل فرینڈز میری بھابی کو برتھ ڈے وش کریں اور دعائیں دیں۔ اجازت چاہتے ہیں دعاؤں میں یاد رکھیے گا' صرف تمہاری سسرال والے۔

عظمیٰ' سمیرا' معظمہ' ماریہ اینڈ مریم......سمندری

ہیپی نیو ائر

السلام علیکم! آنچل وحجاب کی تمام پڑھنے لکھنے والی بہنوں' دوستوں' رائٹرز ہمیشہ خوش رہو' شاد رہو' آمین۔ اس مختصر سی زندگی میں' میں نے بہت سی دوستیں بنائیں' کچھ خاص' کچھ بہت ہی خاص۔ کچھ دوست بہت ہی پیارے کچھ کے مزاج آوارہ' کچھ شہر چھوڑ گئے' کسی نے گھر بدل لیا تو کسی نے دل بدل لیا۔ کسی نے مجھے چھوڑ دیا تو کسی کو میں نے چھوڑ دیا۔ کچھ دوستوں سے رابطہ ہے کچھ سے بالکل نہیں ہے۔ کوئی اپنی انا کی وجہ سے رابطہ نہیں کرتے تو کہیں میری انا مجھے روکتی ہے۔ وہ سب جیسے بھی ہیں' جہاں بھی ہیں' میں اب بھی ان کو چاہتی ہوں کیونکہ میں نے ان کے ساتھ زندگی کے یادگار دن گزارے ہیں تم سب جیو ہزاروں سال۔ میرے ساتھ بھی اور میرے بغیر بھی اور میرے بعد بھی' ہیپی ہیپی نیو ائر۔ سب دوستوں کو نیا سال مبارک ہو' اگر کوئی غلطی ہوئی ہو تو معاف فرمائیے گا۔

ہوگی ملاقات اگر زندگی نے وفا کی فراز
ورنہ بخش دینا جو ہم نے خطا کی

اُم فاطمہ......کراچی

خدیجہ احمد

موسم کے لحاظ سے کپڑوں کی خریداری

بعض کپڑے صرف سردیوں میں استعمال ہوتے ہیں ان میں کوٹ سویٹر اور گرم شالیں وغیرہ شامل ہیں ان کو ہر سال خریدنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی اگر ایک دفعہ خرید لیے جائیں تو تین چار سال تک چل جاتے ہیں ان کی خریداری میں آپ ایک بات کا دھیان رکھیں وہ یہ کہ آپ ایسا ڈیزائن منتخب کریں جو دو تین سال کے استعمال میں موجود فیشن کے قریب رہے تین چار سال تک اب اس بڑے خرچ سے محفوظ ہو جائیں گی اس بچائی ہوئی رقم سے آپ کوئی اور چیز خرید سکیں گی یا پھر اس رقم کو آپ اپنی بچت میں شمار کر سکیں گی، اونی کپڑا یا اون خریدتے وقت دیکھیں کہ کپڑا رنگ لگنے سے محفوظ ہو بناوٹ ڈیزائن اور رنگ بھی موزوں ہو۔ گرمیوں میں عام طور پر ہلکے کپڑے استعمال ہوتے ہیں جو کہ نسبتاً کم پائیدار ہوتے ہیں گرمیوں کے لیے ہلکا پھلکا لباس ہی موزوں رہتا ہے گرمیوں میں جسم کے ساتھ چپکنے والے کپڑے پہننے والے اور دیکھنے والوں دونوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔

کون سا رنگ آپ کے لیے مناسب ہے؟ کیا آپ نے کبھی محسوس کیا ہے کہ بعض رنگ پہن کر آپ خود کو ٹھنڈا اور بعض رنگ پہن کر آپ خود کو گرم محسوس کرتی ہیں؟ شاید آپ نے یہ بھی محسوس کیا ہو کہ بعض رنگ پہن کر آپ اپنے تئیں لمبی یا بڑی محسوس کرنے لگتی ہیں اور بعض رنگ آپ کو چھوٹا کر کے دکھاتے ہیں ان سب باتوں کا تعلق رنگوں کی خصوصیات سے ہے جب آپ سوچ سمجھ کر اپنی شخصیت سے ہم آہنگ رنگ استعمال کرتی ہیں تو اس کا اثر خوشگوار پڑتا ہے اور اگر آپ بغیر سوچے ہوئے یا بغیر کسی تردد کے کہ وہ رنگ آپ کے مزاج یا شخصیت سے میل کھاتا بھی ہے یا نہیں اسے پہن لیتی ہیں تو اچھے خاصے خوبصورت لباس دیکھنے میں بھدے معلوم ہوتے ہیں، رنگ اپنی خصوصیات کے باعث گرم یا سرد تاثرات ہیں اس لحاظ سے سرخ اور نارنجی رنگ نہایت گرم اور نیلے بنفشئی رنگ نہایت سرد تاثر کے حامل ہوتے ہیں جب آپ اپنے لباس کے لیے رنگ کا انتخاب کریں تو اس بات کو ضرور ذہن میں رکھیں تا کہ آپ موسم کی نسبت سے رنگوں کا انتخاب کر سکیں سرخی یا پیلاہٹ والے رنگوں کو ''پیش قدمی'' کرتے ہوئے رنگ (Colours Advancing) کہا جاتا ہے اور نیلاہٹ اور سبزی مائل رنگوں کو پیچھے ہٹنے والے یا ''گریزپا'' رنگ (Colours Receding) کہتے ہیں اگر آپ تصور کریں تو پیش قدم رنگوں کا مشاہدہ متعلقہ چیزیں آپ کو نزدیک دکھاتا ہے اور وہ شے آپ کو بڑی نظر آتی ہیں برخلاف اس کے گریزپا رنگوں کی چیزیں دور ہٹتی دکھائی دیتی ہیں نتیجے کے طور پر چھوٹی نظر آتی ہیں اس اعتبار سے اپنے سائز جسامت یعنی قد وقامت کے لحاظ سے اپنے لباس کے لیے رنگ منتخب کرنا ضروری ہے رنگ کا ہلکا یا گہرا پن سائز کو متاثر کرتا ہے گہرے رنگ سائز کو گھٹا کر پیش کرتے ہیں جب کہ ہلکے رنگ سائز کو بڑھاتے ہیں مثال کے طور پر اگر آپ سفید یا ہلکے رنگ کا جوتا پہنیں تو آپ کے پاؤں بڑے لگتے ہیں بہ نسبت اُس کے جب آپ گہرے یا سیاہ رنگ کا جوتا پہنے ہوئے ہوں کالے رنگ کی قوت انجذاب اور سفید رنگ کی قوت کا انعکاس دونوں جلد کی رنگت پر قابل ذکر اثر چھوڑتی ہیں گہرے رنگ کے لباس میں آپ کا رنگ ماند پڑ جائے گا ہلکے رنگ کے لباس سے رنگ نکھر آتا ہے یہ سب رنگوں کی مذکورہ صفات کا کھیل ہے۔

بستر کی چادریں اور تکیوں کے غلاف

بستر کی چادروں کا انتخاب بھی ایک پیچیدہ مسئلہ ہے ایک چادر استعمال کرنے والے کو آرام پہنچاتی اور بستر کے دوسرے کپڑوں کی حفاظت کرتی ہیں لہٰذا لمبائی میں ایک

چھوٹی چادر یہ مقصد حل نہیں کرسکتی یکساں لمبائی اور چوڑائی کی چادریں بہتر رہتی ہیں چادر سائز میں اتنی بڑی ہونی چاہیں کہ بستر کے نیچے کم از کم ۴/۱ گز تک دبائی جاسکے اگر آپ ان سلی چادر خریدیں تو دو انچ کپڑا ازائد سکڑنے کے لیے اور کنارے موڑنے کے لیے بھی فالتو کپڑا خریدیں عموماً تین گز لمبی چادر موزوں رہتی ہیں ننانوے انچ لمبی چادر بنانے کے لئے ایک سو آٹھ انچ کپڑا خریدیں بعض صورتوں میں بنی بنائی چادروں کے سکڑنے سے محفوظ ہونے کی گارنٹی دی جاتی ہیں۔ایک مفرد پلنگ کے لیے 63x108 انچ طول عرض کی چادر مناسب ہے بعض اوقات زیادہ چوڑی چادر پسند کی جاتی ہیں اس صورت میں 90x108 سائز کی چادر درست رہے گی چادروں کے سائز کے متعلق معلومات و واقفیت بہ آسانی حاصل کی جاسکتی ہیں غیر موزوں چوڑائی غیر تسلی بخش ثابت ہوگی اور ضروریات سے زیادہ چوڑائی اور چادروں میں کپڑا ضائع ہوگا اس لیے درست اور مطلوبہ سائز کا تعین کرنا نہایت ضروری ہوں، چادروں کے لیے سوتی اور لینن دونوں طرح کا کپڑا دستیاب ہے لیکن لینن کی چادروں کے سیٹ (تکیے کے غلاف سمیت) کی قیمت سوتی سیٹ سے زیادہ ہوگی سستا ہونے کے باوجود سوتی کپڑا ہر لحاظ سے بہتر رہتا ہے،سوتی کپڑا تین قسم کا دستیاب ہے لٹھا سوتی اور کھدر پائداری اور بنتی اور دو اہم اور غور طلب خصوصیات ہیں بناوٹ اس لیے اہم ہے کہ چادر پر سونے والا شخص براہ راست اور بالواسطہ طور پر اس کا اس لمس محسوس کرتا ہے چادریں ہمیشہ پائدار کپڑے کی بنانی چاہییں کیونکہ ان کی دھلائی بکثرت کی جاتی ہیں عمدہ کوالٹی کے ریشے سوت موزوں بناوٹ اور پائیداری سے تیار کیے ہوئے کپڑے میں تمام پسندیدہ صفات موجود ہوں گے اور کپڑے کی بناوٹ بھی کامل اور بے عیب ہوگی۔عام معمولی کے موافق چادریں ایک کنارے سے تین انچ اور دوسرے کنارے سے ایک انچ اندر مڑی ہوتی ہیں یا پھر یہ تناسب دو انچ اور چار کا ہوتا ہے لیکن بہتر ہے کہ آپ ایسی چادریں خریدیں جن میں دونوں اطراف برابر مڑی ہوئی ہوں کیونکہ اس طرح چادر کسی خاص خاص جگہ سے مسلسل نہیں گھستی بلکہ اس کی اطراف کو بدل بدل کر استعمال کیا جاسکتا ہے تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ چادر کندھوں کے لمس کے مقام سے جلد پھٹتی ہے اس لیے چادروں کو یکساں طور پر استعمال کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، چادروں کا کپڑا اگر تھان سے اتروانا ہو تو پھاڑنے میں صرف شدہ طاقت اور آواز کی طرز سے بھی کپڑے کی پائداری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس کے علاوہ وزن میں قدرے بھاری چادریں عموماً زیادہ عرصے تک چلتی ہیں چادر کی کوالٹی میں اولین چیز دھاگے کی یکسانیت ہے یعنی کپڑے میں موٹی باریک تاریں موجود نہ ہوں اور نہ ہی جگہ جگہ گانٹھیں سی پڑی ہوں کپڑے کی کنی مضبوط گنجان اور چست بنائی کی ہو ہیم بالکل سیدھی ہونی چاہیے اور ہیم کی سلائی بھی ہموار اور یکساں کی گئی ہو عام طور پر ۱۴ ٹانکے فی انچ سلائی میں ہونے چاہییں۔تکیے کے غلاف بھی تقریباً اسی کپڑے سے تیار کیے جاتے ہیں جس سے چادریں بنائی جاتی ہیں آپ یہ ریڈی میڈ بھی خرید سکتی ہیں اور کپڑا خرید کر گھر پر بھی سی سکتی ہیں تکیے کے غلاف کی لمبائی ہمیشہ کپڑے کے تانے کے رخ رکھیں ورنہ غلاف جلد پھٹ جاتے ہیں ریڈی میڈ غلاف عموماً چھتیس انچ لمبے ہوتے ہیں لیکن ان کی چوڑائی مختلف ہوتی ہیں اس لیے اپنے تکیے کی لمبائی چوڑائی سے ایک انچ زائد خریدیں تاکہ سکڑنے کی صورت میں غلاف تنگ نہ ہوجائے۔